چونکا دینے والی خوفناک کہانیاں
ماہنامہ
ڈر
ڈائجسٹ
کراچی
مارچ 2013
PDFBOOKSFREE.PK

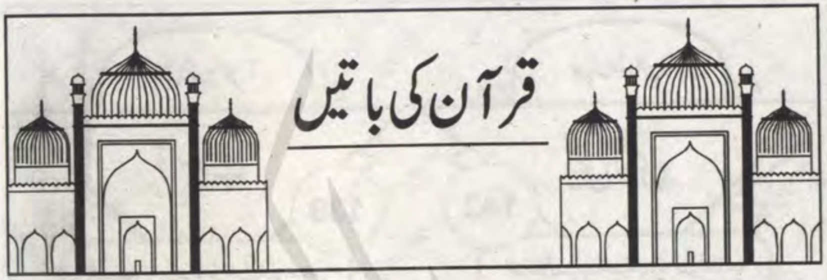

قرآن کی باتیں

☆ کہہ دو کہ اللہ کی ہدایت یعنی دین اسلام ہی ہدایت ہے۔(سورۃ بقرہ 2 آیت 120)

☆ اے پیغمبر کہہ دو کہ ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے۔(سورۃ آل عمران 3 آیت 73)

☆ تو جس شخص کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے، اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے اس طرح اللہ ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے، عذاب بھیجتا ہے۔(سورۃ انعام 6 آیت 125)

☆ اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھاتا۔(سورۃ یونس 10 آیت 25)

☆ کہہ دو کہ لوگو تمہارے رب کے ہاں سے تمہارے پاس حق آ چکا ہے تو جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے تو ہدایت سے اپنے ہی حق مین بھلائی کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور میں تمہارا وکیل نہیں ہوں۔(سورۃ یونس 10 آیت 108)

☆ جو شخص ہدایت اختیار کرتا ہے تو اپنے لئے اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے تو گمراہی کا ضرر بھی اسی کو ہوگا اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں، عذاب نہیں دیا کرتے۔(سورۃ بنی اسرائیل 17 آیت 15)

☆ جس کو اللہ ہدایت دے وہ ہدایت یاب ہے۔ اور جس کو گمراہ کرے، تو تم اس کے لئے کوئی دوست راہ بتانے والا نہ پاؤ گے۔(سورۃ کہف 18 آیت 17)

☆ کہہ دو کہ جو شخص گمراہی میں پڑا ہوا ہے اللہ اس کو آہستہ آہستہ مہلت دیئے جاتا ہے یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، خواہ عذاب اور خواہ قیامت تو اس وقت جان لیں گے کہ مکان کس کا برا ہے اور لشکر کس کا کمزور ہے اور جو لوگ ہدایت یاب ہیں، اللہ ان کو زیادہ ہدایت دیتا ہے اور نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں، وہ تمہارے رب کے صلے کے لحاظ سے خوب اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں۔(سورۃ مریم 19 آیت 75 سے 76)

☆ جس کو اللہ روشنی نہ دے، اس کو کہیں بھی روشنی نہیں مل سکتی۔(سورۃ نور 24 آیت 40)

☆ مگر جو ظالم ہیں، بے سمجھے اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں تو جس کو اللہ گمراہ کرے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔(سورۃ روم 30 آیت 29)

☆ اور جس کو اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جس کو اللہ ہدایت دے، اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔(سورۃ زمر 39 آیت 36 سے 37)

☆ اور جس شخص کو اللہ گمراہ کرے تو اس کے بعد اس کا کوئی دوست نہیں۔ (سورۃ شوریٰ 42 آیت 44)

☆ اور جس کو اللہ گمراہ کرے اس کے لئے ہدایت کا کوئی رستہ نہیں۔(سورۃ شوریٰ 42 آیت 46)

☆ قسم نفس انسانی کی اور اس ذات کی جس نے اس کے اعضا کو برابر کیا پھر اس کو بدکاری سے بچنے اور پرہیزگاری کرنے کی سمجھ دی یقیناً وہ فلاح پا گیا جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔(سورۃ شمس 91 آیت 7 سے 9)

☆ مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو جب تک ان الفاظ کو جو منہ سے کہو، سمجھنے نہ لگو، نماز کے پاس نہ جاؤ۔(سورۃ نسا 4 آیت 32)

☆ لوگو اپنے رب سے ڈرو کہ قیامت کا زلزلہ ایک حادثہ عظیم ہے۔ اے مخاطب جس دن تو اس کو دیکھے گا اس دن یہ حال ہوگا کہ تمام دودھ پلانے والی عورتیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر پڑیں گے اور لوگ تجھ کو متوالے نظر آئیں گے مگر وہ متوالے نہیں ہونگے بلکہ عذاب دیکھ کر مدہوش ہو رہے ہوں گے، بے شک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔(سورۃ حج 22 آیت 1 سے 2)

☆ اور ہدایت کی کہ بیٹا ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا اور میں اللہ کی تقدیر تو تم سے نہیں روک سکتا۔ بے شک حکم اسی کا ہے میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اہل توکل کو اسی پر بھروسہ رکھنا چاہئے اور جب وہ ان ان مقامات سے داخل ہوئے جہاں جہاں سے داخل ہونے کے لئے باپ نے ان سے کہا تھا تو وہ تدبیر اللہ کے حکم ذرا بھی ٹال نہیں سکتی تھی ہاں وہ یعقوبؑ کے دل کی خواہش تھی جو انہوں نے پوری کی تھی اور بے شک وہ صاحب علم تھے کیونکہ ہم نے ان کو علم سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔(سورۃ یوسف 12 آیت 67 سے 68)

☆ اور کافر جب یہ نصیحت کی کتاب سنتے ہیں تو یوں لگتے ہیں کہ تم کو اپنی نگاہوں سے پھسلا دیں گے اور کہتے ہیں کہ یہ تو دیوانہ ہے اور لوگو یہ قرآن اہل عالم کے لئے نصیحت ہے۔(سورۃ قلم 68 آیت 51 سے 52)

☆ اور جس شخص نے ایمان چھوڑ کر اس کے بدلے کفر لیا وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔(سورۃ بقرہ 2 آیت 108)

(کتاب کا نام "قرآن مجید کے روشن موتی" بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

www.pdfbooksfree.pk

خطوط

نوشین خان کوٹ مظفر میلسی سے، نیا شمارہ ستائیس تاریخ کو ملا۔ سرورق بہت اچھا اور جاذب نظر تھا۔ سب سے پہلے حسب معمول اسلامی باتیں پڑھیں۔ پھر کہانیوں کی وادی میں چھلانگ لگائی۔ تین ماہ سے آپ مجھے مسلسل نظر انداز کر رہے ہیں۔ میں خط تواتر سے ارسال کرتی ہوں اور آپ شائع ہی نہیں کرتے۔ وجہ ضرور جاننا چاہوں گی۔ پلیز ایسا مت کیا کریں۔ دل ٹوٹ جاتا ہے۔ امید ہے کہ آئندہ خیال رکھیں گے۔ سب سے پہلے عمران قریشی کی اسٹوری لگام کا مطالعہ کیا جو کہ سوسو تھی۔ پھر ایس امتیاز کی جنات کا مہمان پڑھی۔ انجام ساجدہ راجہ کی اچھی کہانی تھی۔ ساجدہ جی اگر میں آپ سے دوستی کی ریکویسٹ کروں تو کیا آپ دوست بنیں گی میری......؟ ضرور بتایئے گا۔ خودی کا قاتل سمجھ سے بالاتر تھی۔ رولو کا اچھی تھی مگر اس میں جذباتی مناظر بہت تھے۔ بھیانک سزا گزارا ٹائپ تھی۔ خونی جوکر انگلش فلموں سے ماخوذ لگتی تھی۔ آسیبی معمہ......وارث آصف کی کہانی میری خالہ زاد کی آپ بیتی تھی جو میں نے وارث آصف کو فون پر سنا کر گزارش کی تھی کہ اسے حرف بہ حرف ارسال کریں۔ انہوں نے اسے اسی مشکل میں ڈھالا جس پر میں ان کی شکر گزار ہوں۔ روح بیتی اچھی کہانی تھی۔ بدروح پیکر بس ٹھیک تھی۔ سنہری تابوت بھی اچھی تھی۔ مغرور ٹھیک نہیں تھی۔ تابوت جاسوسی کہانی کی تحریم شدہ شکل تھی۔ نقشہ اچھی کہانی تھی۔ اگر طویل ہوتی تو مزہ آتا۔ بندرا مورتی زبردست تحریر تھی۔ ڈرکا مختصر سی اور مزے دار اسٹوری تھی۔ بلیک ٹائیگر پر نو کمنٹس، ذرا سی بات دل کو لگی۔ پہاڑی کے جن واقعی تعریف کے لائق تھی۔ اپنی غزل شائع کرنے پر مشکور ہوں۔

☆☆ نوشین صاحبہ: آپ یقین کریں کہ ہم کسی کا بھی خط ضائع نہیں کرتے اگر خط ہم تک نہیں پہنچے تو ہمارا کیا قصور۔ اگر کوئی خط دیر سے موصول ہوتا ہے تو وہ بھی آئندہ شمارے میں شامل اشاعت ہو جاتا ہے۔ امید ہے آپ مائنڈ نہیں کریں گی اور نوازش نامہ ضرور ارسال کریں گی۔

افشاں رمضان پنڈ دادنخان سے، السلام علیکم! آپ سب کو خوشیوں بھرا 2013ء بہت مبارک ہو۔ حنوط شائع کرنے اور حنوط کو پسند کرنے والے تمام لوگوں کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے قوی امید ہے کہ حنوط کہانی پڑھنے والوں کو پسند آئی ہوگی۔ اس کے علاوہ شمارے کی دیگر کہانیاں اپنی مثال آپ تھیں۔ آج کل زیادہ تر رائٹر حضرات بڑی محنت سے اپنی کاوشیں ارسال کر رہے ہیں اور ان کی محنت کہانیوں میں جھلکتی نظر آتی ہے۔ ایک ریکویسٹ تھی وہ یہ کہ ڈر میں ''مختصر کہانیوں'' کا سلسلہ جلدی شروع کیا جائے تاکہ چھوٹے رائٹرز کو بھی آگے آنے کا موقع ملے میری غزل کی اشاعت کے لئے شکریہ۔ ساجدہ راجا، عاصمہ رمضان، عروج، سنبل، مدثر بخاری، احسان سحر، محمد اسلم کی غزلیں اچھی رہیں۔ کہانی ارسال خدمت ہے۔ امید ہے حوصلہ افزائی کر کے ضرور شکریہ کا موقع دیں گے۔

☆☆ افشاں صاحبہ: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے تھینکس۔ چلئے خوش ہو جایئے آپ کی نیلی کوٹھی شامل اشاعت ہے اور اب نئی کہانی کا شدت سے انتظار ہے۔ امید ہے، بہت جلد شکریہ کا موقع دیں گی۔

نورین اعظم راولپنڈی سے، السلام علیکم، امید ہے کہ ڈر ڈائجسٹ روز و شب ترقی کی طرف رواں دواں ہو۔ تمام رائٹرز کو میری طرف سے سلام، 27 جنوری کو ڈر کا نیا شمارہ ملا، ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے قران کی باتیں پڑھیں، جلدی سے چھلانگ لگاتے ہوئے خطوط کی طرف دوڑی اپنا نام دیکھ کر جو خوشی اور مسرت مجھے ملی ہے اسے میں بیان کرنے سے قاصر ہوں بہت بہت شکریہ امید ہے آئندہ بھی ایسی ہی خوشی ملے گی۔ کہانی شائع نہ ہو سکی ارمانوں پر اوس پڑ گئی پھر دل بہلانے کے لئے سوچا چلو غزل تو شائع ہو گئی ہوگی مگر جب دیکھا تو وہاں میرا نام نہ تھا۔ پلیز اسے شائع کر دیں۔ چلو خیر مگر آپ نے خط شائع کر کے میرا دل باغ باغ کر دیا۔ اتنی مایوسی نہیں ہوئی۔ امید ہے کہ آئندہ بھی مجھے یاد رکھیں گے۔ ایک کہانی اور ایک اشعار بھیج رہی ہوں۔ امید ہے کہ اسے شائع کریں گے اور میرا دل نہیں توڑیں گے ابھی صرف سنہری تابوت اور رولو کا پڑھی ہے اس لئے کہانیوں پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں، پلیز یہ کہانی میں نے بہت محنت اور لگن سے لکھی ہے اگر اس میں کوئی غلطی ہے تو پلیز اسے ٹھیک کر کے شائع ضرور کیجئے گا

www.pdfbooksfree.pk

نہیں تو میرا دل ٹوٹ جائے گا آپ نے مجھے جو خط شائع کر کے حوصلہ دیا ہے میں چاہتی ہوں کہ میں ہر ماہ ڈر ڈائجسٹ میں لکھنے کی سعادت حاصل کروں آپ کا شکریہ پلیز اسے ضرور شائع کریں میں نے پہلے بھی ایک کہانی بھیانک سزا بھیجی تھی اس کے بارے میں بتایئے گا کہ وہ آپ کو کیسی لگی اگر آپ کہانی شائع نہیں کریں گے تو شاید میں پھر کہانی لکھنے کا حوصلہ نہ کر پاؤں اب یہ آپ پر ہے، اللہ آپ سب کو ترقی دے۔ آپ مجھے خط کی آخری تاریخ بھی بتا دیں کہ میرا خط ہر ماہ وقت پر پہنچ جایا کرے۔ شکریہ۔

☆☆ نورین صاحبہ: ہم بھی آپ کی خوشی میں خوش ہیں۔ بھیانک سزا بہت ہی چھوٹی ہے اس سے بڑی انوکھا تعلق، آئندہ آپ کم از کم دس بارہ صفحات کی کہانیاں ارسال کیجئے گا، ہماری کوشش ہوگی کہ آئندہ ماہ انوکھا تعلق شائع ہو، غزل شامل اشاعت ہے، خط کی تاریخ ہر ماہ چھ سات تاریخ تک موصول ہو جائے۔ شکریہ۔

سنبل طہٰ سرگودھا سے، آداب، ڈر کا کرنٹ شمارہ 5 تاریخ کو ملا، سب سے پہلے خطوط میں اسمارہ نوشین، بلقیس خان اور محمد آصف شہزاد کا شکریہ، کائنات بلوچ کو بھی آپ سے یہ شکایت ہے کہ خط کاٹ کر کیوں شائع کیا جاتا ہے۔ کہانیوں میں حنوط کا کوئی جواب نہ تھا۔ محافظ، تابوت کہانی، ہولناک رات، گمشدہ مسافر بھی اچھی تھی۔ موت کے رنگ ٹھیک نہیں تھی۔ غزلوں میں میری غزل کی اشاعت کے لئے تھینکس، آستر، عاصمہ، افشاں، عروج، محمد آصف شہزاد، ایس امتیاز احمد اور غلام نبی نوری کے کلام بہت زبردست تھے۔ ایک ریکویسٹ تھی کہ کوئی ایسا سلسلہ بھی شامل کریں جس میں رائٹرز کے بارے میں جانا جا سکے۔ مطلب انٹرویوز کا سلسلہ۔ میں مختصر واقعات بھیج رہی ہوں آپ اپنے مختصر مختصر واقعات والے سلسلے میں شامل کر لیجئے گا۔ کچھ آرٹیکلز اور غزلیں بھیج رہی ہوں۔ پلیز جلد شائع کیجئے گا۔ اب اجازت چاہوں گی۔ امید ہے میرے خط اور آرٹیکلز کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ اللہ حافظ۔

☆☆ سنبل صاحبہ: خطوط کے لئے چند صفحات محدود ہیں، لہٰذا سب کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اصل مقصد شائع کر دیا جاتا ہے۔ آپ سب کی غزلیں اور اشعار متواتر شائع ہو رہے ہیں۔ مختصر کہانیوں اور انٹرویو کا سلسلہ عنقریب شروع کیا جائے گا۔ آئندہ بھی نوازش نامہ کا انتظار رہے گا۔

بلقیس خان پشاور سے، السلام علیکم، ڈر کا ماہ فروری کا شمارہ جنوری کی 21 تاریخ کو مل گیا۔ سب سے پہلے ٹائٹل کو سرسری دیکھا۔ ٹائٹل ونڈرفل تاثر دے رہا تھا۔ اس کے بعد قرآن کی باتوں سے دل کو منور کیا۔ خطوط میں اپنا خط دیکھ کر دلی خوشی ہوئی۔ سب دوستوں کے خطوط زبردست انوکھے اور خوب صورت تھے۔ رضیہ عارف صاحبہ واقعی آپ درست فرما رہی ہیں۔ پشاور شہر کے حالات بھی کراچی کی طرح دگرگوں ہیں۔ بس دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم کرے۔ فاریہ تبسم، پرنسز ڈی، انوری رمضان کو اور ایس حبیب خان، عاصمہ رمضان اور رفعت محمود کو، پیار سے بھرپور سلام قبول کو۔ آپ نئے رائٹرز کو حوصلہ دیتے ہیں۔ عثمان غنی کے شعر نے متاثر کیا۔ غزلوں اور نظموں میں احسان سحر کی غزل اور ساجدہ راجا کی نظم نے متاثر کیا۔ کہانیوں میں سب سے پہلے ییناش پڑھی۔ ویلڈن کہانی واقعی ابتدائی صفحات کے قابل تھی۔ دوسرے نمبر پر واصل جہنم رہی۔ مگر کہانی بڑی تھی اور رائٹرز کی مضبوط گرفت کی وجہ سے اچھی لگی۔ شائستہ جی قاتل نے تیسرا نمبر لے لیا۔ باقی سب دوستوں کی کہانیاں زبردست رہیں۔ قسط وار اسٹوریز میں بلیک ٹائیگر نے اس بار بازی پلٹ دی۔ البتہ اس بار مغربی کہانیاں زیادہ تھیں۔ البتہ ایس امتیاز احمد کی شیطانی کھوپڑی اور عابد علی کی خلا سے واپسی زبردست کہانیاں تھیں۔ باقی ڈر کے لئے دعا گو۔

☆☆ بلقیس صاحبہ: بہت بہت شکریہ، آپ قلبی لگاؤ سے خط لکھتی ہیں۔ تعریفی الفاظ کے لئے شکریہ، آپ کی کہانی دیوی ضرور شائع ہوگی، تھوڑا انتظار کر لیں پلیز!

فاریہ تبسم ٹھینگ موڑ قصور سے، ڈر کے تمام رائٹرز، اسٹاف، قاریوں، لکھاریوں کو میری طرف سے بہت بہت سلام قبول ہو۔ نیا شمارہ بہت لیٹ ملا۔ قرآن کی باتیں زبردست تھیں۔ خطوط میں اپنا خط دیکھ کر مسرت ہوئی۔ بلقیس خان، رضیہ خان، نورین اعظم، ساجدہ راجا، انوری رمضان، غلام نبی نوری، پرنسز ڈی اور عاصمہ رمضان کے خطوط دیکھ کر دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ کہانیوں میں رولو کا بیسٹ آف دی منتھ تھی۔ زندگی، ہیروئن، قاتل، خلا سے واپسی، واصل جہنم، سیاہ بھوت، خونی پاؤں، کلون، دل کے رشتے اور جادوگر بہت اچھی تھیں۔ لمبے بال اس سے پہلے ایک اور رسالے میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ قوس قزح میں اقصیٰ رباب، فریدہ خانم، مریم ماہ منیر، محمد ذاکر اور محمد وارث آصف کے کلام اچھے تھے۔ آخر میں سب کے لئے ڈھیروں سلام۔

☆☆ فاریہ صاحبہ: کہانیوں کی تعریف اور خط لکھنے کے لئے تھینکس، آئندہ ماہ بھی آپ کے نوازش نامہ کا بہت انتظار رہے گا۔

انوری رمضان پنڈ دادنخان سے، ڈر کے تمام رائٹرز اور ڈر کی پوری ٹیم کو میرا اسلام! اب چلتے ہیں آگے، سب سے پہلے آپ سب کا میں شکریہ ادا کرتی ہوں کہ میری غزل اور خط ڈر میں شامل ہوا۔ کہانیوں میں اپنی کہانی نہ پا کر مایوسی ہوئی، خیر کمرے کا آسیب، گمشدہ، آ گہی کا سفر، سنہری تابوت، منحوس الو اور پراسرار ہوٹل اچھی تھی۔ جن رائٹرز نے میری ''سچی پکار'' کو پسند کیا ان کا شکریہ۔ قوس قزح میں سنبل ماہین طہٰ، افشاں رمضان اور عاصمہ رمضان اور غلام نبی نوری کی غزلیں پسند آئیں۔ ایڈیٹر صاحب میں ایک اور کہانی ارسال کر رہی ہوں، پسند تو یقیناً آئے گی۔ اشاعت ذرا جلدی کیجئے گا۔

☆☆ انوری صاحبہ: آپ کی کوئی اور کہانی ہمارے پاس موجود نہیں۔ آپ پلیز! ذرا جلدی سے نئی کہانی ارسال کردیں۔ خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے ڈر کو نہ بھولنے کے لئے شکریہ قبول کیجئے۔

ریحان خان میران شاہ سے، ڈر ڈائجسٹ کے پورے اسٹاف کو میرا اسلام قبول ہو۔ پہلے میں ڈر ڈائجسٹ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا کہ میرے خط کو جگہ ملی۔ اس کے بعد میں ایڈیٹر صاحب سے کہنا چاہوں گا کہ آپ کے کہنے پر میں نے ڈر ڈائجسٹ کو ایک سنگل اسٹوری بھیج دی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اسے پورا پڑھ کر میری حوصلہ افزائی کریں گے۔ میری اس کہانی کے بعد میں اپنی سلسلے وار کہانی بھی آپ کو ارسال کردوں گا۔ جس کا میں نے آپ سے پہلے بھی ذکر کیا تھا۔ مجھے امید ہے کہ آپ اسے جلد ہی پڑھ لیں گے۔ اس کے بعد میں آتا ہوں۔ کہانیوں کی طرف پہلے میں رولوکا کی بات کروں گا جو دھیرے دھیرے سنچری کی طرف اپنے قدم بڑھا رہی ہے۔ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اس کے بعد میری پسندیدہ کہانی الیاس صاحب کی بلیک ٹائیگر بہت عمدہ اور زبردست کہانی ہے اور تیسرے نمبر پر سنہری تابوت بھی ایک دلچسپ تحریر ہے۔ سنگل اسٹوری میں سب سے پہلے نمبر پر بھیانک سزا جو شائستہ سحر نے لکھی تھی واقعی میں سبق آموز کہانی ہے اور انجام بھی ایک حیران کن اور اچھی کہانی تھی اور باقی سب بھی اچھی کہانیاں تھیں۔ ویسے بھی ڈر ڈائجسٹ کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ آخر میں اس دعا کے ساتھ رخصت ہونا چاہوں گا کہ ڈر ڈائجسٹ دن بدن ترقی کرتا رہے۔

☆☆ ریحان صاحب: آپ کی کہانی مل گئی ہے ابھی پڑھی نہیں لیکن امید ہے کہ اچھی ہوگی۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ چند چھوٹی کہانیاں لکھیں تو زیادہ فائدہ ہوگا۔ قسط وار کہانی لائن میں لگ جائے گی۔ لیکن چھوٹی کہانیاں اکثر شائع ہوتی رہیں گی جس سے دل خوش رہتا ہے۔ امید ہے آپ میری باتوں پر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔ اگلے ماہ بھی تبصرے کا انتظار رہے گا۔

پیر نوید ہاشمی ٹنڈو جام سے، مکرمی و محترم ایڈیٹر ڈر ڈائجسٹ آداب عرض، امید ہے کہ بخیریت ہوں گے، اول اپنا مختصر تعارف کروادوں خاکسار کو عبدالقادر کہتے ہیں اور پیر نوید شاہ ہاشمی کے قلمی نام کے ساتھ اردو اور سندھی ادب سے 26,25 برس پرانی وابستگی ہے۔ کچھ عرصہ قبل ٹنڈو جام کے بک اسٹال پر ''ڈر ڈائجسٹ'' دیکھا تو ایسا دل میں اترا کہ مستقل قاری بن بیٹھے، چونکا دینے والی ڈراؤنی، پراسرار کہانیوں کے لئے مخصوص ''ڈر ڈائجسٹ'' بلاشبہ اپنی نوعیت کا منفرد اور اچھوتا پرچہ ہے، افسوس تو اس بات کا ہوا کہ اس کی اشاعت کو 14 برس بیت چکے ہیں لیکن ہماری شناسائی اب ہوئی ہے! خیر ''دیر آید درست آید کے مصداق'' اب قلمی رفاقت نبھاتے رہیں گے، فی الوقت چند ایک چھوٹی موٹی قلمی اشیا اور اس تبصرہ کے ساتھ آغاز کررہے ہیں۔ اس امید کے ساتھ کہ مکمل حوصلہ افزائی کرکے آئندہ کہانیاں ارسال کرنے کے جذبے کو حوصلہ دیں گے۔ کچھ بات ہوجائے شمارہ فروری 2013ء کی جو اس وقت میری آنکھوں کے سامنے ہاتھوں کے شکنجے میں ہے۔ ٹائٹل حسب سابق دل دہلا دینے والا ہے۔ ''ڈر ڈائجسٹ'' کے انوکھے اور دہشت ناک ٹائٹل اسے اسٹالز پر سب سے ممتاز ثابت کرتے رہتے ہیں جس کے لئے آپ سب مبارکباد کے مستحق ہیں۔ جہاں تک ڈر ڈائجسٹ کی کہانیوں کا سوال ہے تو یقین کریں کہ سب کہانیاں اس قدر مزے دار لگیں کہ نمبرز دینے میں الجھن ہورہی ہے، تو ہماری رائے کے مطابق اس مرتبہ طویل کہانی ''واصل جہنم'' اول رہی۔ ہیروئن، قاتل، میناش، سیاہ بھوت بھی اس شمارہ کی بہترین کہانیاں ثابت ہوئیں اور پوری طرح محظوظ کرنے کا باعث بنیں۔ ان کے علاوہ دیگر کہانیوں میں کلون، لمبے بال، شیطانی کھوپڑی، دل کے رشتے، زندگی، خونی پاؤں، دعا کی طاقت، موت کا پیچھا، جادوگر اور خلا سے واپسی بھی مناسب رہیں۔ بلیک ٹائیگر اور سنہری تابوت کی تو کیا تعریف کی جائے۔ ایم الیاس اور ایم اے راحت جیسے بڑے نام ڈائجسٹ میں شامل ہیں۔ تو یہ بات

www.pdfbooksfree.pk

ڈائجسٹ کی مقبولیت اور معیار کا بذات خود ایک اور بڑا ثبوت ہے۔ رولوکا بھی بہت زیادہ قابل تعریف ہے۔ میں شب و روز ڈر ڈائجسٹ کی ترقی کے لئے دعاگو ہوں آئندہ بھی چند اچھی تحریروں کے ساتھ ضرور حاضر خدمت ہوں گا۔

☆☆ نوید صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، آپ کو ڈر ڈائجسٹ اچھی لگا اور اس میں موجود کہانیاں دل کو بھا گئیں، اس کے لئے بہت بہت شکریہ چلئے حوصلہ افزائی ہوگئی اور اب امید ہے کہ آپ آئندہ بھی اپنی رائے بھیج کر شکریہ کا موقع دیتے رہیں گے۔

انس رحمان کورٹ عبدالمالک سے، امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے اور سارے قارئین بھی بخیر و عافیت سے ہوں گے۔ میں عرصہ پانچ سال سے ڈر ڈائجسٹ کا قاری ہوں۔ لیکن آج تک خط لکھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ آج اس امید پر خط لکھ رہا ہوں کہ میرے خط کو ضرور شامل اشاعت کیا جائے گا۔ اب کچھ بات جنوری کے شمارے کی کی جائے تو ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ڈر ڈائجسٹ بے مثال تھا۔ کہانیوں میں اپنی پسندیدہ رولوکا پڑھی۔ سچ بتاؤں ڈر ڈائجسٹ میں نے رولوکا کی وجہ سے ہی پڑھنا شروع کیا تھا۔ سنہری تابوت بھی اچھی جارہی ہے۔ باقی کہانیاں بھی زبردست ہوں گی۔ آپ میری ارسال کردہ کہانی کو پڑھئے گا ضرور اگر پسند آئے تو شائع کردیجئے گا۔ آخر میں ڈر ڈائجسٹ کے لئے بہت سی دعائیں۔

☆☆ انس صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید، چلئے حوصلہ افزائی ہوگئی اب تو خوش ہیں ناں، کہانی بھیانک سفر بھیجنے کا شکریہ، کہانی لیٹ موصول ہوئی لہٰذا ابھی پڑھی نہیں، اچھی ہوئی تو اگلے شمارے میں اصلاح کے بعد ضرور شائع ہوگی۔ امید ہے آئندہ ماہ بھی خلوص نامہ بھیج کر ضرور شکریہ کا موقع دیں گے۔

محمد اسحاق انجم کنگن پور سے، السلام علیکم! امید ہے آپ باخیریت ہوں گے! شمارہ جنوری ''ڈر ڈائجسٹ'' اپنی خوب صورتی کے ساتھ ملا۔ مکمل پڑھ نہیں سکے، ابھی تک اس لئے کچھ لکھنا مناسب نہیں! پھر بھی آپ نے جس خوب صورتی کے ساتھ اور محنت کے ساتھ شائع کیا! اچھا ہے اور کہانیوں کا انتخاب بھی خوب سے خوب تر ہے۔ میری طرف سے تمام لکھنے والوں کو اور آپ سب کو بہت بہت سلام اور نیک تمنائیں۔

☆☆ اسحاق صاحب: خلوص دل ارسال کرنے کے لئے شکریہ۔ امید ہے آئندہ ماہ بھی ڈر کو یاد کرنا بھولیں گے نہیں۔ Thanks۔

پروفیسر واجد نگینوی کراچی سے، ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ کا شمارہ فروری 2013ء گلابی سرد سردیوں کا پیغام لے کر ناظرین حاضرین کی خدمت میں ہاتھوں کی زینت بن چکا ہے۔ لاجواب انوکھی کہانیوں غزلیات کے مرقع کے ساتھ حسین و جمیل اور خوفزدہ ٹائٹل کے ساتھ راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کردینے کے ساتھ آپ حضرات کو تکلف اندوز کررہا ہے میں ادارے کا بہت بہت شکر گزار ہوں کہ ہر ماہ پابندی سے میری غزل اور رائے کا اظہار شائع کرکے شکریہ کا موقع عنایت فرماتے ہیں۔ اس کے علاوہ لطائف اور دلچسپ تحریریں بھی ہوتی ہیں۔ ڈر کے نکھار میں دن بہ دن اضافہ ہورہا ہے۔ اس لئے عوام اور خواص میں مقبول رہتا ہے۔ میری نیک تمنائیں اور دعائیں ڈر ڈائجسٹ کے ساتھ ہیں۔

☆☆ واجد صاحب: آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ اپنی مصروفیات میں سے تھوڑا وقت نکال کر ڈر ڈائجسٹ کے لئے اپنی کاوشیں بھیجتے رہتے ہیں۔ کوئی اچھی سی کہانی بھی لکھ بھیجیں۔ امید ہے آپ شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔ Thanks۔

محمد نوید انجم سوہاوہ چکوال سے، آداب!!! بہت عرصے بعد ڈر کے خطوط کی محفل میں شامل ہو رہا ہوں، بس کچھ پریشانیاں تھیں اب اللہ پاک کے فضل و کرم سے اور آپ کی دعاؤں سے ٹھیک ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ڈر ڈائجسٹ کے تمام اراکین خدا کے فضل و کرم سے بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ ''قرآن کی باتیں'' پڑھیں اور دل میں یہی خیال کیا کہ انسان کو ہر حال میں چاہے خوشی ہو چاہے غمی ہو اللہ پاک کی رضا میں راضی رہنا چاہئے۔ اللہ پاک اپنے بندے کے لئے جو کرتا ہے اچھا کرتا ہے۔ انسان کو اپنے اندر حوصلہ پیدا کرنا چاہئے۔ ایک بات آپ کو بتادوں اتنا لمبا عرصہ غیر حاضری کے باوجود ڈر ڈائجسٹ باقاعدگی سے پڑھتا رہا ہوں ہمارا پیارا ڈر اچھے سے اچھا جارہا ہے۔ فروری کا ڈر 26 تاریخ کو خریدا تمام کہانیاں اپنی مثال آپ تھیں مگر میناش، دعا کی طاقت اور واصل جہنم بہت اچھی لگیں۔ اس کے علاوہ رولوکا بہت اچھی جارہی ہے۔

☆☆ نوید صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں ایک مرتبہ پھر خوش آمدید، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اور تمام قارئین پر اپنا فضل و

کرم رکھے اور خوشیوں سے نوازے، امید ہے آپ آئندہ ہر ماہ شکریہ کا موقع دیتے رہیں گے۔

ایس امتیاز احمد کراچی سے، السلام علیکم، امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ ماہ رواں کا ''ڈر ڈائجسٹ'' ہمارے سامنے ہے۔ خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ تمام تر سلسلے خوب رہے۔ اسٹوریز اور غزلوں کا انتخاب لاجواب رہا۔ آرٹیکلز لگانے کا شکریہ۔ آرٹیکلز آپ کے پاس ہیں۔ پلیز دیکھئے گا۔ مزید میٹرز میں۔ راج ڈلاری، حسین تصور غزل، رحمت بے پایاں (مراسلہ) ارسال خدمت ہے۔ پلیز قریبی اشاعت میں جگہ دیں۔ آپ کو اور دیگر اسٹاف اور ''ڈر ڈائجسٹ'' کے تمام خوب صورت لکھنے والے رائٹرز اور تمام خوب صورت پڑھنے والے وویورز کو دعا سلام۔ پلیز اپنا خیال رکھئے گا۔

☆☆ امتیاز صاحب: آپ ہر ماہ قلبی لگاؤ کا ثبوت دیتے ہیں اس کے لئے ویری ویری تھینکس، امید ہے یہ قلبی لگاؤ ہمیشہ جاری و ساری رہے گا۔ کہانی شامل اشاعت ہے اور نئی کہانی کا انتظار ہے۔

شرف الدین جیلانی ٹنڈوالہ یار سے، رسالہ جلد ہی مل گیا، حسب معمول دوستوں کے خطوط اور رولوکا سے اور دیگر کہانیوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ رسالہ ڈر میں...... مجھ سے پرانے پڑھنے لکھنے والوں کو بخوبی یاد ہوگا ڈر میں کتنے ہی ساتھی آئے کتنے ہی چلے گئے...... کتنے ہی آرہے ہیں...... کتنے ہی جا رہے ہیں...... مگر دریا رواں ہے...... مجھ سے پرانے پڑھنے والوں نے فرعون مصریات کے موضوع پر کئی بار ڈر میں پڑھا ہے ایک ہی موضوع کو مختلف رنگ میں فرعون...... ممی...... قلوپطرہ کو ڈر میں لکھ رہے ہیں۔ رولوکا واحد کہانی ہے جو پہلی قسط سے جب جڑی بوٹی کی تلاش میں حکیم صاحب کی ملاقات جنگل میں رولوکا سے ہوتی ہے اور حکیم صاحب رولوکا کو ناشتہ کراتے ہیں اور دوستی کا آغاز ہوتا ہے۔ 93 قسط ہر قسط دلچسپی سے بھرپور پڑھنے کو ملتی ہے۔ اس کہانی کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے، یعنی سورج کو چراغ دکھلانے کے برابر۔ اس طرح اس سے پہلے جادو بھی اچھا تاثر چھوڑ گئی۔ والسلام دعائیں سب کو۔

☆☆ شرف الدین صاحب: آپ کا ڈر ڈائجسٹ سے یہ قلبی لگاؤ ہے کہ آپ کو رولوکا کی پہلی قسط بھی یاد ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ذوق نظر والے ہی رولوکا کی اہمیت، دلچسپی اور کہانی کے تانے بانے اور اتار چڑھاؤ کو سمجھتے ہیں۔ آپ کے چاہت و خلوص نامہ کا آئندہ بھی شدت سے انتظار رہے گا۔ شکریہ۔

محمد ہمایوں پڑھنہ مانسہرہ سے، السلام علیکم کے بعد تمام قارئین اور لکھنے والوں کو اور ادارے کے اسٹاف کو میری طرف سے عید میلاد النبیؐ مبارک ہو، اس دفعہ اپنے گاؤں پڑھنہ میں بھی بک اسٹال سے اپنا پسندیدہ ماہنامہ دیکھا تو دل خوش ہوا کہ ہمارے گاؤں کے لوگ بھی ڈر میں دلچسپی لینے لگے۔ سرورق کی چڑیل، اوہ معاف کیجئے گا حسینہ کو دیکھ کے دل میں گدگدی سی ہوئی اور بے اختیار دل نے کہا۔ کاش آپ ہمارے ہوتے کہانیوں میں سب سے پہلے رولوکا پڑھی اور تب چھوڑی کہ جب رولوکا کو جنوں کے گاؤں میں روشاک کے والد کی محفل سے اٹھے کہ اب اگلے ماہ پھر ملیں گے مزاحیہ شعر۔ سن کر حساب بیوی کا چکرا گیا ہوں میں۔ چھتیس سال کا ہو کر سٹھیا گیا ہوں میں۔

☆☆ ہمایوں صاحب: حوصلہ اور ہمت سے کام لیں۔ سٹھیانے کے بجائے رگیدنے والے بنیں۔ خیر خلوص دل سے لکھے خط کے لئے شکریہ۔ امید ہے آئندہ بھی خوش کن الفاظ سے نوازیں گے۔

قدیر رانا راولپنڈی سے، السلام علیکم، آپ کی خیریت کا طالب ہوں، غزل کی اشاعت پر تہہ دل سے مشکور ہوں، اس بار بھی غزلوں کے ہمراہ شرکت کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ تعاون کیا جائے گا۔ ادارے کی ترقی کے لئے دعا گو ہوں۔

قدیر صاحب: ڈر ڈائجسٹ سے قلبی لگاؤ کے لئے بہت بہت شکریہ، آئندہ ماہ بھی خلوص نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔

بشیر احمد بھٹی فوجی بستی بہاولپور سے، السلام علیکم، فروری 2013ء کا ڈر جب لے کے پہنچا اپنے گھر تو دیکھا کہ پچھلے ماہ بھیجا ہوا تبصرہ گول ہے۔ عینک کا نمبر 2 ہے۔ اب ڈاکٹر صاحب نے پونے تین نمبر تجویز کیا ہے۔ میں بغور کھلی آنکھوں سے خطوط کے صفحات میں اپنا نام ڈھونڈتا رہا مگر بے سود، لگتا ہے محکمہ ڈاک کی اعلیٰ کارکردگی کی بھینٹ چڑھ چکا ہے میرا سابقہ خط حالاں کہ یہاں سے ڈاک بذریعہ خیبر میل لال بوگی میں ڈاک جاتی ہے۔ بوگی کی تمام کھڑکیاں اور دروازے بھی بند ہوتے ہیں۔ پھر خط کیسے ہوا کی نظر ہو کے کہیں جا گرا۔ خیر۔ اب محکمہ ڈاک کی کارکردگی بہتر ہو چکی ہے۔ فروری کے شمارے میں ٹائٹل کے بعد پیج نمبر 2 پر بچوں کے رسالے فکشن کا اشتہار موجود ہے۔ مگر یہ رسالہ بہاولپور میں دستیاب نہیں۔ اس کا حصول ممکن بنائیے۔ پہلی کہانی میناش اور آخری کہانی واصل جہنم اس ماہ کی زبردست کہانیاں ہیں۔ مصنفین نے خوب محنت کی ہے۔ رولوکا کی قسط نمبر 93 سے ظاہر ہے۔ یہ کہانی سنچری کی طرف بڑھ رہی ہے۔ تابوت کی قسط 9 اور بلیک ٹائیگر کی قسط 8 ولولہ انگیز رہیں۔ اس ماہ کی کہانیوں میں کلون، لمبے بال، دل کے رشتے، شیطانی کھوپڑی، ہیروئن، زندگی، سنہری تابوت قسط نمبر 9، قاتل، سیاہ بھوت، خونی پاؤں، دعا کی طاقت، موت کا پیچھا، جادوگر، خلا سے واپسی، ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک رہی۔ قوس قزح کی غزلیں اچھی ہوتی ہیں۔ بچوں کے ادب پر چند بہترین کہانیاں لکھ رکھی ہیں۔ جو میں ماہنامہ فکشن کو ارسال کرنا چاہتا ہوں۔''

☆☆ بشیر صاحب: آپ بصد شوق فکشن کے لئے کہانیاں ارسال کر دیں۔ ڈر ڈائجسٹ سے آپ کا لگاؤ قابل دید ہے اور ہم اس کی قدر کرتے ہیں۔ امید ہے آئندہ ماہ بھی خط بھیج کر شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔

محمد اسلم جاوید فیصل آباد سے، السلام علیکم، آپ خیریت سے ہوں گے اور میں خداوند کریم سے نیک چاہتا ہوں پچھلی دفعہ آپ کو خط تحریر نہ کر سکا بہت افسوس ہوا۔ ماہ جنوری کا پرچہ بہت خوب صورت تھا۔ سرورق اپنی مثال آپ تھا۔ ماہ جنوری میں خطوط اور غزل شائع کرنے پر میں آپ کا بے حد ممنون ہوں گزرے سال میں جو تعاون میرے ساتھ آپ نے کیا بہت بہت شکریہ۔ امید کرتا ہوں کہ نئے سال 2013ء میں بھی پہلے کی طرح تعاون کریں گے۔

☆☆ اسلم صاحب: آپ کا خلوص نامہ پڑھ کر اچھا لگتا ہے آپ کی چاہت اور خلوص قابل دید ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنا فضل و کرم رکھے، آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔

احسان سحر میانوالی سے، السلام علیکم، امید کرتا ہوں آپ اور آپ کا اسٹاف خیریت سے ہوگا؟ ڈر کا میں بے حد شکرگزار ہوں جس نے مجھے سپورٹ کیا اور اپنے چاہنے والوں کا جن کے وقفے وقفے سے ایس ایم ایس اور کال مجھے موصول ہوتا آ رہا ہے۔ اللہ پاک نے چاہا تو یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ اور میں ڈر کو اپنا شریک سفر بنائے رکھوں گا۔

☆☆ احسان صاحب: خط لکھنے کے لئے شکریہ۔ یہ حقیقت ہے کہ دل کو دل سے راحت ہوتی ہے۔ امید ہے اپ اپنا تعاون آئندہ بھی ڈر ڈائجسٹ سے جاری رکھیں گے اس کے لئے شکریہ۔

غلام نبی نوری کھڈیاں خاص سے، سب سے پہلے ڈر ڈائجسٹ کے تمام پڑھنے لکھے، دیکھنے اور ڈر کے تمام اسٹاف کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے بہت بہت دعا و سلام، فروری 2013ء کا شمارہ زبردست تھا۔ کہانیوں میں سب سے پہلے رولوکا پڑھی، اس میں تھوڑی سی تبدیلی کرنے سے مزہ آ گیا۔ سنہری تابوت سو سو تھی۔ بلیک ٹائیگر اچھی تھی۔ زندگی پہلے نمبر پر رہی۔ نمبر 2 پر موت کا پیچھا، نمبر 3 پر دل کے رشتے، نمبر 4 پر میناش نہایت ہی زبردست اور سبق آموز تھی۔ لمبے بال، شیطانی کھوپڑی، قاتل و سیاہ بھوت خلا سے واپسی اور جادوگر زبردست تھیں۔ قوس قزح میں اپنی غزل نہ پا کر دکھ ہوا۔ باقی تمام شاعروں نے اچھا لکھا۔ آخر میں تمام رائٹرز اور اسٹاف کو خلوص بھرا سلام۔

☆☆ غلام نبی صاحب: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ، جناب جب کسی کا خط ہم تک نہیں پہنچتا تو پھر شائع کیسے ہوگا۔ ذرا جلدی کا خیال رکھا کریں۔ اگلے ماہ پھر ملاقات ہوگی۔ بذریعہ خط۔ خدا حافظ۔

محسن علی جٹ فرید ٹاؤن ساہیوال سے، امید ہے ڈر کا پورا اسٹاف اور قارئین بخیریت ہوں گے۔ جناب آپ نے دلاسا دیا کہانی ضرور شائع ہوگی آپ کی بہت مہربانی۔ قوی امید ہے کہ میری کہانی بے وفا لوگ شائع کر دیں گے۔ شدت سے انتظار رہے گا۔ کہانی کے شائع ہوتے ہی نئی کہانی بہت جلد ارسال کر دوں گا۔ فروری 2013ء کے شمارے کی تو تین کہانی بیسٹ تھیں۔ رولوکا فرسٹ، سیکنڈ میناس، تیسری واصل جہنم تھی، یہ تینوں کہانیاں سبق آموز تھیں، باقی بھی تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ میری دعا ہے کہ ڈر ڈائجسٹ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔

☆☆ محسن صاحب: آپ گھبرائیں نہیں اپنے وقت پر آپ کی کہانی ضرور شائع ہوگی۔ کہانی زیادہ اصلاح طلب ہے اور جو کہانی زیادہ اصلاح طلب ہوتی ہے وہ التوا کا شکار ہو جاتی ہے۔ نیز آئندہ ماہ بھی آپ کے نوازش نامہ کا انتظار رہے گا۔

☆☆

www.pdfbooksfree.pk

پاگل بیتی

عمران قریشی۔کوئٹہ

صبح ھی صبح ایک نوجوان نے بانسری میں ایک عجیب دھن چھیڑی اس دھن کو سن کر قصبے کے سارے چوھے اپنے اپنے بلوں سے نکل کر نوجوان کے گرد جمع ھوگئے تو نوجوان ایک سمت کو چل پڑا، چوھے نوجوان کے پیچھے پیچھے تھے اور پھر……

دل ودماغ پر خوف وہراس کی چادر ڈالتی ایک ناقابل فراموش جگر کو پاش پاش کرتی کہانی

میری کتاب پاگل خانہ کامیابی کے ریکارڈ توڑ رہی تھی۔ فلم کے ڈائریکٹر پروڈیوسر میری منت سماجت کرر ہے تھے کہ وہ اس کتاب پر فلم بنانا چاہتے ہیں۔ اس لئے تحریر کے حقوق فروخت کرنے کے لئے بات چیت پر آمادہ ہیں۔لیکن مجھے فلم لائن سے کسی بھی قسم کی دلچسپی نہیں رہی۔ اس لئے میں نے صاف انکار کردیا۔اب میرے ایڈیٹر کا بھی یہی تقاضا تھا کہ پاگلوں پر مزید کوئی تحریر ارسال کروں۔ تا کہ اس پر کام کیا جاسکے۔ان دنوں میری کتاب ''پاگل خانہ'' کے اعزاز میں پاگل خانے والوں کی جانب سے خصوصی تقریب کا انعقاد ہوا۔اور مہمان خصوصی میں تھا۔

یہاں یہ بھی بتا تا چلوں کہ میں ان چند ہی دنوں میں اچھا خاصا کھاتا پیتا شہری بن چکا تھا۔ سفری سیلز مین والی نوکری کو خیر باد کہنے کے بعد میں نے اپنی تمام تر توجہ کا مرکز کہانیوں کی اشاعت کو ہی بنالیا تھا۔ بہرحال تقریب کے دوران میری ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی۔ جو کھلونوں کی دکان کا مالک تھا۔ اس کی دکان شہر سے کچھ دور واقع ایک غیر معروف ٹاؤن میں تھی۔ ٹاؤن کا نام شیل ٹاؤن تھا۔اور آبادی تقریباً تین ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ اس آدمی کا نام ڈونی تھا۔ شکل وصورت سے نہایت معصوم اور نفیس انسان دکھائی دیتا تھا۔ سر سے گنجا اور فربہی مائل جسم کا مالک تھا۔ آنکھوں پر نفیس شیشوں والی عینک کی بدولت دکان کے مالک کے بجائے کسی یونیورسٹی کا پروفیسر دکھائی دیتا تھا۔ مجھے اس کی پاگل خانے میں موجودگی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ لیکن اس کی زبانی مجھے جس حیرت انگیز کہانی کے متعلق معلومات حاصل ہوئیں۔ وہ نہایت اچھوتی اور رونگٹے کھڑے کردینے والی تھیں۔ اس آپ بیتی کو صفحہ قرطاس پر بکھیرتے ہوئے مجھے دو مہینے سے زیادہ کا عرصہ لگ گیا۔ تو اب آپ بیتی کی جانب آیئے۔ جسے میں نے کہانی کی صورت دے دی ہے۔

اس کی حیرت انگیز آپ بیتی کی ابتداء اس وقت ہوئی جب اس نے شیل ٹاؤن میں چلتی ہوئی دکان نہایت سستے داموں خریدی۔ کرسمس کی آمد آمد تھی۔ لوگ کھلونوں اور پھولوں کی دکان پر ٹوٹ پڑ رہے تھے۔ ڈونی نے دکان خریدنے کے فوراً بعد کرسمس ٹری آرڈر پر بنوا کر دکان کے فرنٹ پر بنے ہوئے برآمدے میں رکھوا دیئے۔ شیل ٹاؤن کے مختصر افراد کا کرسمس ٹری پر ہجوم لگ گیا۔ وہ ٹری کی خریداری کے ساتھ کھلونوں اور پھولوں کی خریداری بھی کرر ہے تھے۔ لیکن شام پانچ

www.pdfbooksfree.pk

بجے کے فوراً بعد شیل ٹاؤن کے بازار کی دکانیں بند ہونے لگیں۔ لوگ خوفزدہ چہرہ لئے گھروں کی جانب جانے لگے۔ اور بازار میں یکلخت ویرانی پھیلنے لگی۔

ڈونی نے حیرت بھری نگاہوں سے بازار کی جانب دیکھا۔ جہاں ویرانگی کا اب یہ عالم تھا کہ انسان تو انسان جانور بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ اس نے کاندھے اچکائے اور دکان میں داخل ہو کر کیش چیک کرنے لگا۔ اس کی پہلے دن کی سیل حیرت انگیز طور پر قابل رشک تھی۔ نہ جانے دکان کا پہلا مالک اسے سستے داموں کیوں فروخت کر گیا تھا۔ یہ تو ایک منافع بخش کاروبار تھا۔ رقم کو مختصر کیش باکس میں رکھنے کے بعد اس نے باکس کو تالا لگایا اور پوری دکان میں طائرانہ نگاہ ڈالی۔ شیلف میں رنگ برنگے کھلونے سجے ہوئے تھے۔ درمیان کے حصے میں بڑے بڑے جانوروں کے بھس بھرے لاشے رکھے تھے۔ پرندوں کے لاشے بھی وہاں ایستادہ کئے گئے تھے۔ ان سب کے علاوہ درمیان کی جگہ میں ایک بوڑھے آدمی اور بوڑھی عورت کے کپڑوں سے بنے ہوئے بت بھی کھڑے کئے گئے تھے۔ یہ سانتا کلاز کے مجسمے تھے۔ سرخ وسفید رنگ میں ملبوس خوب صورت بوڑھا جوڑا...... بوڑھے فرشتے کی کمر پر سرخ تھیلا لدا ہوا تھا۔ جس میں کھلونے بھرے ہوئے تھے۔ عورت کے کبڑے وجود میں لکڑی کی لاٹھی نمایاں تھی۔ جس پر عقاب کی تصویر کھدی ہوئی تھی۔

ڈونی کی محدود معلومات کے مطابق سانتا کلاز جو کہ ایک فرشتے کا نام ہے۔ اس کے ساتھ عورت کا بت اس نے کبھی بھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن یہاں تھا۔ کرسمس کی آمد آمد پر اتنی جلدی بازار بند ہو جانے کی وجہ بھی اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ بہرکیف اس نے الجھی ہوئی نگاہوں سے دکان کا جائزہ لیا۔ پھر لائٹ بند کرنے کے لئے بٹن کی جانب ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دکان کا شیشے کا دروازہ کھلا اور پولیس کا ایک سپاہی اندر داخل ہوا۔ ڈونی نے تفہیمی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ تب وہ بولا۔

''میرے خیال میں تم شیل ٹاؤن میں نو وارد ہو۔ تبھی پانچ بجنے کے بعد بھی دکان کھولے بیٹھے ہو۔ لیکن تمہارا یہاں مزید بیٹھنا فضول ہے۔ اب یہاں کوئی بھی کسٹمر نہیں آنے والا۔''

''کیوں؟'' ڈونی نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''کچھ عرصہ سے شیل ٹاؤن پراسرار واقعات کی زد میں ہے۔ کبھی بند بازار میں سے درد بھری چیخوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں اور کبھی جلی ہوئی مسخ شدہ لاشیں دریافت ہوتی ہیں۔ کچھ دن پہلے چار سے زیادہ لکڑی کے گھر آگ لگنے کی بدولت جل کر بھسم ہو گئے۔ فائر بریگیڈ والوں نے آگ بجھانے کی ناکام کوشش کی۔ لیکن حیرت انگیز طور پر آگ بجھنے کے بجائے مزید بڑھتی چلی گئی۔ کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ لیکن گھر کے رہائشی مالی طور پر تقریباً دیوالیہ ہو گئے۔ اب مزید دو دنوں سے ٹاؤن کے بازار میں ریچھ نما مخلوق کو گھومتے پھرتے دیکھا گیا ہے۔ اس مخلوق نے کسی انسان کو نقصان نہیں پہنچایا۔ لیکن خوف و ہراس پھیلانے کا باعث ضرور بنی ہے۔

ایک مزید حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس مخلوق کی توجہ کا مرکز تمہاری حال ہی میں خریدی ہوئی دکان رہی ہے۔ اس لئے دکان کو بند کر دو۔ اور فوراً سے پیشتر گھر کی جانب روانہ ہو جاؤ۔'' پولیس والے نے عجلت میں تفصیلات بتائیں اور جواب سنے بغیر دکان کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

ڈونی اس کے لب و لہجے میں چھپے ہوئے خوف و ہراس کو محسوس کر چکا تھا۔ معاملے کی سنگینی کا اندازہ اسے پولیس والے کے خوفزدہ ہونے سے بخوبی ہو گیا۔ اس نے لائٹ آف کی اور دکان کا شٹر نیچے کرنے کے بعد تیز تیز قدموں کے ساتھ بازار سے ملحقہ رہائشی علاقے کی جانب چل دیا۔ جہاں اس کا دو کمروں پر مشتمل کرائے کا مکان موجود تھا۔

شیل ٹاؤن کا پراسرار قصبہ سنسان و ویران دکھائی دے رہا تھا۔ سورج مغرب کی جانب جھکتا چلا جا رہا تھا۔ حیرت انگیز طور پر درختوں پر پرندے بھی نہایت خاموشی اور اداسی کے عالم میں بیٹھے تھے۔ ڈونی خوفزدہ قدموں کے ساتھ تقریباً بھاگنے لگا۔ اس نے دل میں پکا تہیہ کر لیا تھا کہ آئندہ پانچ بجے سے پہلے ہی دکان بند کر کے گھر چلا آئے گا۔ ٹاؤن کی ویرانی اور اداسی اسے پریشان کئے دے رہی تھی۔

''خوف وہراس''

ڈونی کا گھر دو کمروں پر مشتمل ٹاؤن کے تقریباً درمیان میں بنے جدید اور خوب صورت گھروں پر مشتمل آبادی کے اندر واقع تھا۔ گھر کے سامنے مختصر لان بنا تھا۔ جسے باڑھ کے ذریعے بند کر دیا گیا تھا۔ باڑھ کے آگے برآمدہ اور برآمدے کے آگے دو کمرے...... اس وقت تمام گھر اور ان کے سامنے لان سنسان دکھائی دے رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی خوب صورت پینٹنگ کو سامنے رکھ دیا گیا ہو۔ ڈونی نے عجلت میں دروازہ کھولا اور گھر میں داخل ہونے کے بعد دروازے کو جھٹکے کے ساتھ بند کر دیا۔ پھر طویل سانس لیتے ہوئے اس نے لائٹ آن کی۔ آتش دان کو سلگایا اور کپڑے تبدیل کرنے کے بعد کافی کا پیالہ تھامے ریڈیو کے پاس آ بیٹھا اور خبریں سننے لگا۔

رات کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ کافی پینے کے بعد اس نے ریڈیو کی آواز اونچی کی اور کچن میں گھس کر چکن برگر تیار کرنے لگا۔ تب اچانک ہی اس کے حساس کانوں نے شیل ٹاؤن کا نام سنا۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ اناؤنسر کہہ رہی تھی۔ ''شیل ٹاؤن خوف وہراس کی لپیٹ میں ہے۔ پاگل خانے کو لگنے والی آگ کے مہینہ پورا ہو جانے کے باوجود بھی شیل ٹاؤن کی مختصر آبادی میں ہونے والے حادثات میں کمی واقع نہیں ہو پائی۔ خوف وہراس کی بدولت ٹاؤن کے افراد سرشام کاروبار زندگی ترک کرنے کے بعد گھروں کا رخ کرتے ہیں اور کسی بھی نئے حادثے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ رکھتے ہیں۔ تاوقت حال حکومت معاملے کی چھان بین کے علاوہ کوئی بھی مثبت قدم نہیں اٹھا پائی۔ قصبے والوں کے بقول ان واقعات کا آغاز پاگل خانے میں لگنے والی آگ کے بعد ہوا۔ جس میں وقت کے ساتھ کمی کے بجائے شدت نمایاں ہونے لگی۔ حکومت سے اپیل ہے کہ ٹاؤن کے دگرگوں ہوتے حالات کی جانب مکمل توجہ دی جائے۔''

ڈونی نے ریڈیو کو جھٹکے کے ساتھ بند کر دیا۔ پھر برگر کھائے بغیر میٹنگ روم سے ملحقہ سونے کے کمرے کی جانب چل دیا۔ دروازے کو اچھی طرح بند کرنے کے بعد اس نے لائٹ بند کئے بغیر لحاف کو سر تک اوڑھا۔ اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ دماغ پر خوف کی لہر مسلط تھی۔ سونا اس کے اختیار سے باہر ہوتا جا رہا تھا۔ خوف کی بدولت اسے اپنے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ کچھ دیر بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کمرے کے باہر کوئی دبے قدموں چل رہا ہو۔ پھر چلتے قدموں کی دھمک اس کے کمرے کے سامنے آ کر رک گئی۔ اس نے دل میں سوچا۔ شاید اب دروازے کے باہر کھڑا ہونے والا عفریت تالے کے سوراخ سے اندر جھانکنے کی کوشش کر رہا ہو گا۔

اچانک ہی ماحول ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز سے گونج اٹھا۔ ڈونی کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے لحاف کو مزید اوپر کھینچ لیا۔ گھنٹی متواتر بجتی چلی جا رہی تھی۔ ڈونی نے سوچا۔ ''خوف دور کرنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ وہ فون پر بات چیت کر کے منتشر دماغ کو یکجا کرنے کا اس سے بہتر طریقہ اور نہیں ہو سکتا۔'' اس نے لحاف میں سے سر باہر نکال کر کمرے کا جائزہ لیا۔ پھر بستر سے نیچے اتر کر دروازے کی جانب چل دیا۔ دروازے کے پاس پہنچ کر کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد اس نے جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ میٹنگ روم کی لائٹ آن تھی۔ اور وہاں حالات معمول کے مطابق تھے۔ ٹیلی فون کی گھنٹی متواتر بج رہی تھی۔ ڈونی نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری جانب خاموشی طاری رہی۔

''ہیلو......'' ڈونی کپکپاتے ہوئے لہجے میں

www.pdfbooksfree.pk

بولا۔ اب کی دفعہ دوسری جانب ہلکی سرگوشی کی آواز ابھری۔ پھر جھٹکے کے ساتھ فون بند کردیا گیا۔ ڈونی ایسا نہیں چاہتا تھا۔ وہ شدت کے ساتھ اس بات کا خواہاں تھا کہ کوئی اس کے ساتھ بات چیت کرے۔ لیکن ایسا نہیں ہوسکا۔ اس نے مایوسی بھرے انداز میں ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا۔ ٹیلی فون سیٹ کے ساتھ سی ایل آئی نصب تھی۔ جس پر فون کرنے والے کا نمبر نمایاں ہوجاتا تھا۔ لاشعوری طور پر ڈونی کی نگاہیں سی ایل آئی سیٹ کی اسکرین پر پڑیں۔ وہاں موجود نمبر حیرت انگیز طور پر اس کی اپنی دکان کا تھا۔ ڈونی نے آنکھوں کو اچھی طرح مسلا۔ پھر دوبارہ نمبروں کا جائزہ لیا۔ وہ حرف بہ حرف اس کی دکان کے نمبر تھے۔ لیکن سوچنے کی بات تھی کہ ایسا بھلا کیسے ہوسکتا تھا۔

جہاں تک اسے یاد تھا۔ وہ دکان کو تالا لگا کر آیا تھا۔ اور اس کی اطلاع کے مطابق دکان کی چابی بھی اس کے علاوہ کسی کے پاس موجود نہیں تھی۔ لیکن فون کال کے مطابق دکان نا صرف کھلی ہوئی تھی بلکہ دکان میں کچھ افراد بھی موجود تھے۔

ڈونی کے چہرے پر فکر انگیز لکیریوں کا جال بکھرنے لگا۔ دکان میں رقم کے علاوہ قیمتی سامان بھی موجود تھا۔ اگر مکان میں ڈاکا پڑ جاتا۔ تب وہ دیوالیہ ہو کر رہ جاتا۔ خوف و ہراس کی وہ لہر جو کچھ دیر پہلے اس کے دل و دماغ کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھی۔ یکدم غائب ہوتی چلی گئی اور اس جگہ پریشانی اور لاچاری نے لے لی۔ پریشانی دکان میں کسی کی موجودگی سے تعلق رکھتی تھی اور لاچاری اس بات کی تھی کہ مخدوش حالات کی بدولت وہ گھر سے باہر بھی نہیں نکل سکتا تھا۔ ڈونی نے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھاما اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

اچانک مکان کے دروازے کی گھنٹی بجنے لگی۔ ڈونی نے چونک کر دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی جانب دیکھا۔ رات کے گیارہ بجنے والے تھے باہر بھلا کون ہوسکتا تھا؟ رات کے اس پہر ٹاؤن والوں میں سے کوئی بھی باہر نکلنے کی جسارت نہیں کرسکتا تھا۔ شاید کوئی بھولا بھٹکا ہوگا۔ لیکن شام کو پولیس والے کے تیور کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا سوچنا بھی ممکن نہیں تھا۔ اس نے صوفے پر بیٹھے بیٹھے چلاتے ہوئے پوچھا۔

"باہر کون ہے؟"

"دروازہ کھولئے میں چوکیدار ہوں۔" کرخت آواز میں جواب موصول ہوا۔ ڈونی نے اطمینان بھرا طویل سانس لیا اور صوفے سے اٹھ کر دروازے کی جانب چل دیا۔ دروازہ کھولنے پر اس نے جس عجیب و غریب اور مضحکہ خیز شخص کو سامنے کھڑے پایا۔ وہ کسی بھی لحاظ سے چوکیدار دکھائی نہیں دیتا تھا۔ بال بکھرے ہوئے...... چھوٹی چھوٹی آنکھوں پر گول شیشوں والا چشمہ...... ناک بہ کر ہونٹوں کی جانب آرہی تھی۔ جسے وہ وقتاً فوقتاً زبان کی مدد سے چاٹ رہا تھا۔ وہ شدید سردی کے باوجود صرف پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔ مجموعی طور پر چوکیدار کے بجائے کسی سرکس کا جوکر دکھائی دیتا تھا۔ ڈونی نے استفہامیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ تب وہ دوبارہ کرخت لہجے میں بولا۔

"جناب...... اس وقت آپ کو پریشان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ابھی کچھ دن قبل میں نے ریچھ نما جانور کو اس رہائشی کالونی کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں اس کے پیچھے بھاگا۔ لیکن اس گلی تک پہنچنے کے بعد وہ یکدم نگاہوں کے سامنے سے غائب ہوگیا۔ آپ کو بتانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ محتاط رہیے گا۔ حالات یقیناً بہتر نہیں ہیں۔" بات ختم کرتے ہی وہ قدموں پر دوسری جانب گھوما اور مکان کے مخالف جانب چل دیا۔ ڈونی کو کچھ دیر قبل کمرے میں ابھرتے قدموں کی آہٹ یاد آئی۔ اس نے چلا کر چوکیدار کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ چوکیدار نے سپاٹ نگاہوں کے ساتھ ڈونی کی جانب دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں کسی بھی قسم کے تاثرات موجود نہیں تھے۔

ڈونی گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ابھی کچھ دیر قبل مجھے میری دکان سے فون آیا ہے۔ میں نے فون اٹھایا۔ تب کسی نے بات چیت کئے بغیر فون بند کردیا۔ تم

www.pdfbooksfree.pk

یقین جانو...... شام کو دکان بند کرنے سے پہلے وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ پھر ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ بند دکان جس میں کوئی موجود نہیں ہو وہاں سے فون کیا جاسکے۔ میرے اندازے کے مطابق دکان میں چور گھس گئے ہیں۔ غلطی سے انہوں نے فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کردیا۔ یوں مجھے پتا چل گیا۔" ڈونی تفصیل بتانے لگا۔ "اب میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے ہمراہ دکان کی جانب چلو۔ جو یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ میں تمہاری اس خدمت کا معاوضہ علیحدہ دوں گا۔"

چوکیدار نے کوئی بھی جواب دیئے بغیر اثبات میں سر ہلا دیا۔ ڈونی کا مقصد صرف گھر سے دور رہنا تھا۔ اس لئے اس نے جلدی سے گھر میں داخل ہو کر لباس تبدیل کیا اور چوکیدار کے ہمراہ دکان کی جانب چل دیا۔ راستے میں خاموشی طاری رہی۔ ٹاؤن کی گلیاں اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ انسانوں کا نام و نشان موجود نہیں تھا۔ دکان تک پہنچنے میں انہیں تقریباً دس منٹ لگ گئے۔ دکان کا شٹر اٹھا ہوا تھا اور شیشے کا دروازہ چوپٹ کھلا تھا۔ وہاں گہما گہمی کا یہ عالم تھا کہ ایک گاہک اندر جا رہا تھا اور دوسرا باہر آرہا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں کھلونوں سے بھرے ہوئے شاپر تھامے ہوئے تھے۔ ڈونی کی آنکھیں حیرت کے مارے تقریباً پھٹنے لگیں۔ اس نے چلاتے ہوئے اپنے پیچھے موجود چوکیدار سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"انہیں گرفتار کرلو۔ یہ سب چور ہیں۔ میری دکان کا سامان چرا کر لے جارہے ہیں۔ اسے اپنے پیچھے جواب سنائی نہیں دیا۔ ڈونی نے ہڑبڑا کر پیچھے دیکھا۔ لیکن وہاں چوکیدار کا نام و نشان موجود نہیں تھا۔

معاملہ ڈونی کے اختیار سے باہر ہوگیا۔ اور وہ چیختے چلاتے دکان کی جانب بھاگ کھڑا ہوا۔ تب بے خیالی میں برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کا پاؤں پھسل گیا۔ وہ سیڑھیوں سے نیچے سڑک پر جا گرا۔ اس کے سر کا پچھلا حصہ پوری طاقت کے ساتھ سڑک سے ٹکرایا۔ اسے رات کے وقت سورج طلوع ہوتا دکھائی دیا۔ پھر چاروں جانب اندھیرا پھیلتا چلا گیا۔

سانتا کلاز کا پراسرار مجسمہ

صبح منہ اندھیرے ڈونی کی آنکھ کھلی۔ اسے اپنے سر میں شدید دھماکے ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامے ہوئے وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ارد گرد اب ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے ہڑبڑا کر دکان کی جانب دیکھا۔ شٹر بند تھا۔ اور دکان کو تالا لگا ہوا تھا۔ ڈونی نے سر کو ہلاتے ہوئے سوچا۔ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا تھا۔ لیکن فوراً ہی اسے اپنے خیال کو مسترد کرنا پڑا۔ اس کی سڑک پر موجودگی اس بات کا اظہار کرتی تھی کہ وہ رات کو یقیناً یہاں تک آیا تھا۔ سر پر موجود گومڑ بھی اس بات کی نشاندہی کررہا تھا کہ بدحواسی کے عالم میں سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کا پاؤں پھسلا اور وہ سڑک پر آ گرا۔ جس کے بعد اسے ہوش و حواس کی دنیا کو ترک کرنا پڑا۔

بہر حال وہ سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے گرتا پڑتا گھر کی جانب چل دیا۔ دکان سے کچھ ہٹ کر اور رہائشی علاقے کے شروع میں اس نے تین چار پولیس والوں کو قصبے کے کچھ افراد کے ہمراہ کھڑے ہوئے دیکھا۔ ڈونی کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ معاملے کے متعلق معلوم کرنے کے لئے ان سے بات چیت کرتا۔ اس لئے کنی کترا کر گھر کی جانب جانے والی گلی میں مڑ گیا۔ گھر پہنچ کر اس نے گرم پانی میں نمک شامل کیا۔ اور غسل کرنے کے بعد ناشتہ تیار کرنے لگا۔ ریڈیو آن تھا۔ لیکن اس پر خبروں کا سلسلہ شروع ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔ ناشتہ کرنے کے بعد ڈونی نے کپڑے تبدیل کئے۔ اس کی حالت کافی حد تک سنبھل چکی تھی۔ آرام کرنا ممکن نہیں تھا۔ دکان کو شروع کے مراحل میں بند کردینا اچھا نہیں تھا۔ اس لئے وہ خبریں سننے کے بعد دکان کی جانب چل دیا۔ موسم ابر آلود تھا۔ اور یخ بستہ ہوائیں شیل ٹاؤن کو گھیرے میں لئے ہوئے تھیں۔ ڈونی نے دکان میں داخل ہوتے ہی گیس کا ہیٹر آن کیا۔ اور کیش باکس کو چیک کرنے لگا۔ وہاں پچھلے دن والی رقم کے علاوہ مزید رقم

بھی موجود تھی۔ یعنی رات کے وقت مزید خریداری ہوئی تھی۔ اور یہ خریداری اس کی عدم موجودگی کے دوران پراسرار گاہکوں کے ذریعے ہوئی تھی۔

اس نے پریشان نگاہوں سے دکان میں طائرانہ نگاہ دوڑائی۔ دکان میں بہت سے کھلونے کم تھے۔ یقیناً وہی خریدے گئے تھے۔ تمام کھلونوں پر پرائس پرنٹ تھے۔ اس نے حساب لگایا۔ گزشتہ رات کی سیل کھلونوں کی فروخت کے مطابق تھی۔ اس نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور سوچنے لگا۔ مقفل دکان کو پراسرار طریقے سے کھولنے والے وہ پراسرار لوگ کون ہوسکتے تھے؟ جو اس کی دکان کو نقصان پہنچائے بغیر کھلونوں کی خریداری کے بعد دکان مقفل کرکے وہاں سے خاموشی کے ساتھ واپس چلے گئے۔

اچانک ڈونی کی نگاہ سامنے موجود سانتا کلاز کے مجسمے پر پڑی۔ وہاں سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ لیکن سانتا کلاز اور اس کے ساتھ کھڑی بوڑھی عورت کے مجسمے کے پاؤں میں پہنے ہوئے جوتوں پر خشک مٹی لگی ہوئی تھی۔

ڈونی کو اچھی طرح یاد تھا کہ پچھلی رات ایسا نہیں تھا۔ ان دونوں مجسموں کے پاؤں میں موجود جوتے صاف ستھرے تھے۔ یقیناً رات کو خریداری کرنے والے گاہک کپڑوں سے بنے مجسموں کو اپنے ہمراہ لے کر باہر گئے ہوں گے۔ جوتوں پر لگی ہوئی مٹی کی گرد اچھی معلوم نہیں ہو رہی تھی۔ گاہکوں کے آنے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا۔ ڈونی نے دونوں مجسموں کے پاؤں سے جوتوں کو اتارا اور انہیں اچھی طرح جھاڑنے کے بعد دوبارہ پہنانے لگا۔

ابھی وہ جوتے مکمل طور پر پہنانے نہیں پایا تھا کہ دکان کا دروازہ کھلا اور پولیس کے دو سپاہی اندر داخل ہوئے۔ ڈونی مجسموں کو چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ پولیس والوں نے ڈونی کے سراپے کا جائزہ لیا۔ پھر ایک سپاہی بولا۔

''گزشتہ رات تمہاری دکان کے قریب شیل ٹاؤن کے ایک رہائشی کا قتل ہوا ہے۔ اسے اس کی لاش اس کے گھر کے قریب سڑک پر پڑی ہوئی ملی ہے۔ گھر والوں کا کہنا ہے کہ رات کے تین بجے دروازہ کھٹکا۔ دروازہ کھولنے پر انہوں نے جس شخص کو سامنے کھڑے ہوئے پایا۔ اس کے کہنے کے مطابق وہ رہائشی علاقے کے مکانوں کی چوکیداری کرتا ہے۔ اور کچھ بات چیت کے لئے گھر کے سربراہ کو باہر لے جانا چاہتا تھا۔ لیکن حیرت انگیز طور پر وہ سانتا کلاز کے لباس میں ملبوس تھا۔ اس لئے گھر کا سربراہ اس کے ہمراہ باہر چلا گیا۔ اس کے بعد وہ واپس نہیں آسکا۔

صبح میں نے اپنے اسسٹنٹ کے ہمراہ جب ٹاؤن کا راؤنڈ لگایا۔ تب اس آدمی کی لاش کو سڑک کے کنارے پڑے ہوئے پایا۔ اس کے سر کو ڈنڈا مار کر پھاڑ دیا گیا تھا۔ میں گاڑی لانے کے لئے واپس پولیس اسٹیشن کی جانب بھاگا۔ تب تمہیں میں نے دکان کی سیڑھیوں کے پاس بے ہوش پڑے ہوئے پایا۔ گاڑی لانا ضروری تھا۔ اس لئے میں تمہیں نظرانداز کرکے پولیس اسٹیشن چلا گیا۔ گاڑی کے ہمراہ جب واپس آیا۔ تب میں نے تمہیں غائب پایا۔ بہرحال دکان کھلنے پر ہم نے دوبارہ تفتیش کا آغاز کرنے کی ٹھانی اور پولیس اسٹیشن چلے آئے۔ اب تم ہمیں بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے۔؟''

بات کرنے کے دوران اس کی نگاہ دکان کا جائزہ لینے میں مصروف تھی بلکہ اطراف کا جائزہ لینے کے بعد سانتا کلازم اور اس کے ساتھ کھڑی بوڑھی عورت کے مجسمے پر جم گئی تھی۔ ڈونی اس کی نگاہوں میں پوشیدہ خیالات کو کسی حد تک جان گیا تھا۔ کچھ بھی چھپانا اس کے حق میں خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ اس لئے اس نے حرف بہ حرف گزشتہ رات بیتنے والے تمام واقعات تفصیل کے ساتھ بیان کردیئے۔

دونوں پولیس والے نہایت محویت کے عالم میں اس کی بیان کردہ تفصیلات کو سنتے رہے۔ پھر پہلا پولیس والا بولا۔

''میرا نام سارجنٹ انتھونی ہے۔ میں تمہاری بیان کردہ کہانی کے ساتھ اتفاق کرتا ہوں۔ لیکن کیا تم

www.pdfbooksfree.pk

مجھے بتانا پسند کرو گے کہ سانتا کلاز کا یہ مجسمہ تمہارا خود تیار کردہ ہے۔ یا پھر پہلے سے یہاں نصب تھا۔ سانتا کلاز کا یہ مجسمہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ یاد رہے گزشتہ رات والے قتل کے دوران قاتل نے سانتا کلاز کا روپ دھارن کیا تھا۔''

ڈونی نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔ ''جب میں نے دکان خریدی۔ تب یہ تمام مجسمے پہلے ہی سے یہاں نصب تھے۔ مجھے کسی بھی قسم کا سامان خریدنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ سوائے کرسمس ٹری کے...... جن کی خریداری دو دن پہلے کی تھی۔''

سارجنٹ انتھونی نے دوبارہ اثبات میں سر ہلایا۔ پھر پوچھا۔ ''تمہاری بیان کردہ کہانی پراسرار اور ناقابل یقین ہے۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ اس میں رتی برابر بھی جھوٹ نہیں۔ اپنی تیس سالہ ملازمت کے دوران اب میں سامنے کھڑے شخص کی صورت دیکھ کر اس کے دل کا حال معلوم کرنے کی صلاحیت بخوبی رکھتا ہوں۔ تمہاری بیان کردہ کہانی یقیناً سچ ہے۔ یا پھر دماغ میں موجود خوف کی لہر کی بدولت تمہیں حقیقت کی صورت میں دکھائی دی ہے۔ جو بھی ہے تمہاری دکان کی نگرانی ضروری ہے۔ اس لئے میں دو بندوں کو مکان کے باہر تعینات کردیتا ہوں۔ یقیناً تمہیں اعتراض نہیں ہوگا۔''

ڈونی نے اثبات میں سر ہلایا اور دونوں پولیس والوں نے سانتا کلاز کے مجسمے کا تفصیلی جائزہ لیا اور دکان کی مختصر تلاشی لینے کے بعد باہر نکل گئے۔

''پراسرار انسانوں کی آمد''

اس دن کی مصروفیات کچھ خاص نہیں رہیں گاہکوں کی تعداد کم تھی۔ بچے کھلونوں کی خریداری کے لئے آتے جاتے رہے۔ ڈونی کا دماغ بھی موجودہ صورت حال کی بدولت الجھا رہا۔ کام میں توجہ نہ ہونے کے برابر رہی۔ لیکن تمام دن کی سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب ہوا کہ اسے کچھ دن دکان کے اندر ہی سونا چاہئے۔ دکان کی چھت پر کمرہ موجود تھا۔ لیکن یہاں باتھ روم یا کچن کی سہولت موجود نہیں تھی۔ یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ وہ کچھ دیر کے لئے گھر جاکر ضروریات زندگی سے فارغ ہونے کے بعد کھانے پینے کے سامان کے ہمراہ واپس دکان میں آسکتا تھا۔ اسے بمشکل آدھے گھنٹے سے زیادہ کا عرصہ نہیں لگتا۔

سر شام اس نے دکان بند کی اور تیز قدموں کے ساتھ گھر کی جانب چل دیا۔ اس کی دکان پر متعین دونوں پولیس والے پانچ بجے کے بعد اچانک ہی غائب ہوگئے تھے۔ ڈونی نے گھر میں داخل ہوکر کافی اور سینڈوچ تیار کئے۔ پھر باتھ روم وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد تیز قدموں کے ساتھ دوبارہ دکان کی جانب چل دیا۔ ٹاؤن سنسان ہوچکا تھا۔ ڈونی آتے ہوئے اپنے ہمراہ ریڈیو بھی لیتا آیا تھا۔ اس نے دکان کے شیشے کے دروازے کو اندر سے لاک کیا۔ پھر ریڈیو آن کرکے خبروں کا چینل لگادیا اور خود کھانا کھانے لگا۔ مختصر خبروں کے بعد اناؤنسر نے شیل ٹاؤن کی موجودہ صورت حال پر تبصرہ کرنے کے بعد پولیس والوں کا بیان پیش کیا۔ جس کے مطابق ''آج کی تمام رات پولیس سیکورٹی مضبوط رکھنے کا اعلان کیا گیا تھا اور ٹاؤن کے افراد سے گزارش کی گئی تھی کہ وہ کسی بھی صورت میں گھروں سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کریں۔ ایمرجنسی کی صورت میں مختلف بتائے جانے والے نمبروں پر ڈائل کرنے کی صورت میں پولیس ان کے بتائے ہوئے ایڈریس پر جلد از جلد پہنچنے کی کوشش کرے گی۔''

خبریں ختم ہونے کے بعد ڈونی نے ریڈیو کو بند کردیا اور خود اپنا بستر اٹھائے دکان کی اوپری منزل پر بنے ہوئے کمرے کی جانب چل دیا۔ اس نے بستر بچھایا اور سونے کے لئے لیٹ گیا۔

شام کے ساڑھے سات بج رہے تھے۔ نیند اس کی نگاہوں سے کوسوں دور تھی۔ اسے رہ رہ کر پولیس کی ناقص کارکردگی پر غصہ آرہا تھا۔ ٹاؤن کا بازار اور رہائشی علاقہ سنسان پڑا تھا۔ پولیس کے گشت کا نام و نشان موجود نہیں تھا۔ ریڈیو پر بڑی بڑی باتیں کی جارہی تھیں۔ ورنہ عملی اقدام نہ ہونے کے برابر تھا۔ ڈونی نے

گزشتہ رات کی طرح لائٹ بند نہیں کی تھی۔ لحاف منہ تک اوڑھ کر وہ خاموشی کے ساتھ لیٹ کر واقعات کے متعلق سوچتا رہا اور رات کے دو بج گئے۔ لیکن اسے نیند نہیں آئی۔ دکان کے اوپر بنے اس مختصر کمرے کی اکلوتی کھڑکی بازار کی جانب کھلتی تھی۔ جب ڈونی لیٹے لیٹے اکتا گیا۔ تب اٹھ کر کھڑکی کی جانب چل دیا۔ اس نے کھڑکی کھولی۔ اور اسٹریٹ کی روشنی میں بازار کی دکانوں پر تفصیلی نگاہ دوڑائی۔ شٹر بند تھے اور دور دور تک بازار سنسان دکھائی دے رہا تھا۔ ڈونی نے سوچا کہ وہ سڑک سے اوپر دکان کی دوسری منزل پر کتنا محفوظ ہے۔ کھڑکی کھول کر باہر جھانک سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ سڑک کے درمیان میں کھڑا ہو جائے۔ تب اس کے وجود کے ساتھ بازار میں گھومنے پھرنے والا قاتل کچھ بھی کرسکتا تھا۔ اس کی سوچ دھری کی دھری رہ گئی۔ جب اس نے چار آدمیوں کو سامنے کی گلی سے نکل کر اپنی دکان کی جانب آتے ہوئے دیکھا۔ ان کے چہرے کہر کی بدولت غیر واضح دکھائی دیتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کے ہاتھ تھامے سڑک پار کرنے لگے۔ انداز ایسا تھا۔ جیسے اسکول کی چھٹی کے بعد بچے سڑک پار کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔

بہرحال سڑک عبور کرنے کے بعد انہوں نے ڈونی کی دکان کا رخ کیا۔ ڈونی کو دکان کا نچلا حصہ صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے جسم کو کھڑکی کے راستے آدھے سے زیادہ باہر نکالا اور نیچے جھانکا۔ دکان کا مزید کچھ حصہ دکھائی دینے لگا۔

وہاں لوگوں کا ہجوم موجود تھا۔ وہ دکان میں گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ڈونی کو اپنے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔ سخت سردی کے باوجود بھی اس کا جسم پسینے سے بھیگنے لگا اور اس نے جھٹکے کے ساتھ کھڑکی کو بند کردیا۔ پھر ہانپتا ہوا اپنے بستر پر آ بیٹھا۔ وہ سوچنے لگا۔ ان پراسرار لوگوں کا اس کی دکان کے ساتھ نہ جانے کیا تعلق ہے۔ وہ روزانہ رات کو وہاں آ کر خریداری کرتے ہیں اور رقم کو کیش باکس میں رکھ جاتے ہیں۔ اگر وہ چاہتے تب رقم کیش باکس میں رکھے بغیر کھلونے خاموشی کے ساتھ ہمراہ لے جاسکتے ہیں۔ لیکن یہ ان کی ایمانداری کی انتہا تھی کہ وہ کھلونوں پر موجود رقم پڑھنے کے بعد اتنی ہی رقم کیش باکس میں رکھ کر کھلونے ہمراہ لے جاتے تھے۔ یعنی ان کی نیت بری نہیں تھی۔ ڈونی کو اپنے جسم میں موجود خوف کی لہر کم ہوتی محسوس ہوئی۔ وہ معاملے کے متعلق معلومات حاصل کرسکتا تھا۔ نیچے دکان میں جا کر...... یقیناً وہ اسے نقصان بھی پہنچا سکتے تھے۔ لیکن اگر وہ سیڑھیوں کے پاس کھڑا ہو کر اپنی موجودگی کو پوشیدہ رکھتے ہوئے ان کی باتیں سننے کی کوشش کرتا۔ تب یقیناً ان کے ارادے کے متعلق آگاہی حاصل کرسکتا تھا۔ اس نے لحاف ایک جانب رکھا اور دیوار کے ساتھ رکھی پردہ لٹکانے والی فالتو پڑی لوہے کی راڈ کو اٹھایا۔ اور دروازہ کھول کر دبے قدموں نیچے دکان کی جانب سیڑھیوں پر قدم رکھ دیا۔

اسے مختلف لوگوں کے بولنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بہت اہم موضوع زیر بحث بنا ہو۔ آخری سیڑھی کے پاس پہنچ کر اس نے احتیاط کے ساتھ سر آگے بڑھاتے ہوئے دکان کے اندر جھانکا۔ وہاں پندرہ کے قریب لوگ موجود تھے۔ ان میں زیادہ تر کے چہرے مسخ تھے اور جسم پر آگ سے جھلسنے کے نشانات موجود تھے۔ ان میں زیادہ تر زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے جبکہ ایک نوجوان جوڑا ان سے کچھ ہٹ کر کاؤنٹر پر ایسے براجمان تھا کہ لڑکی کا سر لڑکے کے کاندھے پر ٹکا ہوا تھا۔ لڑکی زار و قطار رو رہی تھی۔ اور نوجوان اسے چپ کروانے کی کوششوں میں مصروف تھا۔

ڈونی نے زمین پر بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لیا۔ ان میں مرد عورتیں بچے بوڑھے سب شامل تھے۔ اچانک نوجوان لڑکے نے لڑکی کے جسم کو ایک جانب ہٹاتے ہوئے سیڑھیوں کی جانب دیکھا اور اونچی آواز میں بولا۔

www.pdfbooksfree.pk

"ڈونی تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ سیڑھیوں سے اتر کر سامنے آجاؤ۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔"

سیڑھیوں کے پاس کھڑے ہوئے ڈونی کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس نے اوپری کمرے کی جانب بھاگنے کے متعلق سوچا۔ لیکن فوراً ہی خیال کو مسترد کردیا۔ کمرے میں گھس کر بھلا وہ کیونکر ان سے چھپ سکتا تھا۔ وہ باآسانی دروازے کو توڑ کر اسے گرفتار کرسکتے تھے۔ بہتری اسی میں تھی کہ وہ جیسا کہہ رہے تھے۔ خاموشی کے ساتھ ویسا ہی کرتا جائے۔

ڈونی نے حلق میں آتے ہوئے تھوک کو نگلا اور کانپتے ہوئے قدموں کے ساتھ سیڑھیاں اتر کے دکان کے درمیان میں آ کھڑا ہوا۔ نوجوان لڑکا کاؤنٹر سے نیچے اتر آیا۔ زمین پر بیٹھے ہوئے افراد نے حرکت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے وہ بے جان تراشے ہوئے بتوں کے مجسمے ہوں۔ جن میں سے جان نکال لی گئی ہو۔ لڑکی اپنے چہرے پر موجود آنسوؤں کے ریلے کو صاف کرنے میں مصروف تھی۔ ڈونی کمرے کے درمیان میں آ کھڑا ہوا۔ نوجوان نے تشکر بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"ڈونی تمہاری دکان استعمال کرنے کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔ لیکن مخدوش حالات کی بدولت مجبوراً ہمیں ایسا کرنا پڑا۔ میرا نام بل شیٹ ہے اور یہ میری بیوی این ہے۔ اگر اعتراض نہ ہو تو ہمارے ہمراہ بیٹھ کر ہمارے موجودہ مسئلے کا حل تلاش کرنے میں ہماری مدد کرسکتے ہو۔ ہم تمہارے شکر گزار ہوں گے۔

ڈونی نے اثبات میں سر ہلایا اور قریب ہی موجود کرسی پر بیٹھ گیا۔ لڑکا جس کا نام بل تھا۔ وہ دوبارہ کاؤنٹر پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے جلے ہوئے چہرے پر کرختگی کے تاثرات نہیں تھے بلکہ معصومیت کا رجحان تھا۔ ڈونی کو اپنے دل میں اٹھتا ہوا خوف کم ہوتا محسوس ہوا۔ اس نے اطمینان کا طویل سانس لیا۔ پھر بل سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے یہ جان کر الجھن محسوس ہو رہی ہے کہ دکان کے باہر لگے تالے کو تم نے کیسے کھولا بلکہ آج تو دکان اندر سے لاک تھی۔ پھر بھی تمہاری موجودگی اس بات کا اظہار کر رہی ہے کہ تم نے دروازے کو پراسرار طریقے سے کھولا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے تمہاری یہاں موجودگی کی وجہ بھی سمجھ نہیں آرہی۔"

بل نے کچھ دیر خاموش ہو کر سوچتے رہنے کے بعد جواب دیا۔ "تالا کھولنا کسی انسان کے لئے مشکل ہوگا۔ لیکن روحیں اس سے بالاتر ہیں۔"

ڈونی کو اپنے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اس نے پھریری لی۔ پھر کرسی پر پہلو بدل کر بیٹھ گیا۔ بل بولے چلا جا رہا تھا۔ "ہمیں اس دنیا سے رخصت ہوئے تقریباً ایک مہینے سے زیادہ کا عرصہ ہوچکا ہے۔ لیکن ہم آج بھی دربدر ہیں۔ ہمیں کھوج ہے۔ اپنے بچے کی...... شاید تم ہماری مدد کرسکو۔ ہمیں تم سے کوئی بھی غرض نہیں ہے۔ اس لئے کہ تم شیل ٹاؤن کے رہائشی نہیں ہو۔ اگر ہوتے تب یقین جانو کہ ہم تمہیں زندہ نہیں چھوڑتے۔"

ڈونی نے بے چین لہجے میں بات درمیان میں کاٹ دی۔ اور پھر پوچھا۔ "تم مجھے مسئلہ بتاؤ۔ ہوسکتا ہے۔ میں اسے سلجھانے کا باعث بن سکوں۔ اگر ایسا نہ بھی ہوسکا۔ تب بھی کوشش ضرور کروں گا۔"

بل کاؤنٹر سے نیچے اتر آیا۔ اس نے کاؤنٹر کے دوسری جانب موجود کرسی کو گھسیٹا اور ڈونی کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کی بیوی این خاموشی کے ساتھ کاؤنٹر پر بیٹھی تھی۔

بل نے ڈونی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "بہتری اسی میں ہے کہ میں تمہیں اپنی آپ بیتی تفصیل کے ساتھ سنادوں، مسئلے کے متعلق جانکاری کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے۔" ڈونی نے اثبات میں سر ہلایا۔ تب کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بل ہمکلام ہوا۔

"پاگل بیتی"

"یہ آج سے تقریباً سوا مہینے پہلے کی بات ہے۔

یا شاید اس سے کچھ کم...... مجھے صحیح طرح یاد نہیں ہے۔ لیکن ہم سب شیل ٹاؤن کے پاگل خانے میں زیر علاج تھے۔ پاگل خانے کے سربراہ کا نام ہنری ولسن تھا۔ وہ نرم خو اور سلجھا ہوا انسان تھا۔ شیل ٹاؤن پاگل خانے کے تمام پاگل اسے عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ تھا بھی اسی قابل...... میں نے اسے کبھی بھی کرخت لہجے میں بات کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ آپ بیتی کی شروعات تب ہوئی۔ جب میری شادی این کے ساتھ ہونے طے پائی۔ میں اور این ایک دوسرے سے بے تحاشا محبت کرتے تھے۔ ہمارا علاج بھی تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ پاگل خانے سے فارغ ہونے میں صرف دو مہینے باقی رہ گئے تھے۔ سر ہنری ولسن میرا امتحان لینے کے لئے مجھے ٹاؤن کے بازار میں بھیجا کرتے تھے۔ تاکہ میں سودا سلف کی خریداری کر کے انہیں اس بات کا یقین دلا سکوں کہ میرا علاج بخیر وخوبی پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ میں اس امتحان میں پورا اترنے کے لئے نہایت زور وشور سے کوششوں میں مصروف تھا۔ لیکن پھر نہ جانے کیسے تمام حالات مختلف رخ دھارنے لگے۔ ہوا کچھ یوں...... کہ شادی سے پہلے جب میں سودا سلف کی خریداری کے لئے پاگل خانے سے باہر ٹاؤن کے مختصر بازار کا رخ کرتا تھا۔ تب این ہمیشہ میرے انتظار میں بیٹھی ہوتی تھی۔ وہ مجھ سے درخواست کرتی تھی کہ بازار سے واپسی کے دوران میں اس کے لئے چاکلیٹ۔ چپس اور گلاب کے پھول لے کر آؤں۔ اسے پھول پسند تھے۔ میں ہمیشہ ایسا ہی کرتا تھا۔ میں سودا سلف بعد میں خریدتا تھا۔ لیکن این کی فرمائش کردہ چیزیں پہلے اکٹھی کرتا تھا۔

پاگل خانے کے تمام ڈاکٹر نرسیں اور مزید اسٹاف ہماری محبت کے متعلق بخوبی جان چکے تھے۔ ہماری محبت کو مدنظر رکھتے ہوئے ڈاکٹروں کی میٹنگ بیٹھی۔ جس میں فیصلہ ہوا کہ ہمارے سرپرست اعلیٰ سے اجازت لے کر شادی کردی جائے۔ ہوسکتا ہے اس تجربے کے مثبت اثرات نمایاں ہوں۔ یوں ہماری شادی ہوئی۔ اپنی شادی کا دن میں رہتی دنیا تک بھلا نہیں پاؤں گا۔ شادی کے بعد بھی ہماری محبت میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ ہر آنے والے دن کے ساتھ محبت بڑھتی چلی گئی۔ مجھے وہ دن نہیں بھولتا۔ جب بچھڑے کے کسی تہوار کے دوران پاگل خانے میں پاگلوں کے علاوہ صرف سر ہنری ولسن اور نوکریا نرسیں موجود تھیں۔ تب پاگلوں کے لگاتار اسرار کے بعد سر ہنری ہمیں کہانی سنانے کے لئے آمادہ ہوگئے۔ رات کا وقت تھا اور خوشگوار بہار کے دن تھے۔

سر ہنری نے ہمیں اس رات جو کہانی سنائی۔ اس کا نام بانسری والا تھا۔ اور کہانی کا خلاصہ کچھ یوں تھا۔

یاد رہے اس کہانی کا اس آپ بیتی کے ساتھ گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔ اس لئے سنانا ضروری ہے۔ ہوا کچھ یوں کہ ایک گاؤں میں چوہوں کی تعداد یکلخت بڑھنے لگی۔ جب یہ تعداد خطرناک حدود سے تجاوز کر جاتی ہے۔ تب وہ ایک ایسے بانسری والے کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔ جس کی بانسری کی دھن میں جادو جیسی تاثیر ہوتی ہے۔ بانسری والا گاؤں والوں کو چوہے کی خطرناک بڑھنے والی تعداد سے نجات دلانے کے لئے رقم کا مطالبہ کرتا ہے۔ گاؤں والے اقرار میں سر ہلاتے ہوئے اسے یقین دلاتے ہیں کہ کام مکمل ہوجانے کے فوراً بعد وہ معاوضہ اسے دے دیں گے۔ بانسری والا دوسرے دن صبح سویرے بانسری کی دلفریب دھن چھیڑتا ہے۔ تب تمام گاؤں کے چوہے بے خود ہو کر اس کے پیچھے پیچھے گاؤں سے باہر کا رخ کرتے ہیں اور پہاڑوں میں گم ہونے کے بعد واپسی کا راستہ بھلا دیتے ہیں۔

گاؤں والے سکون کا سانس لیتے ہیں۔ لیکن حسب وعدہ بانسری والے کو معاوضہ دینے سے صاف انکار کردیتے ہیں۔ بے چارہ بانسری والا روتا دھوتا گاؤں سے کچھ دور جنگل میں گم ہوجاتا ہے۔ لیکن دوسرے دن وہ صبح سویرے نمودار ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھوں میں بانسری موجود ہوتی ہے۔ وہ بانسری کو اپنے

www.pdfbooksfree.pk

ہونٹوں کے ساتھ لگاتا ہے اور ایک ایسی دھن کا آغاز کرتا ہے۔ جسے سن کر گاؤں کے تمام بچے اچھلتے کودتے اس کے ہمراہ پہاڑوں کی جانب چل نکلتے ہیں۔ بانسری والا بچوں کو غار میں بند کردیتا ہے۔ پھر گاؤں والوں سے اپنے معاوضے کا تقاضا کرتا ہے اور معاوضہ ملنے پر وہ بچوں کو رہا کردیتا ہے۔

یہاں پہنچ کر کہانی ختم ہوجاتی ہے۔ لیکن ہماری دردبھری کہانی کا آغاز اس کہانی کے اختتام کے بعد ہوتا ہے۔ کہانی سننے کے بعد جب میں نے اور این نے کمرے کا رخ کیا۔ تب این سوچوں میں گم تھی۔ وہ مجھ سے بات چیت نہیں کررہی تھی۔ ایسا ہماری مختصر ازدواجی زندگی کے دوران پہلی دفعہ ہوا تھا۔ میں نے اسے کئی دفعہ اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ تب وہ خاموش ہی رہی۔ تنگ آکر میں نے اپنا رخ مخالف جانب کیا۔ اور سونے کے لئے لیٹ گیا۔ تب وہ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد اٹھ کر آتش دان کے اوپر لگے فریم کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ میں اس کی حرکات وسکنات کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ فریم میں ایسی تصویر موجود تھی۔ جس میں چار ننھے منے بچے تولیے میں لپٹے ہاتھ پاؤں ہلانے میں مصروف دکھائی دے رہے تھے۔ یہ تصویر کچھ عرصہ پیشتر این نے مجھ سے فرمائش کر کے منگوائی تھی۔ اور میں نے اسے آتش دان کے اوپر لگایا تھا۔ وہ کچھ دیر تصویر کو محویت کے عالم میں دیکھتی رہی۔ پھر ایک بچے کے چہرے پر انگلی رکھ کر آہستگی کے ساتھ ہمکلام ہوئی۔

''نبل ڈیئر...... مجھے ایسا بچہ چاہئے۔ کیا تم مجھے لادو گے۔ دیکھو انکار نہیں کرنا۔ میں بہت بے چین ہوں۔ مجھے بچے اچھے لگتے ہیں۔''

میں مسکراتے ہوئے ہمراہ تصویر کے سامنے آکھڑا ہوا۔ وہ میری موجودگی سے بے خبر محویت کے عالم میں بولے چلی جارہی تھی۔

''تم نے ہمیشہ میری خواہشات کا احترام کیا ہے۔ میں نے تم سے جو بھی مانگا۔ تم نے مہیا کرنے کی کوشش کی۔ آج آخری دفعہ مانگ رہی ہوں۔ اس کے بعد پھر کبھی نہیں مانگوں گی۔ مجھے ایسا بچہ چاہئے۔''

میں نے بغور بچے کی تصویر کی جانب دیکھا۔ وہ ایک دودھ پیتے صحت مند بچے کی تصویر تھی۔ میں نے نہایت اعتماد کے ساتھ آگے بڑھ کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر حتمی لہجے میں بولا۔

''کل صبح یہ بچہ تمہارے پاس موجود ہوگا۔'' اس نے بے ساختہ گھومتے ہوئے مجھ سے لپٹ کر اپنا سر میرے سینے میں چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''ڈیئر مجھے تم سے ایسی ہی امید تھی۔''

''بچے کا اغواء''

دوسرے دن صبح سویرے میں انکل ٹام کے اسٹور کے سامنے کھڑا تھا۔ انکل ٹام کے اسٹور میں دودھ، دہی، انڈے، مکھن، ڈبل روٹی اور غرض ناشتے میں استعمال کی جانے والی تمام اشیاء خورد ونوش دستیاب تھیں۔ اس لئے صبح سویرے ان کے اسٹور پر بے تحاشا رش پایا جاتا تھا۔ میں رش لگنے کے انتظار میں تھا۔ مجھے خریداری کی ضرورت نہیں تھی۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ انکل ٹام کی رہائش اسٹور کے پچھواڑے میں تھی اور راستہ کاؤنٹر کے پیچھے سے ہو کر نکلتا تھا۔ انکل ٹام کا دودھ پیتا بچہ اکثر صبح کے وقت گہری نیند سویا رہتا تھا۔ اور ان اوقات میں مسز ٹام انکل ٹام کے ساتھ اسٹور میں ہاتھ بٹاتی دکھائی دیتی تھیں۔ یعنی میرے خیال کے مطابق اس وقت جونیئر ٹام کمرے میں تنہا ہوتا تھا۔ میں رش کے دوران باآسانی بچے کو گھر سے اٹھا سکتا تھا۔ اس وقت صبح کے سات بج رہے تھے۔ میرے ہاتھوں میں بانس کی بنی ہوئی بڑی باسکٹ موجود تھی۔ سوا سات بجے کے قریب گاہکوں کا رش شروع ہوا۔ اور ساڑھے سات بجے تک رش نے شدت اختیار کرلی۔ میں نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے ٹوکری کو احتیاط کے ساتھ ہاتھوں میں تھاما اور اسٹور کے شیشے کے دروازے کو کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ دروازہ کھلنے پر مترنم گھنٹیوں کی آواز سے ماحول گونج اٹھا۔

مسٹر ٹام نے چونک کر میری جانب دیکھا۔ میں

نے گڈ مارننگ کہہ کر انہیں مخاطب کیا۔ انکل ٹام نے مسکراتے ہوئے مجھے خوش آمدید کہا۔ پھر انتظار کرنے کی تلقین کرتے ہوئے گاہکوں کے ساتھ لین دین کرنے میں مصروف ہوگئے۔ مسز ٹام بھی جلدی جلدی ان کا ہاتھ بٹا رہی تھیں۔ میں نے چور نگاہوں سے گاہکوں کی جانب دیکھا۔ ان میں سے کوئی بھی میری جانب متوجہ نہیں تھا۔ میں دبے قدموں کے ساتھ کاؤنٹر کے آخری سرے کی جانب چل دیا۔ یہاں چپس کے کارٹن، بیئر کے ٹین، ڈبل روٹی کے پیکٹ موجود تھے۔ میں ان کی آڑ لیتا ہوا کاؤنٹر کے پچھلی جانب نظر آتے ہوئے رہائشی کمروں کے دروازے میں گھس گیا۔ یقیناً مجھے ایسا کرتے ہوئے کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ ورنہ شور مچا دیتا۔ سامنے مختصر گیلری بنی ہوئی تھی۔ جس میں آمنے سامنے دو کمروں کے دروازے دکھائی دے رہے تھے۔ سیدھے ہاتھ والا دروازہ بیڈ روم کا تھا جبکہ الٹے ہاتھ کی جانب والا دروازہ سیٹنگ روم کا تھا۔

میں نے بیڈ روم والا دروازہ کھولا اور اندر جھانکا۔ بچہ لکڑی کے پالنے میں نہایت گہری نیند سویا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر نہایت احتیاط کے ساتھ بچے کو کمبل کے ہمراہ اٹھایا اور باسکٹ میں ڈال کر ڈھکنا بند کر کے مختصر کنڈی لگا دی۔ پھر دبے قدموں کے ساتھ راہداری سے ہوتا ہوا اسٹور کے دروازے سے باہر نکل کر کاؤنٹر کے سامنے گاہکوں کے رش میں شامل ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اگر میں دروازہ کھول کر باہر نکلنے کی کوشش کرتا۔ تب انکل ٹام کی نگاہوں کا مرکز بن سکتا تھا۔ دروازہ کھلنے اور بند ہونے والی مترنم گھنٹی میری پوشیدگی کا راز فاش کر دیتی۔ وہاں گاہکوں کے درمیان میں زیادہ دیر کھڑا رہنا بھی میرے لئے خطرے کا باعث بن سکتا تھا۔ ابھی میں سوچ و بچار میں مصروف ہی تھا کہ ماحول دروازہ کھلنے کی مترنم گھنٹیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ ایک گاہک اپنے دو عدد بچوں کے ہمراہ اسٹور میں داخل ہو رہا تھا۔ انکل ٹام نے گاہک کی جانب دیکھا۔ پھر مطمئن انداز میں سر ہلا کر دوبارہ کام میں مصروف ہوگئے۔

میں نے موقع غنیمت جانا۔ اور تیزی کے ساتھ کھلے دروازے سے باہر نکل آیا۔ مجھے اپنے پیچھے شیشے کے دروازے کے بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ میں نے اطمینان کا طویل سانس لیا اور باسکٹ کے ہمراہ پاگل خانے کی جانب بھاگ کھڑا ہوا۔ پاگل خانے کے مین دروازے سے اندر داخل ہونے کے بعد میں نے رہائشی کمروں کا رخ کیا۔ پاگل خانے کے بہت سے اسٹاف سے میرا سامنا ہوا۔ لیکن انہوں نے بات چیت نہیں کی۔ کیونکہ وہ مجھے پاگل خانے سے باہر آتے جاتے دیکھنے کے عادی تھے۔ میں نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد این سے مخاطب ہوتے ہوئے پرجوش لہجے میں کہا۔

”ڈیئر میں کامیاب ہوگیا ہوں۔ یہ دیکھو تمہاری خواہش کو پورا کرنے کے لئے میں تمہارا بچہ ہمراہ لے آیا ہوں۔“

این نے بے تابانہ قدموں کے ساتھ آگے بڑھ کر ٹوکری کے اندر جھانکا۔ پھر خوشی سے چلاتے ہوئے بولی۔

”نبل ڈیئر...... میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر بھول نہیں پاؤں گی۔ تم نے مجھے ماں بنا کر مجھ پر احسان ہی تو کیا ہے۔ لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آرہی ہے کہ ہم اسے لوگوں کی نظروں سے چھپا کر بھلا کہاں رکھیں گے۔ اگر انہیں اس ننھے فرشتے کے متعلق بھنک بھی پڑ گئی۔ تب وہ اسے یقیناً ہم دونوں سے جدا کرنے کی کوششیں کریں گے۔“

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔ اگر ٹاؤن والوں کے علاوہ پاگل خانے والوں کو بھی بچے کی موجودگی کی بھنک پڑ جاتی۔ تب وہ یقیناً بچے کو ہم سے چھیننے کی کوشش کرتے۔ میں نے کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد چٹکی بجاتے ہوئے این سے مخاطب ہو کر کہا۔

”پاگل خانے کا تہہ خانہ بچے کی پوشیدگی کے

لئے مناسب رہے گا۔ وہاں کوئی آتا جاتا نہیں ہے۔“

این انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

”لیکن وہاں گرمی کا معقول انتظام نہیں ہے۔ بچے کو سردی لگ سکتی ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”تم صدیوں سے بند پڑے اس آتش دان کی موجودگی سے بے خبر ہو۔ جو کاٹھ کباڑ کے سامان کے پیچھے پوشیدہ ہے۔ لکڑیاں بھی پاگل خانے کے اسٹور میں بکثرت پڑی ہیں۔ ہم ان کے ذریعے تہہ خانے کو گرم رکھ سکتے ہیں۔ اب ہمیں دو باتیں ملحوظ نظر رکھنی ہیں۔ پہلی یہ کہ بچے کی بھوک کا مداوا کیونکر کیا جاسکے اور دوسری یہ کہ تہہ خانے کی صفائی کرنا نہایت ضروری ہے۔ اگر تمہارے پاس کچھ رقم موجود ہو۔ تب مجھے دو تاکہ میں سر ہنری کے اٹھنے سے پہلے دودھ والی بوتل اور دودھ خرید کر لاسکوں۔“

این نے انکار میں سر ہلایا۔ پھر پریشان لہجے میں بولی۔ ”میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی موجود نہیں ہے۔ لیکن میں سر ہنری کے کمرے کے خفیہ دراز سے آگاہی رکھتی ہوں۔ جہاں وہ رقم سنبھال کر رکھتے ہیں اور وہ اسے تالا بھی نہیں لگاتے۔“

میں نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ ”تب پھر تم رقم کا بندوبست کرو۔ تاکہ میں باہر کے کام جلد از جلد نمٹا سکوں۔“ این نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

میں نے باسکٹ میں سوتے ہوئے بچے کی جانب دیکھا۔ وہ نہایت معصوم شکل بنائے گہری نیند سویا ہوا تھا۔ تقریباً پانچ منٹ کے بعد این دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی۔ تو اس کے ہاتھوں میں رقم موجود تھی۔ میں نے رقم لے کر جیب میں رکھی۔ پھر این سے پوچھا۔ ”کسی کو خبر تو نہیں ہوئی۔“

این نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ”سر ہنری سوئے ہوئے ہیں۔ کمرہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے اندر داخل ہو کر نہایت آسانی کے ساتھ رقم حاصل کی۔ اور واپس چلی آئی۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”اب تم پاگل خانے والوں کے اٹھنے سے پہلے تہہ خانے کو صاف کر کے اس قابل بنا دو کہ وہاں ہمارا ننھا آرام و سکون کے ساتھ رہ سکے۔ میں دودھ والی بوتل اور دودھ لے کر ابھی واپس آتا ہوں۔“

این نے اثبات میں سر ہلایا۔

میں نے دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ خطرناک پاگلوں کی رہائش کا انتظام مختلف تھا۔ اس پاگل خانے میں علیحدہ کمرے کی سہولت بھی صرف مجھے اور این کو اس لئے حاصل تھی کہ ہماری شادی کو صرف تین ہی دن گزرے تھے۔ علاوہ ازیں علیحدہ کمرے کی سہولت ناپید تھی۔ میں نے پاگل خانے کا دروازہ کھولا اور باہر نکل آیا۔ مختلف راستوں سے ہوتا ہوا جب میں انکل ٹام کے جنرل اسٹور کے پاس پہنچا۔ تب میں نے وہاں پولیس والوں کو موجود پایا۔ تمام ٹاؤن جنرل اسٹور کے اردگرد جمع تھا۔ شاید تفتیش کا عمل شروع ہو گیا تھا۔ میں نے کنی کترائی اور ساتھ والی گلی میں گھستا چلا گیا۔ یہاں قریب ایک اور بڑا اسٹور بھی موجود تھا۔ میں نے وہاں سے دودھ کی بوتل اور دودھ خریدا۔ پھر خاموشی کے ساتھ پاگل خانے چلا آیا۔ این تہہ خانے کو صاف کرنے میں مصروف تھی۔ میں نے کام میں اس کا ہاتھ بٹایا۔ جونیئر ٹام اٹھ چکا تھا۔ لیکن چیخنے چلانے کے بجائے حیرت بھری نظروں سے تہہ خانے کے اجنبی ماحول کو دیکھنے میں مصروف تھا۔

میں نے این سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ”تم دودھ گرم کرو۔ جونیئر ٹام کو رونا نہیں چاہئے۔ ورنہ تہہ خانے سے باہر اسٹاف کو خبر ہو جائے گی کہ ہم یہاں بچے کو چھپائے ہوئے ہیں۔ تب وہ ہمارے لئے درد سری کا باعث بن سکتے ہیں۔“ این نے اثبات میں سر ہلایا اور میرے حکم کی تعمیل کے لئے پاگل خانے کے باورچی خانے کی جانب چل دی۔ تہہ خانہ صاف ہو چکا تھا۔ میں نے آتش دان میں لکڑیاں اکٹھی کر کے رکھیں۔ اور ان پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی۔

www.pdfbooksfree.pk

ماحول یک لخت گرم ہونے لگا۔ تھوڑی دیر میں این دودھ گرم کر کے بوتل کے ہمراہ تہہ خانے میں لے آئی۔ جونیئر ٹام بھوک سے بلک رہا تھا۔ دودھ پیتے ہی اچھلنے کودنے لگا۔ اور ابھی ہم اسے گود میں اٹھانے کے متعلق سوچ ہی رہے تھے کہ اس نے اپنے کپڑوں کو گیلا کر دیا۔ میں نے تفہیمی نگاہوں سے این کی جانب دیکھا۔ تب وہ پر جوش لہجے میں بولی۔

''ہمارے کمرے میں میرے دو فالتو کپڑوں کے جوڑے موجود ہیں۔ میں انہیں کاٹ کر تہہ خانے میں لے آتی ہوں۔ اس کے کپڑوں کا اس سے بہتر انتظام مزید نہیں ہوسکتا ہے۔'' میں نے اثبات میں سر ہلایا اور وہ کچھ ہی دیر میں کپڑے کاٹ کر لے آئی۔ ہم نے جونیئر ٹام کے کپڑے تبدیل کئے اور اس کے ہمراہ کھیلنے لگے۔ ٹام ایک صحت مند خوب صورت اور ہنس مکھ بچہ تھا۔ وہ چیخنے چلانے یا پھر رونے کے بجائے ہمارے ہمراہ بخوشی کھیلتا رہا۔ اس نے رونے کی کوشش نہیں کی۔ این کی خوشی کا یہ عالم تھا کہ ناشتہ کرنا بھی بھول چکی تھی۔ میرا دماغ مختلف سوچوں کے گھیرے میں تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے اوپر اپنے کمرے کا رخ کر لینا چاہئے۔ میری عدم موجودگی شک وشبہات کا باعث بن سکتی تھی۔ این اگر بچے کے ہمراہ تہہ خانے میں بھی رہتی۔ تب مضائقہ نہیں تھا۔ میں حالات کو سنبھال سکتا تھا۔ اس لئے میں نے این کو تہہ خانے سے باہر نہ نکلنے کی تلقین کی اور خود دروازے کو بند کر کے کمرے کی جانب چل دیا۔ وہاں حالات نارمل تھے۔ میں نے غسل کیا۔ اور کپڑے تبدیل کرنے کے بعد کرسی پر بیٹھ کر حالات کا جائزہ لینے لگا۔

''پولیس کی آمد''

مجھے سوچتے ہوئے پانچ منٹ بھی نہیں گزر پائے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا۔ تب سامنے جوزف کو کھڑے ہوئے پایا۔ جوزف پاگل خانے کا سینئر ورکر تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ نیچے ہال کمرے میں سر ہنری ناشتے کی میز میرے اور این کے منتظر تھے۔ ہماری شادی کے بعد تین دن مجھے اور این کو ناشتہ ڈائننگ روم میں پاگل خانے کے ڈاکٹروں اور اسٹاف کے ہمراہ دیا جا رہا تھا۔ ورنہ پاگل خانے میں موجود مزید پاگلوں کو یہ سہولت دستیاب نہیں تھی۔ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ پاگل خانے کا زیادہ تر اسٹاف چھٹی پر گیا تھا۔ گنے چنے لوگ باقی تھے۔ جو اپنے معمول کے کام میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت ناشتے کی میز پر سوائے سر ہنری کے علاوہ مزید کوئی ڈاکٹر موجود نہیں تھا۔ میں نے سر ہنری کو سلام کرنے کے بعد کرسی کھسکائی اور ان کے قریب بیٹھ گیا۔ انہوں نے تفہیمی نگاہوں سے میری جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''این دکھائی نہیں دے رہی۔ اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟''

میں نے پہلے سے گھڑا ہوا جھوٹ دہرا دیا۔

''اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ رات کے کھانے کے بعد سے جو متلی اور موشن کا رجحان ہوا۔ تو ابھی تک جاری وساری ہے۔'' سر ہنری کے ماتھے پر فکر انگیز لکیروں کا جال پھیلنے لگا۔ اور وہ پریشان کن لہجے میں بولے۔

''کچھ دوا وغیرہ کا انتظام کیا۔ اگر نہیں تو میں دیئے دیتا ہوں۔'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور دوسرا جھوٹ نہایت بے باکی کے ساتھ بول دیا۔

''کمرے میں ٹیبلٹ موجود تھی۔ میں نے اسے دے دی ہے۔ اس سے افاقہ بھی ہوا ہے۔ لیکن متلی کی بدولت اسے بھوک نہیں لگ رہی۔ اس لئے ناشتہ ہلکا پھلکا بعد میں کرے گی۔'' سر ہنری نے اثبات میں سر ہلایا اور خاموشی کے ساتھ ناشتہ کرنے لگی۔ میں نے بھی چائے کا پیالہ اپنے سامنے رکھا اور توس پر مکھن لگا کر آملیٹ کے ہمراہ کھانے لگا۔ کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے سر ہنری چونکتے ہوئے بولے۔

''آج ٹاؤن میں عجیب واقعہ پیش آیا ہے۔ بقول جوزف کے...... ٹام میلسن کے گھر سے اس کے دودھ پیتے بچے کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ نجانے وہ کون مردود ہے جسے دودھ پیتے بچے میں دلچسپی محسوس ہوئی۔'' میں نے مکھن اور انڈا ابھرے نوالے کے اوپر چائے کا بڑا سا گھونٹ بھرا۔ پھر چہرے پر معصومیت کے تاثرات نمایاں کرتے ہوئے کہا۔

''بیچارے انکل ٹام...... میں ہمیشہ ان کی دکان سے سودا سلف لاتا تھا۔ جونیئر ٹام کو میں نے بھی دیکھا تھا۔ بہت خوب صورت اور صحت مند بچہ تھا۔ کیا اس کی گمشدگی کے بارے میں کچھ پتا چلا۔'' سر ہنری نے آملیٹ کا ٹکڑا کانٹے میں پھنسانے کے بعد منہ میں رکھا اور چائے کے گھونٹ کے ساتھ نگلنے کے بعد جواب دیا۔

''پولیس تفتیش کر رہی ہے۔ لیکن تا حال کوئی خاطر خواہ نتیجہ سامنے نہیں آسکا۔'' مختلف بات چیت کے بعد موضوع تبدیل ہوگیا۔ میں نے ناشتہ مکمل کیا۔ سر ہنری نے مجھے این کا خیال رکھنے کی تاکید کی اور میں اٹھ کر کچن کی جانب چل دیا۔ میں نے جوزف کو کہہ کر این کے لئے مختصر ناشتہ ہمراہ لیا اور تہہ خانے میں آ گیا۔ این نے ناشتہ کیا۔ اس کے بعد باقی کا آدھا دن ہم دونوں بچے کے ہمراہ کھیلتے رہے۔

شام کو پولیس پاگل خانے میں موجود تھی۔ اور سارجنٹ انتھونی مجھے گھورے چلا جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں جونیئر ٹام کی تصویر تھی اور چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔ سر ہنری بھی اس کے ہمراہ تھے۔ وہ کرخت لہجے میں بولا۔

''اسے پہچانتے ہو؟'' اس نے تصویر کو میرے چہرے کے سامنے لہراتے ہوئے پوچھا۔ میں نے جواب دینے کے بجائے اقرار میں سر ہلا دیا۔

''کون ہے یہ......؟'' اس نے حیرت بھرے لہجے میں مجھے دیکھتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔

''انکل ٹام کا لڑکا...... جونیئر ٹام......'' میں نے گھبرائے بغیر سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ کچھ دیر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے رہنے کے بعد وہ دوبارہ ہمکلام ہوا۔

''جونیئر ٹام اس وقت کہاں ہے؟ کیا تم اس کے متعلق کچھ بتا سکتے ہو؟'' میں نے دوبارہ اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے دوبارہ حیرت بھری نظروں سے میری جانب دیکھا اور بولا۔

''کیا تم واقعی بتا سکتے ہو کہ یہ اس وقت کہاں ہے؟'' اس دفعہ میں نے طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔

''تم مجھے اتنی حیرت کے ساتھ کیوں دیکھ رہے ہو۔ میں یقیناً بتا سکتا ہوں کہ لڑکا اس وقت کہاں ہے۔''

''تب پھر وقت ضائع کئے بغیر جلدی بتاؤ۔ اس کے ماں باپ بہت پریشان ہیں۔'' سارجنٹ نے پوچھا۔

''کیا مطلب پریشان ہیں۔'' میں نے حیرت بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میرے خیال کے مطابق جونیئر ٹام کو انکل ٹام کے گھر میں ہی ہونا چاہئے۔ وہ اگر ان کے گھر میں پیدا ہوا ہے۔ تب اس کی موجودگی کے لئے اس سے بہتر مزید جگہ نہیں ہونی چاہئے۔'' سارجنٹ انتھونی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ لیا۔ پھر لفظوں کو چباتے ہوئے بولا۔

''تم آج صبح انکل ٹام کے جنرل اسٹور میں کیا کرنے گئے تھے۔ بہت سے ٹاؤن والے تمہاری وہاں موجودگی کے عینی گواہ ہیں۔ ان کے کہنے کے مطابق بچے کی گمشدگی سے کچھ پہلے تمہیں نہایت مختصر وقت کے لئے اسٹور میں دیکھا گیا تھا۔ فوراً سے پیشتر اپنی وہاں موجودگی کی وجہ بیان کرو۔'' میں دوبارہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

''کسی جنرل اسٹور پر میری موجودگی کا مقصد اس کے علاوہ مزید کیا ہوسکتا ہے کہ میں سودا سلف لینے کی نیت سے ہی گیا ہوں گا۔''

''لیکن تم نے سودا سلف نہیں خریدا۔'' سارجنٹ انتھونی پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔ میں نے مطمئن لہجے میں سوچا سمجھا جواب نہایت معصومیت کے ساتھ دہرا دیا۔

''جب جیب میں پیسے ہی موجود نہیں ہوں گے۔ تب خریداری بھلا کیونکر ہوسکتی ہے۔'' سر ہنری کی نگاہوں میں شک وشبہات کی پرچھائیاں رقص کرتی

www.pdfbooksfree.pk

دکھائی دینے لگیں۔ ظاہر ہے وہ اس بات سے بخوبی آگاہی رکھتے تھے کہ مجھے آج کے دن سودا سلف لانے کے لئے پاگل خانے سے باہر نہیں بھیجا گیا تھا۔ پھر بھلا انکل ٹام کی دکان پر میری موجودگی کیا معنی رکھتی تھی۔

''دراصل بات کچھ یوں ہے۔'' میں معاملے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولا۔ ''سرہنری اس بات سے واقف ہیں کہ میری بیوی این کی طبیعت کل رات سے بہت خراب ہے۔ اسے متلی اور موشن کی بیماری لاحق ہے۔ صبح پاگل خانے میں ابھی کوئی بھی سو کر اٹھ نہیں پایا تھا کہ میں نے باہر کا رخ کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ انکل ٹام کی دکان میں مختصر میڈیسن بھی دستیاب ہوتی ہیں۔ لیکن دکان پر پہنچ کر مجھے یاد آیا کہ میں رقم ہمراہ لانا بھول گیا ہوں۔ اس لئے بغیر خریداری کئے واپس چلا آیا۔ یہ تو اچھا ہوا کہ کچھ ادویات کمرے میں موجود تھیں۔ اس لئے مجھے دوبارہ دکان پر نہیں جانا پڑا۔''

سارجنٹ انتھونی نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔ ''لیکن مجھے یہ اطلاعات بھی ملی ہیں کہ اس کے بعد تمہیں بازار میں دوبارہ دیکھا گیا۔ تم نے اس دفعہ جون کے جنرل اسٹور کا رخ کیا اور وہاں سے دودھ خریدا۔ یہ ایک غیر فطری بات تھی کہ تم نے دوبارہ ٹام کی دکان کا رخ کرنے کے بجائے ایک مخالف دکان کی طرف جانا بہتر جانا۔ معلومات کرنے پر مجھے یہ بھی پتا چلا کہ یہ وہی وقت تھا۔ جب ٹام کی دکان میں تفتیش کا عمل شروع کیا گیا تھا۔''

میرے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ لیکن میں نے اپنے آپ کو فوراً سنبھال لیا اور مکمل خود اعتمادی کے ساتھ جواب دینے کی کوشش کی۔

''میں نے ہمیشہ خریداری کے لئے انکل ٹام کی دکان کا ہی انتخاب کیا ہے۔ لیکن دودھ لانے کے لئے جب میں نے ان کی دکان کا رخ کیا۔ تب شاید ان کی دکان پر تفتیش شروع ہونے کی بدولت رش کچھ زیادہ تھا۔ این کی ناساز طبیعت کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے میں نے انکل جون کی دکان پر جانے کو مناسب جانا۔''

سارجنٹ نے بات درمیان میں کاٹ دی۔ اور پوچھا۔ ''لیکن صبح صبح تمہیں دودھ کی ضرورت کیوں پیش آئی؟''

''این کے لئے......'' میں نے بے ساختہ جواب دیا۔ ''میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اس کی طبیعت کل سے ناساز ہے۔'' سارجنٹ نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد دوبارہ ہمکلام ہوا۔

''تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ لوگوں کی انفارمیشن کے بعد جب میں نے معلومات کا سلسلہ شروع کیا۔ تب پوچھ گچھ کرتا ہوا جون کی دکان تک جا پہنچا۔ جون نے مختصر بات چیت کے بعد اس بات کا اعتراف کیا کہ تم کچھ دیر پہلے اس کے اسٹور پر آئے تھے۔ مزید استفسار پر اس نے بتایا کہ تم نے دودھ کے علاوہ شیشے کی بوتل اور نپل کی خریداری بھی کی تھی۔ تمہارے بیان کے مطابق دودھ تمہاری بیمار بیوی این کے لئے تھا۔ لیکن مجھے یہ بات سمجھ نہیں آ رہی کہ دودھ کی بوتل بھلا تم نے کس کے لئے خریدی تھی۔ کیا تم مجھے بتانا پسند کرو گے۔''

مجھے اپنے سر پر پہاڑ ٹوٹتا محسوس ہوا۔ دودھ این کے لئے لانا ممکن تھا۔ لیکن شیشے کی بچوں والی بوتل...... میرے پاس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ پھر بھی میں نے آخری کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں نے دودھ کے علاوہ انکل جون کی دکان سے بوتل نہیں خریدی۔ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔''

انتھونی مسکراتے ہوئے بولا۔ ''اسے جھوٹ بولنے کا کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ لیکن تمہیں جھوٹ بولنے سے فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ تم نے بچے کو پاگل خانے میں چھپا رکھا ہے۔ اب سچ سچ بتاؤ کہ بچہ کہاں ہے؟''

''میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ بچہ پاگل خانے میں نہیں ہے۔ اگر تمہیں یقین نہیں آتا۔ تب تم اسے پاگل خانے میں تلاش کر سکتے ہو۔''

سارجنٹ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ ''میں ایسا ضرور کروں گا۔'' اس نے خاموش بیٹھے سرہنری کی

جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔'' انہوں نے جواب دینے کے بجائے اثبات میں سر ہلا کر تلاشی لینے کی اجازت دے دی۔

تلاش کا کام ہمارے کمرے سے شروع کیا گیا۔ این کمرے میں موجود تھی۔ شاید وہ تہہ خانے سے نکل کر ہماری مختصر بات چیت سن چکی تھی۔ کیونکہ اس کے چہرے پر الجھن کے تاثرات نہیں تھے۔ میں نے اسے حالات سے آگاہ کیا اور بتایا کہ ''سارجنٹ انتھونی جونیئر ٹام کی تلاش میں پاگل خانے کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔ انہیں کچھ غلط فہمی لاحق ہو چکی ہے۔ اس لئے میرے مطمئن کرنے کے باوجود وہ ضد پر اڑے ہوئے ہیں کہ پاگل خانے کی تلاشی لئے بغیر وہ یہاں سے باہر نہیں جائیں گے۔'' این کے چہرے پر فکرمندی کے تاثرات ابھرنے لگے۔ لیکن وہ منہ سے کچھ نہیں بولی۔ سارجنٹ انتھونی نے اپنے ماتحتوں کو تلاش کا حکم دیا اور پاگل خانے میں پھیلتے چلے گئے۔ سارجنٹ ہمارے کمرے میں چلا آیا۔ تقریباً پون گھنٹے کے بعد تمام پاگل خانے کی تلاشی لی جا چکی تھی۔ لیکن بچے کا وہاں نام و نشان بھی موجود نہیں تھا۔ سارجنٹ نے حیران ہو کر سرہنری کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا یہاں چھپنے کی مزید جگہ موجود ہے۔ مثلاً تہہ خانے یا پھر کوئی خفیہ کمرہ وغیرہ۔''

سرہنری نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''تہہ خانہ موجود ہے۔ لیکن وہاں پر کاٹھ کباڑ کے علاوہ اور کچھ موجود نہیں ہے۔''

سارجنٹ پرجوش لہجے میں بولا۔ ''تب پھر ہمیں تہہ خانے تک لے چلئے۔ ہم اسے چیک کرنا چاہتے ہیں۔ یقیناً بچہ تہہ خانے میں ہی چھپایا گیا ہوگا۔''

''میرے ساتھ آیئے۔ میں آپ کو تہہ خانے میں لئے چلتا ہوں۔'' سرہنری نے جواب دیا اور کچن کے پاس واقع اسٹور روم کے اندر بنی تہہ خانے کی سیڑھیوں کی جانب چل دیئے۔ میں اور این بھی پریشان چہرہ لئے ان کے ہمراہ تھے۔ سیڑھیاں اتر کر جب ہم سب تہہ خانے میں داخل ہوئے تب سرہنری کے علاوہ سارجنٹ کی آنکھوں میں بھی الجھن کے تاثرات دکھائی دینے لگے۔ صاف ستھرا تہہ خانہ جس میں سلگتا ہوا آتش دان اس بات کا مظہر تھا کہ وہ کسی کی رہائش کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔ سرہنری کی حیرت بھری آواز سنائی دی۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اسے صاف کس نے کیا؟''

سارجنٹ انتھونی نے یکدم پوچھا۔ ''کیا آج سے پہلے یہ ایسا نہیں تھا۔''

''سرہنری نے انکار میں سر ہلایا۔ سارجنٹ کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں رقص کرنے لگیں۔ پھر اس نے اپنے ماتحت کو اشارہ کیا۔ اور وہ تہہ خانے کی تلاشی لینے لگا۔ میں نے کن انکھیوں کے ساتھ این کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے پر اطمینان کے تاثرات تھے۔ جیسے سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہو۔ اس کے علاوہ وہ مکمل طور پر خاموش رہی۔ تہہ خانے کی مکمل تلاشی لی گئی۔ لیکن وہاں سے کسی بھی قسم کا سراغ نہیں مل سکا۔ یقیناً یہ سب این کی کارستانی رہی ہوگی۔ اس نے چھپ کر میری اور سارجنٹ کی بات چیت سننے کے بعد بچے کے علاوہ اس کے کپڑے اور بوتل بھی چھپا دی تھی۔ میں نے اطمینان کا طویل سانس لیا۔ سارجنٹ انتھونی کی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''ابھی سکون کا سانس مت لو۔ آگے بہت سے مرحلے باقی ہیں۔ تہہ خانے کی صفائی۔ آتش دان کی تپش اور تمہارے بچے کی بوتل کی خریداری اس بات کا اظہار کر رہی ہے کہ یہاں کوئی رہائش پذیر تھا۔ تہہ خانے کے استعمال کا مقصد صرف یہی ہو سکتا ہے کہ پاگل خانے والوں کی نظروں سے پوشیدہ رہ کر غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث رہنا۔ میں ابھی جا رہا ہوں۔ لیکن جلد مکمل ثبوت کے ساتھ واپس آؤں گا۔'' اس نے پاؤں پٹخے اور تہہ خانے کی سیڑھیوں کی جانب چل دیا۔

www.pdfbooksfree.pk

”بچے کی موت“

سارجنٹ کے جانے کے بعد سر ہنری نے ہم دونوں سے مختصر پوچھ گچھ کی۔ ان کی آنکھوں میں شک و شبہات کی پرچھائیاں موجود تھیں۔ یقیناً وہ یہ جان کر مایوسی محسوس کررہے تھے کہ ان کا شادی والا تجربہ ناکام رہا تھا۔ بہرکیف انہوں نے زیادہ بات چیت کرنا مناسب نہیں جانا اور خاموشی کے ساتھ اپنے کمرے میں چلے گئے۔ میں نے این کا ہاتھ تھاما۔ اور اپنے کمرے میں چلا آیا۔ کمرے کے دروازے کو کنڈی لگانے کے فوراً بعد میں نے این کی جانب دیکھتے ہوئے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔

”بچہ کہاں ہے؟ یقیناً اسے تم نے چھپادیا ہوگا تاکہ ہم دونوں گرفتار نہ کرلئے جائیں۔“

این نے اثبات میں سرہلایا اور بولی۔ ”میں نے تمہاری اور سارجنٹ کی باتیں سن لی تھیں۔ میں نے بچے کو اس کے کپڑوں کے ہمراہ چھپادیا۔ اور تم میری عقل کی داد دوگے کہ اتنے پولیس والے سر توڑ کوشش کرنے کے باوجود بھی اسے تلاش نہیں کرپائے۔“

میں نے اثبات میں سرہلایا اور اسے داد دینے کے بعد بچے کی پوشیدگی والی جگہ کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے فخریہ نگاہوں سے میری جانب دیکھتے ہوئے کپڑوں کے اس ٹرنک کی جانب اشارہ کیا۔ جس میں ہمارے کپڑے بھرے ہوئے تھے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا تھا پولیس کے سپاہی نے اسے بھی کھول کر دیکھا تھا۔ اس کے باوجود مجھے اپنے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔ اگر بچہ ٹرنک میں مقفل تھا۔ تب پھر پون گھنٹے سے زیادہ کا وقت گزرنے کے بعد نہ جانے اب تک زندہ ہوگا یا نہیں......؟

میں نے دوبارہ این کی جانب دیکھا۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔

”کیا تمہیں یقین ہے کہ تم سچ کہہ رہی ہو۔ اور بچہ ٹرنک کے اندر ہی موجود ہے۔“

”ہاں......“ اس نے کند ذہن بچے کی مانند اقرار میں سرہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ”وہ یقیناً ٹرنک کے اندر ہی موجود ہے۔ میرے خیال کے مطابق اس سے بہتر اور کوئی جگہ پاگل خانے میں دستیاب ہو ہی نہیں سکتی تھی۔“

میں نے سر کو جھٹک کر دماغ میں اٹھتے ہوئے بگولوں کو منتشر کرنے کی کوشش کی اور پھر آگے بڑھ کر کپڑوں کے ٹرنک کے ڈھکنے کو جھٹکے کے ساتھ کھول دیا۔ مختصر ٹرنک نما پیٹی اوپر تک کپڑوں سے بھری ہوئی تھی اور وہاں بچہ موجود نہیں تھا۔ میں نے اپنے پیچھے کھڑی این کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

تب وہ دوبارہ معصومیت بھرے لہجے میں بولی۔

”بچہ کپڑوں کے نیچے پوشیدہ ہے۔ اگر اسے اوپر ہی لٹادیتی۔ تو اب تک پولیس والوں کے ہتھے ہم چڑھ چکے ہوتے۔“

میں نے زچ ہوکر اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اتنے کپڑوں کے نیچے بچہ کے زندہ رہنے کے چانسز نہ ہونے کے برابر ہی رہ جاتے تھے۔ پھر بھی امید پر دنیا قائم ہے کے مترادف میں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ کپڑے ہٹانے شروع کردیئے۔ میں جس کپڑے کے جوڑے کو بھی اپنی جگہ سے ہٹاتا تھا۔ وہ دوبارہ وہیں آگرتا تھا۔ جھنجھلا کر میں نے کپڑوں کو پھینکنا شروع کردیا۔ این مجھے ایسا کرتے دیکھ کر قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ میں نے حیرت بھری نگاہوں کے ساتھ اس کی جانب دیکھا۔ اس نے بمشکل اپنی ہنسی کو روکا۔ اور مجھے ہاتھوں کے پاس سے تھام کر ٹرنک کے پاس سے ہٹایا۔ اور ٹرنک کے تقریباً اندر گھس کر کچھ تلاش کرنے لگی۔ سردیوں کے کپڑے کچھ نہ کچھ تو یقیناً وزن رکھتے ہی ہیں۔ اسے کچھ دقت پیش آرہی تھی۔ لیکن پھر اچانک ہی اس کا متحرک جسم یکلخت ساکت ہوگیا۔ شاید وہ اپنے مخصوص مقام تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ پھر جب وہ باہر آئی۔ تب مجھے اپنا سانس حلق میں پھنستا محسوس ہوا۔ وہ بچے کو پاؤں کے پاس سے تھامے ہوئے تھی اور اس کی لاش این کے ہاتھ میں ایسے لٹکی ہوئی تھی۔ جیسے

www.pdfbooksfree.pk

مردہ مرغی کی کھال کو اتار کر سوپ والی ریڑھی پر لٹکا دیا جاتا ہے۔

این نے قہقہہ لگاتے ہوئے اسے سیدھا کیا۔ پھر سینے کے ساتھ لگاتے ہوئے بولی۔

''اسے سردی لگ گئی ہے۔ اس لئے خاموشی کے ساتھ ٹرنک میں لیٹا ہوا تھا۔ ورنہ یہ چپ بیٹھنے والے کہاں ہیں۔''

میں نے افسردہ نگاہوں سے جونیئر ٹام کی لاش کی جانب دیکھا۔ پھر این کو مخاطب کرتے ہوئے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یہ مرچکا ہے۔ تم بہت بڑے گناہ کی مرتکب ہوچکی ہو۔ تمہیں اسے ٹرنک میں بند نہیں کرنا چاہئے تھا۔''

این نے بچے کی لاش کو بانہوں میں بھینچتے ہوئے جواب دیا۔ ''اگر میں ایسا نہ کرتی۔ تب پولیس والے اسے مجھ سے چھین لیتے۔ میں اسے اپنے آپ سے جدا نہیں ہونے دینا چاہتی۔''

''لیکن یہ مرچکا ہے۔'' میں نے پریشان کن لہجے میں کہا۔ ''اب تم اسے مزید پاس نہیں رکھ سکتی ہو۔''

''ایسا ممکن نہیں ہے۔'' این غراتے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''مرنے یا زندہ ہونے سے مجھ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن اس کی جدائی میں برداشت نہیں کروں گی۔''

میں نے دوبارہ پریشان نگاہوں سے این کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے پر مستحکم تاثرات دیکھ کر میں معاملے کی گھمبیرتا کے متعلق بخوبی جان سکتا تھا۔ یعنی اگر میں اس سے بچے کو چھیننے کی کوشش کرتا۔ تب وہ انتہائی اقدام اٹھانے سے گریز نہ کرتی۔ اور میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے خاموش ہوگیا۔ وہ رات تک بچے کو سینے سے لگائے بیٹھی رہی۔ رات کا کھانا میں نے اسے زبردستی کھلایا۔ کھانے کے بعد جب وہ مختصر وقت کے لئے ٹوائلٹ گئی۔ تب میں نے بچے کی لاش کو اٹھا کر تہہ خانے میں موجود لکڑیوں کے ڈھیر میں چھپا دیا۔ پھر مختصر کپڑوں کے ڈھیر کے ساتھ ایک مصنوعی گڑیا کا بے ڈھنگا وجود بنا کر اسے کپڑوں میں لپیٹ کر بستر پر رکھ دیا۔ این نے باتھ روم سے باہر نکلتے ہی پہلی نگاہ بچے کے بے ڈھنگے وجود پر ڈالی۔ اس کے دماغ نے فوراً تبدیلی کو محسوس کرلیا۔ لیکن میں نے معاملے کو سنبھالتے ہوئے اسے سمجھایا کہ جونیئر ٹام کو ٹرنک میں سردی لگ کر بخار چڑھ گیا ہے۔ اس لئے میں نے اسے کپڑوں کے اندر اچھی طرح پیک کردیا ہے۔ تاکہ اسے مزید سردی نہ لگ سکے۔ بہتری اسی میں ہے کہ اب اسے دوبارہ کپڑوں سے باہر نہ نکالا جائے۔ این نے مطمئن انداز میں سر ہلایا۔ پھر کپڑوں پر مشتمل بے ڈھنگے وجود کو اٹھا کر سینے کے ساتھ لگالیا۔ اور کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد دوبارہ بولی۔

''جونیئر ٹام کا وزن بہت کم ہوگیا ہے۔ میرے خیال میں شاید ایسا بخار کی وجہ سے ہوا ہے۔ ہمیں اسے دودھ پلا دینا چاہئے۔ کہیں اس کی طبیعت مزید خراب نہ ہوجائے۔''

میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''تمہارا خیال نہایت عقلمندانہ ہے۔ لیکن تمہارے باتھ روم جانے کے بعد میں بچے کو دودھ پلا چکا ہوں۔ اب اسے صرف گہری نیند کی ضرورت ہے۔ تم اسے ہلائے بغیر بستر پر لٹادو۔ تاکہ یہ پرسکون نیند سوسکے۔''

این نے اثبات میں سر ہلایا اور کپڑوں کے بے ڈھنگے وجود کو احتیاط کے ساتھ بستر کے کنارے پر لٹا کر اس کے ہمراہ بستر پر لیٹ گئی۔ میں نے آگے بڑھ کر لائٹ آف کردی۔ پھر این کے ہمراہ بستر کے دوسری جانب لیٹ گیا۔ اور اس کے سونے کا انتظار کرنے لگا۔

''پاگل خانے میں آگ''

رات کے بارہ بجے کمرہ این کے خراٹوں کی آواز سے گونجنے لگا۔ میں نے احتیاط کے ساتھ کمبل کو ایک جانب ہٹایا۔ اور بستر سے نیچے اتر آیا۔ میں نے کپڑے تبدیل کئے۔ جوتے پہنے پھر نیچے تہہ خانے میں

سے بچے کی لاش اور کھدائی کے اوزار اٹھائے۔ اور نہایت خاموشی کے ساتھ پاگل خانے کی دیوار کو پھاند کر باہر نکل آیا۔ پاگل خانے کے گیٹ کو نہایت طاقتور تالے سے مقفل کردیا جاتا ہے۔ یہ تالا صبح کے قریب کھولا جاتا ہے۔ پاگل خانے سے کچھ دور شیل ٹاؤن کا سرسبز و شاداب قبرستان واقع ہے۔ میں نے بچے کی لاش کو ایک جانب رکھا۔ اور زمین کھودنے لگا۔ مٹی ہموار اور نرم تھی۔ اس لئے قبر آسانی کے ساتھ کھدتی چلی گئی۔ قبر تیار کرنے کے بعد جب میں نے بچے کی لاش کو اندر ڈال کر اسے ہموار کیا۔ تب شیل ٹاؤن کی جانب سے لوگوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے ہڑبڑا کر اوزار اٹھائے۔ اور یہ سوچتے ہوئے ٹاؤن کی جانب بھاگ کھڑا ہوا کہ شاید پاگل خانے والوں کو میرے باہر نکلنے کی اطلاع مل گئی ہے اور مجھے ڈھونڈنے کے لئے ٹاؤن کا رخ کرچکے ہیں۔ لیکن ٹاؤن میں پہنچ کر مجھے مختلف صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔

لوگ جوق در جوق پاگل خانے کی جانب منہ اٹھائے بھاگے چلے جارہے تھے۔ میں نے پاگل خانے والی سمت نگاہ دوڑائی۔ وہاں آگ کے شعلے اٹھتے دکھائی دیئے۔ میرے ہاتھوں سے اوزار چھوٹ کر نیچے گر گئے اور میں بھی سرپٹ پاگل خانے کی جانب بھاگ کھڑا ہوا۔ عمارت کے قریب پہنچنے پر میں نے شعلوں کو آسمان سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا۔ آگ باہر کے تمام راستوں کو کور کرچکی تھی۔ اس لئے اندر جانا ممکن نہیں تھا۔ لوگ باہر کھڑے تماشا دیکھنے میں مصروف تھے۔ لیکن عملی قدم اٹھانے کی ہمت کسی میں بھی موجود نہیں تھی۔ میں نے نگاہ اٹھا کر پاگل خانے کی دوسری منزل کی جانب دیکھا۔ وہاں تمام پاگل اور اسٹاف کے ہمراہ این بھی حیران و پریشان کھڑی نیچے کی جانب دیکھ کر مدد کے لئے چیخ رہی تھی۔ میں نے چلاتے ہوئے ٹاؤن والوں کو پانی لانے کے لئے کہا۔ لیکن وہ ہونقوں کی طرح میری جانب دیکھتے رہے۔ پھر ایک آدمی نے چلاتے ہوئے بتایا کہ فائر بریگیڈ والوں کو فون کیا جاچکا ہے۔ لیکن ان کے آنے میں کچھ وقت لگے گا۔ میں نے حیرت بھری نگاہوں سے ٹاؤن کے رہائشیوں کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اگر فائر بریگیڈ والے صبح آئے تب کیا تم انہیں یوں جل کر مرجانے دو گے۔'' انہوں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''اگر ایسا ہوا۔ تب مزید کچھ سوچنا پڑے گا۔ لیکن اس وقت ہم ان پاگلوں کے لئے خود کو خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔'' میں نے غصے کی شدت پر قابو پاتے ہوئے اس کے چہرے پر مکا رسید کردیا۔ وہ پیچھے کھڑے تماشائیوں کے درمیان جاگرا۔ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ میں نے آگے بڑھ کر پاگل خانے کے جلتے ہوئے دروازے میں سے اندر چھلانگ لگادی۔ مجھے اپنے پیچھے لوگوں کے چیخنے چلانے اور روکنے کی آوازیں سنائی دیں۔ لیکن میں نے توجہ نہیں دی بلکہ اندھا دھند دوسری منزل پر جانے والی سیڑھیوں کی جانب بھاگتا چلا گیا۔ وہاں ہر جانب آگ کی لپٹیں اٹھتی دکھائی دے رہی تھیں۔ کچھ ہی دیر میں میرے جسم کو آگ نے گھیرے میں لے لیا اور آگ اور دھوئیں کی بدولت بے دم ہوکر زمین پر گرتا چلا گیا۔ آگ میں گھسنا حماقت تھی اور فرار ہونا ممکن نہیں تھا۔ اس بات کی سمجھ مجھے اس وقت آئی جب وقت گزر چکا تھا۔''

بل اچانک خاموش ہوگیا۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''پاگل خانے میں آگ کس نے لگائی تھی؟''

بل نے جواب دیا۔ ''این نے...... اس نے مجھے جونیئر ٹام کی لاش کے ہمراہ پاگل خانے کی دیوار کو پھلانگتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ میرے پیچھے وہ دیوار تو پھلانگ نہیں سکی۔ غصے کی شدت پر قابو نہ پاتے ہوئے اس نے تمام پاگل خانے کی دیواروں پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگادی۔ اس انتقامی کارروائی کے نتیجے میں میرے ہمراہ تقریباً تمام پاگل خانے کے عملے اور پاگلوں کی موت واقع ہوئی۔ یہ سب پاگلوں کی روحیں

www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔'' اس نے بت بنے بیٹھے لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اور انہیں صدمہ نہ صرف اس بات کا ہے کہ حادثے والی رات ان کی مدد کے لئے ٹاؤن کے کسی بھی فرد نے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ صبح تک پاگل خانے کی عمارت کو جلتے ہوئے دیکھتے رہے۔ لیکن انہوں نے فائر بریگیڈ کے عملے کے انتظار کے علاوہ کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا۔ صبح فائر بریگیڈ کی آمد کے بعد آگ کو بجھایا گیا۔ پھر جلی ہوئی لاشوں کو باہر نکال کر قریبی قبرستان میں دفن کردیا گیا۔ لیکن ہماری روحیں بھٹکتی رہیں۔''

''مسئلے پر مسئلہ''

''میں نے این کے ہمراہ تمام روحوں کو اکٹھا کیا۔ پھر انہیں ٹاؤن والوں کی غداری سے آگاہ کرنے کے بعد انتقام لینے کی نصیحت کی۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ ہم ہوا پر مشتمل روحوں کی صورت اختیار کرچکے تھے۔ کسی ٹھوس اجسام سے ٹکر لینے کے لئے ہمیں کسی ایسے جسم کی ضرورت تھی جو بلاچوں وچرا کئے بغیر ہمارا حکم ماننے کو تیار ہوجاتا۔ ایسا ہونا بظاہر ممکن نہیں تھا۔ لیکن کافی دنوں کی عرق ریزی کے بعد میں نے اس کا حل بھی تلاش کرلیا۔ کھلونوں کی اس دکان میں جانوروں کے مجسموں کے علاوہ انسانوں کے مجسمے بھی دستیاب تھے۔ ہم رات کو دکان کے اندر داخل ہوتے پھر مجسموں میں گھسنے کے بعد باہر نکلتے اور قتل وغارت گری کا بازار گرم کردیتے۔''

ڈونی میں نے بات درمیان میں کاٹتے ہوئے پوچھا۔ ''بل تمہارے کہنے کے مطابق تم کسی بھی ٹھوس اجسام سے ٹکر نہیں لے سکتے ہو۔ پھر بھلا تم نے گزشتہ رات میری دکان کا تالا کیسے کھولا۔''

بل زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔ اس وقت میں سانتا کلاز کا روپ دھارن کئے ہوئے تھا۔ اس کے علاوہ تمہاری دکان کی دوسری چابی بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ یہ ہم نے دکان کے پہلے مالک کی چابی چھین سے چرائی تھی۔ یاد رہے اس کے پاس دکان کی دو چابیاں تھیں۔ بہرحال اب مسئلہ یہ ہے کہ این اس بات پر بضد ہے کہ اسے بچہ چاہئے۔ جیتا جاگتا۔ ہنستا کھیلتا بچہ تم بتاؤ کہ میں اسے بچہ کہاں سے لاکردوں۔''

ڈونی نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر بولا۔ ''واقعی مسئلہ گھمبیر ہے۔ این بضد ہے کہ اسے گوشت پوست سے مزین بچہ چاہئے۔ لیکن خود وہ ہوا پر مشتمل روح ہے۔ بالفرض محال اگر اسے اپنا کوئی لاوارث بچہ مہیا کر بھی دیا جائے۔ تب یقیناً وہ اسے تھامنے کے لئے کسی سخت قسم کے کھلونے کا سہارا لیتی۔ جس کے ہاتھ پاؤں نہایت سخت اور کھردرے ہوتے۔ ایسی صورت میں بچہ اس کے سخت وکرخت وجود کو بھلا کیسے برداشت کرتا۔ پھر بھلا اس بات کی بھی کیا گارنٹی ہوسکتی تھی کہ کوئی اپنا بچہ اسے ہمیشہ کے لئے دے دیتا۔''

میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور مسئلے کے حل کے متعلق سوچنے لگا۔ بل نے مسکراتی نگاہوں سے میری جانب دیکھا۔ اور بولا۔

''صبح ہونے والی ہے۔ ہمارے واپس جانے کا وقت ہوگیا ہے۔ کل رات کو دوبارہ آئیں گے۔ تم مسئلے کا حل سوچ کر رکھنا۔ بصورت دیگر ہم مزید کچھ کارروائی کریں گے۔''

ڈونی نے پریشان نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''مثلاً...... تم مزید کیا کروگے۔ کیا ایسے ہی قتل وغارت کرتے رہوگے۔ یا پھر انتقام لینے کے لئے بچوں کو مارنے کی کوشش کروگے۔'' بل کے چہرے پر سنجیدگی کے تاثرات پھیلنے لگے۔ وہ غصیلے لہجے میں بولا۔ ''آپ بیتی کی شروعات میں...... میں نے تمہیں بانسری والے لڑکے کی کہانی کے متعلق بتایا تھا۔ جس میں بانسری والا لڑکا ٹاؤن کے بچوں کو بانسری کی مدھر دھن کی بدولت اپنے پیچھے آنے پر مجبور کرتا ہے اور انہیں ہمراہ لے کر پہاڑوں کے درمیان گم ہوجاتا ہے۔ ہمارا ارادہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ حالات کے ذمہ دار ٹاؤن والے ہوں گے۔''

وہ سب یک لخت نگاہوں کے سامنے سے اوجھل ہونے لگے۔ اور کچھ ہی دیر میں دکان ان کے ہوا پر مشتمل وجود سے عاری ہوتی چلی گئی۔ ڈونی نے طویل سانس لیا۔ اور اوپر اپنے رہائشی کمرے کی جانب چل دیا۔ ان کے مسئلے کا حل فی الوقت ڈونی کے دماغ میں موجود نہیں تھا۔ لیکن اسے امید تھی کہ تھوڑی دیر کی سوچ و بچار کے بعد وہ حل تلاش کر ہی لے گا۔

www.pdfbooksfree.pk

تمام رات جاگتے رہنے کی وجہ سے اسے اپنا سر درد کی بدولت پھٹتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ اس لئے بستر پر لیٹتے ہی وہ گہری نیند سوگیا۔ صبح ساڑھے بارہ بجے اس کی آنکھ کھلی۔ کوئی دکان کے شٹر پر دستک دے رہا تھا۔ ڈونی نے کمبل ایک جانب پھینکا اور نیچے دکان کی جانب چل دیا۔ شٹر کو زور زور سے دھڑ دھڑایا جارہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کنڈی کو کھولا اور جھٹکے کے ساتھ شٹر کو اوپر کردیا۔ سامنے سارجنٹ انتھونی اپنے ماتحتوں کے ہمراہ کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات تھے۔

ڈونی کو دیکھتے ہی اس نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

''خیریت تو ہے لگتا ہے کہ تم نے رات دکان کے اندر ہی گزاری ہے۔''

ڈونی نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور بولا۔ ''وجہ صرف یہ ہے کہ میں پچھلی رات کو مکان میں داخل ہونے والے اشخاص کو رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتا تھا۔''

''تب پھر تم نے ایسا کیا کیا؟'' سارجنٹ انتھونی نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔ ڈونی نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور انہیں دکان کے اندر آنے کے لئے کہتے ہوئے خود دکان سے ملحقہ اسٹور روم کی جانب چل دیا۔ یہاں الیکٹرک ہیٹر موجود تھا۔ اس نے جلدی جلدی تین کپ کافی تیار کی۔ اور انہیں ہاتھوں میں تھامے دوبارہ دکان میں آگیا۔ سارجنٹ انتھونی تنقید کی نگاہوں سے دکان کا جائزہ لے رہا تھا۔ ڈونی نے کپ اس کے اور اس کے ماتحت کے سامنے رکھے۔ پھر خود اپنا کپ تھامے کرسی پر بیٹھ گیا۔ سارجنٹ نے استفہامیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ تب ڈونی بولا۔ ''شاید تم ان باتوں پر یقین نہیں کروگے۔ جو میں بیان کرنے لگا ہوں۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ میری ملاقات گزشتہ رات کچھ روحوں کے ساتھ ہوئی ہے اور ان روحوں کا تعلق شیل ٹاؤن کے پاگل خانے سے ہے۔'' پھر اس نے تمام واقعات لفظ بہ لفظ سارجنٹ انتھونی کے سامنے دہرادیئے۔

وہ حیرت بھرے چہرے کے ساتھ خاموشی کے ساتھ کہانی سنتا رہا۔ پھر طویل سانس لیتے ہوئے بولا۔ ''یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا۔ ان پاگلوں کی موت بہت دردناک طریقے سے وقوع پذیر ہوئی تھی۔ ٹاؤن کے کسی بھی فرد نے انہیں بچانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ سب جل کر بھسم ہوگئے تھے۔ اب اگر وہ انتقام لے رہے ہیں۔ تب انہیں ایسا کرنے سے منع کرنا میرے اختیار سے باہر ہے۔''

''لیکن ہمیں ایسا کرنا ہوگا۔'' ڈونی نے اپنے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''ورنہ وہ ٹاؤن کے تمام افراد کو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کرنے کے بعد بچوں کو اغوا کرکے لے جائیں گے۔'' سارجنٹ انتھونی نے اثبات میں سر ہلایا اور اذیت بھرے لہجے میں بولا۔

''آج صبح تمہاری دکان بند ہونے کی اطلاع مجھے ملی۔ تب میں نے یہی سمجھا کہ واردات ہوگئی ہے کیونکہ باقی ٹاؤن میں حالات بہتر ہی رہے تھے۔ اب اگر تمہارے کہنے کے مطابق معاملہ روحوں کا ہے۔ تب بھلا میں اور تم کیا کرسکتے ہیں۔''

ڈونی بولا۔ ''میرے دماغ میں ایک ایسی تدبیر موجود ہے۔ جس پر عمل کرکے ہم ان روحوں کے شر سے ٹاؤن والوں کو نجات دلواسکتے ہیں۔ صرف ایک بچے کی قربانی دینی ہوگی۔''

سارجنٹ چونکتے ہوئے بولا۔ ''تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ٹاؤن کے کسی گھرانے کو اپنے بچے کی قربانی دینی ہوگی۔ یہ ناممکن ہے۔ ایسا کوئی بھی نہیں کرے گا۔ ہمیں مزید کوئی حل سوچنا ہوگا۔''

''اس مسئلے کا حل اس کے علاوہ مزید کوئی نہیں

ہے۔" ڈونی بولا۔ "تم خود بتاؤ۔ روحوں کے حملے سے ٹاؤن والوں کو کیسے محفوظ رکھ سکتے ہو۔ کیا پولیس کی نفری انہیں ان کے عزائم سے منع کر سکتی ہے۔ اگر ایسا کر سکتی ہوتی تو اب تک کر چکی ہوتی۔ پھر میری تدبیر کے مطابق اگر ہم یتیم خانے والوں سے رجوع کریں۔ اور ان سے کسی ایسے بچے کی دستیابی کا مطالبہ کریں جو دودھ پیتا ہو اور اس کے آگے پیچھے رونے والا کوئی نہیں ہو۔"

سارجنٹ نے انکار میں سر ہلایا اور غصیلے لہجے میں بولا۔ "میں ایسے سفاکانہ عمل کے لئے کبھی بھی تیار نہیں ہو سکتا۔ تم خود سوچو کیا ایسے دودھ پیتے بچے کو ان پاگل روحوں کے حوالے کرنا عقل مندی ہوگی۔ جو یہ بھی نہیں جانتے کہ بچے کو ٹرنک کے اندر کپڑوں کے نیچے بند کرنا بے وقوفی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ہوا پر مشتمل وہ روحیں بچے کی بھوک کا ازالہ کیسے کر پائیں گیں۔ بوتل کو ہاتھوں میں تھامنے کے لئے بھی انہیں گوشت پر مزین ہاتھ چاہئے۔ جو ان کے پاس نہیں ہیں۔"

ڈونی نے اثبات میں سر ہلایا۔ "میں بھی اتنا سنگدل نہیں ہوں کہ ایک دودھ پیتے بچے کو پاگل روحوں کے حوالے کر دوں۔ میری تدبیر اس سے مختلف ہے۔ اور بات یوں ہے کہ ٹاؤن کے ایک گھر کو خالی کر کے پاگل روحوں کے لئے مختص کر دیا جائے۔ جہاں وہ بچے کے لئے باآسانی آ جا سکیں۔ یتیم بچے کی نگہداشت کے لئے کسی عورت کا بھی بندوبست کر دیا جائے۔ عورت بچے کی نگہداشت کی ذمہ دار ہوگی۔ اس کے علاوہ دن کے باقی اوقات میں روحیں بچے کے ساتھ اپنا دل بہلا سکتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ کچھ ہی عرصے میں روحوں کا دل بچے کے وجود سے بھر جائے گا اور وہ اسے چھوڑ کر کہیں اور چلی جائیں گی۔"

سارجنٹ نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد دوبارہ ہمکلام ہوا۔

"لیکن تم اس بات کو یکسر فراموش کر رہے ہو کہ روحوں کا وجود ہوا پر مشتمل ہے جبکہ بچے کا گوشت سے مزین...... بھلا وہ بچے کے ساتھ کیسے دل بہلا سکیں گی۔ اگر وہ کھلونوں کے سخت وجود کا سہارا لیں گی تب بچہ شدید زخمی بھی ہو سکتا ہے۔"

"واقعی اس پہلو کے متعلق میں نے نہیں سوچا۔" ڈونی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن مجھے سوچنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس مسئلے کے متعلق وہ خود سوچیں گی۔ میں رات کو تدبیر ان کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔ دیکھتا ہوں وہ کیا جواب دیتی ہیں۔" سارجنٹ نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور دکان سے باہر نکل گیا۔

"گمشدہ بچے"

رات کے بارہ بجے تمام روحیں دکان کے اندر موجود تھیں۔ این اور بِل کی روح کاؤنٹر پر بیٹھی تھیں۔ جبکہ باقی سب حسب معمول نیچے زمین پر...... این کے چہرے پر اداسی کے تاثرات تھے اور بِل تاسف بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ ڈونی نے جب اپنی تدبیر بِل کے سامنے دہرائی۔ تب بِل انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"نہیں ایسا ممکن نہیں ہو سکتا۔ این بچے کی جدائی برداشت نہیں کر پائے گی۔ یہ تدبیر ناقابل عمل ہے۔ تم کچھ مزید سوچو۔ کل کرسمس کی رات ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ تم ضرور کوئی بہتر حل تلاش کر لو گے۔"

ڈونی نے بیچارگی کے عالم میں بِل کی روح کی جانب دیکھا اور بولا۔ "مجھے نہیں لگتا کہ میں تمہارے گھمبیر مسئلے کا حل تلاش کر پاؤں گا۔ مسئلے کا حل ڈھونڈنا آسان نہیں ہے۔ اگر تم خود ایسا کرو تب زیادہ بہتر ہوگا۔"

بِل بولا۔ "ہمارے پاس مسئلے کے حل کے بجائے انتقام لینے کی تدبیر موجود ہے۔ کارروائی کے متعلق تمہیں کل معلوم ہو جائے گا۔ اج کی رات ٹاؤن میں ہماری آخری رات ہے۔ کل سے ہم ٹاؤن کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں گے۔ لیکن اپنے پیچھے پرچھائیوں کی چھاپ چھوڑ جائیں گے۔ تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں ہمیں یاد رکھ سکیں۔"

www.pdfbooksfree.pk

"تم کیا کرنے والے ہو؟" ڈونی نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں......" بِل سپاٹ لہجے میں بولا۔ "کل تمہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا۔"

اس مختصر بات چیت کے بعد تمام روحیں وقتاً فوقتاً غائب ہونے لگیں۔ ڈونی نے کاندھے اچکائے اور دکان کے اُوپر بنے اپنے رہائشی کمرے کی جانب چل دیا۔ کمرے میں بستر لگا ہوا تھا۔ ڈونی نے لحاف کو سر تک اوڑھا۔ اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

رات نہایت سرد اور طویل ثابت ہوئی۔ تمام رات طوفانی ہواؤں کی بدولت ٹاؤن کا ماحول سنسناتا رہا۔ صبح کے قریب خاموشی طاری ہوگئی۔ ڈونی نے اٹھ کر کافی کے لئے پانی الیکٹرک ہیٹر پر رکھا۔ اور کمرے کی کھڑکی کو کھول دیا۔ آسمان سفید بادلوں کے گھیرے میں تھا۔ روئی کے سفید گالوں کی بدولت منظر صاف دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ٹاؤن کی سڑکیں برف کی بدولت سفید ہو رہی تھیں۔ ماحول نہایت سرد اور برفیلا تھا۔ اس نے جھرجھری لے کر کھڑکی کو بند کیا۔ پھر کافی پینے کے بعد تیار ہو کر دکان میں چلا آیا۔ حالات معمول کے مطابق تھے۔ لیکن دکان کے درمیان میں سے سانتا کلاز کا مجسمہ غائب تھا۔ اس نے حیران ہو کر دکان کا مزید جائزہ لیا۔ مجسموں کے علاوہ باقی سامان موجود تھا۔ جونی نے سوچا۔ یقیناً بِل اور این کی روح مجسموں کے ہمراہ لے کر جا چکی ہیں۔ شاید انہیں اپنے مقصد کی کامیابی کے لئے مجسموں کی ضرورت پڑ گئی ہوگی اور یقیناً کچھ ہی دیر میں ان کی انتقامی کارروائی نمایاں ہونے والی تھی۔ اس نے سر کو جھٹکا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

دکان میں آدھا دن نہایت مصروفیت کے عالم میں گزر گیا۔ دوپہر کا کھانا کھانے کا وقت بھی نہیں مل سکا۔ لیکن سہ پہر چار بجے کے قریب اچانک ہی بازار میں بے چینی کی کیفیت پھیلنے لگی۔ ماحول سرگوشیوں کی بدولت تجسس پیدا کرنے لگا۔ ڈونی نے سمجھا کہ ایسا شاید پانچ بجے بازار بند ہونے کی وجہ سے ہے۔ لیکن سرگوشیوں کے سلسلے نے جب بڑھتے بڑھتے شور و شرابے کی صورت اختیار کر لی۔ تب اس کا ماتھا ٹھنکا اور وہ وجہ معلوم کرنے کے لئے دکان سے باہر نکل آیا۔ لوگوں کے چہروں پر پریشانی کے تاثرات تھے اور ان کے درمیان میں سارجنٹ انتھونی کھڑا دلاسہ دینے میں مصروف تھا۔ ڈونی نے آگے بڑھ کر سارجنٹ انتھونی سے معاملے کے متعلق دریافت کیا۔

تب سارجنٹ بولا۔ "ٹاؤن کے پندرہ بچے اچانک ہی لاپتہ ہو گئے ہیں۔ ان کے ماں باپ کا کہنا ہے کہ بچے اپنے دوستوں کے ہمراہ قریبی پارک کی جانب گئے تھے۔ پھر ان کے چند دوست واپس آ گئے زیادہ تر واپس نہیں آئے۔ گمشدہ بچوں کے دوستوں سے پوچھ گچھ کرنے پر صرف اتنا معلوم ہوا کہ پارک کے باہر سانتا کلاز بارہ سنگھے کے ساتھ جتی ہوئی بگھی میں موجود تھا۔ بچوں نے بگھی میں بیٹھنے کا تقاضا کیا۔ تب سانتا کلاز نے انہیں بگھی میں بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ اس کے ہمراہ ایک بوڑھی عورت بھی براجمان تھی۔ جس کے ہاتھوں میں لاٹھی موجود تھی۔ لاٹھی کے اوپر عقاب کی تصویر منقش تھی۔ سانتا کلاز نے بارہ سنگھے کو چابک رسید کیا۔ تب بارہ سنگھا ٹاؤن سے کچھ ہٹ کر جنگلات کی جانب بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد وہ بارہ سنگھے کی سواری اور سانتا کلاز دوبارہ دکھائی نہیں دیا۔ تب بچے مایوس ہو کر ٹاؤن کی جانب چلے آئے۔"

ڈونی نے سارجنٹ انتھونی کو دکان میں آنے کی دعوت دی اور دکان کی جانب چل دیا۔ سارجنٹ انتھونی اس کے پیچھے تھا۔ دکان میں داخل ہونے کے بعد ڈونی نے سانتا کلاز کے مجسموں کی خالی جگہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"دونوں مجسموں کو یہاں سے چرایا گیا ہے۔ بارہ سنگھا اور رتھ انہیں کہاں سے دستیاب ہوا۔ میں نہیں جانتا۔" سارجنٹ انتھونی نے جگہ کا معائنہ کیا۔ پھر ڈونی سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

"یقیناً وہ ایسا کچھ دن پہلے بھی کر چکے ہیں۔ اور

شاید تمہارے دکان خریدنے سے پہلے بھی جانوروں کے بھس بھرے مجسموں میں گھس کر انہیں اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرتے رہے ہیں۔" ڈونی نے اثبات میں سر ہلایا۔ تب وہ پریشان لہجے میں بولا۔

"لیکن آج تو انہوں نے حد ہی کردی۔ پندرہ بچوں کو اغوا کرلیا۔ ابھی تک اغوا کی خبر ٹاؤن سے باہر نہیں جاپائی۔ اگر چلی گئی تب ہماری بہت بدنامی ہوگی۔"

ڈونی نے دوبارہ اثبات میں سر ہلایا۔ پھر اسے روحوں کے ساتھ گزشتہ رات والی میٹنگ کے متعلق بتایا اور اسے سمجھایا کہ وہ ایک کہانی کو اپنانے کی کوشش کررہے ہیں۔ جس کے مطابق ہیرو بانسری بجاکر بچوں کو ہمراہ لے کر جنگل میں غائب ہوجاتا ہے اور بعد میں معاوضے کا تقاضا کرنے کے بعد بچوں کو رہا کردیتا ہے۔ ڈونی نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا کہ اسے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کچھ دنوں میں پاگلوں کا تقاضا سامنے آنے کے بعد معلوم ہوجائے گا کہ بچے جنگل میں کہاں موجود ہیں۔

سارجنٹ انتھونی بولا۔ "پاگلوں کے تقاضے کے متعلق ہم سب بخوبی آگاہی رکھتے ہیں اور تقاضے کی فراہمی ہمارے اختیار سے باہر بھی ہے۔ پھر بھلا وقت کیوں ضائع کریں۔ ہمیں بچوں کی تلاش میں جنگل کا رخ کردینا چاہئے۔ نجانے سرد رات کے دوران وہ پاگل روحیں انہیں کہاں چھپاتی پھر رہی ہوں گی۔

ڈونی نے گھڑی کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "پانچ بجنے والے ہیں۔ روحوں کے باہر نکلنے کا وقت قریب ہے۔ کیا ایسے اوقات میں تم جنگل کی جانب جانے کی جسارت کروگے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ ایسے اوقات میں وہ تمہیں نقصان پہنچانے سے گریز نہیں کریں گی۔ علاوہ ازیں میرا مزید مشورہ یہ ہے کہ تم بچوں کے ماں باپ کے ہمراہ آج رات میری دکان میں بسر کرو۔ اگر وہ رات کو دکان میں آتی ہیں۔ تب ہم باقی کا معاملہ گفت وشنید کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔"

سارجنٹ انتھونی نے فوراً اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "ٹھیک ہے میں بچوں کے ماں باپ کو منانے کی کوشش کرتا ہوں۔ تمہاری دکان کے اوپر کمرے میں اتنی جگہ موجود ہے۔ جہاں وہ سب سماسکیں۔"

ڈونی انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "کمرے میں اتنی جگہ موجود نہیں ہے۔ اس لئے بچوں کے والدین میں سے صرف مردوں کا انتخاب کیا جائے گا۔ میرے خیال میں کمرے میں پندرہ بیس افراد پھنس پھنسا کر رات اطمینان کے ساتھ گزار سکتے ہیں۔ دکان میں رات گزارنے میں یہ قباحت پائی جاتی ہے کہ اتنے لوگوں کی موجودگی میں نہ جانے روحیں دکان کا رخ کرتی بھی ہیں یا نہیں......" سارجنٹ انتھونی نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور دکان سے باہر کی جانب چل دیا۔

"عملی فیصلہ"

تھوڑی دیر بعد بچوں کے باپ سارجنٹ کے ہمراہ دکان میں موجود تھے۔ دکان کے شیشے کے دروازوں کو بند کردیا گیا۔ لیکن شٹر نیچے نہیں کیا گیا اور ایسا روحوں کو ورغلانے کے لئے کیا گیا تھا۔ تاکہ وہ دکان میں آنے کی کوشش کریں۔ ڈونی نے دکان کے درمیان میں سے تمام پرندوں کے مجسموں کو ہٹاکر جگہ کو وسیع کرنے کی کوشش کی۔ درمیان والی جگہ پر اسٹور روم میں موجود چند کرسیاں رکھ کر کالج کی کسی کلاس کی شکل دے دی گئی۔ مقصد صرف یہ تھا کہ ان کرسیوں پر بچوں کے والدوں کو بٹھا کر تفصیلی گفت وشنید کے ذریعے معاملے کو حل کرنے کی کوشش کی جاسکے۔ دکان میں گیس کا ہیٹر لگانے کے بعد ڈونی نے اوپر اپنے رہائشی کمرے کا رخ کیا۔ بچوں کے والدوں کے چہرے پر خوف و پریشانی کے تاثرات تھے۔ کسی روح کے ساتھ بات چیت کرنے کا یہ ان کا پہلا اور شاید آخری اتفاق تھا۔ ڈونی نے انہیں دلاسہ دیا اور بتایا کہ وہ روحیں نہایت بے ضرر اور معصوم ہیں۔ دماغی طور پر پاگل ہونے کی بدولت کچھ بے وقوف ضرور ہیں لیکن ان کا وجود نقصان پہنچانے کا

باعث نہیں بن سکتا۔ سارجنٹ انتھونی نے طنزیہ انداز میں سر ہلایا اور بولا۔

"بالکل...... ان کے ہوا پر مشتمل وجود نقصان پہنچانے کے قابل نہیں ہیں۔ ٹاؤن میں اتنے دنوں سے جو قتل و غارت ہورہی ہے۔ وہ سب تو اتفاقیہ ہے۔ اس میں ان روحوں کا ہاتھ نہیں ہے۔"

ڈونی غصیلے لہجے میں بولا۔ "ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے۔ وہ بھی ردعمل تھا۔ یا پھر کچھ غلط فہمیاں تھیں، میں ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔ مہربانی کرکے تم معاملے کو بگاڑنے کی کوشش نہ کرو۔ ورنہ حالات مزید خراب ہوسکتے ہیں۔"

سارجنٹ نے کاندھے اچکائے اور خاموش ہوکر بیٹھ گیا۔ ڈونی نے بھی کمرے کے ایک کونے میں بیٹھ کر انتظار کرنے کو بہتر جانا۔ انتظامات مکمل تھے۔ اب صرف روحوں کا انتظار ہی باقی تھا۔

رات کے بارہ بجے ڈونی کو نیچے دکان سے سرگوشیوں کی آواز سنائی دی۔ وہ یقیناً دکان میں آچکے تھے۔ ڈونی نے سارجنٹ اور بچے کے والدوں کو ان کی آمد کے متعلق بتایا اور محتاط قدموں کے ساتھ نیچے سیڑھیوں کی جانب چل دیا۔ دکان میں بِل اور این کی روح تک کے علاوہ مزید روحیں موجود نہیں تھیں۔ ڈونی کو دکان میں داخل ہوتے دیکھ کر بِل بولا۔

"یہ کیا ماجرا ہے؟ تم نے دکان کی میٹنگ کیوں چینج کردی۔ کہیں اسے فروخت کرنے کا ارادہ تو نہیں ہے۔"

ڈونی بولا۔ "ایسی بات نہیں ہے۔ اوپر والے کمرے میں ان بچوں کے باپ موجود ہیں۔ جنہیں تم اغوا کرکے لے جاچکے ہو۔ وہ تم سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔ یا اگر یوں کہہ لو...... تو زیادہ بہتر ہوگا کہ میں نے اس تمام میٹنگ کا اہتمام اس لئے کیا ہے تاکہ مل کر بات چیت کے ذریعے معاملے کو حل کرنے کی کوشش کی جائے۔"

"کیا ایسا ممکن ہے؟" بِل کی روح بولی۔ "کیا وہ این کو جیتا جاگتا بچہ مہیا کرسکتے ہیں۔ اگر ایسا کرسکتے ہیں تب ہم بھی معاملے کو رفاع دفاع کرنے کی کوشش کریں گے۔"

ڈونی بولا۔ "میں تمہیں یقین تو نہیں دلاسکتا۔ لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ معاملے کو احسن طریقے کے ساتھ اختتام پر پہنچانے کی کوشش ضرور کروں گا۔ باقی جو خدا کو منظور......"

"بِل نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر بولا۔ "ٹھیک ہے ہم تم پر اعتماد کرسکتے ہیں۔ کیونکہ تم ٹاؤن سے باہر کے رہنے والے ہو۔ اگر ٹاؤن کے ہوتے۔ تب ہم تم پر بھی اعتماد نہیں کرتے۔" کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد وہ دوبارہ بولا۔ "مجھے ایسا لگتا ہے جیسے یہاں ہمارے خلاف مقدمے بازی کا آغاز ہونے والا ہے۔ اگر بات ایسی ہی ہے تب ہم تمہیں جج کی کرسی پر بیٹھا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ ہمیں اپنے تحفظ کا احساس ہوسکے۔"

ڈونی مسکراتے ہوئے بولا۔ "واقعی اگر مقدمے کا سماں پیش کیا جائے۔ تب معاملہ بہت دلچسپ صورت اختیار کرے گا۔ اور مجھے اپنی زندگی کے دوران جج کی کرسی پر بیٹھنا بھی نصیب ہوجائے گا۔" پھر ڈونی نے آگے بڑھ کر ایک کرسی اٹھائی اور اسے باقی کرسیوں کے سامنے کاؤنٹر کے پاس رکھ دیا اور فخر کے ساتھ بولا۔ "یہ جج کی کرسی ہے۔" پھر اس نے دوسری کرسی اپنی کرسی کے داہنے جانب رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ سارجنٹ انتھونی یعنی ہونے والے مجرم کے وکیل کی کرسی ہے۔ جبکہ بائیں جانب تم اور تمہاری بیوی این بیٹھو گے۔ کیا خیال ہے۔" بِل نے اثبات میں سر ہلایا اور ڈونی مقدمے کے باقی افراد کو بلانے کے لئے اوپر کمرے کی جانب چل دیا۔ کمرے میں سارجنٹ انتھونی اور بچوں کے والدین اس کے منتظر تھے۔ ڈونی نے انہیں دلاسہ دیا۔ پھر اپنے ہمراہ نیچے آکر مقدمے کی روداد میں حصہ لینے کی پیشکش کی۔ سارجنٹ نے منہ بناتے ہوئے ڈونی کی جانب دیکھا اور طویل سانس

www.pdfbooksfree.pk

لیتے ہوئے کہا۔

”یہ وقت بھی دیکھنا تھا۔ اب مجھے سارجنٹ انتھونی کو پاگلوں کی روحوں کے سامنے کھڑے ہوکر اپنے ٹاؤن والوں کے حق میں وکالت کرنی ہوگی۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آرہی کہ اتنے تردد کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ایک دفعہ ان پاگلوں کو میرے سامنے کھڑا کردو۔ پھر دیکھو میں انہیں کیسے سیدھا کرتا ہوں۔ وہ سب کچھ بھول بھال کر پانچ منٹ میں انسانوں کے بچے نہ بن گئے۔ تب میرا نام بدل کر انتھونی کے بجائے مارکونی رکھ دینا۔“

ڈونی نے حیرت بھری نگاہوں سے سارجنٹ انتھونی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”سارجنٹ تم شاید بھول رہے ہو کہ ان پاگلوں کی روحیں گوشت پوست کے اجسام کے ساتھ قطع تعلق کرچکی ہیں۔ اب وہ ہوا پر مشتمل روحیں ہیں۔ جن پر تشدد نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کرسکتے ہو۔ تب وہ نیچے موجود ہیں۔ تم بخوشی کرلو۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ جہاں تک میرے مشورے کا تعلق ہے تو وہ یہی ہے کہ خاموشی کے ساتھ اور صلح وصفائی سے اسے حل کرنے کی کوشش کرو۔ چیخنا چلانا۔ مارنا دھاڑنا...... کسی انسان کے معاملے میں مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ روحوں کے معاملے میں نہیں۔ اور روحیں بھی پاگلوں کی روحیں...... جنہیں عام حالات میں سمجھانا ہی ممکن نہیں...... یہاں تو معاملہ عام حالات سے تجاوز کرچکا ہے۔“ ڈونی لمحہ بھر کے لئے سانس لینے کے لئے رکا۔ پھر دوبارہ بولا۔ ”اب اگر نیچے آنا چاہتے ہو۔ تب خاموشی کے ساتھ آجاؤ۔ نہیں آنا چاہتے تب یہیں بیٹھے رہو۔ میری جانب سے کسی پر بھی زور زبردستی نہیں ہے۔“ اس نے بات ختم کی اور نیچے دکان کی جانب چل دیا۔

ٹبل اور این کی روحیں کرسیوں پر براجمان تھیں۔ ڈونی کوئی بھی بات کئے بغیر درمیان والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ پھر ایک ایک کرکے بچوں کے والدین خوفزدہ چہرہ لئے نمودار ہونے لگے۔ ان کی نگاہوں کا مرکز ٹبل اور این کی روحیں تھیں۔ شاید عام حالات میں وہ کبھی ان روحوں کا سامنا کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ لیکن آج تو بات ان کے بچوں کے ساتھ منسلک تھی۔ اس کے علاوہ ڈونی کا وجود بھی ان کے لئے تسکین کا باعث بن رہا تھا۔ جو جج کی کرسی پر مکمل وقار کے ساتھ براجمان تھا۔ سب سے آخر میں سارجنٹ انتھونی سیڑھیوں سے کود کر دکان میں داخل ہوا۔ اس نے بھی حیرت بھری نگاہوں سے ٹبل اور این کی روحوں کی جانب دیکھا پھر مزید بات کئے بغیر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

ڈونی نے تفصیلی نگاہوں سے دکان میں بیٹھے تمام افراد کا جائزہ لیا۔ پھر گھمبیر لہجے میں بولا۔

”مقدمے کی روداد“

”مجھے شیل ٹاؤن آئے ہوئے ایک ہفتہ سے زیادہ کا عرصہ نہیں گزرا اور آج یہ دن دیکھنا پڑ رہا ہے کہ میں وقتی طور پر ہی سہی۔ لیکن یہاں پر وقوع پذیر ہونے والے پیچیدہ کیس کی نمائندگی کررہا ہوں۔ آپ سب یقین جانیے کہ مجھے ایسا کرنے کا رتی برابر بھی شوق نہیں۔ لیکن ٹبل اور این کی روحوں کی بدولت ایسا کرنے پر مجبور ہورہا ہوں۔ وہ اس کیس کے لئے کسی ایسے افراد کا انتخاب کرنا چاہتے تھے جس کا تعلق شیل ٹاؤن سے کسی بھی صورت میں کبھی بھی نہ رہا ہو۔ ایسا شخص میرے علاوہ یہاں اور کوئی نہیں تھا۔ اس لئے انہوں نے میرے ساتھ بات چیت کرکے مجھے معاملے میں مداخلت کرنے کی درخواست کی۔ جسے میں نے صرف انسانیت کے ناطے مجبور ہوکر قبول کرلیا۔ ورنہ میرا ایسا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اب ہم کیس کی جانب آتے ہیں۔

میرے دونوں مظلوم ساتھیوں ٹبل اور این کے دلوں میں ٹاؤن والوں کے خلاف چند غلط فہمیاں موجود ہیں۔ جنہیں میں معاملے کے شروع میں ہی رفاع دفاع کردینا چاہتا ہوں۔ آپ سب جانتے ہیں کہ آج سے ایک ماہ قبل شیل ٹاؤن کے پاگل خانے میں آگ لگ گئی تھی۔ جس میں بہت سے پاگلوں کے علاوہ ٹبل اور این

کی موت بھی واقع ہوئی تھی۔ لیکن ٹاؤن کے کسی بھی فرد نے آگے بڑھ کر ان لاچار پاگلوں کی مدد کرنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ وہ پہلی غلط فہمی تھی۔ جس کی بنا پر ٹبل اور این کے دلوں میں نفرت کا جوالہ مکھی پھٹنے لگا۔ اور اس نفرت کی بناء پر ان روحوں نے پندرہ کے قریب انسانوں کی جان لے لی۔ سارجنٹ انتھونی کیا تم اپنا مؤقف پیش کرنے کی کوشش کروگے کہ ایسا کیوں کیا۔ یاد رہے۔ موقف ایسا ہونا چاہئے جو ٹبل اور این جیسی معصوم روحوں کے دلوں میں موجود غلط فہمی کو ختم کرسکے۔“ سارجنٹ انتھونی نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر اپنی کرسی سے کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

”شیل ٹاؤن کے پاگل خانے میں جب آگ لگی۔ تب میں وہاں موجود تھا۔ آگ نے اتنی شدت کے ساتھ خطرناک صورت اختیار کی کہ سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں مل سکا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے آگ جان بوجھ کر اور مٹی کا تیل چھڑک کر لگائی گئی ہو۔ تمام پاگل آگ سے گھبرا کر دوسری منزل پر چڑھ دوڑے۔ ہمارے پاس آگ پر قابو پانے کے لئے مناسب سامان موجود نہیں تھا۔ اس لئے ہم نے قریبی شہر کے فائر بریگیڈ کے عملے کو فون کیا۔ انہیں ٹاؤن تک پہنچنے میں دیر لگی اور یوں عمارت جل کر خاکستر ہوگئی۔ ہم باہر کھڑے ان مظلوم افراد کے لئے کچھ بھی نہیں کرسکے۔“ سارجنٹ خاموش ہوگیا۔

ڈونی نے تفہیمی نگاہوں سے ٹبل کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”ٹبل ڈیئر...... تمہارا اس کیس کے متعلق کیا مؤقف ہے۔ اگر بتانا چاہتے ہو۔ تب کرسی سے کھڑے ہوکر بتاسکتے ہو۔“

ٹبل طویل سانس لیتے ہوئے اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔ پھر نہایت رنجیدہ چہرہ بناتے ہوئے بولا۔ ”ہم اس بات سے بخوبی آگاہی رکھتے ہیں کہ فائر بریگیڈ کی سہولت ٹاؤن میں موجود نہیں ہے۔ لیکن اگر ٹاؤن کے افراد آگ کو بجھانا چاہتے۔ تب یقیناً ایسا کرسکتے تھے۔ ٹاؤن میں پانی کی کمی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اگر وہ دروازے کو توڑ کر پاگل خانے میں داخل ہونے کی کوشش کرتے۔ تب بھی اندر گھس کر بہت سے افراد کی جان بچاسکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ صرف یہ سوچ کر...... کہ مرنے والے پاگل ہیں اور انہیں بچانے کے لئے آگ میں کودنا حماقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا...... اس لئے انہوں نے مرنے کے لئے بے یارومددگار چھوڑ دیا۔“ ٹبل خاموش ہوگیا۔

ڈونی نے اس دفعہ سارجنٹ انتھونی کی جانب سنجیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اسے جواب دینے کی پیشکش کی۔ سارجنٹ بھی سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ”ایسا سوچنا بھی تمہاری بے وقوفی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ ہم نے اندر داخل ہونے کی کوشش صرف اس لئے نہیں کی کہ اندر سب پاگل تھے۔ اگر تم بات کو ایسا رخ دینا چاہتے ہو۔ تب مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تم نے آگ میں کود کر پاگل خانے کی دوسری منزل پر جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ صرف اپنی بیوی کو بچانے کے لئے...... کیا تم اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکے...... نہیں...... ایسا نہیں ہوسکا...... اور بدلے میں تم کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ رہی پانی سے آگ بجھانے کی بات...... تو اس کا جواب میں پہلے بھی دے چکا ہوں کہ پاگل خانے میں آگ سوچ سمجھ کر اور جان بوجھ کر لگائی گئی تھی جس کی بدولت آگ نے نہایت تیز رفتاری کے ساتھ شدت اختیار کی اور کچھ ہی دیر میں پاگل خانے کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ میں اس بات کی حقیقت سے بھی آگاہی رکھتا ہوں کہ ایسا کس نے کیا۔ مجھ سے زیادہ اس حقیقت کے بہت سے پوشیدہ معاملوں کے متعلق تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔ لیکن یہاں میں صرف اتنا ہی کہنا چاہوں گا کہ ایسا تمہاری بیوی نے اپنے انتقامی جذبے کی تسکین کے لئے کیا تھا۔ جس کی پاداش کے لئے بہت سے بے گناہ پاگلوں کو موت کو مجبوراً گلے لگانا پڑا۔ اگر میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ تو کیا تم میرے اس سوال کا جواب دینا چاہو گے کہ تمہاری بیوی نے ایسا کیوں

www.pdfbooksfree.pk

کیا؟"

بل غصیلے لہجے میں بولا۔"صرف ایک بچے کے وجود کے حصول کے لئے......اس تمام معاملے کے پیچھے ایک ماتا کی دلگداز کہانی کے علاوہ مزید اور کچھ بھی نہیں پایا جاتا۔ زندگی تو ختم ہو ہی گئی ہے۔ اس لئے اب جھوٹ بولنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ انکل ٹام کے بچے کو میں نے ہی اغوا کیا تھا۔ لیکن این کی معصوم فطرت یا پھر پاگل پنے کی بدولت بچہ مرگیا۔ این اس کے مردہ وجود سے دور نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس لئے میں نے چھپ کر بچے کے وجود کو قبرستان میں لے جا کر دفنا دیا۔ لیکن ماتا کی ماری این کو خبر ہوگئی۔ اور اس نے میری غیر موجودگی میں انتقامی جذبے کے تحت پاگل خانے کو آگ لگا دی۔ میں ڈونی کو پہلے بتا چکا ہوں کہ این کو جیتا جاگتا بچہ چاہئے۔ میں اسے ہر طرح بہلانے پھسلانے کی کوشش کر چکا ہوں۔ لیکن مقصد میں کامیاب نہیں ہو پایا۔ اس لئے میں نے تم سے رجوع کیا کہ شاید تم کوئی حل تلاش کرسکو۔ لیکن تم نے بھی معاملے کو زیادہ اہمیت نہیں دی اور ہم نے کافی سوچ بچار کے بعد انتہائی اقدام اٹھانے کی کوشش کر ڈالی۔"

ڈونی نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور سارجنٹ انتھونی کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔"لیکن وہ انتہائی اقدام بچوں کے اغوا سے متعلق ہے۔ بل کیا تم بتا سکتے ہو کہ بچے اس وقت کہاں ہیں؟"

بل نے اثبات میں سر ہلایا اور جواب دیا۔

"ٹاؤن سے ہٹ کر جنگلوں کے درمیان پوشیدہ ایک غار میں بچے محفوظ ہیں۔ میں نے اور این نے سردی کا اطمینان بخش انتظام آگ کی صورت میں کیا ہے۔ یقیناً تمہارے دماغوں میں یہ سوال گردش کر رہا ہوگا کہ ہوا پر مشتمل روحوں نے آگ کیونکر روشن کرلی تو اس کا جواب یوں ہے کہ یہ کام ہمارے کہنے کے مطابق بچوں نے خود کیا ہے۔ وہ سب وہاں نہایت اطمینان و سکون سے ہیں۔ ہماری ساتھی روحیں ان کی حفاظت کے لئے غار کے ارد گرد موجود ہیں۔" ڈونی نے بچوں کے والدین کی جانب نگاہ دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"آپ میں سے کوئی ان سے سوال پوچھنا چاہتا ہے۔ تو پوچھ سکتا ہے۔" کمرے میں خاموشی طاری رہی۔ سب خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

پھر ایک آدمی ہمت کر کے کھڑا ہوا۔ اور ہکلاتے ہوئے بولا۔""جناب ہمیں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ہمارے بچے خوش و خرم جنگل کی غار میں محفوظ ہیں۔ لیکن یہ جان کر افسوس محسوس ہوا کہ اب ہمیں ان سے ملنے کے لئے موضوع اوقات کا انتظار کرنا ہوگا۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ ایسی کون سی شرائط ہیں جن پر پورا اترنے کے بعد ہم اپنے بچوں کے حصول کو ممکن بنا سکیں گے۔"

بل نہایت انکسارانہ لہجے میں بولا۔"میں پہلے کئی دفعہ بتا چکا ہوں کہ ہمیں صرف ایک جیتے جاگتے بچے کا حصول چاہئے۔ آپ یقین جانیے کہ آپ سب کو پریشان کر کے مجھے اور این کو قطعاً خوشی محسوس نہیں ہو رہی۔ لیکن میں کیا کروں اپنی بیوی کی محبت کے لئے ہر جائز و ناجائز قدم اٹھانے کے لئے مجبور ہوں۔ اتنا وعدہ ضرور کرتا ہوں کہ شرائط پوری کرنے کے بعد دوبارہ ٹاؤن کا رخ نہیں کروں گا۔"

کمرے میں دوبارہ خاموشی طاری ہوگئی۔ ہر بندہ سوچ و بچار میں گم تھا۔ روحوں کی عجیب و غریب شرائط پر پورا اترنا ان میں سے کسی کے بھی اختیار میں نہیں تھا اور شرط کو پورا کئے بغیر انہیں بچوں کا واپس ملنا بھی ناممکن دکھائی دے رہا تھا۔ وہ سب اپنے دماغوں کو ایک عجیب گھن چکر میں مبتلا محسوس کر رہے تھے۔ پھر اس خاموشی کو ٹاؤن کے پرائمری اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے کھڑے ہوتے ہوئے توڑا۔ وہ کھنکھار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔

"آپ کی شرائط پر پورا اترنا ممکن نہیں ہے۔ پھر بھی میں کوشش کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میرے محدود دماغ کے مطابق اس کے علاوہ مسئلے کا مزید حل دستیاب

نہیں ہو سکتا کہ تمام ٹاؤن میں سے کوئی ایسا گھرانہ قربانی دینے کے لئے تیار ہو سکے۔ جس کے گھر میں دودھ پیتے بچے کے علاوہ مزید بچوں کی زیادہ تعداد موجود ہو۔ اور وہ اپنا دودھ پیتا بچہ این کے سپرد کر کے روحوں کی شرائط پر پورا اترنے کے بعد ٹاؤن والوں کے بچوں کی بازیابی کا باعث بن سکے۔"

ڈونی نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر سامنے بیٹھے ہوئے پندرہ کے قریب ٹاؤن کے افراد کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔"کیا یہاں کوئی ایسا شخص موجود ہے جو قربانی دینے کے لئے بچوں کی رہائی کا باعث بن سکے؟" کمرے کے ماحول میں دوبارہ گھمبیر خاموشی طاری ہوتی چلی گئی۔ اس دفعہ سارجنٹ انتھونی سپاٹ لہجے میں بولا۔"یہ ایک ناممکن بات ہے۔ کوئی بھی ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو اپنے وجود سے جدا نہیں کر سکتی۔ اگر اس بات کا یقین بھی دلایا جائے کہ بچے کی نگہداشت اور مستقبل پر کسی بھی قسم کی آنچ نہیں آنے پائے گی۔ تب بھی کوئی ماں ایسا قدم اٹھانے سے پہلے سوچے بغیر انکار کر دے گی۔ یہاں تو معاملہ ہی مختلف ہے۔ نگہداشت اور رہنے کا کام ایک ایسی سوچ کے سپرد کیا جا رہا ہے۔ جو ٹھوس اجسام کو چھونے کے بھی قابل نہیں ہے۔ یقیناً بچہ کچھ ہی دنوں میں موت کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

ڈونی بات کاٹتے ہوئے بولا۔"میرے خیال کے مطابق این سے بہتر ماں اور کوئی بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ رہی ہوا پر مشتمل روح ہونے کی بات......تو وہ ٹھوس اجسام بخوبی اختیار کر سکتی ہے۔ اور ٹھوس جسم میں منتقل ہونے کے بعد بچے کی بہترین پرورش کر سکتی ہے۔"

سارجنٹ انتھونی نے طنزیہ نگاہوں سے ڈونی کی جانب دیکھا۔ پھر گھمبیر لہجے میں پوچھا۔

"فرض کرو۔ اگر تمہاری دودھ پیتی اولاد ہو۔ تو کیا تم قربانی کی بھینٹ چڑھانے کے لئے اسے این کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہو گے۔"

"شاید......" ڈونی نے کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد جواب دیا۔"اگر مجھ پر ایسا وقت آتا۔ تو میں اتنے لوگوں کی خوشی کی خاطر قربانی دینے کے لئے بخوشی اختیار ہو جاتا۔"

سارجنٹ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔"اگر تمہاری اولاد ہوتی۔ تب تم یقیناً انکار کر دیتے۔ چونکہ نہیں ہے اس لئے تم ہیرو بننے کے لئے ایسا کہہ رہے ہو۔ بہر کیف تم ٹاؤن کے باقی افراد سے بھی مسئلے کے حل کے لئے بات چیت کر سکتے ہو۔ مجھے مکمل یقین ہے کوئی بھی ماں اپنے دودھ پیتے لخت جگر کو روحوں کے حوالے کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگی۔

بل اور این کو اپنی شرائط کے متعلق سوچ و بچار کرنی چاہئے۔ یہ ناممکن بات ہے۔"

ڈونی نے طویل سانس لیتے ہوئے بل اور این کی جانب دیکھا۔ پھر منت بھرے لہجے میں بولا۔

"کیا ایسا ممکن ہے کہ تم دونوں اپنی شرط میں رد و بدل کر دو۔ تم ٹاؤن کے کسی بھی گھر میں موجود دودھ پیتے بچے کی جانب اشارہ کر دو۔ ہم ان گھر والوں سے اجازت لے کر تمہیں بچے کے پاس آنے کی اجازت دلوا دیں گے۔ تم دن کے کسی بھی پہر وہاں آکر بچے کے ساتھ اپنا دل بہلا سکو گے۔ میرے دماغ میں اس مسئلے کا اس سے بہتر مزید حل موجود نہیں ہے۔"

این نے انکار میں سر ہلانا شروع کر دیا۔ پھر استہزائیہ لہجے میں بولا۔

"ایسا ممکن نہیں ہے بچہ بلا غیر و شرکت چاہئے۔ میں اس معاملے میں کسی دوسرے وجود کو برداشت نہیں کر سکتی۔ تمہیں مزید کچھ سوچنا ہوگا۔"

ڈونی نے ہار مانتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"آخری حل"

کمرے کے ماحول میں کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔ پھر ڈونی گلے کو کھنکھارتے ہوئے بولا۔

"میرے دماغ میں مزید اور آخری حل موجود ہے۔ اگر قابل قبول نہیں ہوا۔ تب شاید میں ہار مان لوں

www.pdfbooksfree.pk

گا۔" بچوں کے والدین سارجنٹ انتھونی اور دونوں روحیں بے چین نگاہوں سے ڈونی کی جانب دیکھنے لگیں۔ڈونی مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہمیں کسی ایسی موت کا انتظار کرنا ہوگا۔جس میں مرنے والا دودھ پیتا بچہ ہواور اس کی موت قدرتی طور پرواقع ہوئی ہو۔یادرہے ہمیں صرف ایک ننھے منے اورمردہ وجود کی ضرورت ہے تاکہ اس کے جسم میں کوئی بھی روح گھس کر اسے جیتے جاگتے بچے کی صورت مہیا کرسکے۔صرف تھوڑے سے انتظار کی ضرورت ہے۔ اگرہم سب مل کر این کی روح سے درخواست کریں۔ تب شاید وہ ہمیں اتنی مہلت دے کہ ہم پراحسان کرے۔اورہمیں کچھ وقت دے کرشرط پوری کرنے کے لئے انتظام کرنے کا موقع دے۔" سارجنٹ انتھونی اچانک ہی چٹکی بجاتے ہوئے اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔پھر پرجوش لہجے میں بولا۔ "انتظار کی مہلت مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ہماری قسمت ہمارا ساتھ دے رہی ہے۔ٹاؤن میں کل ہی ایک دودھ پیتے بچے کی موت واقع ہوئی ہے۔میرے خیال میں سردی کی بدولت لاش ابھی گلی نہیں ہوگی۔ہم باآسانی قبر کھود کر لاش کو حاصل کرسکتے ہیں۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔" ڈونی مسرت بھرے لہجے میں بولا۔"ہم ابھی قبرستان کا رخ کرتے ہیں تاکہ لاش کو خراب ہونے سے پہلے وہاں سے نکال کردکان میں لایا جاسکے۔لیکن اس سے پہلے میں بل سے پوچھنا چاہوں گا کہ کیا ایسا ممکن ہے۔گزشتہ روز میں نے یہاں دکان میں موجود روحوں کے ہجوم میں چند ایسے بچوں کی روحیں بھی دیکھی تھیں۔ان میں سے کوئی لاوارث بچے کی روح ہمارے حاصل کردہ مردہ وجود میں گھسنے کے لئے آمادہ ہوسکتی ہے یا نہیں۔یوں ہمارا مسئلہ حل طلب صورت اختیار کرسکتا ہے۔" بل نے اثبات میں سرہلایا اور بولا۔

"ایسی لاوارث بچے کی روح ہمارے درمیان موجود ہے اور میرے خیال میں وہ باآسانی مردہ بچے کے وجود میں بھی گھس سکتی ہے۔لیکن شرط یہ ہے کہ بچے کے جسم کو مکمل تروتازہ ہونا چاہئے۔"

ڈونی بات کاٹتے ہوئے بولا۔"پھر ہمیں جتنی جلدی ممکن ہو۔قبرستان کا رخ کرنا چاہئے۔میرے خیال میں بچے کی لاش کو چھوٹے تابوت میں بند کرکے دفنایا گیا ہوگا۔اگرایسا ہوا۔تب یقیناً بچے کی لاش اچھی حالت میں دستیاب ہوجائے گی۔"

سارجنٹ بولا۔"وہ اچھے کھاتے پیتے گھرانے کا چشم وچراغ ہے۔اور میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ انہوں نے بچے کو چھوٹے تابوت میں بند کرکے دفنایا تھا۔پھر بھی ہمیں دیر نہیں کرنی چاہئے اور جلدازجلد لاش کو نکال کر دکان میں لے آنا چاہئے۔"

ڈونی نے اثبات میں سرہلایا اور سارجنٹ انتھونی بچوں کے والدین کے ہمراہ دکان سے باہر نکل کر قبرستان کی جانب چل دیا۔

"لاش کا حصول"

اس رات مطلوبہ بچے کی لاش دستیاب نہ ہوسکی۔ جس بچے کی لاش قبر کھود کر باہر نکالی گئی۔اس کی لاش کے کچھ حصے گلنے سڑنے لگے تھے۔اس لئے اسے تابوت میں ڈال کر دوبارہ دفن کردیا گیا۔لیکن پھر دوسرے دن شام کے وقت ایک ایسے بچے کی لاش دستیاب ہوہی گئی۔ جو نا صرف صحت مند تھا بلکہ لاوارث ہونے کے علاوہ اس کی لاش تازہ بھی تھی۔ڈونی کی دکان میں ایک دفعہ پھر سارجنٹ انتھونی اور بچوں کے والدین کو بلایا گیا۔این اور بل کی روح کے علاوہ وہاں ایک ایسے بچے کی روح بھی موجود تھی۔جس کی عمر کم وبیش چھ سات سال کے قریب تھی۔بل کے کہنے کے مطابق مطلوبہ بچہ کی لاش کو ایک بڑی میز کے اوپر رکھ دیا گیا۔اب بل اور چھ سالہ بچے کی روح کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا۔جو وقت کے ساتھ ساتھ طویل سے طویل تر ہوتا چلا گیا۔مذاکرات کا یہ سلسلہ سرگوشیوں پر مشتمل تھا۔ اس لئے دکان میں موجود باقی افراد کچھ بھی سننے یا سمجھنے نہیں پائے۔لیکن وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ بل بچے کو دودھ پیتے بچے کے مردہ جسم میں گھسنے کی ترغیب دے رہا ہوگا۔گفت وشنید کا یہ سلسلہ تقریباً پانچ منٹ تک مسلسل تواتر کے ساتھ جاری رہا۔پھر لڑکے کی روح نے اثبات میں سرہلانا شروع کردیا۔

بل نے ڈونی کی جانب دیکھتے ہوئے خوشخبری سنائی۔ اور شیشوں کے آگے بھی پردے سرکادیئے جائیں۔"

ڈونی نے لائٹ آف کردی جبکہ سارجنٹ نے شیشوں کے آگے پردے سرکادیئے۔ دکان میں ملگجا اندھیرا پھیلتا چلا گیا۔اب وہاں موجود تمام افراد ہلکے سایوں کی صورت اختیار کرچکے تھے۔بل دوبارہ بچے کے ساتھ بات چیت کررہا تھا۔پھر اس نے بچے کی روح کو اٹھا کر میز کے اوپر بیٹھا دیا۔وہاں مردہ بچے کی لاش موجود تھی۔ بچے کی روح نہایت آہستگی کے ساتھ مرے ہوئے بچے کی لاش کے اوپر لیٹ گئی اور حیرت انگیز طور پر اپنے تجسم کو کم کرنے لگی۔تھوڑی دیر بعد وہ دودھ پیتے بچے کی جسامت اختیار کرچکی تھی۔

اس کے فوراً بعد دکان کا ماحول ننھے منے بچے کے رونے کی آواز سے گونج اٹھا۔این کی روح بے اختیار آگے بڑھی اور اس نے بچے کو اٹھا کر گلے سے لگانے کی کوشش کی۔لیکن مقصد میں کامیاب نہ ہوسکی۔ وہ صرف ہوا میں ہاتھ ہلا کر رہ گئی۔

ڈونی نے آگے بڑھ کر کمرے کی لائٹ آن کردی۔ماحول یکدم روشن ہوا اور وہاں موجود تمام افراد کی آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں۔تھوڑی دیر بعد جب دیکھنے کے قابل ہوئیں۔تب انہوں نے حیرت انگیز منظر دیکھا۔دکان کے درمیان سانتا کلازا اور بوڑھی عورت کا مجسمہ موجود تھا۔ بوڑھی عورت میز پر لیٹے ہوئے بچے کو سینے سے لگائے چوم رہی تھی۔منظر رقت آمیز تھا۔بہت سے ٹاؤن والوں کی آنکھیں آنسوؤں کی بدولت جھلملانے لگیں اور وہ رومال سے آنکھیں پونچھنے لگے۔

ڈونی نے طویل سانس لیتے ہوئے سارجنٹ کی جانب دیکھا۔پھر بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"آخرکار ہم مقصد میں کامیاب ہو ہی گئے۔ میرے خیال میں کل صبح ٹاؤن والوں کے بچے بھی ٹاؤن واپس پہنچ جائیں گے۔پھر ٹاؤن والوں کی کرسمس کی خوشیاں دوبالا ہوجائیں گی۔"

سارجنٹ بولا۔"تم بل سے بات چیت مکمل کرلو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بچوں کو واپس کرنے سے مکر جائے۔اگرایسا ہوگیا۔تب ہمارے لئے مزید مشکل پیدا ہوجائے گی۔"

ڈونی نے اثبات میں سرہلایا۔ اور این کے پاس کھڑے خوشی سے معمور چہرہ لئے بل کی جانب چل دیا۔بل نے اسے اپنی جانب آتے دیکھا۔تب بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم بچوں کے لئے پریشان ہو۔پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔میری ساتھی روحیں بچوں کے ہمراہ ٹاؤن میں داخل ہونے والی ہیں۔آج ٹاؤن والے دوبارہ کرسمس منائیں گے۔جس میں ہم بھی شرکت کریں گے۔" ابھی اس کی بات مکمل نہیں ہوپائی تھی کہ باہر بازار بچوں کے شور اور پٹاخوں سے گونج اٹھا۔

ٹاؤن کے لوگوں اور سارجنٹ انتھونی نے گھبرا کر باہر کی جانب دیکھنے کی کوشش کی۔ لیکن دروازوں اور کھڑکیوں پر لگے پردوں کی بدولت باہر نہیں دیکھ سکے۔

بل نے ہاتھوں میں موجود پستول کا رخ دکان کی چھت کی جانب کرکے ٹریگر کو دبادیا۔ دھماکے کے ساتھ رنگ برنگے شعلے دکان کے اندر پھیلتے چلے گئے۔ اس نے ہیپی کرسمس کا نعرہ لگایا اور کمر پر لادے ہوئے سرخ رنگ کے تھیلے کو اٹھائے دکان کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

ٹاؤن کے لوگ جوق درجوق بازار کا رخ کررہے تھے۔ایسا تقریباً ڈیڑھ مہینے کے بعد ہورہا تھا کہ لوگ رات ہونے کے باوجود گھروں سے باہر نکل کر بازاروں کا رخ کرنے کی جستجو میں تھے۔بل سانتا کلازا

www.pdfbooksfree.pk

کے وجود میں کمر پر موجود کھلونے سے لدے ہوئے تھیلے کے ساتھ بچوں میں کھلونے تقسیم کررہا تھا۔ کچھ منچلوں نے آتش بازی کے سامان سے بھرے ہوئے تھیلے بچوں کو تھمانے شروع کردیئے اور پھر آسمان رنگ برنگی روشنیوں سے منور ہونے لگا۔ اس تمام ہجوم کے درمیان این بچے کو اپنے سینے کے ساتھ لگائے نہایت خوش و شادمان تھی۔

ڈونی سارجنٹ کے ہمراہ دکان کے برآمدے میں کھڑا لوگوں کے ہجوم کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر سوچ کی لکیریں نمودار تھیں۔ سارجنٹ انتھونی کی نگاہوں میں خوشی واطمینان کا تاثر تھا۔ ڈونی خوابیدہ لہجے میں سارجنٹ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''کیا ہم نے ایسا کرکے صحیح کیا ہے؟ مجھے نہیں لگتا کہ ہمارا خدا ہم سے خوش ہوگا۔ ہم نے مکمل خودغرضی کے ساتھ صورت حال کو اپنے حق میں ڈھالنے کے لئے نہایت چالاکی سے کام لیا ہے۔ لیکن کسی اور کی زندگی کا خیال نہیں کیا۔''

سارجنٹ بولا۔ ''میری رائے تم سے مختلف ہے۔ بہت سے لوگوں کی خوشیوں کے لئے اگر کسی ایک ننھے منے وجود کے جسم کی قربانی دے دی جائے۔ تب میرے خیال میں خدا ہم سے ناراض نہیں ہوسکتا۔ اور پھر ہم نے ایسا اپنی غرض کے لئے نہیں کیا بلکہ دوسروں کی خوشیوں کے لئے کیا ہے۔ اگر نہ کرتے تو بچوں کی دستیابی کے علاوہ قتل و غارت کا نہ رکنے والا سلسلہ چلتا رہتا۔ جس میں ایسے کئی اور بچے قربانی کی بھینٹ چڑھ جاتے۔''

ڈونی سرد آہ بھر کر بولا۔ ''لیکن ہم نے جس ننھے منے وجود کو قربانی کی بھینٹ چڑھانے کے لئے استعمال کیا ہے۔ وہ لاوارث اور یتیم وجود تھا۔ وہ تو ہماری ہمدردیوں اور حسن سلوک کا حقدار تھا۔ لیکن ہم نے اسے اپنی خودغرضی کے لئے استعمال کیا۔

''جیسا تم سوچ رہے ہو۔ ایسا نہیں ہے۔'' سارجنٹ جھنجلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''کیا ٹبل کی شرط خودغرضانہ فطرت کی عکاسی نہیں کرتی تھی۔ کیا ٹاؤن والوں کا پاگل خانے کے باہر منہ اٹھا کر چپ چاپ کھڑے رہنا خودغرضانہ عمل نہیں تھا۔ اگر ٹبل کی شرط کو پورا کرنے کے لئے ہم نے یتیم خانے میں موجود بچے کو اپنی غرض کے لئے استعمال کرکے بہت سے والدین کو ان کے بچوں سے ملانے کا ذریعہ بنادیا۔ تب میرے خیال میں یہ کوئی بدفعل نہیں ہوسکتا۔ تم ذرا بازار میں موجود ٹاؤن والوں کے چہروں کی جانب دیکھو۔ کتنی خوشیاں ان کے چہروں پر رقص کررہی ہیں۔ این کی جانب دیکھو۔ وہ کتنی مطمئن و پرمسرت ہے۔ مجھے تو ان سب کو دیکھ کر نہایت اطمینان بخش احساس دل میں اٹھتا محسوس ہوتا ہے۔ اگر ایک انسان کے دنیا سے چلے جانے کی بدولت لوگوں کی اتنی خوشیاں میسر آسکتی ہیں تو میرا نہیں خیال کہ خدا ہم سے ناراض ہوگا۔'' ڈونی نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور کوئی بھی جواب دیئے بغیر دروازہ کھول کر دکان کے اندر داخل ہوگیا۔

''پاگل بیتی کا اختتام''

یہ وہ پاگل بیتی تھی۔ جو مجھے ڈونی کی بدولت دستیاب ہوئی۔ ڈونی کو مزید کریدنے پر مجھ پر حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ وہ اپنی آدھی سے زیادہ زندگی پاگل خانے میں گزار چکا تھا۔ یعنی وہ ایک پڑھا لکھا پاگل رہ چکا تھا۔ علاج کے بعد اس نے ٹاؤن میں کھلونوں کی دکان کھولی۔ جو آج کل بہت اچھی چل رہی ہے۔ لیکن وہ چیک اپ کے لئے اکثر اوقات پاگل خانے آتا رہتا ہے۔ اور جہاں اس کی اور میری ملاقات ہوئی۔

میری تحریر مکمل ہوگئی تھی۔ اب صرف اسے پبلشرز کے حوالے کرنا باقی تھا۔ میرا خیال تھا کہ میری پچھلی تحریر ''پاگل خانہ'' کی طرح اسے بھی خدا کامیابیوں سے ہمکنار کرے گا۔ آپ بھی دعا کیجئے گا۔ خدا حافظ۔

فرار

ناصر محمود فرہاد۔ فیصل آباد

رات کا گھٹا ٹوپ اندھیرا ہر سو مسلط تھا کار کے انجن کی آواز قریب آتی جارہی تھی مگر ابھی تک کار کی روشنیاں نظر نہیں آرہی تھیں کہ اچانک روشنیاں نظر آتے ہی گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے پورا علاقہ گونج اٹھا اور پھر اچانک ایک ہولناک منظر سامنے آیا۔

مغرب کی فضاؤں میں جنم لینے والی ایک تحیرانگیز حیرت انگیز لرزہ براندام کرتی کہانی

میں گزشتہ دو گھنٹے سے سڑکوں پر کار کو آوارہ دوڑا رہا تھا۔ اب میں پہاڑی علاقے سے تقریباً نکل آیا تھا اور نیچے وادی میں مجھے چھوٹے سے قصبے سانتا آلٹا کی روشنیاں بھی نظر آنا شروع ہوگئی تھیں۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ سیاہ سیڈان کی رفتار بڑھتی جارہی تھی۔

کسی البیلی حسینہ کی طرح بل کھاتی، لہراتی، مچلتی سڑک کے بل یہاں آکر نکل گئے تھے اور وہ اب بالکل سیدھی ہوچکی تھی۔ میرے پاؤں کا دباؤ ایکسیلیٹر پر بڑھتا جارہا تھا۔ یخ بستہ، ٹھنڈی سرسراتی ہوا میرے کانوں میں نغمے گنگنارہی تھی۔

میں نے ڈیلش بورڈ میں لگی روشن گھڑی کی طرف دیکھا تو پتہ چلا کہ رات کے سوا گیارہ بج رہے تھے۔

میں اس وقت سانتا آلٹا کے دامن کے قریب پہنچ چکا تھا جب کار کے ریڈیو پر بجتی موسیقی یکبارگی غیر متوقع طور پر تھم گئی اور نیوز کاسٹر کی آواز ابھری۔ اس وقت میری نظریں سیاہ سڑک پر بنی سفید لکیر پر گاڑی کی ہیڈلائٹ کی روشنی میں جمی ہوئی تھی میں نے ریڈیو کی طرف دیکھے بغیر ایک ہاتھ بڑھا کر ریڈیو کی آواز قدرے اونچی کردی۔

www.pdfbooksfree.pk

"کئی آدمیوں کے قاتل اور مفرور قیدی فرینک وارنر کی تلاش پوری ریاست میں جاری ہے...... پولیس اس کے پیچھے ہے۔" اناؤنسر کہہ رہا تھا۔

"وارنر جس پر بینک ڈکیتی کا الزام ہے آج سہ پہر اس نے کولمن میں ایک پولیس افسر کو گولی ماری اور چوری کی گاڑی میں فرار ہوگیا۔ یہ آفیسر اسے ایک جیل سے دوسری جیل میں منتقل کررہے تھے۔ پولیس کا خیال ہے کہ وہ سانتا آلٹا کی طرف جائے گا جہاں اس کی بیوی رہائش پذیر ہے۔ کیونکہ پولیس کی اطلاع کے مطابق مسز وارنر جس کا اصل نام "میرین" ہے اپنے گھر سے غائب ہوچکی ہے۔ غائب ہونے سے پہلے اس نے اپنے بینک کے کھاتے سے تقریباً چار ہزار ڈالر نکلوائے تھے۔ یہ تقریباً وہی وقت تھا جب اس کا شوہر فرینک وارنر پولیس کی حراست سے فرار ہوا تھا۔ پولیس کا خیال ہے کہ اس کا کسی طرح اپنی بیوی سے رابطہ تھا اور وہ اس کے فرار سے آگاہ تھی۔ وارنر مسلح ہے اور وہ خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ سانتا آلٹا کے رہائشیوں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ......"

باقی اعلان پر میں نے کوئی توجہ نہ دی۔ میرے ہاتھ اسٹیرنگ وہیل پر مضبوطی سے جمے ہوئے تھے مگر میں اپنے کوٹ کی جیب میں پستول کا بوجھ پوری طرح محسوس کررہا تھا۔

"سانتا آلٹا" کی حدود میں داخل ہوتے ہی میں نے اپنی کار کی رفتار دھیمی کردی۔ اس وقت میں دریا کے کنارے صنعتی علاقے سے گزر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں قصبے کو جانے والی سڑک پر آگیا جو ایک طرف کو پہاڑوں کے دامن میں سے گزرتی تھی۔

میں اس سڑک پر تقریباً سات میل تک چلتا چلا گیا۔ یہاں پہنچ کر مجھے ایک اور چھوٹی ذیلی سڑک ایک طرف کو مڑتی دکھائی دی۔ میں نے کار کو اس سڑک پر موڑ دیا۔ اس شکستہ سڑک پر تقریباً ایک میل آگے جاکر سڑک اک دم مڑگئی تھی یہ ایک خطرناک موڑ تھا میں نے اس سے پہلے ہی سیڈان کو ایک طرف روک لیا اور وہاں ایک طرف گھنے درختوں کے بیچ اس طرح چھپادی کہ بادی النظر میں اس کو دیکھنا ممکن نہ تھا۔

کار کا انجن اور روشنیاں بند کردیں اور نیچے اتر آیا۔ باہر قدرے ٹھنڈک تھی۔ ہلکی ہوا چل رہی تھی اور آسمان پر پورا چاند چمک رہا تھا مگر اس وقت وہ کالے بادلوں کے ایک بڑے سے ٹکڑے کے پیچھے چھپ رہا تھا۔

کار سے اتر کر میں سڑک پر آیا، اس کو پار کیا اور دوسری طرف آگیا۔ اس طرف کھلے میدان میں کہیں کہیں چٹانیں سر اٹھائے کھڑی تھیں ان کے پیچھے ایک خطرناک ڈھلوان تھی جو تقریباً پینتالیس درجے کے زاویے پر نیچے کی طرف جارہی تھی۔

میں میدان کے سرے پر آکر رک گیا۔ سڑک کا موڑ اس ڈھلوان کے ساتھ ساتھ گھوم رہا تھا۔

میرے اندازے اور اطلاع کے مطابق وہاں نیچے میرین کو موجود ہونا چاہئے تھا۔ وہ وہاں درختوں کے جھنڈ میں چھپی ہوسکتی تھی۔

میں نے میدان کو پار کیا، تیزی سے چلتے ہوئے میری نظریں زمین پر جمی ہوئی تھیں، میں نے ڈھلوان پر اترنا شروع کردیا۔ میرا دل میرے سینے میں اچھل رہا تھا۔ میں کافی دن بعد میرین سے ملنے والا تھا۔

میں سنبھل سنبھل کر قدم اٹھاتا نیچے اتر رہا تھا مگر اس سے پہلے کہ میں ڈھلوان کے نیچے پہنچتا، میں پھسل کر گر پڑا۔ خوش قسمتی سے کوئی چوٹ نہ لگی کیونکہ وہاں زمین نرم تھی۔ میں کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنی جیب کو ٹٹول کر پستول کی موجودگی کا یقین کیا اور مطمئن ہوگیا۔

سڑک اوپر سے گھوم کر ڈھلوان کے ساتھ ساتھ نیچے آگئی تھی۔ اس وقت یہ سڑک دور دور تک خالی نظر آرہی تھی۔ یقیناً میرین کی کار وہاں سڑک کے کنارے درختوں کے جھنڈ میں تھی۔

میں چند قدم دبے پاؤں چل کر درختوں کے جھنڈ کے قریب آگیا وہاں سے مجھے ایک کار نظر آرہی تھی۔ میں نے دور سے کار کے اندر دیکھنے کی کوشش کی۔ کار کے اندر ڈرائیورنگ سیٹ پر ایک سایہ نظر آیا۔ مگر اندھیرے اور فاصلے کے باعث کہنا مشکل تھا کہ وہ میرین تھی یا کوئی

اور......

میرا حلق خشک ہورہا تھا۔ میں آہستہ آہستہ اس کار کی طرف آگے بڑھنے لگا۔ میرا ایک ہاتھ محتاط انداز میں جیب میں موجود پستول پر تھا۔

وہاں درختوں کے بیچ گھنی جھاڑیاں تھیں میں ان کے اندر دبک گیا۔ کار مجھ سے تقریباً پندرہ فٹ دور تھی۔ اب میں اچھی طرح دیکھ سکتا تھا کہ کار کے اندر میرین ہی تھی۔ وہ ڈرائیورنگ سیٹ پر بیٹھی تھی۔

میں چند لمحے خاموشی سے جھاڑیوں میں دبکا رہا۔ چاروں طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی اور مجھے صرف جھینگروں کے گانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دھیرے سے اپنا سر اٹھایا اور ہلکی آواز میں سرگوشی کے انداز میں میرین کو پکارا۔ اس نے شاید میری آواز سنی نہیں کیونکہ اس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا نہ ہی اس نے کوئی حرکت کی۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دوبارہ پکارا اس دفعہ میری آواز قدرے اونچی تھی۔ آواز سنتے ہی اس نے ایک جھٹکے سے اپنا سر اوپر اٹھایا اور بے تابی سے اپنے پاس دیکھا، وہ میری آواز پہچانتی تھی۔

"ڈارلنگ!......اوہ میرے خدا!...... میں سمجھی تم نہیں آؤ گے......" وہ بے تابی سے بولی۔ اس کے انداز میں گھبراہٹ صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔

"کیا تم تنہا ہو......؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

میں نے جواب میں اس کے سر کو اثبات میں ہلتے دیکھا۔ سر ہلانے کے سبب اس کے سنہری بال اک انداز دلربائی سے ہلے۔

"ہاں......میں بہت خوف زدہ ہوں۔ یہاں صرف تمہارا انتظار کررہی تھی......" تھوڑی دیر بعد اس کے ہونٹوں سے سرگوشی برآمد ہوئی۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا......اب میں آگیا ہوں......سب ٹھیک ہوجائے گا......" میں نے اسے تسلی دی۔

"مگر......" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی کیونکہ کہیں سے ایک ہلکی سی آواز ابھری تھی۔

تھوڑی دیر بعد ایک دم کھٹکے کی آواز سنائی دی تو میں چوکنا ہوگیا۔

"یہ کیا......؟" میرین نے گھبرا کر پوچھا۔

"سنو......" میں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے اپنے کان آواز کی سمت لگادیئے۔

دور سے آتی ہوئی آواز اب بلند ہوتی جارہی تھی۔ یہ ایک کار کے انجن کی آواز تھی جو سڑک کے اوپری حصے سے آرہی تھی۔ اس طرف سے جدھر سے میں آیا تھا اور جہاں میں نے اپنی کار چھپائی تھی۔ میں یہ بھی جانتا تھا ایک یا دو میل آگے جاکر یہ ذیلی سڑک بڑی شاہراہ سے مل جاتی تھی۔

میرین نے بھی کار کے انجن کی آواز سن لی تھی۔ میں اس کا چہرہ دیکھ سکتا تھا وہ پیلا پڑ رہا تھا اور اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ ان میں خوف در آیا تھا۔ وہ بری طرح گھبرا گئی تھی۔

"میرین......" میں نے اسے سرگوشی میں پکارا۔ "مت گھبراؤ، خاموشی سے بیٹھی صرف سامنے دیکھتی رہو، تم سمجھ رہی ہونا......"

چند لمحے بعد وہ اٹکتی ہوئی آواز میں بولی۔

"ہاں......"

کار کے انجن کی آواز قریب آتی جارہی تھی مگر ابھی تک کار کی روشنیاں نظر نہیں آئی تھی۔ پھر یہ آواز بھی معدوم ہوگئی۔

میں نے اپنا پستول ہولسٹر سے نکال کر اس کو سیدھے ہاتھ میں تھام لیا اور خود جھاڑیوں میں اچھی طرح چھپ گیا۔ میری نظریں میرین کی کار پر جمی تھیں۔

وقت رک سا گیا تھا۔ میرے پیٹ میں اینٹھن ہونے لگی تھی۔ میری آنکھیں اندھیرے میں کسی حرکت کو دیکھنے کے لئے بالکل تیار تھیں۔ مگر وہاں کچھ نہ تھا۔

اچانک مجھے پتوں کے چرمرانے کی بہت ہلکی سی آواز سنائی دی۔ کوئی میرین کے کار کے عقب میں تھا جہاں شاہ بلوط کا ایک بڑا سا درخت تھا۔ میں نے اپنی نگاہیں اس درخت کی طرف جمادیں۔ وہاں ایک سایہ حرکت کررہا تھا

www.pdfbooksfree.pk

اور بلی کی مانند دبے پاؤں آگے بڑھ رہا تھا۔

میری انگلیاں پستول کے ٹریگر پر دبنے کو بے تاب تھیں۔

اسی لمحے چاند بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا اور مجھے وہ سایہ صاف نظر آنے لگا۔ وہ ایک جگہ بے حس وحرکت جما کھڑا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ آگے کی طرف پھیلا ہوا تھا جیسے وہ کسی کا نشانہ لے رہا ہو۔ پھر وہ ایک قدم بڑھا کر آگے آیا اور میرین کی کار کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ وہ عقب سے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آ رہا تھا۔

چاند کی چمکتی روشنی میں مجھے اس کا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا اور میں دیکھ سکتا تھا کہ اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ میں ایک آٹومیٹک گن تھی۔

میری سانس رک گئی۔ میں آنے والے کو روک نہیں سکتا تھا۔ مگر جونہی وہ تھوڑا اور آگے آیا میں اپنے قدموں پر اچھلا اور اپنی بندوق تانتے ہوئے چیخا۔

"رک جاؤ...... جہاں ہو وہیں رک جاؤ......"

میری آواز سن کر وہ بجلی کی سی تیزی سے گھوما اور اس کی پستول کی نالی سے شعلہ اگلا۔ گولی میرے قدموں سے چند انچ دور زمین سے ٹکرائی۔

ردعمل میں یکے بعد دیگرے میں نے دو فائر کردیئے۔

گولیوں کی آواز سن کر میرین ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔ آنے والا نیچے زمین پر گر گیا اور میرین کی کار کے پچھلے پہیوں کی طرف لڑھکنے لگا وہ شاید چھپنا چاہتا تھا۔ اس کی گن اس کے ہاتھوں سے پھسل گئی اور پھر وہ بے حس وحرکت ہوگیا۔

میں نے ایک جست لگائی اور سیدھا اس تک پہنچا۔ گھٹنوں کے بل اس پر جھکا اور اپنا ایک ہاتھ اس کی چھاتی پر رکھا۔ اس کی سانس رک چکی تھی۔

میں اوپر اٹھا، اس دوران میرین بھی دروازہ کھول کر کار سے اتری اور میری طرف بھاگی۔ آتے ہی میرے بازوؤں میں جھول گئی۔ میں اس کے جسم کی کپکپاہٹ صاف محسوس کر سکتا تھا اس لئے میں نے اس کو مضبوطی سے اپنے ہاتھ کے ساتھ چپکا لیا۔

"کیا یہ......؟" اس نے سوالیہ انداز میں سرگوشی کی۔

"ہاں......" میں نے جواب دیا۔

میرین کے ہاتھ مضبوطی سے میری کمر پر جم گئے اس کی گرفت بہت مضبوط تھی ۔اس نے بلکنا شروع کردیا تھا۔

"میں نہیں جانتی میں تمہیں پہلے خبردار کیوں نہیں کر سکی......" وہ ہچکیوں میں بولی۔ "......اگر مجھے وقت مل جاتا تو میں تمہیں فون پر اطلاع دے دیتی......"

"سب ٹھیک ہے میرین......!" میں نے اس کے بال سہلاتے ہوئے کہا۔ "سب ٹھیک اور وقت پر ہوگیا۔"

"......جب اس نے مجھے فون کیا تو میں خوف زدہ تھی۔ پھر میں نے اس کے کہنے پر مجبوراً سب کام کیا۔ بینک سے رقم نکلوائی اور یہاں آ گئی اور تمہارا انتظار کرنے لگی۔ اس نے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے اس کے کہنے پر عمل نہ کیا تو وہ مجھے جان سے ماردے گا ۔اس نے کہا......"

"آرام سے ہنی......" میں نے اس کو تسلی۔

"......اب تو سب ختم ہوگیا۔ اب حالات ہمارے قابو میں ہیں۔"

"اوہ......ہاں......میں نہیں جانتی میں نے پچھلے چند مہینے کیسے گزارے۔ اگر میں تم سے نہ ملتی تو......میں نہیں جانتی تھی وہ جب واپس آئے گا تو......"

میں نے بے تابی سے اس کا بوسہ لیا۔ پھر ہم وہاں واپس آئے جہاں میری کار رکی ہوئی تھی۔ ہم فرنٹ سیٹ پر اکٹھے بیٹھ گئے پھر میں نے اپنی کار کے ڈیش بورڈ کے نیچے سے وائرلیس فون اٹھایا اور پولیس ہیڈ کوارٹر فون ملانے لگا۔

"میں FBI کا اسپیشل ایجنٹ بول رہا ہوں۔" رابطہ ملتے ہی میں بولا۔ "تم لوگ فرینک وارنر کی تلاش ختم کرنے کا اعلان کردو۔ وہ مر چکا ہے......"

موکل کا کرشمہ

رفعت محمود- پنڈ ملہو راولپنڈی

اچانک کمرے میں ایک موکل نمودار ہوا اور بولا۔ جیسی گندی کھیتی کی خواہش تو نے کی ہے ویسے ہی پھل تجھے ملیں گے۔ تجھے دولت ملے گی، پر تعیش زندگی گزارے گا مگر پل پل مرتا بھی رہے گا کیونکہ کوئی بھی قانون قدرت سے بچ نہیں سکتا۔

حرص ولالچ کی ایک عجیب وغریب ذہن پر نقش ہونے والی پراثر اور سبق آموز کہانی

سلیم جدی پشتی امیر تھا۔ بچپن سونے چاندی کے چمچوں سے کھاتے پیتے گزرا۔ دولت اس کے لئے بے معنی تھی۔ جوان ہوا تو باپ دادا کا پیسہ بے فضول اڑایا پتنگ بازی، مرغ بازی اور کوئی بازی ایسی نہ تھی جس کا اسے شوق نہ ہو، کئی صدیوں کا بنا ہوا گھر تھا بگڑتا معلوم نہ ہوا۔ اپنی کمائی ہوتی تو خرچ کرتے ہوئے کچھ خیال بھی آتا۔ مال مفت دل بے رحم۔

آخر کہاں تک !پرانی امیری ٹھیکروں میں دم توڑنے لگی زیور گئے گھوڑے بیل سب پر پانی پھر گیا مکان جو محل سرا کہلاتا تھا رشتہ داروں نے خرید لیا۔ ہوش آیا اور آنکھیں کھلیں مگر اب کیا ہو سکتا تھا جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ نہ کوئی لیاقت تھی نہ سلیقہ تھا جسم محنت مشقت کا عادی نہ تھا نوکری ملتی تو کس بنا پر۔ اور اگر مل بھی جاتی تو پرائی تابعداری کون کرتا۔ شرافت کا جھوٹا غرور انسان کو پستی کی طرف لے جاتا ہے۔

انسان اپنی ہستی کو سمجھ لے اور پرانی کہانیاں بھول جائے تو پھر عمارت تعمیر ہو جاتی ہے لیکن عموماً ایسا نہیں ہوتا دولت اور عیش کا اترتا ہوا نشہ ساری زندگی کو برباد کر دیتا ہے اور ان کی جگہ سستی کاہلی اور کم ہمتی پیدا ہو جاتی ہے عالم اسباب میں زندگی بسر کرنے کی قابلیت نہیں رہتی۔

www.pdfbooksfree.pk

کیمیا کی تلاش میں خاک چھانتا ہے یا دنیا طلبی میں قدرت کی پوشیدہ طاقتوں کو قابو کرنے میں زندگی برباد کرتا ہے تاکہ حاکم وقت زمین میں چھپے خزانے اگل دے کوئی موکل روزانہ ایک اچھی رقم دے جایا کرے۔

لیکن بدنصیب یہ نہیں جانتا کہ پوشیدہ دولت کے خزانے اور دست غیب صرف محنت، بلند خیالی کسب حلال میں پنہاں ہے ایسے ناکارہ اور قانون الٰہی کی خلاف ورزی کرنے والے تو ساری زندگی بھٹکتے رہتے ہیں۔

سلیم نے بھی پوشیدہ طاقت کو قابو کرنے کے لئے کوششیں کرنی شوع کردیں۔ دن اور رات مزاروں پر فاتحہ پڑھنے، درگاہوں میں چلہ کرنے، عاملوں، فقیروں اور درویشوں کی تلاش میں مہینے گزرنے لگے۔

سلیم کو یقین تھا کہ اگر کوئی وظیفہ یا موکل پوری شرطوں کے ساتھ ہاتھ آ گیا تو پوری دنیا کا بادشاہ بن جاؤں گا۔ یہ بھی نہ ہوسکا تو کم از کم دست غیب تو کہیں گیا ہی نہیں۔

خدا کے بنائے ہوئے قانون کے خلاف خواہش اور احکامات کو درہم برہم کرنے کی کوشش سنگین جرم اور ناقابل معافی گناہ ہے۔ اس کا رحم وکرم آڑے نہ آجائے تو ایسے لوگ سزا کے مستحق ہیں۔

سلیم بھی اب دنیا کھو کر دین کھونے کی فکر میں تھا، خدا کو وہ یاد کرتا تھا محض لوگوں کو دکھانے کے لئے، نفس کشی ہورہی تھی مگر صرف حصول عیش کی غرض سے مگر اس میں اپنی حسرت کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی جرأت نہ تھی وہ اندرونی طور پر ہمت ہار چکا تھا کاش وہ خدا کو خدا کے لئے ہی یاد کرتا جو کہ دین و دنیا کا خالق و مالک اور سب سے بڑا ہے اور اس کی یاد دونوں جہان کی دولت کا مالک بنا دیتی ہے۔

سلیم نے سخت سے سخت ریاضتیں کیں دریا میں کھڑے ہو کر وظیفے کئے پہاڑوں کے غاروں میں چلہ کشیاں کیں کئی کئی ماہ انسانی صورت نہیں دیکھی ہڈیوں کے ساتھ چمڑا لگ گیا آدمی سے ایک ڈھانچہ بن کر رہ گیا مگر کوئی رزلٹ نہ نکلا آخر پنڈ ملھو کے قبرستان کی مسجد میں ایک بزرگ شاہ بابا سے ملاقات ہوئی شاہ بابا نے ترس کھا کر اسے ایک وظیفہ بتایا کہ یہ دعوت دردنیل کے متعلق ہے۔

"شاہ بابا۔" سلیم ایکدم بولا۔ "اگر اجازت ہو تو میں اسے شروع کردوں۔"

"بسم اللہ پڑھ کر اسے نوچندی جمعرات سے شروع کردو اور جلد ہی اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمہیں کامیابی مل جائے گی۔" شاہ صاحب نے کہا۔

"باباجی کیا میرے تمام مطالبات پورے ہوجائیں گے۔؟" سلیم جلدی سے بولا۔

"تمہارے مطالبات کا پورا ہونا خدا کی مرضی پر ہے۔"

"کیا یہ موکل خدا کی مرضی کو نہیں بدل سکتے۔؟" سلیم آنکھیں مٹکا کر بولا۔

"توبہ توبہ۔" شاہ بابا کانوں کو ہاتھ لگا کر بولے۔ "موکلوں کی کیا طاقت ہے کہ خدا کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی اٹھا سکیں۔ بلکہ ہم جیسے درویش تو اس کی پوشیدہ قوتوں کو موکل کہتے ہیں۔"

"پھر آپ مجھ سے یہ مشقت کس لئے کرانا چاہتے ہیں۔"

"صرف اس لئے کہ تم برگشتہ ایمان ہوتے جارہے ہو۔ تم نے اسم الٰہی کی برکات نہیں دیکھیں، تمہاری غلطیوں نے تمہیں کفر کے دروازے پر لا کھڑا کیا ہے۔ مجھے خوف ہے کہیں زندہ درگور نہ ہوجاؤ۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم خدا کے صرف ایک نام کی دعوت کا کرشمہ دیکھ لو۔"

"باباجی! آپ نے درست فرمایا ہے۔ مگر اس اسم کی وجہ سے میری کوئی آرزو بھی پوری ہوسکے گی۔؟"

"وہی رحمٰن ہے وہی علیم ہے اسی کو اس کا علم ہے۔"

یہ کہہ کر شاہ صاحب خاموش ہوگئے۔

سلیم نے ہرچند ان سے اور کوئی بات کرنی چاہی مگر شاہ صاحب نے کوئی جواب نہ دیا اور دوسرے ہی لمحے غائب ہوگئے۔

نوچندی جمعرات آ گئی، سلیم نے زعفران کستوری اور کچھ دوسرا سامان منگوا کر وظیفہ شروع کردیا ایک ہفتہ

گزر گیا دوسرا ہفتہ بھی گزر گیا تیسرا ہفتہ آیا مگر ایسی کوئی علامات ظاہر نہیں ہوئی جس سے اس دعوت کی کامیابی کا خیال ہوتا سات گھنٹے کی سخت محنت اور پرہیز دن بھر کا روزہ ہر طرف خاموشی اور تنہائی سلیم گھبرا گیا اس کا دل چاہا کہ چلہ توڑ دے لیکن شاہ بابا نے ایسے تیوروں سے یہ عمل بتایا تھا کہ توڑنے کی ہمت نہ رہی اور یہ بات بھی اس نے سنی ہوئی تھی کہ اگر بعض اعمال توڑ دیئے جائیں تو ان کے الٹنے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ اس لئے عمل جاری رہا۔

چالیسواں دن تھا اور چار گھنٹے پڑھتے ہوئے گزرے تھے کہ ساری مسجد ہلنے لگی ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ حجرے کے دروازے ٹوٹ رہے تھے مہیب سی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ایسا شور تھا جیسے آسمان سے ہزاروں سلیں برس رہی ہیں ریل گاڑیاں زمین کی چھاتی روندرہی ہیں ہولناک منظر لحہ بہ لحہ بڑھتا ہی جارہا تھا اور سلیم بے چارہ سہما سمٹا ہوا اپنے کام میں مصروف تھا۔

آنکھیں بند تھیں اور تسبیح چل رہی تھی کہ یکایک حجرے کے دروازے کو ایک سخت دھکا لگا دونوں دروازے اڑ کر پاش پاش ہوگئے۔ سلیم کی جان خوف کے مارے نکلنے کے قریب تھی کہ آہٹ سی معلوم ہوئی اب وہ شوروغل کم ہوتا جارہا تھا سناٹا اور خاموشی سلیم نے ڈرتے ڈرتے آنکھ کھولی کیا دیکھتا ہے کہ ایک قوی ہیکل خوبصورت جوان نہایت بارعب ہتھیار لگائے اندر داخل ہوا حصار کے گرد تین چکر لگائے اور تلوار میان سے نکل کر کھڑا ہوگیا۔

سلیم نے وظیفے کی لے کو ذرا تیز کردیا۔ چند منٹ تک ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ کہنے کے بعد اس آنے والے نے تیوری پر بل ڈال کر سلیم سے کرخت لہجے میں کہا۔

"قضائے قدرت سے مذاق کرنے والے بول کیا چاہتا ہے۔ کیوں ہمیں پریشان کیا ہے تو نے۔ ہمیں حاضر کرنے سے تجھے کس فائدے کی امید ہے۔؟"

سلیم کی جان میں جان آئی۔ وہ دل میں سوچنے لگا کہ عمل کامیاب ہوگیا۔ اور یہ وہی دردنیل موکل ہے جس کا شاہ بابا نے مجھے بتایا تھا اب میری ساری تمنائیں پوری ہوجائیں گی یہ موکل میرے سارے کام کردے گا۔

"آپ کا نام دردنیل موکل ہے؟" سلیم مسکرا کر بولا۔

"ہاں۔" موکل بولا۔

"اللہ اللہ۔" سلیم خوشی خوشی بولا۔ "کیسی کیسی زبان گھسی ہے کہاں کہاں ماتھا رگڑا ہے جب آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔"

"ان فضول باتوں کو چھوڑ اور مطلب کی بات کر۔" موکل غصے سے بولا۔

"جلد بازی نہ کریں حضور۔" سلیم عاجزی سے بولا۔ "ابھی تو آپ حاضر ہوئے ہیں۔"

"حاضری کیسی۔ یہ تو صرف اسم پاک کی برکت ہے جو ہم آ گئے ورنہ دنیا کے بندوں سے ہمیں کیا واسطہ۔" یہ جملہ موکل نے ایسے کڑک کر کہا کہ سلیم پر ہیبت طاری ہوگئی۔

"اچھا آپ تو یہ بتائے کہ آپ اپنے عامل کی کیا خدمات کرسکتے ہیں۔؟" سلیم ڈرتے ڈرتے بولا۔

موکل بولا۔ "قرآن کے ہر حرف اور ہر اسم میں لازوال طاقت پوشیدہ ہے جس اسم کی طاقت سے میں حاضر ہوا ہوں اور جس کا نام تم نے دردنیل مقرر کرلیا ہے۔"

"بہت خوب، لیکن کیا آپ، اسم کے عامل کی اطاعت نہیں کریں گے۔"

موکل ترش لہجے میں بولا۔ "عملیات سے ہمارا اور عاملوں کی اطاعت جیسے لوگ سمجھتے ہیں وہ صرف دنیا کی طلب اور دھوکے باز عاملوں کا جال ہے۔ کچھ عامل دولت کی خاطر عمل کرتے ہیں لیکن ہمیں ان دنیاوی چیزوں سے کیا واسطہ۔ مگر اسم کی طاقت برکت کے زیر اثر ہم عاملوں کی اطاعت کرتے ہیں اور اس بزرگ شاہ بابا کی وجہ سے جس نے تم کو یہ اسم بتایا ہے روحانی طاقت ہے جو ہم آ گئے ہیں۔"

"تو اب آپ کا کیا کام ہے۔؟" سلیم بولا۔

"صرف تمہیں سیدھی راہ دکھانی ہے۔ اللہ کا خوف دلانا ہے۔ تم کہو تمہارا کیا مطلب ہے؟"

www.pdfbooksfree.pk

"میرا مطلب یہ ہے کہ مجھ کو کوئی خزانہ مل جائے جدھر نظر ڈالوں مجھے دولت ہی دولت دکھائی دے۔"

موکل تیز لہجے میں بولا۔"یہ سب نامعقول مطالبات ہیں جن کے سبب ہمیں عملیات کی اطاعت سے گزرنا پڑا ہے۔سونے چاندی کا ڈھیر لگادینا کسی خزانے کی جگہ کا بتادینا ہمارے نزدیک کچھ مشکل نہیں لیکن اس قسم کے کام قدرت الٰہی کے خلاف ہیں۔"

"اچھا مجھے کسی ملک کی ریاست کا بادشاہ بنادو تا کہ زندگی عیش وآرام سے گزرے۔" سلیم آہستہ سے بولا۔

موکل نفرت خیز لہجے میں بولا۔"ہوس کی شکار گاہ میں تم کو چھوڑ دوں کیا خوب کہا ہے تم نے پہلے ہی تمہارے ملک بھیڑیئے غریب عوام کے لئے کیا کم ہیں کہ آپ کا بھی اضافہ کردیا جائے۔"

"یہ بھی نہ سہی تو کم از کم سونے چاندی کا اچھا سا نسخہ ہی بتادو میں خود ہی سونا چاندی بنالیا کروں گا۔"

موکل بولا۔"اس کے معنی تو یہ ہیں کہ تم کو خدا کی منشا کے خلاف بیکار اور سونے کا جھوٹا بادشاہ بنادوں تم سونے کا نمونہ لے کر مخلوق خدا کو گمراہ کرو اور بندگان الٰہی تم سے سونے کا دھوکہ کھا کر تباہ ہوں۔"

"میں تو دولت کا طلب گار ہوں۔" سلیم بولا۔"اسی کی خاطر ساری مشقتیں اٹھائی ہیں دولت سے تمام خواہش پوری ہوسکتی ہیں اور آپ اس مدد کے لئے تیار نہیں۔"

موکل غصے میں آکر بولا۔"تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ دولت سے خواہش پوری ہوسکتی ہیں دولت تو انسان کے لئے آگ ہے جس کا آخرت میں حساب بڑا سخت ہے ۔اے ناقص العقل انسان تو اس چیز کی کیوں طلب کرتا ہے جو فانی ہے جس کا زوال تو نے اپنی آنکھوں سے اپنے گھر میں دیکھا ہے جس سے آج تک کبھی کسی کو دلی سکون میسر آیا ہے اور نہ روحانی سکون ملا ہے یہ شیطانی وسوسہ ہے دل سے نکال اور اس کا طالب بن جس کے قبضہ قدرت میں ایک یہ کیا ساری دنیائے آرزو اور کل کائنات ہے۔"

"وہ کیا قارون کا خزانہ یا کسی ملک کی بادشاہت ہے۔" سلیم بھولے پن سے بولا۔

موکل تعجب سے بولا۔"وہ خدا کی محبت اور رسول کی اطاعت ہے۔نماز اور قرآن پڑھ تیری آخرت سنور جائے گی تجھے روحانی سکون ملے گا۔نماز پڑھ تیرے سارے گناہ دھل جائیں گے تیری بخشش ہوجائے گی۔یہی تیرا خزانہ ہے یہی تیری آخرت کی دولت ہے۔"

"لیکن میں تو دولت کا آرزومند ہوں مجھے دولت مند بننے کی خواہش ہے نماز روزہ تو بعد کی باتیں ہیں۔" سلیم بولا۔

موکل غضب ناک ہوکر بولا۔"تو قدرت الٰہی کی توہین کرتا ہے خیر اگر تجھے دولت دنیا سے ہی لگاؤ ہے تو دنیا کے قانون کے مطابق چل کوئی ایسا کام اختیار کر جس سے مالدار بننے کا راستہ کھل جائے۔"

"دولت کے لئے تو میں نے عملیات کے پاپڑ بیلے ہیں ان ریاضتوں کا تو یہ پھل نہیں ملنا چاہئے پھر کام کرنے کی ہمت ہوتی تو آپ کی دعوت میں جان کیوں کھپاتا۔"

موکل آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔"ایسے پست ہمتوں دنیا والوں کے لئے قانون قدرت میں کوئی دفعہ موجود نہیں ہے دنیا میں بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے کچھ نہیں ملتا۔اس دنیا میں محنت اور کوشش سے تقدیر بنتی ہے۔"

آپ تقدیر تو بدل سکتے ہیں مگر مجھ سے آپ کو ضد ہوگئی ہے خیر وہ کام ہی بتادیجئے جس سے دولت ہاتھ آجائے مگر زیادہ محنت میں نہیں کرسکتا۔

موکل بولا ۔"پیری مریدی قومی پیشوائی اور فرقہ واریت واعظ گوئی ایسے پیشے ہیں کہ جتنی چاہو دولت سمیٹ لو ان میں سے جس فن کو اختیار کروگے میں مدد کرنے کو تیار ہوں۔"

"آپ اچھے موکل ہیں۔" سلیم بولا دولت آپ نہیں دے سکتے۔ بادشاہت دینے سے آپ نے انکار کردیا سونا آپ بنانا نہیں چاہتے۔ مگر مجھ میں اتنا صبر نہیں ہے اور کیا ان پیشوں میں دھوکہ نہیں ہے۔"

"تمہاری کم ہمتی نے جب مال مفت کو ہی اپنی تقدیر سمجھ لیا ہے تو تمہیں ایسے ہی مکروفریب سے دولت

حاصل ہوسکتی ہے۔"

"ان کاموں کے لئے بھی تو ہنرمندی درکار ہے۔ میں اپنے میں نہ حکیم بننے کی قابلیت پاتا ہوں۔نہ پیری مریدی کی اور جعلی مذہب کا پیشوا ہونا تو بری چیز ہے۔نہ بابا نہ یہ تو پکے دکانداروں کی باتیں ہیں۔"

موکل دھیرے سے بولا۔"اگر تم ان آسان پیشوں پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے تو دنیا میں دھکے اور ٹھوکریں کھاتے رہو خلقت انسانی کو رسوا کرنے والے بندے آخرت سے غافل ہوتے ہوئے انسانی دنیا کے لئے نمونہ بن جاتے ہیں۔"

"میں مانتا ہوں کہ حکیم بننے کے لئے کچھ نہ کچھ قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے تھوڑا بہت روپیہ بھی چاہئے وعظ گوئی اور دنیاداری بھی ذرا مشکل کام ہے۔دوڑتے ہوئے دماغ اور چلتی ہوئی زبان کے بغیر یہ دکانیں نہیں چلتیں سیاسی دور میں جہاں مال آنے کا قوی امکان ہے۔وہاں پولیس کی سختیاں جیل کی مشکلیں اٹھانے کی جرأت ہونی لازمی ہے تم جیسے شخص کے لئے تو بہترین کام پیری مریدی جس میں نہ کسی سازوسامان کی قید ہے نہ کسی قابلیت کا خرچہ بہت سی مسجدیں خانقاہیں پرانے مقبرے ویران پڑے ہیں جہاں جی چاہے جاکر بیٹھ جاؤ۔

جتنی زیادہ سنسان جگہ اختیار کروگے لوگ اسی قدر زیادہ گرویدہ ہوں گے میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری شہرت کے لئے کوشش کروں گا اور تھوڑے دن بعد تمہیں پیر صاحب کا سرکار جی ،شاہ صاحب،درویش بابا ،پیر جنوں والا اور جو کچھ تم چاہو گے بنادوں گا لاکھوں بوڑھے ہزاروں مرد اور ہزاروں ہی برہنہ سر لڑکیاں عورتیں تمہارے ہاتھ چومیں گی اور تم مزے کرنا۔

رنگ رنگ کی دنیا تمہارے پاس آئے گی۔ ،مرادیں لینے کے لئے فقیر بادشاہ کہلاؤ گے اس پیشے میں دولت کمانے کی ساری خواہشیں تمہاری پوری ہوجائیں گی اب بولو تمہارا کیا ارادہ ہے۔؟"

"کام تو ٹھیک ہے۔" سلیم بولا۔"لیکن میرے بس کا نہیں۔جگہ کی قید ہر شخص سے نئے طرز کی گفتگو کرنا ہر درد کا علاج ہر خواہش کی دوا۔نہیں مجھ سے یہ ہوسکے گا۔آپ تو اللہ کے واسطے دست غیب کا انتظام کردیں۔ زیادہ نہیں تو دس ہزار روزانہ ہی سہی۔صبح ہوئی اور سرہانے کے نیچے سے اٹھالئے۔"

موکل بولا۔"تو پیر فقیر یا درویش صاحب کرامت مشہور ہوجائے گا آنکھوں میں سرسوں پھول جائے گی دست غیب کیا چیز ہے دنیا کے سارے چھپے ہوئے خزانے نظر آنے لگیں گے جب سہاگنیں مہندی لگے ہاتھوں سے پاؤں دبا دبا کہ مرادیں مانگیں گی اور آنسوؤں کی زبان سے اپنے اخلاص کا اظہار کریں گی۔تو ان حسینوں سے آنکھ ملانے کو تیرا دل نہیں چاہے گا طرح طرح کے نذرانے نیازیں عورتیں لے کر آئیں گی۔اب بولو کیا کہتے ہو۔"

"آپ بڑے ضدی ہیں۔" سلیم بولا۔"اچھا مجھے منظور ہے۔عملیات کے شوق اور درویشوں کی محبت کے سبب میرے لئے یہ زندگی بالکل نئی بھی نہیں ہے۔"

موکل نے حقارت آمیز نگاہ سے سلیم کو دیکھ کر کہا۔"جا اپنا کام شروع کر۔جیسی گندی کھیتی کی خواہش تو نے کی ہے۔ویسے ہی پھل تجھے ملیں گے۔خدا کی حقیقت سے تو نے گریز کیا ہے اس لئے وہ بھی ہمیشہ کے لئے تجھ سے روپوش رہے گا۔"

یہ کہہ کر موکل غائب ہوگیا سلیم نے چار برس میں کئی روپ بدلے۔پیر بنا،عامل بنا،خوب شہرت پائی پورے پورے عیش اڑائے۔

چار دن کی چاندنی کے بعد جو اندھیرا شروع ہوا۔ تو سارے کمالات خاک میں مل گئے ،دنیا سے وحشت ہوگئی اور ایک مدت سے بازاروں میں کپڑے پھاڑے ہوئے پھرتا رہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ سمجھتا ہے۔

لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ خدا کے دھتکارے ہوئے نہ گھر کے نہ گھاٹ کے رہتے ہیں ، ناقابل یقین،عبرت ناک اور نفرت آمیز یہی ان کی سزا ہوتی ہے۔

www.pdfbooksfree.pk

رولوکا

تحریر: اے وحید

قسط نمبر: 94

وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا، اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کردیں گی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

خبردار۔ حدود سے آگے بڑھنا اب ختم ہوا۔ اب تو اپنی من مانی نہیں کرسکتا اور پھر کسی نادیدہ ہاتھ نے روشاک کو پشت سے پکڑ کر اوپر کو اٹھالیا اس کے بعد خود بخود دروازہ کھلا اور روشاک ہوا میں معلق دروازے سے باہر کو نکلتا چلا گیا۔ دروازہ سے نکلتے ہی خود بخود دروازہ بند ہوگیا اور اب روشاک بڑی تیزی سے ہوا میں معلق ایک طرف کو بڑی تیزی سے اڑتا چلا جارہا تھا اس نادیدہ ہاتھ نے اسے بڑی مضبوطی سے اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا۔ اور پھر جب وہ ایک ویرانے میں پہنچا وہ ویرانہ تاحد نگاہ پھیلا ہوا تھا۔ اس ہاتھ نے روشاک کو اوپر سے نیچے بڑی بے دردی سے پٹخ دیا۔ روشاک نیچے گرا اور پھر اس کی فلک شگاف چیخیں پورے ویرانے کو دہلا گئیں۔ کافی دیر تک وہ بے سدھ پڑا سوجھ بوجھ سے بے خبر رہا۔ پھر جب اس سے ذرا ہوش آیا تو اس نے اپنے ذہن کو جھٹکا لیکن لاکھ کوشش کے باوجود بھی وہ سمجھ نہ سکا کہ وہ کون سی نادیدہ قوت ہے۔ جس نے اسے اس طرح اپنے شکنجے میں جکڑنے کے بعد مجھے اس ویرانے لا پٹخا۔ خیر وہ تھوڑی دیر بعد اپنے قدموں پر لڑکھڑاتے ہوئے اٹھا اور اپنے قبیلے کی جانب اڑان بھری۔ قبیلہ میں موجود اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ اسے خوشبو سے دوری تڑپا رہی تھی، خیر اس کے اپنے دل کو سمجھایا کہ کوئی بات نہیں، میں اس نادیدہ قوت کو دیکھوں گا اور اسے بھیانک انجام تک پہنچادوں گا۔ روشاک کی شرانگیزی وقت کے ساتھ ساتھ بڑھ رہی تھی۔ جس کے پیش نظر رولوکا نے کئی مرتبہ اسے روکا کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز رہے مگر وہ اپنی ضد کے آگے اشتعال میں آتا گیا مجبوراً رولوکا اس کے قبیلہ میں اس کے والد کے پاس پہنچ گیا، رولوکا کو اپنے قبیلہ میں دیکھ کر جنوں کا سردار مناش حیرت میں پڑ گیا اور وہ رولوکا کی طاقت کو بھی بھانپ گیا اور پھر رولوکا نے اپنی شکایت سردار کے آگے گوش گزار کردی۔ جسے سن کر سردار بولا۔ معزز مہمان آپ اپنا اصل مدعا بیان کریں۔ تو رولوکا بولا۔ سردار محترم! آپ کے قبیلہ کا ایک نافرمان اور ضدی جن ہے۔ جس نے ایک آدم زادی کی عزت پامال کردی ہے اور اس آدم زادی پر اپنا تسلط جما بیٹھا ہے اور وہ نافرمان جن ہے آپ کا بیٹا روشاک!! یہ سنتے ہی سردار کے تیور بدل گئے اس کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا اور غیض و غضب کی حالت میں کرخت اور گرجدار آواز سنائی دی۔ ”رو......شا......ک......“

(اب آگے پڑھیں)

سردار کی آواز پوری محفل میں دبنگ طریقے سے گونج گئی۔ اچانک روشاک اپنی جگہ سے فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ سہما ہوا نظر آنے لگا تھا۔ محفل میں بیٹھے تمام جنات نے اپنی نظریں اس پر مرکوز کردیں۔ سردار کی قہر برساتی نگاہیں اس پر جم گئی تھیں۔

روشاک نے سردار کی قہر برساتی آنکھوں کی طرف دیکھا تو ان آنکھوں میں غضب اور نفرت کا سمندر ٹھاٹیں مارتا نظر آیا۔ روشاک اندرونی طور پر کپکپانے لگا۔

اچانک سردار کی غصیلی اور گرجدار آواز سنائی دی۔ ”روشاک اگر کچھ کہنا ہے تو کٹہرے میں جا کر کہو۔“

روشاک نڈھال اور لڑکھڑاتے قدموں سے کٹہرے میں جا کر کھڑا ہوگیا۔

مگر یہ کیا۔ ایک بجلی کا کوندا سا لپکا اور روشاک کٹہرے سے غائب تھا۔

محفل میں بیٹھے سارے جنات اچنبھے کی حالت میں کٹہرے کو گھور رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ سردار بھی اچنبھے کی حالت میں کٹہرے کو گھورے جارہا تھا۔

سردار کے قریب ہی ایک بہت ضعیف باریش جن

www.pdfbooksfree.pk

کھڑا تھا جسے سردار کئی مرتبہ استاد محترم کہہ کر مخاطب کر چکا تھا۔ سردار مخاطب ہوا۔ "استاد محترم! روشاک فرار ہو چکا ہے اور اس سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ روشاک مجرم ہے۔ اجنبی یعنی محترم رولوکا کی ساری باتیں حقیقت ہیں، اگر روشاک قصوروار نہیں ہوتا تو یقیناً اپنی صفائی میں کچھ کہتا۔ استاد محترم اب آپ کی کیا رائے ہے؟"

"سردار! آپ کی بات درست ہے اور روشاک کی یہ حرکت اسے مجرم ثابت کرتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ روشاک گیا کہاں ہے؟ اسے ہر حال میں اپنے قبیلے میں آنا ہے اور اگر روشاک خود نہیں آتا تو اسے زبردستی لانا پڑے گا۔ یہ قبیلے کے قانون کے خلاف ہے کہ ہمارے قبیلے کا کوئی جن قبیلے کے قانون کو فراموش کر کے قبیلہ سے فرار ہو جائے اور جو ایسا کرتا ہے وہ سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ فرار ہونے والا ہماری پہنچ اور نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا اور ایسا کرنے والے جذبات میں ایسا قدم اٹھاتے ہیں۔

آپ چند محافظوں کو فوراً دوڑائیں جو کہ پتہ کریں کہ روشاک گیا کہاں اور پھر یہ محافظ زورزبردستی اسے قبیلے میں لے آئیں تاکہ حقیقت کا پتہ چلے۔" استاد جن یہ بول کر خاموش ہو گیا۔ سردار نے چار جنوں کو آواز دی اور بولا۔

"فوراً جاؤ اور یہ معلوم کرو کہ روشاک کس طرف اور کہاں گیا ہے، اگر وہ آرام سے آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ بزور طاقت لے آنا اور اگر زور زبردستی کرے تو بالکل ہچکچائے بغیر طاقت کا استعمال کر کے ہر حال میں لے آنا۔"

"جی سردار! آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ ہر حال میں ہم اسے ضرور لے آتے ہیں۔" ان چاروں محافظوں میں سے ایک بولا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہاں سے غائب ہو گئے۔

چاروں محافظوں کے جانے کے بعد سردار رولوکا سے مخاطب ہوا، رولوکا ابھی تک غائب حالت میں اپنی جگہ موجود تھا۔

"محترم رولوکا! ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں اور جو کچھ بھی ہوا آپ کے سامنے ہے، آپ کی تمام باتیں درست ہیں اور ہم آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ میں نے اپنے محافظوں کو آپ کے سامنے بھیج دیا ہے تاکہ وہ روشاک کو ہر حال میں اس جگہ لے آئیں۔

روشاک کے اس جگہ آتے ہی اس نے جو حرکت کی ہے اور پھر جو اس نے قبیلے کا قانون توڑا ہے اس بنا پر اسے قانون کے مطابق قرار واقعی سزا دی جائے گی اور جو بھی سزا اسے دی جائے گی آپ کے سامنے دی جائے گی۔ ہم جب بھی کسی کو سزا دیتے ہیں قبیلہ کے تمام لوگوں کے سامنے اور جو سزا کا مستحق پایا جاتا ہے اسے اپنی صفائی میں بولنے کا پورا پورا حق بھی دیا جاتا ہے۔ ہم ہمیشہ احکام خداوندی کا خیال رکھتے ہوئے انتہائی قدم اٹھاتے ہیں۔

اب میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ اپنے ٹھوس اجسام میں آ کر ہمیں خدمت کا موقع دیں۔ آپ کی خدمت کر کے ہمیں خوشی ہوگی۔ ہم نے جان لیا ہے کہ آپ واقعی اچھے دل و دماغ اور احکام خداوندی کو مدنظر رکھتے ہوئے شریعت کے پابند ہیں۔ اگر آپ ایسے نہ ہوتے تو روشاک کو اب تک آزاد نہ چھوڑا ہوتا۔ اور پھر آپ یہاں تک آنے کی تکلیف نہ اٹھاتے، اچھے لوگ ہمیشہ مستقل مزاجی اور بردباری کا ثبوت دیتے ہیں۔ میں ہی نہیں، بلکہ ہمارا پورا قبیلہ آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے کا متمنی ہے۔ آپ ہماری خوشی کو مدنظر رکھتے ہوئے برائے مہربانی کچھ تو خدمت کا موقع دیں۔" سردار بولا۔

"قابل قدر سردار! آپ کو اور آپ کے قبیلہ کے تمام لوگوں کو میں سلام پیش کرتا ہوں کہ آپ لوگ اپنے اصول اور شریعت کے بہت پابند ہیں۔ قانون کی پاسداری آپ لوگوں کے لئے بہت اہم ہے۔ میں آپ کو اپنی خدمت کا موقع ضرور دوں گا لیکن اس وقت میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ روشاک اس وقت یہاں سے فرار ہونے کے بعد کسی ایسی جگہ جائے گا جو کہ آپ لوگوں کی پہنچ سے دور ہو۔ اگر اس کے دماغ میں ایسا نہ آتا تو کسی صورت بھی وہ فرار نہ ہوتا۔ لیکن مجھے یہ بھی یقین ہے کہ وہ آپ سے بچ نہیں سکتا بلکہ ہر حال میں وہ آپ کی گرفت میں آجائے گا۔ خیر اس وقت میں ایک کام کے

تحت جا رہا ہوں۔ مگر یہ میرا وعدہ ہے کہ جب وہ آپ کی گرفت میں آجائے گا تو اس وقت میں ضرور حاضر ہو جاؤں گا۔

اور اگر آپ کو کسی قسم کی کوئی بھی دشواری پیش آئے اسے اپنے قبیلہ میں لانے کے لئے تو میری خدمات حاضر ہیں، آپ ہمیشہ مجھے اپنے قریب پائیں گے، ابھی تو میں جاتا ہوں اور بہت جلد ہماری ملاقات دوبارہ ہوگی۔

میں ایک مرتبہ پھر آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ میری ضرورت پڑے تو آپ بغیر کسی تردد کے میرے پاس اپنا پیغام بھیج سکتے ہیں۔ میں فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔" یہ بول کر رولوکا اپنی جگہ سے جہاں وہ موجود تھا غائب ہو گیا۔

ادھر روشاک قبیلہ سے فرار ہو کر سیدھا خوشبو کے پاس پہنچا۔ اس کی حالت بہت ہی بدحواس ہو رہی تھی اس وقت خوشبو چھت پر اپنے کمرے میں موجود تھی اور سر پر ہاتھ رکھے اپنی سوچوں میں غرق تھی۔ وہ یک ٹک خوشبو کو دیکھے جا رہا تھا۔ وہ جس حالت میں تھا وہ بیان سے باہر ہے۔ اندرونی طور پر اس پر کپکپی طاری تھی۔

اسے یہ تو پتہ تھا کہ اس کے قبیلہ والے اسے پکڑنے کے لئے آئیں گے ضرور اور کسی حال میں بھی وہ بچ نہیں سکتا مگر وہ اپنے تئیں ایسے اقدام اٹھا کر یہاں تک پہنچ گیا تھا۔ اس کا حلق خشک تھا۔ اس کی زبان گنگ تھی۔ اسے بولنا دوبھر ہو رہا تھا۔ مگر بہت مشکل اور کوشش کے بعد اس کے منہ سے نکلا۔ "خوشبو!"

خوشبو نے جیسے ہی اپنا نام سنا تو پٹ سے اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور پھر روشاک کو اس حال میں دیکھ کر وہ جھٹ اٹھ بیٹھی۔ اور اپنی نظریں روشاک پر مرکوز کر دیں وہ بھی یک ٹک روشاک کو دیکھے جا رہی تھی۔

خوشبو اچنبھے میں تھی کہ اس وقت روشاک کبھی آیا نہیں اور آج خلاف توقع اس وقت آنا اور پھر اس بگڑتی ہوئی خستہ حالت میں۔ "آپ اور اس وقت!" اس کی زبان سے صرف اتنا ہی نکلا۔

روشاک لڑکھڑاتی زبان سے بولا۔ "خوشبو! جلدی چلو!! میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ تمہیں اس وقت میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ فوراً اٹھو۔ نہیں تو میں تمہیں زبردستی لے جاؤں گا، تمہیں حاصل کرنے کے لئے میں کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتا ہوں۔

میرا کوئی ان دیکھا دشمن تمہاری ذات کے مدنظر میرے قبیلہ تک پہنچ چکا ہے اور اس نے تمہارے اور میرے میل جول کو میرے والد کو بتا دیا ہے اور میں بڑی مشکل سے جان بچا کر آیا ہوں، میں تمہارے لئے دربدر ہو چکا ہوں، میں دنیا چھوڑ سکتا ہوں مگر تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔"

روشاک کو یک ٹک دیکھتے ہوئے خوشبو سہمی ہوئی تھی، وہ شش و پنج میں تھی، وہ جان چکی تھی کہ یہ بدبخت کوئی بھی خطرناک قدم اٹھا سکتا ہے اور اس کے اٹھائے ہوئے قدم کو وہ کسی بھی صورت روک نہیں سکتی اور نہ ہی خود کو وہ اس کے چنگل سے بچا سکتی تھی۔

روشاک کی گھبراہٹ مزید بڑھتی جا رہی تھی، اس نے حتی الامکان فیصلہ کر لیا تھا کہ ہر صورت وہ خوشبو کو اپنے ساتھ ضرور لے جائے گا۔

ادھر جب روشاک اپنے قبیلہ سے فرار ہوا تو فوراً رولوکا کے دماغ میں یہ بات آ گئی تھی کہ روشاک سب سے پہلے خوشبو کے گھر ضرور جائے گا خوشبو سے ملنے کیونکہ رولوکا کو یہ بھی پتہ تھا کہ روشاک جنون کی حد تک خوشبو کو چاہتا ہے۔

اس بنا پر روشاک کی کوشش ہوگی کہ وہ خوشبو کو بزور طاقت اپنے ساتھ کہیں اور نہ لے کر چلا جائے۔

یہی سوچ کر رولوکا نے فوراً اپنے کئی کارندوں کو روشاک کے پیچھے خوشبو کے گھر تک روانہ کر دیا تھا۔ اور کارندوں کو حکم دیا تھا کہ اگر روشاک خوشبو کے ساتھ کوئی نازیبا حرکت کرے یا پھر خوشبو کو زور زبردستی اپنے ساتھ کہیں لے جانے کی کوشش کرے تو بھرپور مزاحمت کر کے اسے ایسا کرنے سے روکا جائے اور اگر وہ آرام سے اپنی حرکت سے باز نہ آئے تو اسے کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے۔ اور پھر بھی وہ زیادہ زور آزمائی کرے یا پھر اپنی

www.pdfbooksfree.pk

جناتی قوت کو سامنے لائے تو اس کا کسی قسم کا بھی خیال نہ کیا جائے اور اسے قید کر کے اس کے قبیلے میں لایا جائے اور اگر وہ اسے ناپسند کرے اور اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے تو اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست ونابود کر دیا جائے۔

رولوکا کے کارندے خوشبو کے کمرے میں موجود تھے اور روشاک کی ہر حرکت کو دیکھ رہے تھے اور اس کی تمام باتیں بغور سن رہے تھے۔ کارندے بالکل چوکس تھے کہ کسی بھی پل روشاک کے غلط قدم کو روک سکیں اور وہ جو کچھ بھی کرنا چاہتا ہے اسے وہ نہ کرنے دیں۔

خوشبو کے سامنے کمرے میں موجود روشاک ہر ایک لمحہ کو نوٹ کر رہا تھا۔ وہ اس قدر بدحواس اور ڈرا ہوا تھا کہ اسے کمرے میں موجود رولوکا کے کارندوں کا بھی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ ورنہ وہ تو کمرے میں موجود رولوکا یا پھر اس کے کسی کارندے کو کئی مرتبہ محسوس کر چکا تھا اور پھر ایسا محسوس کرتے ہوئے اپنی جناتی طاقت کا استعمال بھی کر چکا تھا۔ وہ کسی کارندہ یا پھر رولوکا پر قابو نہ پاسکا تھا مگر ہر مرتبہ کوشش اس نے ضرور کی تھی۔

آج اس کو اپنی جان کی پڑی تھی تو اسے کسی اور کا احساس کیونکر ہوسکتا تھا کمرے میں اسے آئے ابھی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ اس پر مزید گھبراہٹ سوار ہو رہی تھی۔ وہ زور سے چیخ پڑا۔ ”خوشبو کیا میری بات تمہیں سنائی نہیں دے رہی، میں تمہارے لئے مرنے کے لئے تیار ہوں اور تمہارے کانوں میں جوں تک نہیں رینگ رہی ہے۔ اٹھو! اور چلو میرے ساتھ!“

یہ بولتے ہی اس نے خوشبو کی کلائی زور سے پکڑلی کہ اچانک ایک زوردار تھپڑ اس کے دائیں گال پر پڑا۔ تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ اس کے ہاتھوں سے خوشبو کی کلائی چھوٹ گئی اور وہ خود بڑی تیزی سے کئی چکر گھوم گیا۔ لیکن اس کے بعد وہ کمرے میں ایک لمحہ کے لئے بھی ٹھہرا نہیں اور پلک جھپکتے ہی خوشبو کی نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔

خوشبو پر جیسے سکتہ طاری ہو چکا تھا۔ روشاک کا اچانک اس وقت آنا، اس کی بدحواسی کی حالت، ڈر اور خوف میں ڈوبی ہوئی آواز، اس کی زبان بھی آج اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی، بہکی بہکی باتیں اور پھر اچانک کلائی پکڑ کر یہ کہنا کہ فوراً میرے ساتھ چلو۔“

یہ ساری باتیں خوشبو کی سمجھ سے بالاتر تھیں اور پھر اچانک اس کے گال پر زوردار تھپڑ کا پڑنا، جس کی آواز خوشبو نے صاف سنی تھی، تھپڑ مارنے والی نادیدہ ہستی کون تھی اور اس نے اتنے زور کا تھپڑ روشاک کو کیوں مارا تھا، خوشبو واقعی سکتے کی سی کیفیت میں تھی۔

اتنے میں نیچے سے سیڑھیاں چڑھتی اس کی چھوٹی بہن کہکشاں خوشبو کے کمرے میں آئی اور اس نے بے سدھ بیٹھی خوشبو کو دیکھا تو چونک گئی۔ کیونکہ کہکشاں کے کمرے میں آنے پر بھی خوشبو کو پتہ نہ چلا تھا کہ کہکشاں کمرے میں آ کر اس کے سامنے کھڑی ہے۔

کہکشاں گھبراتے ہوئے زور سے بولی۔ ”باجی کیا ہوا ہے آپ کو؟“

کہکشاں کی آواز سن کر خوشبو یکدم چونک پڑی اور ہکلاتے ہوئے اس کے منہ سے نکلا۔ ”آ......ں...... آں...... ہ...... ہاں...... ہاں“ اور کہکشاں پر نظر پڑتے ہی خوشبو نے فوراً تکیہ پر اپنا سر رکھ کر زار وقطار رونا شروع کر دیا۔ وہ بلند آواز سے لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے رو رہی تھی۔

خوشبو کی بگڑی ہوئی حالت کو دیکھتے ہوئے کہکشاں کے منہ سے زوردار آواز نکلی۔ ”امی...... امی۔“

کہکشاں کی آواز اتنی زوردار تھی کہ جھٹ اس کی امی دوڑتے ہوئے فوراً کمرے میں آ گئیں۔ اور پھر ان کی نظر خوشبو پر پڑی جو ابھی تک روئے جا رہی تھی۔ اب تو اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ کہکشاں خاموش کھڑی تھی۔ وہ بھی خاموش کھڑی خوشبو کو دیکھنے لگیں۔

اتنے میں کہکشاں کی آواز سنائی۔ ”امی جب میں کمرے میں آئی تو دیکھا کہ باجی یک ٹک بے سدھ سی دیوار کو دیکھے جا رہی تھیں۔ کمرے میں میرے آنے کا بھی انہوں نے محسوس نہ کیا، اور پھر جب میں نے باجی کہہ کر آواز دی تو یہ چونک پڑیں اور پھر مجھ پر نظر پڑتے

ہی تکیہ پر منہ رکھ کر زار وقطار رونے لگیں اور اب یہ حالت۔“

امی آگے بڑھیں اور انہوں نے خوشبو کے کندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔ خوشبو فوراً اٹھی اور امی پر نظر ڈالتے ہوئے بستر سے نیچے کھڑی ہو کر امی کی گردن میں جیسے جھول گئی۔

”امی...... امی...... میں بچ گئی۔ میری قسمت اچھی تھی ورنہ میں......“ اور وہ مزید ہچکیوں میں زور زور سے رونے لگی۔

”ارے بیٹا! بتاؤ تو سہی ہوا کیا...... چلو بتاؤ، روتے نہیں؟“ وہ خوشبو کے بالوں میں ساتھ ہی ساتھ انگلیاں بھی پھیرتی جا رہی تھیں۔ پھر وہ بولیں کہکشاں جلدی سے گلاس میں پانی لاؤ۔“

یہ سن کر کہکشاں فوراً نیچے دوڑی پانی لینے کے لئے اور چند لمحے میں ہی ٹھنڈے پانی کا گلاس لے آئی اور امی کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

”خوشبو! جلدی سے پانی پی لو...... چلو جلدی کرو۔ پانی پی لو، جی ہلکا ہو جائے گا...... پھر مجھے بتاؤ بات کیا ہے؟“ پھر انہوں نے خوشبو کا سر اپنے سینے سے الگ کیا۔ رو رو کر خوشبو کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں...... ”لو پانی پی لو۔“ اور انہوں نے گلاس خوشبو کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

گلاس کا ہونٹوں سے لگنا تھا کہ خوشبو نے ایک لمبا سانس کھینچا اور غٹا غٹ پورا گلاس خالی کر دیا۔ امی نے خوشبو کو بستر پر بیٹھا دیا اور خود بھی اس کے قریب بیٹھ گئیں۔

”ہاں...... تو اب بتاؤ۔ کیا بات ہے؟“

”امی...... امی تھوڑی دیر پہلے وہ اچانک کمرے میں آیا۔ اس کی حالت بہت بگڑی ہوئی تھی۔ اس پر کپکپی طاری تھی، وہ بہت گھبرایا ہوا بدحواس ہو رہا تھا۔ آتے ہی بولا۔ ”خوشبو میں تمہارے لئے اپنی جان بھی دے سکتا ہوں، میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے، تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا، میں ہر قیمت پر تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔ چلو فوراً اس حالت میں اٹھو اور میرے ساتھ چلو۔“ اور پھر اس نے میری کلائی پکڑ لی اور مجھے گھسیٹنے لگا کہ اچانک کسی نادیدہ ہستی نے اس کے گال پر اتنے زور کا تھپڑ مارا کہ وہ کئی چکر گھوم گیا اور پھر پلک جھپکتے ہی کمرے سے غائب ہو گیا۔ امی! ہم اس نادیدہ ہستی کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ کرم ہے کہ آج اللہ نے مجھے بچایا...... ورنہ...... آج وہ مجھے لے جا چکا ہوتا...... اگر وہ ہستی نہ آتی تو میں آج آپ کے سامنے نہ ہوتی...... امی...... امی۔“ اور یہ بولتے ہوئے خوشبو پھر زار وقطار رونے لگی۔

”خوشبو بیٹا! مارنے والے سے بچانے والا زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ یہ سب اللہ کا کرم ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت ہی رحیم وکریم ہے۔ اللہ اپنے بندوں کی ضرور سنتا ہے۔ اس کے گھر دیر ہے مگر اندھیر نہیں۔ چلو روتے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اور وضو کر کے فوراً دو رکعت شکرانے کی نفل پڑھ لو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ۔ چلو نیچے چلو۔“ خوشبو کی امی نے کہا۔

”خوشبو نیچے آئی اور وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھنے لگی۔

ادھر رولوکا کے خفیہ کارندوں نے رولوکا کو پوری روداد سنا دی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ جیسے ہی روشاک کے گال پر زوردار تھپڑ لگا تو وہ چکرا کر رہ گیا اور فوراً خوشبو کے کمرے سے آندھی کی طرح نکلا اور شمال کی سمت بڑھتا چلا گیا۔ اس کی رفتار بہت زیادہ ناقابل بیان حد تک تیز تھی۔ اس جگہ سے کافی دور ایک پہاڑی علاقے میں پہنچ گیا۔ وہ علاقہ پورے کا پورا پہاڑوں کے درمیان ہے۔ وہ آناً فاناً اس قبیلہ کی حدود میں گھستا چلا گیا۔

لیکن ہم آخری حدود تک جا کر رک گئے اور اسے جاتا دیکھتے رہے۔ وہ قبیلہ بھی جناتوں کا ایک قبیلہ ہے لیکن جہاں تک ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ قبیلہ غیر مذہب کافر جنوں کا قبیلہ ہے۔ اپنے علاقے کے حدود میں بے شمار جن ادھر ادھر جاتے نظر آ رہے تھے۔ ہم نے اپنے آپ کو ان پر ظاہر نہیں کیا۔ ہم تھوڑی دیر تک روشاک کا انتظار کرتے رہے۔ مگر کافی وقت تک وہ پلٹ

www.pdfbooksfree.pk

کر واپس نہیں آیا تو ہم نے اپنی راہ لی۔ اب ہمارے لئے کیا حکم ہے؟'' ایک کارندہ نے پوچھا۔

''تم لوگ ایسا کرو کہ اس قبیلہ سے دور رہ کر روشاک کو چیک کرو، ہوسکتا ہے کہ کچھ وقت کے بعد وہ وہاں سے نکلے۔

لیکن یہ خیال ضرور رکھنا کہ اس قبیلہ کے جنوں پر تم لوگوں کی موجودگی ظاہر نہ ہو۔ اور پل پل کی خبریں مجھ تک پہنچاتے رہنا۔'' رولوکا بولا تو اس کے کارندوں نے کہا۔ ''جی! بہت اچھا۔'' اور یہ بول کر وہ جدھر سے آئے تھے اس طرف کا رخ کرلیا۔

کارندوں کے جانے کے بعد رولوکا نے اپنا پیغام ہوا کی لہروں کے ذریعہ جناتوں کے سردار کے پاس پہنچایا۔ ''سردار! میں رولوکا بول رہا ہوں۔ کیا روشاک کی کوئی خبر ملی کہ وہ کہاں ہے یا ایسا تو نہیں کہ وہ قبیلہ میں واپس آ گیا ہو؟''

اس طریقہ سے سردار نے بھی اپنا جواب رولوکا تک پہنچادیا۔ ''محترم و معزز رولوکا صاحب! ہم نے اپنے تئیں یہ معلوم کرلیا ہے کہ روشاک نے غیر مذہب کافر جنوں کے قبیلہ میں جا کر پناہ لے لی ہے۔ ان جنوں سے ہماری کبھی بنی نہیں، ہمارے اور ان کے قبیلہ کی ایک طویل عرصہ سے دشمنی چلی آرہی ہے اور پھر ویسے بھی غیر مذہب والوں سے ہمارا کیا واسطہ۔

لیکن ان کا اور ہمارا ایک معاہدہ ضرور ہے کہ چاہے ان کا یا ہمارا کوئی بھی جن جرم کر کے ایک دوسرے کے قبیلہ میں پناہ لے لیتا ہے تو باہمی مشورہ سے وہ مجرم جن ہم ایک دوسرے کے حوالے کردیتے ہیں۔ لٰہذا مجھے قوی امید ہے کہ روشاک ان کے پاس زیادہ دنوں تک نہیں رہ سکتا۔ روشاک کو ہم اپنے قبیلہ میں ضرور لے آئیں گے۔

اور اگر انہوں نے ہٹ دھرمی کی تو پھر جنگ آمد بجنگ آمد۔'' یہ بول کر جنوں کا سردار خاموش ہوگیا۔ رولوکا بولا۔ ''سردار صاحب! آپ فکر نہ کریں، اگر آپ کے مخالف قبیلہ والوں نے مطالبہ پر روشاک کو واپس نہ کیا تو مجھے بھی آپ اپنے شانہ بشانہ پائیں گے۔

لیکن میرا ایک مشورہ ہے کہ آپ فکر نہ کریں سا... جنگ و جدل میں دونوں طرف کا جانی نقصان ہوگا اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ مجھ پر یقین رکھیں میں کوشش کر کے روشاک کو اس قبیلہ سے بخیر و عافیت نکال لاؤں گا او... آپ کے حوالے کردوں گا۔ یہ میرا آپ سے پکا وعدہ ہے۔ پہلے آپ اپنے تئیں اپنے معاہدہ کے تحت بات کریں۔''

ادھر جب روشاک کافر جنوں کے قبیلہ میں پہنچا تو اس قبیلہ کے سردار جن نے بڑی خوشی کا اظہار کیا او... روشاک سے بولا۔ ''تم قطعی فکر نہ کرو، میں کسی بھی حال میں تمہیں تمہارے والد کے حوالے نہیں کروں گا۔ تمہارے والد کے اصول، پابندی، بے جا سختی، بے سرو... حکم، چھوٹے بڑے میں کوئی فرق نہیں اور سب سے زیاد... پابند شریعت یہ سب فضول باتیں ہیں، ہر جن کو اپنی مرضی سے جینے کا حق ہے اور اگر کوئی جن کسی آدم زادی سے اپ... دل بہلاتا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

بلکہ ایسا کرنے والا جن آدم زادی کی خواہشات کا بھی احترام کرتا ہے اس کی ضروریات زندگی کا بھرپو... خیال کرتا ہے اور اس کے لئے آدم زادی کے آگے دولت کا ڈھیر لگا دیتا ہے۔ جس سے آدم زادی اپنی او... اپنے گھر والوں کی ضرورتوں کو پورا کرتی ہے اور اس طرح زندگی عیش سے گزرنے لگتی ہے۔ ویسے بھی اگر دیکھا جائے تو کوئی آدم زاد کسی بھی آدم زادی کے ساتھ زیادتی کرتا ہے، اسے اغوا کرلیتا ہے، اس کے ساتھ دست درازی اور زیادتی کر کے آدم زادی کی عزت کو پامال کردیتا ہے، اگر ایسا کرنے والا آدم زاد اثر و رسوخ وا... ہوتا ہے تو اس کے لئے تمام قانون آدم زادوں کے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، اور پھر ایسا ہوتا ہے کہ آدم زادی پر بدچلنی کا الزام لگا دیا جاتا ہے کہ آدم زادی نے خود اپنی مرضی اور خواہش کے تحت قدم باہر نکالا تھا۔

دنیاوی عدالتیں امیروں، دولت مندوں، اثر رسوخ والوں اور بڑے بڑے تعلقات والوں کا ساتھ دی... ہیں اور قصوروار کو بری کردیتی ہیں۔ صرف غریب اور بے یار و مددگار لوگ تختۂ دار پر چڑھا دیئے جاتے ہیں۔

میری نظر میں روشاک تم نے کوئی جرم نہیں کیا، اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ تم نے ایک آدم زادی سے دل بہلالیا۔ میں ہر طرح سے تمہارا تحفظ کروں گا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے، تم قطعی بے فکر ہو جاؤ۔ قبیلہ میں تم آزادی سے گھومو پھرو، کھاؤ پیو اور خوش رہو۔ میں تمہارے والد اور ان کے قانون سے نمٹ لوں گا اور میری یہ بھی کوشش ہوگی کہ وہ آدم زادی بھی تمہیں مل جائے۔''

سردار کی باتیں سن کر روشاک بہت خوش ہوا اور بولا۔ ''سردار صاحب! میں آپ کی بہادری اور ذہانت کی قدر کرتا ہوں۔ آپ کی تمام باتیں سو فیصد درست ہیں، میں ساری عمر آپ کا احسان مند رہوں گا اور آپ کے زیر سایہ اپنی عمر گزار دوں گا۔ میں اکثر آپ کی بہادری کے چرچے سنتا تھا مگر آج میں نے خود اپنی آنکھوں سے آپ کو دیکھ لیا۔''

سردار اپنی تعریف سن کر پھول گیا اور بولا۔ ''روشاک اب تم آرام سکون کے ساتھ مہمان خانے میں رہو، میں غلام کو بلا کر تمہیں مہمان خانے میں بھجوا دیتا ہوں، مہمان خانے میں رہو اور عیش کرو۔'' یہ بول کر سردار نے آواز دی تو ایک جن حاضر ہوا تو سردار نے روشاک کو اس کے ساتھ کردیا اور بولا۔ ''انہیں لے جا کر مہمان خانے میں چھوڑ آؤ۔ اور مہمان خانے کے سرپرست سے بولنا کہ سردار کا حکم ہے۔ ان کو کسی قسم کی شکایت نہ ہو ان کے آرام کا ہر طرح خیال رکھا جائے۔''

روشاک کے جانے کے بعد سردار خود بڑبڑانے لگا۔ ''اصول کے پابند سردار! اب میں تمہاری ساری اکڑ نکال دوں گا، اب تمہارا بیٹا میرے قبضے میں ہے اور جس پر عشق کا بھوت سوار ہو جائے وہ باپ تو کیا پوری دنیا سے بھی ٹکرانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ میں اپنی چالاکی اور پالیسی کے تحت تمہارے بیٹے کو ہتھیار سے لیس کر کے تمہارے سامنے لا کھڑا کروں گا۔ پھر دیکھوں گا کہ تمہارے اصول کیا کہتے ہیں۔'' اور یہ بول کر مسکرانے لگا۔

ادھر روشاک کے باپ نے اپنے قبیلہ میں اپنے تمام سرکردہ جنوں کو اکٹھا کیا اور ان سے صلاح مشورہ کرنے لگا۔ ہر پہلو پر غور کیا گیا۔ تمام بزرگ جنوں کا فیصلہ تھا کہ ہر صورت میں روشاک کو واپس لایا جائے، چاہے اس کے لئے دشمن قبیلہ والوں سے لڑنا ہی کیوں نہ پڑے۔

کیونکہ دشمن قبیلہ نے معاہدوں کی خلاف ورزی کی ہے اسے معاہدہ کے تحت روشاک کو واپس کرنا چاہئے اور ویسے بھی روشاک نے غلطی کی ہے، اسے اپنے باپ کی عزت کا بھی خیال نہ رہا، اسے اپنی صفائی میں کچھ نہ کچھ کہنا چاہئے تھا۔ لیکن اچانک اس طرح فرار ہونے کا مطلب ہے کہ معزز رولوکا نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ تمام درست ہے۔

روشاک نے اپنے پورے قبیلہ کی بے عزتی کی ہے کہ بھاگ کر دشمن کے پاس چلا گیا۔ سردار! آپ فکر نہ کریں قبیلہ کا ہر جن اپنے سردار اور قبیلے کی عزت کے لئے اپنا سر کٹوا لے گا اور قبیلے کا اصول پامال نہیں ہونے دے گا۔''

سردار بولا۔ ''معزز ساتھیو! مجھے قبیلہ کی عزت زیادہ عزیز ہے چاہے میری جان چلی جائے۔ میں قبیلے کے اصول اور عزت پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔ قبیلہ کے اصول عزت اور انصاف کے تحت روشاک کو قربان کردوں گا۔ یہ میں نے اٹل فیصلہ کرلیا ہے۔ میری نظر میں قبیلے کا ہر جن برابری کا حقدار ہے، کوئی چھوٹا بڑا نہیں، یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ روشاک میرا بیٹا ہے تو وہ بچ جائے۔ اس نے ناقابل معافی غلطی کی ہے اور اس لئے وہ سزا سے نہیں بچ سکتا۔

اور ہاں! یاد آیا۔ محترم رولوکا نے وعدہ کیا ہے کہ اگر دشمن قبیلہ نے پیار محبت کا ثبوت نہ دیا تو وہ خاموشی سے روشاک کو ہمارے پاس لے آئے گا۔ اور مجھے امید ہے کہ رولوکا کا وعدہ پکا ہے۔

خیر میری مرضی نہیں کہ ہم مہمان سے مدد لیں۔ ہم اپنے تئیں اور اپنے زور بازو سے یہ مسئلہ حل کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں قاصد جن کو بلا کر پیغام بھیجتا

www.pdfbooksfree.pk

ہوں کہ فی الفور روشاک کو واپس کریں ورنہ معاملہ آگے بھی جاسکتا ہے۔" سردار نے کہا۔

"سردار! ہماری طرف سے آپ کو اجازت ہے، قبیلے کی بھلائی کے لئے آپ جو بھی قدم اٹھائیں وہ احسن قدم ہوگا۔ ہم سب کو آپ کی اور قبیلے کی عزت عزیز ہے۔" تمام معمر جنوں نے یک زبان ہوکر کہا۔

سردار نے قاصد جن کو بلایا اور اس کے ہاتھ میں ایک رقعہ دیا اور بولا۔ "یہ رقعہ سنگارا قبیلہ کے سردار کے پاس لے جاؤ، پہلے آداب کرنا اور پھر یہ رقعہ اس کے ہاتھ میں دے دینا اور وہ جو بھی جواب دے اسے لے کر یہاں آجانا۔

اور ہاں یاد آیا میں نے تو یہ رقعہ پڑھ کر آپ لوگوں کو سنایا نہیں کہ اس میں، میں نے کیا تحریر کیا ہے۔ میں یہ بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے معمر اور بزرگوں کو سناؤں۔ اس میں لکھا ہے۔ "سنگارا قبیلہ کے سردار کے حضور، کیکاش قبیلہ کے سردار اور تمام جنات کی طرف سے آداب عرض۔ اصلی معاملہ جو ہے اور جس کے لئے یہ قاصد آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ قبیلہ کا ایک جن روشاک جو کہ میرا بیٹا بھی ہے، نادانی سے ایک جرم کر بیٹھا ہے اور سزا کے ڈر سے بھاگ کر آپ کی پناہ میں آگیا ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ ہم دونوں قبیلوں کے معاہدے کے تحت آپ روشاک کو فوراً ہمارے حوالے کردیں۔ امید ہے کہ آپ شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔ خیر خواہ، سردار مناش۔""

رقعہ کا متن جان کر اس جگہ موجود تمام جنوں نے کہا۔ "سردار آپ نے بہت اچھا لکھا ہے۔"

اس کے بعد قاصد جن وہ رقعہ لے کر مخالف قبیلہ سنگارا کی طرف پرواز کرگیا۔

چند لمحے میں قاصد جن سنگارا قبیلہ کی حدود میں پہنچ گیا اور حدود کے باہر کھڑا ہوکر محافظ جنوں سے بولا۔ "میں کیکاش قبیلہ کے سردار کا پیغام لے کر آپ کے سردار کے پاس آیا ہوں۔ آپ لوگ اجازت دیں تاکہ میں قبیلہ میں داخل ہوسکوں۔"

محافظ جنوں نے جب اپنے سردار کا نام سنا تو، جن آگے بڑھے اور بولے۔ "ٹھیک ہے تم ہمار ساتھ چلو! ہم تمہیں سردار کے پاس لے چلتے ہیں۔" ا یہ بول کر وہ دونوں قاصد جن کے ہمراہ اپنے سردار جانب روانہ ہوگئے۔

سردار کے پاس پہنچ کر وہ تینوں مکان کے باہر ٹھہر گئے اور پھر ایک جن اندر گیا اور سردار سے اجاز لے کر قاصد جن کو سردار کی خدمت میں پیش کردیا۔ سر نے قاصد جن سے رقعہ لیا اور پڑھنے لگا۔ رقعہ پڑھ سردار مسکرایا اور بولا۔ "ٹھیک ہے میں بھی اپنا جواب لک دیتا ہوں۔" یہ بول کر سردار نے کاغذ پر لکھا۔

"سردار کیکاش قبیلہ کے لئے عرض ہے کہ ہم ک صورت بھی روشاک کو واپس نہیں کریں گے۔ یہ ہما پہلا اور آخری فیصلہ ہے۔ اگر طاقت ہے تو روشاک ہمارے قبیلہ سے لے جاسکتے ہو۔"

اور رقعہ قاصد جن کے حوالے کردیا۔ قاصد جن نے رقعہ لیا اور واپس اپنے قبیلہ میں آگیا۔

قاصد نے واپس آکر جواب سردار کے ہاتھ میں دے دیا۔ سردار نے رقعہ کھول کر پڑھا اور پھر طیش میں آکر کھڑا ہوگیا اور غضب ناک آواز میں بولا۔ "گلاجا۔"

سردار پھر اپنے ساتھیوں کی طرف مخاطب ہوا معزز ساتھیو! گلاجا نے میرے رقعہ کے جواب میں صاف لکھا ہے کہ "میں کسی صورت بھی روشاک کو واپس نہیں کروں گا، یہ میرا پہلا اور آخری فیصلہ ہے۔"

سردار کی باتیں سن کر سارے جن آپس میں مشورہ کرنے لگے پھر ایک معمر جن جو کہ قبیلے کا بہت ع رسیدہ تھا جسے سردار استاد کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ وہ اٹھا او بولا۔ "سردار آپ فکر نہ کرو گلاجا کو بھیانک نتائج بھگت پڑیں گے۔ ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔"

"استاد! آپ قبیلہ میں اعلان کرادیں کہ کل ہم گلاجا کی طرف پیش قدمی کریں گے۔ تمام نوجوان جن تیار ہوجائیں اور دو چار اور قبیلے جو کہ ہمارے خیر خواہ ہیں ان کے پاس بھی پیغام بھجوادیں۔ اور ان کی بھی را لے لیں اور یہ بھی کہلا دیجئے گا کہ اگر وہ ہماری مدد کرنا چاہیں تو بخوشی ہمارے ساتھ چل سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے سردار!" استاد جن نے کہا اور وہاں سے اٹھ کر سارے جن چلے گئے۔ سب کے جانے کے بعد سردار اپنی مٹھیاں بھینچنے لگا اور بولا۔ "روشاک تم نے اچھا نہیں کیا، تم نے جس طرح ذلت و رسوائی سے مجھے دو چار کیا ہے، اس کا خمیازہ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ اور گلاجا! تم نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے اس کی سزا بھی تمہیں ضرور ملے گی۔"

تین دوسرے قبیلوں میں جب سردار مناش کا پیغام پہنچا تو اس قبیلے کے سردار بھی سنگارا قبیلہ کے سردار گلاجا کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، وہ سب کے سب مشتعل ہوگئے اور وہ بھی مناش کی مدد کے لئے تیار ہوگئے۔ سب نے وعدہ کیا کہ ہم کل کیکاش قبیلہ میں حاضر ہوجائیں گے، گلاجا نے وعدہ خلافی کرکے اچھا نہیں کیا، اسے افہام و تفہیم سے سوچنا چاہئے تھا، گلاجا نے اپنی طاقت کے زعم میں جواب دیا۔ ہم احکام خداوندی کے پابند ہیں اور کسی سے جنگ و جدل نہیں چاہتے۔ مگر ان کافر جنوں کو اب سبق سکھانے کا موقع آگیا ہے۔"

ادھر سنگارا قبیلہ میں بھی اعلان ہوچکا تھا کہ کیکاش قبیلہ کے جن ضرور جنگ کی خاطر دوڑے چلے آئیں گے۔ لہٰذا اس قبیلہ میں بھی جنگ کی تمام تیاریاں مکمل ہوچکی تھیں۔ اور خفیہ طریقے سے انہیں خبر مل گئی تھی کہ کل کا دن بہت اہم ہوگا۔

صبح اندھیرے منہ ہی دونوں طرف کی جنات قومیں ایک بہت بڑے صحرا میں پہنچ گئیں۔ وہ صحرا خاص کر اس مسئلے کے لئے وقف تھا۔ جس تیاری سے سارے جنات آئے تھے۔ اللہ...... اللہ۔

اگر دنیا کے عام انسان دیکھ لیں تو تھرا کر رہ جائیں۔ عجیب عجیب خوفناک شکلیں دیکھنے میں آرہی تھیں۔ عجیب و غریب ناقابل یقین طرح طرح کے ہتھیار۔ اتنے بڑے اور وزنی قسم کے ہتھیار کہ کسی انسان سے اٹھانا ناممکن تھا۔ سردار گلاجا کی نظر جب اپنے مخالفوں پر پڑی تو وہ تشویش میں پڑ گیا۔

کیونکہ اس کی توقع سے کہیں بڑھ کر مخالف سمت کی جناتی فوجیں تھیں وہ سمجھ گیا کہ سردار مناش نے اپنے ہم خیال اور ہمدردوں سے بھی مدد طلب کرلی ہے مگر اب تو تیر ترکش سے نکل چکا تھا۔

اس نے پالیسی کے تحت روشاک کو سب سے آگے کھڑا کیا تھا۔

دونوں طرف فوجیں صف آرا تھیں۔

لیکن سب سے اہم بات یہ تھی کہ دونوں طرف کی کارروائی سے رولوکا پوری طرح باخبر تھا۔ اس کے کارندے پل پل کی خبریں رولوکا کے گوش گزار کررہے تھے۔ رولوکا جان چکا تھا کہ سنگارا قبیلہ کا سردار گلاجا کی طرف سے زیادتی ہورہی ہے۔ لہٰذا خفیہ طور پر رولوکا نے بھی اپنے مضبوط اور طاقتور کارندوں کو سردار مناش کی مدد کے لئے روانہ کردیا۔ اور خود بھی غائبانہ طور پر میدان جنگ میں موجود تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے گھمسان کا رن پڑا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے بے شمار اور لاتعداد پہاڑ جیسے لوہے کے انسان ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں۔

رولوکا کے کارندے بھرپور انداز میں کیکاش قبیلہ والوں کی مدد کررہے تھے۔ عجیب و غریب ہتھیار کے علاوہ جناتی طاقتیں اور قوتیں بھی استعمال ہورہی تھیں۔ جس کا جو زور چلتا وہ اس سے استعمال کررہا تھا۔

سنگارا قبیلہ کے جن گاجر مولی کی طرح کٹنے لگے۔

رولوکا کے کارندے اپنے پسندیدہ جناتوں کی مدافعت کررہے تھے۔ جو بھی مخالف جن ان کی طرف لپکتا تو رولوکا کے کارندے فوراً درمیان میں آجاتے اور مخالف جنوں کا وار روک لیتے اور اس طرح مخالف جن نیست و نابود ہوجاتا۔

سردار مناش ایک جگہ کھڑا اپنی فوجوں کا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔ وہ بہت جہاں دیدہ تھا اسے معلوم ہوچکا تھا کہ اس کی فوجوں کے علاوہ بھی اس جنگ میں نادیدہ ہستیاں ایسی ہیں جو کہ ان کی مدد کررہی ہیں۔ مگر وہ یہ جاننے سے قاصر تھا

www.pdfbooksfree.pk

کہ وہ ہمدرد نادیدہ ہستیاں ہیں تو کون ہیں؟

جو دوسرے قبیلہ والے اس کی مدد کو آئے تھے انہیں سردار مناش نے سب سے پیچھے رکھا تھا کہ اگر میرے لوگ پسپا ہونے لگیں تو ہمدردوں کو آگے لایا جائے۔

وقت بڑی تیزی سے گزرتا جارہا تھا۔ مخالف فوجیں بھی کافی تعداد میں تھیں۔ عصر تک گلاجا کی آدھی سے زیادہ فوجیں نیست و نابود ہو کر میدان جنگ میں پڑی تھیں۔

مغرب سے پہلے ایک وقت مقررہ پر جو وقت جناتوں کی طرف سے مقرر تھا۔ دونوں طرف سے دو معمر جن اپنے ہاتھ میں ایک ایک سفید رنگ کا جھنڈا افق پر نمودار ہوئے جسے دیکھ کر دونوں طرف کی فوجیں اپنی اپنی جگہ ٹھٹک کر رہ گئیں۔ دونوں جن نیچے اترے اور درمیانمیں دونوں جھنڈے جو کہ ایک بڑے ڈنڈے میں موجود تھا۔ میدان میں گاڑ دیا۔ دونوں جھنڈوں کا زمین پر گڑنا تھا کہ دونوں طرف کی فوجیں پیچھے کی طرف ہٹنے لگیں۔

اس کا مطلب تھا کہ اب جنگ بند ہو چکی تھی۔ سنگارا قبیلہ کی فوجوں میں سراسیمگی پھیل چکی تھی بے شمار جنات اپنا وجود کھو چکے تھے۔

کیا کاش قبیلہ کے چند جنات کام آئے تھے۔ ابھی بھی مناش کے ساتھیوں میں بہت زیادہ جوش و خروش دیکھنے میں آرہا تھا۔ مناش نے اپنے ساتھیوں کا شکریہ ادا کیا اور ساتھ ہی اپنے ہمدرد جنوں کا بھی شکریہ ادا کیا اور بولا۔ ”مجھے امید ہے کہ کل دوپہر تک گلاجا، میدان چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔ مگر اسے چھوڑنا کسی صورت بھی نہیں۔ اور ہر حال میں ہمیں روشاک کو زندہ گرفتار کرنا ہے۔“

تھوڑی دیر میں مغرب کا وقت ہو گیا تو قبیلہ کے تمام جنات نے نماز مغرب ادا کی اور اس کے بعد کھانا کھا کر آرام کرنے لگے۔

مخالف سمت کی فوجوں میں بڑی خاموشی طاری تھی۔ رات کا آدھے سے زیادہ پہر گزر چکا تھا۔ میدان سے جناتوں کی لاشیں غائب ہو چکی تھیں۔ تمام تھکے ہارے جنات بے سدھ پڑے تھے لیکن کچھ جاگ بھ رہے تھے جو کہ آنے والے وقت سے خوف زدہ تھے۔ سوچ رہے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل کا دن ان کی زند کا آخری دن ثابت ہو۔ ان کے دماغ میں بار بار آرہا کہ ہمارے ضدی ہٹ دھرم اور بے اصول سردار کی و سے ہمارے کتنے بھائی بند موت سے ہمکنار ہو گئے دشمنی کی بنا پر سردار کو اپنے لوگوں سے ذرا بھی رغبت نہیں خیر سارے کے سارے مجبور تھے، اپنے قبیلہ سے بغاو کر بھی نہیں سکتے تھے۔

ادھر رولوکا اپنے کمرے میں موجود ابھی تک جاگ رہا تھا۔ وہ گھمبیر سوچوں میں دبا پڑا تھا۔ وہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ مزید خون خرابہ ہو کیونکہ ایک کی ہٹ دھرمی ک وجہ سے اس کے قبیلہ کے بے شمار نوجوان جنات موت بھینٹ چڑھ چکے تھے۔ کسی بھی پارٹی، کسی بھی ملک یا ک بھی قبیلہ کے سردار کا کیا جاتا ہے۔ بس اس کا حکم صا ہوتا ہے اور بے شمار لوگ لقمۂ اجل بن جاتے ہیں۔

رولوکا بستر پر بیٹھے بیٹھے اچانک اٹھ کھڑا ہوا ا کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ بار بار اپنا سر نیچے فرش پر ا چھت کی طرف کرتا۔ کافی دیر تک وہ اسی حالت میں ٹہ رہا اور پھر اچانک اس نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ لیں اور پھر دائیں ہاتھ کی مٹھی کو بائیں ہاتھ پر زور سے مارا ا پھر اپنی گردن نیچے کر کے چند پل کچھ سوچتا رہا پھر اس ایک لمبا سانس کھینچا اور پلک جھپکتے ہی اپنے کمرے غائب ہو گیا۔

اپنے کمرے سے رولوکا سیدھا میدان جنگ آیا۔ تمام فوجی جنات اور افسر جنات و معمر جنات ا اپنے خیموں میں خواب خرگوش کے مزے لے ر تھے۔ اندھیرے کا تسلط ہر طرف قائم تھا۔ اتفاق اندھیری راتیں شروع ہو چکی تھیں۔

رولوکا غائب حالت میں تھا۔ وہ خاموشی سنگارا قبیلہ کے خیموں کی طرف بڑھا اور پھر چند خیمو میں جھانکنے کے بعد اپنے مطلوبہ خیمے تک پہنچ گیا۔ ا خیمہ میں روشاک بے سدھ پڑا تھا۔

خیمہ میں ایک طرف کھڑے ہو کر رولوکا نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور اپنی دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر پھونک ماری تو اچانک ہتھیلی روشن ہو گئی اس کے بعد رولوکا نے اپنی ہتھیلی کا رخ روشاک کی طرف کر دیا۔ ہتھیلی سے سبز رنگ کی شعاعیں خارج ہونے لگیں اور پھر ان شعاعوں نے چاروں طرف سے روشاک کا احاطہ کر لیا۔ پھر وہ شعاعیں آہستہ آہستہ سمٹنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام شعاعیں ایک بالکل چھوٹے گیند میں بدل گئیں۔ ان گیند نما شعاعوں میں روشاک کا وجود بھی سمٹ کر رہ گیا تھا۔

رولوکا نیچے جھکا اور خاموشی سے اس گیند نما شعاع کو اپنے سیدھے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ رولوکا مسکرانے لگا اور پھر جس خاموشی سے غائبانہ طور پر آیا تھا اسی خاموشی سے اس خیمہ سے نکل گیا۔ اس کے بعد وہ سیدھا سردار مناش کے خیمے میں آیا۔ سردار اتنی رات گئے ابھی تک جاگ رہا تھا۔ وہ اپنا سر اپنے ہاتھ میں لئے خاموشی سے بیٹھا تھا۔

اچانک رولوکا کی آواز سنائی دی۔ ”سردار!“

سردار نے چونک کر اوپر دیکھا تو دنگ رہ گیا کیونکہ اس کے سامنے رولوکا مجسم کھڑا تھا۔ فوراً سردار کے منہ سے نکلا۔ ”محترم رولوکا آپ اور اس وقت۔“

”ہاں سردار! میرے دل نے گوارہ نہ کیا کہ ایک جن سردار کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے بے شمار جن موت سے ہمکنار ہو گئے اور نہ جانے کل اور کتنے اپنی زندگی ہار جائیں گے۔ تو میں نے سوچا کیوں نہ جھگڑے کی اصل جڑ کو ہی اکھاڑ پھینکا جائے۔ میں روشاک کو اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔ آپ فوراً اس وقت میرے ساتھ چلیں اپنے قبیلہ میں۔“

”لیکن محترم رولوکا! یہ تو بتائیں کہ روشاک ہے کہاں؟“ سردار بولا۔

”سردار! یہ پوچھنے کا وقت نہیں ہے۔ آپ فوراً چلیں۔“ رولوکا بولا۔

”جی! بہت اچھا!“ یہ بول کر سردار اپنے خیمے سے نکلا اور پھر دونوں قبیلہ کی جانب محو پرواز ہو گئے۔ قبیلہ میں پہنچ کر رولوکا بولا۔ ”آپ روشاک کا کمرہ کھولیں۔“

سردار فوراً ایک طرف بڑھ گیا اور ایک کمرے کے دروازے پر رک کر کمرے کی کنڈی کھول دی۔ رولوکا کمرے میں داخل ہوا اور پھر سامنے پڑے بستر پر رولوکا نے اپنے ہاتھ میں موجود روشنی نما گیند رکھ دی۔ اس کے بعد رولوکا نے ہاتھ کا اشارہ کیا تو روشنی نما گیند بڑی ہونے لگی اور پھر ایک شخص کا وجود دھار لیا۔ پھر رولوکا کے اشارے پر تمام شعاعیں یکسر غائب ہو گئیں۔ جنہوں نے کہ روشاک کا احاطہ کر رکھا تھا۔ رولوکا نے بستر کی جانب اشارہ کیا۔

سردار! اچنبھے کی حالت میں بستر پر موجود روشاک کو دیکھ رہا تھا۔

”سردار! یہ اپنے حواس میں نہیں۔ یہ رات بھر بے سدھ رہے گا۔ اس کے دروازے پر نورانی حصار قائم کر دیں۔ اور پھر میدان جنگ میں چلے جائیں۔ علی الصبح اعلان کر دیں کہ جنگ بندی کی جاتی ہے کیونکہ جس مقصد کے لئے یہ جنگ مسلط ہو گئی تھی اس مقصد کو ہم نے پا لیا ہے۔ لہٰذا اب میں نہیں چاہتا کہ مزید خون خرابہ ہو۔ اگر شروع میں ہی گلاجا میری بات مان لیتا تو اتنے جنات اپنی زندگی نہ ہار جاتے۔ جتنے بھی جنات موت سے ہمکنار ہوئے ہیں مجھے ان سے ہمدردی ہے۔ گلاجا کے لئے میرا مشورہ ہے کہ اپنے قبیلہ میں واپس چلا جائے۔“

”جی محترم رولوکا! ایسا ہی ہو گا صبح کا اجالا پھیلتے ہی میں جنگ بندی کا اعلان کر دوں گا۔ آپ تشریف رکھیں۔“ سردار بولا۔

”نہیں سردار! میں اس وقت بیٹھ نہیں سکتا۔ اور آپ بھی فوراً اپنے خیمہ میں پہنچیں کیونکہ اگر کسی نے آپ کو خیمہ میں نہ پایا تو وہ تشویش میں مبتلا ہو جائے گا۔ آپ جب بھی اپنی کارروائی شروع کریں مجھے اطلاع کر دیجئے گا۔ میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔“

”محترم رولوکا! آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے ہماری وجہ سے تکلیف اٹھائی، میں تاحیات آپ کا احسان مانتا رہوں گا، اور مجھے امید ہے کہ آپ آئندہ بھی

www.pdfbooksfree.pk

وقتاً فوقتاً مجھ سے ملتے رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے سردار! آپ کی خوشی میری خوشی ہے۔ آپ آئندہ بھی مجھے اپنا ہمدرد پائیں گے۔ اب میں چلتا ہوں۔ پھر ہماری ملاقات ہوگی۔" اور یہ بول کر رولوکا اس جگہ سے غائب ہوکر اپنے کمرے میں آ گیا۔ سردار بھی اپنے کمرے سے نکل کر میدان میں موجود اپنے خیمے میں آ گیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ ابھی نماز فجر میں وقت تھا۔

نماز فجر کے بعد سردار مناش نے اپنی گونجدار بھاری آواز میں اعلان کیا۔ "گلاجا! میں اپنی طرف سے جنگ بندی کا اعلان کرتا ہوں۔ تمہارے قبیلے کے تمام جن سن لیں کہ ہماری طرف سے پیش قدمی نہیں ہوگی۔ گلاجا! مجھے بہت ہی دلی طور پر دکھ اور افسوس ہے کہ تمہاری ضد کی وجہ سے تمہارے قبیلہ کے بے شمار جن اپنی زندگی ہار گئے۔ میرا قطعی ارادہ جنگ کا نہیں تھا۔ مگر افسوس کہ تم جذبات کے رو میں بہہ کر اپنے ساتھیوں کو موت کے منہ میں دھکیلا۔

میرا اصل مقصد روشاک کی واپسی تھی۔ روشاک مجھ تک پہنچ چکا ہے۔ لہٰذا میں بخوشی جنگ بند کرتا ہوں۔ تم بھی خاموشی سے واپس اپنے قبیلے میں چلے جاؤ اور آئندہ بھی کوشش کرنا کہ تمہیں یا تمہارے قبیلے کے افراد کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔ بہت سے مواقع پر جوش سے نہیں بلکہ ہوش سے کام لینا پڑتا ہے اور جو لوگ جذبات میں فیصلے نہیں کرتے وہ فائدے میں رہتے ہیں۔"

اس اعلان کا سننا تھا کہ گلاجا کے جنوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی مگر گلاجا پر جیسے بجلی ٹوٹ پڑی وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ روشاک کو رات کے اندھیرے میں اغوا کرلیا جائے گا۔ یہ اس کی بہادری اور ہٹ دھرمی پر کاری ضرب تھا۔ وہ نادم ہوکر تلملانے لگا۔ اس کا چہرہ یکدم مرجھا کر رہ گیا۔ اسے شرمندگی کھائے جا رہی تھی کہ اس کے قبیلے والے اس کے متعلق کیا سوچیں گے۔

وہ اپنے بے شمار ساتھیوں کو موت سے ہمکنار کرنے کے بعد بھی شکست سے دوچار ہو چکا تھا۔

"میں اپنے ساتھیوں کی موت کا ذمہ دار ہوں اور اب میرا زندہ رہنا بھی بے کار ہے۔ میں پل پل جینے اور مرنے سے دوچار ہوتا رہوں گا۔ مناش تم جیت گئے اور میں ہار گیا۔

میں اب سرداری کے قابل نہیں۔ میرے قبیلہ والے اپنی پسند سے جسے چاہیں اپنا سردار منتخب کرلیں۔ آج میں اپنی سرداری سے دست بردار ہوتا ہوں۔" اور یہ بولتے ہی گلاجا کے پورے جسم میں آگ بھڑک اٹھی اور چند پل میں ہی اس کا وجود جل کر راکھ ہوگیا۔

گلاجا کے ساتھیوں نے جب اپنے سردار کا انجام دیکھا تو افسردہ ہوگئے اور کہنے لگے۔ "برے کا انجام ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے۔ کاش! یہ سردار! شروع میں دانشمندانہ قدم اٹھاتا تو آج اس انجام کو نہ پہنچتا اور نہ ہی قبیلے کے بے شمار جن موت کے منہ میں جاتے۔" خیر چند بزرگ اور معمر جنات آگے بڑھے اور اپنے لوگوں کو لے کر نڈھال طریقے سے اپنے قبیلے کی جانب روانہ ہوگئے۔

ایک طرح سے سارے جنات خوش بھی تھے کہ چلو! ہٹ دھرم اور ضدی سردار سے جان تو چھٹی۔

اس کے بعد کیکاش قبیلہ والے اپنے سردار کی سربراہی میں واپس اپنے قبیلہ میں آ گئے۔ ان کی جیت ہوئی تھی سارے جنات بہت خوش تھے۔

ادھر رولوکا کے پاس پل پل کی ساری خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اس کے پاس اچانک ایک کارندہ عجلت میں آیا اور خبر دی کہ گلاجا کا بیٹا وادی سے کافی دور کئی قبیلوں میں گیا ہے اور ان کو اپنی مدد کے لئے راضی کر رہا ہے، اس کا کہنا ہے کہ کیکاش قبیلہ والوں نے ناحق اس کے باپ کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ وہ بہت بے بس اور مجبور ہے۔ اس کا قبیلہ اتنا طاقتور نہیں کہ کیکاش قبیلہ سے بدلہ لے سکے۔ چونکہ وہ بے دین قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے ہم مذہب قبیلہ والوں کے پاس گیا ہے اور سارے قبیلہ والوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کل آدھی رات کے بعد اچانک کیکاش قبیلہ پر حملہ کردیا جائے کیونکہ قبیلہ والے جیت کی خوشی میں نیند میں بے سدھ پڑے ہوں گے۔

چونکہ غیر مذہب یعنی کافر جنات ویسے ہی

www.pdfbooksfree.pk

مسلمان جنات سے نفرت کرتے تھے لہٰذا انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور فیصلہ کرلیا کہ ہر حال میں کیکاش قبیلہ پر حملہ کیا جائے گا۔

رولوکا نے اپنے کارندے کو کہا۔ "تم اب واپس جاؤ اور خبریں مجھ تک پہنچاتے رہنا۔" اس کے بعد رولوکا فوراً سردار مناش کے پاس پہنچا اور ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ جسے سن کر سردار مناش بہت گھبرایا اس کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔

سردار کی گھبراہٹ دیکھ کر رولوکا بولا۔ "سردار آپ گھبرائیں نہیں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ اپنے ساتھیوں کو چوکس کردیں اور دشمنوں کو قبیلہ سے کافی دور روکنا پڑے گا۔ مگر یہ بات خاموشی سے ہو۔ زیادہ شور شرابہ نہ ہونے پائے کیونکہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔

کل آدھی رات سے پہلے ہی آپ مطلوبہ جگہ پر پہنچ جائیں، میں بھی وہاں وقت مقررہ پر پہنچ جاؤں گا۔ گلاجا کے بیٹے نے اس بات کو اپنے قبیلے والوں سے بھی چھپایا ہے، اس بنا پر کہ کہیں قبیلہ کا کوئی جن بدحواسی کے عالم میں اس راز کو فاش نہ کردے۔ اس کے اپنے قبیلہ کا ایک بھی جن اس حملہ میں حصہ نہیں لے گا۔

کم بخت مروانا بھی چاہ رہا ہے کہ دوسرے قبیلے والے مریں۔ اور یہ اس لئے ہوا ہے چونکہ کافر جنات آپ لوگوں سے نفرت کرتے ہیں اس لئے جذبات میں آپ لوگوں پر دوڑے چلے آ رہے ہیں۔ خیر آپ لوگ بالکل بھی نہ گھبرائیں۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ جیت آپ لوگوں کی ہی ہوگی۔

اور اپنے باپ کے انجام کو اس کا بیٹا بھی پہنچ جائے گا۔ خیر اب میں چلتا ہوں، آپ فکر بالکل بھی نہ کیجئے گا۔" رولوکا نے کہا اور غائب ہوکر اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔

دوسری رات آئی اور آدھی رات سے پہلے ہی رولوکا اس وادی میں پہنچ گیا جس طرف سے وہ کافر جنات حملہ کرنے والے تھے یعنی وہ واحد راستہ تھا جس طرف سے انہوں نے آنا تھا۔

رولوکا نے اپنے سارے کارندوں کو چوکس کردیا تھا۔ جاگتا الو بڑی ہوشیاری اور مستعدی سے اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا تھا۔ رولوکا ایک جگہ کھڑا منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ رہا تھا۔ کافی دیر بعد اس نے سامنے پھونک ماری تو بے تحاشہ بجلیاں کوندنے لگیں۔ زمین سے لے کر آسمان کی وسعتوں تک بجلیاں کوند رہی تھیں۔ چند لمحے بعد بجلیوں کا کوندنا ختم ہوگیا اور پھر گھپ اندھیرا چاروں سمت مسلط تھا۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ سردار اپنے ساتھیوں سمیت اس جگہ پہنچ گیا۔ اسے دیکھ کر رولوکا آگے بڑھا اور سردار سے بولا۔ "سردار اپنے ساتھیوں سے بولیں کہ درمیان سے ہٹ جائیں اور کنارے کھڑے ہوجائیں۔ اپنے وجود کو غائب ہی رکھیں تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو کہ آپ لوگ یہاں موجود ہیں۔

سردار! آپ لوگوں نے کچھ کرنا نہیں ہے صرف میرے اشارے کے منتظر رہنا ہے، صرف میرے اشارے پر آپ نے انتہائی قدم اٹھانا ہے۔ جب تک میں کوئی اشارہ نہ کروں آپ اپنے لوگوں سے بول دیں کہ ہر حال میں روپوش رہیں۔ چاہے کچھ بھی ہوجائے اپنی اپنی جگہ سے ہلنا نہیں ہے۔

رولوکا کی بات سن کر سردار نے اپنے ساتھیوں سے سرگوشی میں بات کی اور انہیں لے کر ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ رولوکا بھی سردار کے قریب ہی موجود تھا۔

وہاں پر کھڑے تمام جنات پر ایک ایک پل صدیوں کے مترادف گزرنے لگا۔ سارے جنات دم سادھے غائبانہ طور پر کھڑے تھے۔

رات کے ساڑھے بارہ بجے کہ اچانک کئی الو وہاں سے بہت کریہہ اور خوفناک آواز میں چیختے ہوئے گزر گئے۔ الوؤں کی آوازوں کو سن کر جیسے سارے سہم گئے۔

سردار کی نظریں متواتر رولوکا پر مرکوز تھیں کہ نہ جانے رولوکا کب کیا اشارہ کردے۔ کیونکہ رولوکا کے اشارے پر ہی سارے جناتوں نے قدم اٹھانا تھا۔

ہر سو گھٹا ٹوپ اندھیرے کا راج تھا۔ سارا علاقہ اور ساری وادی اندھیرے کی چادر اوڑھے بڑی مہیب اور ڈراؤنی نظر آ رہی تھی۔ اگر اسوقت انسانوں کا بھی جم غفیر ہوتا تو خوف اور ڈر کی وجہ سے ان کا پتا پانی ہو جاتا۔ اور جب یہ معلوم ہو کہ ان کے مدمقابل ان کا دشمن بہت قوی طاقتور اور خوفناک والا ہے تو ایسی صورت میں واقعی انسان کا ہارٹ اٹیک یا پھر اس پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے، مگر وہاں تو جنات موجود لیکن وہ بھی اپنے دشمن سے اندرونی طور پر خوفزدہ ضرور تھے کہ نہ جانے دشمن کتنا قوی اور طاقتور ہے، اور پھر نہ جانے اچانک کس طرف سے حملہ کردے۔ کیونکہ حملہ آور دشمن اپنی تمام تر تیاریوں کے ساتھ دندناتا ہوا بڑھتا جاتا ہے۔ اس کی حتیٰ الامکان کوشش ہوتی ہے کہ اپنے دشمنوں کو نیست و نابود کردے۔

رات کے ڈھائی بجے اچانک شمال کی جانب سے ایسا لگا کہ جیسے طوفان آگے کو بڑھ رہا ہے۔ فضا میں گوں...... گوں...... گوں...... کی آوازیں متواتر سنائی دے رہی تھیں۔

ہوا کے دوش پر آتی ہوئی آوازوں کو سن کر سردار نے خوفزدہ انداز سے رولوکا کی طرف دیکھا اور آنکھوں کے اشارے سے رولوکا سے پوچھنے لگا کہ کیا کرنا ہے۔

رولوکا خاموش تھا اس نے سیدھے ہاتھ کی انگلی اٹھا کر ہونٹوں پر رکھ کر اشارہ کیا کہ بالکل خاموش رہیں۔ کسی بھی حرکت سے گریز کریں۔ ہماری کوئی بھی حرکت دشمن کو چوکنا کرسکتی ہے۔

سردار نے اثبات میں گردن ہلادی۔ اور اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں بھی اشارہ کیا کہ بالکل خاموش رہو۔

پل پل گزرتے ہوا کے دوش پر پرواز کرتی آوازیں متواتر قریب سے قریب تر آتی جارہی تھیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب بھی رات کی تنہائی میں کسی نادیدہ قوت یا پھر انسانوں کا جم غفیر کارواں کسی سمت رواں دواں ہوتا ہے تو ہوا کے دوش پر اس کے آگے بڑھنے یا دوڑنے یا پھر گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں یا پھر گاڑیوں کے گزرنے سے بھی آوازیں دور بہت دور سنائی دیتی ہیں۔

سارے جنات اپنی اپنی جگہ دم سادھے کھڑے تھے ایک ایک پل ایک ایک لمحہ عجیب جان لیوا گزر رہا تھا۔ جوں جوں آوازیں قریب آرہی تھیں وہاں پر کھڑے سب عجیب طرح کا اندرونی طور پر ایک انجانا خوف انہیں اپنے شکنجے میں کس رہا تھا۔

اچانک رولوکا کے سامنے روشنی کا ایک چھوٹا سا نقطہ نمودار ہوا، اور پھر چشم زدن میں روشنی کا وہ نقطہ غائب ہوگیا۔ اس نقطے کو سردار مناش نے بھی واضح طور پر دیکھا، اس کے بعد سردار، رولوکا کی جانب آنکھیں پھاڑے دیکھنے لگا۔

رولوکا نے اس مرتبہ بھی اپنی انگلی کا اشارہ کیا۔ اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر ایک گول سا دائرہ بنایا اور پھر اس دائرہ کے اندر اپنی انگلی کا اشارہ کردیا جس کا معنی یہ تھا کہ ”دشمن سر پر پہنچنے والا ہے مگر دشمن شکنجے میں جکڑ جائے گا اور فرار کی صورت میں آسمان کی وسعتوں کی طرف پرواز کرے گا مگر اس وقت اس کے بھاگنے کے سارے راستے ختم ہوچکے ہوں گے۔“

ایک پل دو پل...... اور پھر پل پل گزرنے لگے...... گوں...... گوں...... کی آوازیں بالکل قریب آگئیں۔ جلدی سے رولوکا نے اپنے ہاتھ کی مٹھی بند کی اور سردار کی آنکھوں کے سامنے کردیا۔ جس کا مطلب تھا کہ ”بالکل خاموش رہنا ہے ہر حال میں، ہماری ذرا سی بھی حرکت دشمن کو باخبر کردے گی۔“

رولوکا کے ہی انداز میں سردار نے اپنے ساتھیوں کی طرف بند مٹھی کرکے اشارہ کردیا اور پھر سارے جنات بالکل چوکس ہوکر کھڑے ہوگئے کہ اتنے میں۔

اچانک پوری وادی میں ایک کان پھاڑ دینے والا زوردار دھماکہ سنائی دیا۔ ایسا لگتا تھا کہ کئی ایٹم بم زمین پر پھینک دیئے گئے ہوں۔

آندھی اور طوفان کی طرح آگے بڑھتے ہوئے سارے جنات کسی آہنی اور ان دیکھی دیوار سے ٹکرا گئے تھے۔ اس جگہ پر زبردست طریقے سے بجلیاں کوندنے لگی تھیں۔ اس وقت دل دہلا دینے والا ناقابل بیان حد تک خوفناک منظر رونما ہوچکا تھا۔ جب نیچے سے بجلیاں اوپر کو اٹھتیں تو اوپر سے بھڑکتے ہوئے شعلے ان پر آن گرتے۔ پوری وادی میں ایک حد متعین ہوگئی تھی۔ پورے علاقے میں بھڑکتے ہوئے شعلے اور کڑکتی ہوئی بجلیاں ہی نظر آرہی تھیں۔

اس جگہ جتنے بھی جن موجود تھے سب کے سب دہشت زدہ تھے، انہیں یہ دھڑکا لگ چکا تھا کہ کہیں بھڑکتے ہوئے شعلے اور کڑکتی بجلیاں ان کی طرف نہ بڑھ جائیں۔

ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ بار بار زبردست قسم کے وجود آتے اور اس آہنی دیوار جو کہ غائبانہ طور پر موجود تھی اس سے دھڑام دھڑام طریقے سے ٹکراتے تھے ان دیکھی دیوار سے ان وجود کا ٹکرانے کا مقصد تھا کہ جو، ان دیکھی دیوار ان کے راستہ میں حائل ہے وہ کسی طور بھی پاش پاش ہوجائے مگر ان کا تمام حربہ ناکام ہورہا تھا اس صورت میں ان کے وجود میں آگ بھڑک اٹھتی تھی۔

پھر ایک اور ناقابل یقین منظر رونما ہوا۔ اچانک ایک بہت بڑا شعلوں کا بھڑکتا ہوا گولہ ان کے درمیان میں گرا۔ آگ کے گولہ کا گرنا تھا کہ نادیدہ قوتوں کی چیخ و پکار کان پھاڑنے لگیں۔ وہ تمام دل دہلاتے مناظر انسانی دل و دماغ کے برداشت سے باہر تھے۔ اگر واقعی اس جگہ انسان ہوتے تو یقیناً وہ اب تک سارے اپنی زندگی سے مایوس ہوچکے ہوتے۔

کوئی ڈیڑھ گھنٹہ تک آگ اور بجلیوں کا دلخراش منظر رونما ہوتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ منظر غائب ہونے لگا اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ بھڑکتے شعلے اور کڑکتی بجلیاں ختم ہوگئیں۔

تھوڑی دیر بعد جب رولوکا مطمئن ہوگیا تو اس نے اپنی انگلی کو اوپر آسمان کی جانب اشارہ کیا تو اس کی انگلی سے ایک باریک دودھیا رنگ کی روشنی کی لکیر نکل کر آسمان کی طرف کافی اونچائی تک گئی اور پھر وہ روشنی ایک جگہ ٹھہر کر دوبارہ گول دائرہ میں تبدیل ہوکر واپس زمین کی طرف پلٹی اور اس جگہ چکرانے لگی جہاں کہ تھوڑی دیر پہلے بھڑکتے ہوئے شعلے اور بجلیاں کوندرہی تھیں۔

تمام جگہوں پر وہ روشنی کا دائرہ چکراتا رہا پھر اس کے بعد وہ دائرہ زمین میں پیوست ہوگیا۔ تو رولوکا نے پھر اپنے ہاتھ کا اشارہ کیا تو پورے علاقے میں سفید دودھیا روشنی پھیل گئی۔

دیکھنے والوں کی آنکھیں پتھرا کر رہ گئیں کیونکہ اس جگہ پر بے شمار اور لاتعداد جناتی وجود جلے ہوئے پڑے تھے۔ وہ سب کے سب جل کر کوئلہ کی شکل اختیار کرگئے تھے۔

رولوکا آگے بڑھا اور سردار کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”کم بخت سارے کے سارے جل کر کوئلہ ہوگئے۔ سردار! آپ کے یہ دشمن ہیں جو آپ کے قبیلہ پر حملہ آور ہونے کے لئے آئے تھے، اگر میں انہیں اس طرح نہ روکتا تو یہ سب آپ کے قبیلہ کو نیست و نابود کردیتے۔

سردار صاحب! اب آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے قبیلہ میں چلے جائیں، آپ کے سارے دشمن اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں اور آپ کو یہ بھی بتادوں کہ آپ کے دشمن گلاجا کا بیٹا بھی جل کر خاکستر ہوچکا ہے۔

قبیلہ والوں کو یہ معلوم نہیں کہ ان کے سردار کا بیٹا بھی اپنے آخری انجام کو پہنچ گیا ہے۔ اب قبیلہ والے اپنا نیا سردار چن لیں گے اور مجھے یقین ہے کہ ان کا نیا سردار سوجھ بوجھ اور باشعور ہوگا۔ کیونکہ ان لوگوں کو اپنے ضدی اور ہٹ دھرم سردار کا انجام معلوم ہے جس نے لاتعداد جنوں کو موت کے منہ میں دھکیل دیا۔

سردار! اب میں چلتا ہوں، مجھے اجازت دیں، پھر ملاقات ہوگی اور ایک بات یاد رکھئے گا کہ ان معاملات کے متعلق اپنے قبیلہ والوں کے درمیان میرا پرچار مت کیجئے گا۔ بس آپ کو تمام حقیقت کا علم ہے یہی بہت ہے۔“ رولوکا بولا۔

سردار مناش رولوکا کی بات سن کر بولا۔ ”محترم

www.pdfbooksfree.pk

رولوکا! میں آپ کا یہ احسان تاحیات نہیں اتار سکتا، میں کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں، میں تو میں بلکہ میری آنے والی نسلیں بھی آپ کے احسان تلے دبی رہیں گی، اس کا اجر تو آپ کو خدا ہی دے گا۔

ہاں! ایک بات یاد آئی کل جمعہ کا دن ہے میں آپ کے پاس بعد نماز جمعہ پیغام بھیجوں گا۔ آپ برائے مہربانی ضرور تشریف لے آیئے گا۔ کیونکہ بعد نماز جمعہ روشاک کا معاملہ سامنے لایا جائے گا۔

میں امید کرتا ہوں کہ آپ اپنی مصروفیات سے تھوڑا وقت ضرور نکال کر قبیلہ میں تشریف لائیں گے۔“

”ٹھیک ہے سردار صاحب میں وعدہ کرتا ہوں کہ ضرور آؤں گا۔“ رولوکا بولا اور غائب ہوکر پلک جھپکتے ہی اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس نے ہاتھ منہ دھویا اور پھر بستر پر لیٹ گیا۔

ادھر سردار مناش نے روشاک کو اس کے کمرے میں بے سدھ کرکے قید کردیا تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ اگر یہ ہوش وحواس میں رہا تو یقیناً دوبارہ فرار کی کوشش کرے گا یا پھر ہوسکتا ہے کہ کوئی اور حرکت کر بیٹھے۔

جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد معمول کے مطابق درس کے لئے محفل منعقد ہوئی۔ قبیلہ کے تمام جنات نے شرکت کی اور پھر سردار نے درس دینا شروع کیا۔ درس کے بعد روشاک کو لاکر کٹہرے میں کھڑا کردیا گیا۔ اب وہ ہوش وحواس میں تھا۔ ندامت سے سر جھکا ہوا تھا۔ کٹہرے کے گرد آٹھ جنات کھڑے تھے۔ ویسے بھی سردار نے کٹہرے کے گرد حصار قائم کردیا تھا تاکہ روشاک اپنی کسی جناتی قوت کے بل بوتے پر فرار نہ ہوجائے۔

سردار نے بہت مضبوط اور خفیہ حصار قائم کیا تھا کیونکہ سردار کو معلوم تھا کہ روشاک کتنی خفیہ طاقت کا مالک ہے۔ سردار نے آج اس کے فرار کے سارے راستے بند کردیئے تھے۔

روشاک کو یہ بھی علم ہوچکا تھا کہ وہ جن، کافر جنوں کے قبیلہ میں جاکر پناہ لی تھی اور پھر کافر جنوں کے ساتھ وہ میدان میں آیا تھا اور اپنے ہی قبیلہ کے خلاف حملہ آور ہوا تھا۔

اسے یہ بھی معلوم ہوچکا تھا کافر جنوں کا سردار سنگارا اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔ یعنی وہ موت سے ہمکنار ہوچکا ہے اور پھر میدان جنگ سے کسی نہ کسی طرح اسے اغوا کرنے سے پہلے بے سدھ کیا گیا پھر اسے اٹھا کر یہاں لایا گیا۔

سردار کے پیغام ملنے پر حسب وعدہ رولوکا محفل میں آچکا تھا۔ آج وہ مجسم سردار کے برابر ایک بڑی کرسی پر براجمان تھا۔ قبیلہ کے سارے جنات بڑی قدر کی نگاہ سے رولوکا کو دیکھ رہے تھے اور جو جن بھی اس کے قریب سے گزرتا تو تعظیماً جھک کر سلام کرتا۔

کبھی کبھی روشاک اچٹتی قہر بوساتی نظروں سے رولوکا کو دیکھ لیتا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ رولوکا کو کچا ہی چبا جاتا۔

جب سارے جنات آکر محفل میں بیٹھ گئے تو سردار کھڑا ہوا۔ سردار کی غصیلی اور گونجدار آواز سنائی دی۔ ”روشاک تم پر الزام ہے کہ تم نے ایک آدم زادی کی عزت کو پامال کیا اور ایک طویل عرصہ سے اس کے گھر والوں کو بھی ہراساں کیا جبکہ تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے قبیلے کا کیا اصول ہے اور پھر ہم سارے جنات شریعت کے پابند مسلمان ہیں۔ تم نے قبیلہ کا قانون توڑا۔ احکام خداوندی سے منہ موڑا، یہی نہیں بلکہ تم نے اپنے والدین کے بھروسے کو روند ڈالا۔

قبیلہ سے فرار ہونے کا تم نے جو قدم اٹھایا وہ ناقابل معافی ہے اور سب سے بڑھ کر غلطی تم نے یہ کی کہ تم نے کافر جنات کے قبیلہ میں پناہ لی اور یہ اسرار احکام خداوندی کے خلاف ہے کہ ایک مسلمان، کافر کو اپنا سہارا اور محافظ بنالے۔

فرار ہونے کے بعد جن اذیت ناک اور جان لیوا مراحل سے پورا قبیلہ گزرا ہے تم اس کا اندازہ نہیں کرسکتے ایک عورت کے لئے تم نے اپنے قبیلہ اپنے والدین اور خدا کو ناراض کیا۔ تمہارے اقدام سے خونی جنگ شروع ہوئی جس میں قبیلہ کے کئی جن اپنی زندگی سے گئے۔

جبکہ تمہیں اچھی طرح یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات پر انسان کو برتر بنایا ہے۔ یعنی انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود تم نے اشرف مخلوق کی عزت کی دھجیاں بکھیر دیں، تم جذبات میں اندھے ہوچکے تھے جس کی وجہ سے ناقابل یقین اور ناقابل برداشت مراحل سے سب کو گزرنا پڑا۔ اب اگر تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو تو بلاجھجک کہہ سکتے ہو، مگر جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے بولنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بہرحال اگر تم چاہو تو بول سکتے ہو۔“ سردار نے کہا۔

سردار کی باتیں سن کر روشاک نے اپنی جھکی ہوئی گردن اٹھائی اور ایک اچٹتی سی نظر پوری محفل پر ڈال کر گویا ہوا۔ ”سردار! میں بلا ڈر وخوف یہ اقرار کرتا ہوں کہ میں نے آدم زادی سے محبت کی۔ اسے چاہا بلکہ اتنا چاہا کہ میں اس کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ میرے لئے وہ آدم زادی بہت عزیز ہے، اور اس کے آگے میرے لئے تمام اصول، تمام پابندی اور تمام قانون کی کوئی حیثیت نہیں۔

روشاک یہاں تک ہی بول سکا تھا کہ اچانک سردار مناش غضبناک طریقے سے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی دل دہلا دینے والی غصیلی آواز پوری محفل میں گونج گئی۔ ”بدبخت خاموش ہوجا! تو جذبات کی رو میں بہہ کر سوجھ بوجھ اور شعور سے بیگانہ ہوگیا ہے۔ تو دین اور دنیا دونوں کے لئے بوجھ بن گیا ہے، تو منافقوں اور کافروں سے بھی بدتر ہوگیا ہے۔ احکام شریعت سے انکار پر میں تجھ جیسے بے شمار اولادوں کو بھی قربان کرسکتا ہوں۔ احکام خداوندی سے انحراف کسی صورت بھی ناقابل معافی ہے۔“

اور پھر جس کٹہرے میں روشاک کھڑا تھا اچانک زبردست بجلی کوندی شعلہ بھڑکا اور روشاک کے پورے جسم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

نارنجی رنگ کا شعلہ اتنا زبردست تھا کہ روشاک کو چیخنے کا موقع تک نہ مل سکا اور پلک جھپکتے ہی روشاک جل کر کوئلہ میں تبدیل ہوگیا۔ اب کٹہرے میں روشاک کی جگہ سیاہ رنگ کی تھوڑی سی راکھ پڑی تھی۔

پھر سردار کی آواز سنائی دی۔ ”محافظو! کٹہرے میں موجود راکھ کو فوراً اٹھاؤ اور لے جاکر سمندر برد کردو۔“ سردار کی آواز سننا تھا کہ تین محافظ فوراً کٹہرے کی جانب لپکے اور کٹہرے میں موجود راکھ کو ایک کپڑے میں رکھ کر پوٹلی باندھی اور ایک طرف کو پرواز کرگئے۔

اب سردار کی حالت نارمل ہوگئی تھی۔ چہرے پر سے جلال ختم ہوگیا تھا مگر اب چہرے پر ملال نظر آرہا تھا۔ ویسے بھی چہرے پر ملال کیوں نہ نظر آتا۔ جواں سال بیٹا موت سے ہمکنار ہوچکا تھا۔ یہ تو فطری عمل ہے۔ اولاد کی موت ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ والدین کے لئے۔ سردار اب کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ پوری محفل پر ایک طرح کا جیسے سکتہ طاری ہوچکا تھا۔ سب کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔

رولوکا بھی اپنی کرسی پر خاموش گردن جھکائے ہوئے بیٹھا تھا۔

اتنے میں سردار اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور آسمان کی طرف اپنی شہادت کی انگلی اٹھائی اور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔ ”اللہ پاک گواہ رہنا میں نے کوئی ظلم نہیں کیا۔ میں نے جو کچھ بھی کیا، میری نظر میں یہی بہتر تھا۔ روشاک نے جذبات کے رو میں بہہ کر قانون شریعت سے منہ موڑا۔ اللہ تعالیٰ تو نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اس کو اس نے اذیت دی اور اس کی عزت پامال کی، سب سے بڑا جرم کہ فرار ہوکر کافر جنات کے قبیلے میں پناہ لی، دشمن کو ہمارے مقابلے پر اکسایا، ہزار ہا سال کے قبیلے کے قانون کو توڑا، قرآن اور احادیث کی روگردانی کی، مزید آگے شر پھیلاتا کہ اس کا نیست ونابود ہوجانا ہی بہتر ہوا۔

میرا دل مطمئن ہے کہ ایسی نافرمان اولاد سے بے اولاد رہنا ہی بہتر ہے۔ اس نے اپنے قبیلے کی نہیں بلکہ انسان کی بھی تذلیل کی اور قرآن میں بھی یہی لکھا

www.pdfbooksfree.pk

ہے کہ عزت پامال کرنے والے کو سخت سے سخت سزا دی جائے تاکہ لوگ عبرت پکڑیں۔ اللہ پاک اگر مجھ سے کوئی کوتاہی ہوگئی ہو تو میں تیرے آگے سجدہ ریز ہو کر معافی کا خواستگار ہوں۔ میری غلطیوں اور کوتاہیوں کو درگزر کر دینا۔" اور سردار نڈھال طریقے سے اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور بیٹھتے ہی آنکھیں بند کرلیں۔

اتنے میں رولوکا اپنی کرسی سے اٹھا اور سردار کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "سردار! آپ بہت عظیم ہیں، اوپر والے مالک کے بنائے ہوئے قانون کی پاسداری کرنے والے اچھا اجر پاتے ہیں۔ روشاک کو مارنا یا مروانے کی میری اپنی مرضی نہیں تھی۔ اگر میرا منشا اسے ختم کرنا ہوتا تو میں بہت پہلے اسے زندگی سے دور کر دیتا۔ مگر میں نے دیکھا کہ وہ ضدی ہی نہیں بلکہ بہت خودسر اور دین سے متنفر بھی ہوگیا تھا۔

اگر وہ اپنی غلطی پر پشیمان ہو جاتا تو میں خود بھی آپ سے بولتا کہ اسے ایسی سزا دیں کہ اسے تاحیات احساس رہے، اس سزا سے عبرت پکڑے اور آئندہ کبھی اپنی ہزار ہا سالہ زندگی میں احکام خداوندی کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائے مگر افسوس کہ......" اور رولوکا نے بات ادھوری چھوڑ دی کیونکہ سردار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔

"محترم و معزز رولوکا! ہم آپ کی رحم دلی کے قائل ہو چکے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ آپ روحانی طاقتوں پر کس قدر دسترس رکھتے ہیں۔ مگر مجھے قطعی دکھ اور افسوس نہیں کیونکہ مجھے اولاد سے زیادہ اپنے پیدا کرنے والے کی خوشنودی چاہئے۔

محترم رولوکا! میں تاحیات قلبی طور پر آپ کا احسان مانتا رہوں گا۔ کیونکہ آپ نے ہمارے قبیلہ کی مدد کی اور ہمیں ذلیل و رسوا بلکہ شکست فاش سے بچایا۔ ساتھ ہی روشاک کی شرانگیزیوں اور گناہوں کو سامنے لا کر مجھے بچایا۔ نہیں تو پتہ نہیں روشاک کتنے عرصہ تک آدم زادی اور اس کے گھر والوں کو اذیت ناک حالات سے دوچار رکھتا۔

میری اور میرے قبیلہ والوں کی آپ سے التجا ہے کہ آپ آئندہ بھی ہم سے ملاقات کرتے رہیں گے۔ میں اپنی ذات اور اپنے پورے قبیلہ والوں کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگر آپ ہمیں خدمت کا موقع دیں تو ہمیں بہت خوشی ہوگی۔" سردار نے التجائیہ انداز میں کہا۔

رولوکا بولا۔ "سردار! میں خود بھی آپ کی قدر کرتا ہوں اور زندگی بھر آپ کو یاد رکھوں گا، آپ جیسے بہت کم ایسے ہیں جو حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہیں، میری نظر میں آپ بہت عظیم ہیں، اب میں اجازت چاہوں گا کیونکہ ایک اور ضروری کام نمٹانا ہے اور جیسے ہی موقع ملا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ ویسے آپ جب چاہیں مجھ سے مل سکتے ہیں۔ آپ سے زیادہ دوری پر نہیں ہوں، میں آپ کے تمام قبیلہ والوں کی عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میری جب بھی ضرورت پڑے آپ بلا جھجک مجھے یاد کر سکتے ہیں۔" رولوکا نے سردار سے مصافحہ کیا اور ہاتھ اٹھا کر قبیلہ کے تمام جنات کو الوداع کہا اور پلک جھپکتے ہی اپنی جگہ سے غائب ہوگیا۔

رولوکا وہاں سے نکل کر حکیم وقار کے مطب نہیں گیا بلکہ وہ سیدھا خوشبو کے گھر آ گیا۔ خوشبو کے گھر سے تھوڑی دور آم کے ایک باغ میں نمودار ہوا۔ اس وقت کوئی باغ میں موجود نہیں تھا۔ باغ سے چلتا ہوا رولوکا خوشبو کے گھر کی طرف بڑھنے لگا۔

چند منٹ بعد ہی رولوکا خوشبو کے دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازے پر ایک سات آٹھ سالہ بچہ اپنی مستیوں میں مست تھا۔ رولوکا بولا۔ "بیٹا! آپ اندر جا کر ذرا دیکھیں۔ خوشبو کے والد عتیق صاحب گھر میں موجود ہیں۔ انہیں بتائیے گا کہ حکیم کامل آئے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

بچے نے کہا۔ "جی اچھا۔" اور گھر کے اندر چلا گیا۔

چند لمحے ہی گزرے تھے کہ خوشبو کے والد عتیق صاحب باہر آئے اور رولوکا کو دیکھ کر فوراً مصافحہ کیا اور بولے۔ "حکیم صاحب آپ اندر آئیں۔" بیٹھک کا دروازہ پہلے ہی کھل چکا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

عتیق صاحب کے ساتھ رولوکا کمرے میں آیا اور ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ عتیق صاحب بھی رولوکا کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئے اور بولے۔

"حکیم صاحب میں کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔ آپ کا ہم پر اور ہماری آنے والی نسلوں پر بھی احسان رہے گا۔ چند دنوں سے ہم بہت ہی خوشی محسوس کر رہے ہیں۔ کئی دن ہوگئے وہ جن پلٹ کر نہیں آیا، ورنہ وہ تو ہر روز بلاناغہ آ دھمکتا تھا۔

ہم آپ کا کسی صورت بھی احسان نہیں اتار سکتے۔ ہم اللہ کے حضور دعا ہی کر سکتے ہیں اور اس نیکی کا صلہ آپ کو اللہ تعالیٰ ہی دے گا۔ آپ جیسے لوگ دنیا میں بہت کم ملیں گے، مجھے لگتا ہے کہ اس جن کو آپ نے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا ہے ورنہ وہ آتا ضرور۔

آپ تشریف رکھیں میں خوشبو کو بلاتا ہوں، باقی تفصیل وہ خود آپ کے گوش گزار کرے گی۔" اور یہ بول کر عتیق صاحب اٹھے اور گھر کے اندر چلے گئے۔

چند پل میں ہی خوشبو جیسے بھاگتی ہوئی کمرے میں آئی اور رولوکا کو سلام کیا۔

رولوکا بولا۔ "خوشبو بیٹا جیتی رہو! اور تمہیں مبارک ہو۔"

"حکیم صاحب! آپ کس بات کی مبارک باد دے رہے ہیں، مجھے لگتا ہے کوئی اہم بات ہے، آپ کھل کر بتا دیں تو آپ کی مہربانی ہوگی۔" خوشبو بولی۔

"اچھا تم اطمینان سے بیٹھو! میں بتاتا ہوں۔" یہ سن کر خوشبو رولوکا کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی اور رولوکا کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

"اچھا خوشبو بیٹا! یہ بتاؤ کہ وہ بدبخت جن آیا تو نہیں؟" رولوکا نے کہا۔

خوشبو بولی۔ "جی حکیم صاحب! چند دن پہلے دن کے وقت بدحواس گھبرایا ہوا آیا تھا۔ حالت بہت مخدوش تھی۔ اس پر عجیب طرح کی کپکپی بھی طاری تھی۔ آتے ہی لڑکھڑاتی آواز میں بولا۔ "خوشبو اٹھو! چلو میرے ساتھ، تمہیں میں لینے آیا ہوں، فوراً اٹھو میرے پاس وقت بہت کم ہے، اگر تم رضامندی سے میرے ساتھ نہ گئیں تو میں تمہیں زبردستی اٹھا کر لے جاؤں گا۔"

میں خود اچنبھے میں تھی اور یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی، میرا حواس میرا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ اس کی باتیں سن کر جیسے مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا تھا، میں کیا کر سکتی تھی، میں تو چیخ کر کسی کو اپنی مدد کے لئے بلا بھی نہیں سکتی تھی۔ جب میں بے سدھ سی بستر پر ہی بیٹھی رہی تو وہ طیش میں آ گیا اور فوراً میری کلائی پکڑلی اور کرخت آواز میں بولا۔ "چلو اٹھو، جلدی کھڑی ہو جاؤ ورنہ......"

کہ اچانک کسی نادیدہ ہستی نے اس کے گال پر ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔ تھپڑ اتنا زبردست تھا کہ وہ چکرا کر گھوم گیا اور پھر کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا اور میں نڈھال سی بیٹھی رہی کہ اس وقت میری بہن کہکشاں کمرے میں آئی تو اس نے میری حالت دیکھ کر گھبرا گئی اور مجھے آواز دی تو پھر جیسے مجھے ہوش آیا۔

اتنے میں نیچے سے امی بھی کمرے میں آ گئی تھیں۔ امی کو دیکھ کر میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکی اور جھٹ ان کے گلے لگ کر زار و قطار رونے لگی۔ امی نے بہت تسلی دی اور پھر آپ کا حوالہ دیا کہ حکیم صاحب نے یقیناً ہم پر نظر رکھی ہوئی ہے، وہ کسی صورت بھی غافل نہیں ہو سکتے اور جہاں تک میرا خیال کہ وہ نادیدہ ہستی ضرور حکیم صاحب کی ہی مقرر کردہ ہوگی، تم فکر نہ کرو، اللہ تعالیٰ غفور الرحیم اور مسبب الاسباب ہے۔ اللہ کی ذات سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں۔" اس دن کے بعد اب تک وہ واپس نہیں آیا۔"

خوشبو نے یہیں تک بات کی تھی کہ اس کے والد کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے ایک ٹرے اٹھا رکھی تھی جس میں شربت سے بھرے ہوئے دو گلاس تھے۔ عتیق صاحب نے درمیان میں پڑی میز پر ٹرے رکھ دی اور صوفے پر بیٹھ گئے۔

عتیق صاحب کی طرف بھرپور نظروں سے دیکھتے ہوئے رولوکا نے کہا۔ "عتیق صاحب دراصل اس وقت

میرے آنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ میں آپ لوگوں کو یہ بتادوں۔

وہ جن زادہ جس کا نام روشاک تھا اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچ چکا ہے۔ آئندہ وہ کبھی بھی آپ لوگوں کو تنگ کرنے نہیں آئے گا۔

بد بخت بہت ضدی اور ہٹ دھرم تھا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ بہت جلد وہ آپ لوگوں کے راستے سے ہٹ گیا، اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ وہ مسلمان جنات قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اگر دیکھا جائے تو مسلمان جنات کے بڑے اہم بزرگ دین دار ہوتے ہیں با اصول اور باشعور بھی ہوتے ہیں۔ وہ کسی بھی انسان کے ساتھ کسی جن کی ناحق شرارت کو برداشت نہیں کرتے اور جو جن اپنی من مانی کرتا ہے اسے اس کے بزرگ قرار واقعی سزا بھی دیتے ہیں۔

اس اصول کے تحت اور چونکہ اس کے والد قبیلہ کے سردار بھی ہیں۔ اس کی زیادتیوں، شرانگیزیوں، احکام خداوندی سے انحراف اور پھر خوشبو کے ساتھ زیادتی کا بہت اثر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اس لئے اگر کوئی جن کسی اشرف اور وہ بھی مسلمان کو تنگ کرے تو یہ ٹھیک نہیں، اور وہ ہر حال میں سزا کا مستحق ہوتا ہے۔

خود اس کے والد نے اسے جلا کر خاکستر کردیا اور اس طرح اس کا وجود اس دنیا سے ختم ہوگیا اور پھر میں نے بھی آپ کے گھر کے چاروں طرف حصار قائم کردیا ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لہٰذا اب آئندہ کوئی بھی ماورائی مخلوق اس طرف کا رخ نہیں کرسکتی۔

عتیق صاحب اب آپ لوگ کھائیں پئیں خوش رہیں، آگے کی زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں ہیں اور ویسے بھی آئندہ اگر میری ضرورت پڑے تو میں حاضر ہوں۔

نماز پڑھ کر آپ لوگ میرے حق میں بھی دعا کیجئے گا، اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں چاہئے۔ میں نے آپ کا شربت پی لیا ہے۔ اب میں چلتا ہوں۔ مجھے ایک اور بھی ضروری کام سے جانا ہے اب مجھے اجازت دیں۔

خوشبو بیٹا! خوش رہو اور بے فکر ہو کر نئی زندگی کی شروعات کرو۔"

اس کے بعد رولوکا نے خوشبو کے سر پر ہاتھ رکھا، اور عتیق صاحب سے مصافحہ کرکے دلی حکیم وقار کے مطب کے لئے عتیق صاحب کے گھر سے نکل پڑا۔

☆......☆......☆

وقت مقررہ پر رولوکا صبح کے ساڑھے آٹھ بجے مطب میں پہنچا تو حکیم وقار اسے دیکھ کر مسکرانے لگے اور ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا۔ حکیم وقار بولے۔ "حکیم صاحب اور سنائیں کئی دن تو آپ اس قدر مصروف رہے کہ میں تو ملاقات کے لئے بھی ترس گیا تھا۔"

"جی! میں کیا بتاؤں! ایک ضدی جن سے واسطہ پڑ گیا تھا۔ کم بخت اپنی ہٹ دھرمی پر اڑا رہا، حالاں کہ میری خواہش تھی کہ وہ جس بچی پر عاشق ہوگیا ہے اس سے منہ موڑ لے اور توبہ وغیرہ کرکے دوبارہ اس طرف کا رخ نہ کرے مگر وہ تو مقابلہ کے لئے ڈٹ گیا، کسی صورت بھی بچی کی جان چھوڑنے پر رضامند نہیں تھا۔

لہٰذا آخر کار وہ اپنے انجام کو پہنچا یعنی وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اب وہ بچی اور اس کے گھر والے خیریت سے ہیں۔ چونکہ میں پل پل اس کی خبر لیتا رہا تھا، اس لئے وقت نہیں ملا کہ آپ سے ملاقات ہوسکے، میں کیا بتاؤں آپ کو تو پتہ ہے کہ کبھی کبھار کوئی مسئلہ ذرا ٹیڑھا آجاتا ہے تو وہ زیادہ محنت طلب ہوجاتا ہے۔

خیر آپ سنائیں، آپ ٹھیک تو ہیں ناں! اب آپ جلدی سے چائے منگوالیں، بہت دن ہوگئے آپ کے ساتھ چائے نہیں پی۔"

حکیم وقار نے ملازم کو بلا کر چائے کا آڈر دیا۔ چند منٹ میں ہی چائے آگئی۔ دونوں چائے پینے لگے۔ اتنے میں حکیم وقار بولے۔ "حکیم صاحب آپ کو یاد ہوگا کہ ایک صاحب آئے تھے غالباً ان کا نام تھا۔ پرتاب سنگھ، بہت بزرگ تھے۔

ان کی دلی خواہش تھی کہ آپ سے ملاقات کریں مگر آپ ان دنوں کچھ زیادہ ہی مصروف تھے لہٰذا انہوں نے اپنی ایک خودنوشت ڈائری دی تھی جس میں ان کے سارے تکلیف دہ حالات درج ہیں۔ اور وہ ڈائری میں نے آپ کو دے دی تھی۔

کل وہ صاحب دوبارہ آئے تھے۔ صبح دس بجے سے دوپہر ساڑھے تین بجے تک آپ کا انتظار کرتے رہے۔ بات کرتے کرتے کئی مرتبہ تو آبدیدہ بھی ہوئے۔

میں نے اندزہ لگایا ہے کہ وہ بے چارے بہت زیادہ پریشان ہیں کہہ رہے تھے۔ "کاش! کہ میں نوجوانی میں مرگیا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ روزانہ میں ایشور سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ ایشور اب تو مجھے اٹھالے، اب مجھ سے اپنا کربناک دکھ جھیلا نہیں جاتا۔"

ان کا کہنا ہے کہ میں نے اپنی ساری کہانی ڈائری میں لکھ دی ہے، آپ حکیم صاحب سے بولئے گا کہ مجھ پر دیا کریں اور مجھے اذیت ناک زندگی سے چھٹکارا دلادیں۔ میری دلی خواہش ہے کہ میں مرجاؤں۔ تاکہ اس دکھ سے میری جان چھوٹ جائے۔"

"ارے ہاں! یاد آیا، آپ نے وہ ڈائری مجھے دی تھی۔ اور میں نے اس کے چند صفحات پڑھے بھی تھے، مگر درمیان میں یہ عتیق صاحب کی بچی والا کیس آگیا، اور میں اس میں مصروف ہوگیا۔ خیر میں آج رات میں اس ڈائری کو مفصل پڑھوں گا۔ پھر حالات کے پیش نظر کوئی حتمی قدم اٹھاؤں گا۔" رولوکا بولا۔

تھوڑی دیر میں دونوں نے چائے پی لی۔ حکیم وقار کے پاس سے رولوکا اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا اور ادویات کے نسخے وغیرہ دیکھنے لگا۔ شام کے بعد وہ وقت مقررہ پر اپنے کمرے میں آگیا۔ کھانے وغیرہ سے وہ پہلے ہی فارغ ہوچکا تھا۔ کمرے میں آتے ہی اسے خیال آیا۔ "پرتاب سنگھ والی ڈائری نکالوں اور پڑھوں کہ دراصل مسئلہ کیا ہے؟"

رولوکا نے پرتاب سنگھ کی ڈائری نکالی اور پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔

"میں گاؤں سے شہر کالج میں آگیا اور بیتے ہوئے حالات اور واقعات کو فراموش کربیٹھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ میں پڑھائی میں مگن رہنے لگا۔ ایک کمرے میں ہم دو اسٹوڈنٹ رہتے تھے۔ میرے رومیٹ کو ہارر واقعات اور خوفناک ڈراؤنی کہانیاں پڑھنے کا بہت شوق تھا بلکہ اکثر اپنی ڈائری میں وہ خوفناک واقعات بھی لکھتا رہتا تھا۔

ایک دن میں نے اس کی ڈائری اٹھائی۔ اس وقت وہ کمرے میں نہیں تھا۔ دو دن کے لئے اپنے گاؤں گیا ہوا تھا۔ ڈائری کی تحریر میں نے پڑھنی شروع کی۔ لکھا تھا۔

ایک شخص ایک جنگل سے گزر رہا تھا، رات کا وقت تھا چاروں طرف گھپ اندھیرا مسلط تھا، آسمان پر کالے بادل منڈلا رہے تھے۔ ہوا بند تھی درختوں کے پتے بھی شاید دم سادھے پڑے تھے۔ سارے جنگل میں جان لیوا خاموشی طاری تھی۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔ رات کا اندھیرا اور خاموشی اس شخص کے دل پر آہستہ آہستہ اپنا اثر جمارہی تھی اور ایک طرح کا انجانا خوف اس کے دل میں اترتا جارہا تھا حالاں کہ وہاں اس کے علاوہ کوئی اور نہ تھا لیکن پھر بھی وہ مسافر خوف بھری نظروں سے چاروں طرف دیکھتا ہوا تیز تیز قدم اٹھارہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ اسے احساس ہونے لگا کہ کوئی ہے جو کہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔

وہ سامنے چلتے چلتے رک گیا اور مڑ کر پیچھے دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ اس نے اپنے بائیں طرف دیکھا تو اس طرف بھی کوئی نہ تھا مگر جب اس نے دائیں طرف دیکھا تو اس طرف کچھ تھا...... شاید کوئی عورت تھی۔ جو اپنے لمبے بال بکھرائے کھڑی تھی۔ مسافر کا دل ہولنے لگا۔ دفعتاً ہوا چلنے لگی اور پھر عورت پاگلوں جیسی سر دھنے لگی۔

"اوہ بھگوان! یہ تو چڑیل ہے۔" مسافر دل ہی دل میں بولا۔

اس نے وہاں سے بھاگ جانا چاہا لیکن اس کے پیروں سے جیسے کسی نے...... کئی کئی من کے وزنی پتھر باندھ دیئے ہوں۔ وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ

www.pdfbooksfree.pk

ہل سکا۔ وہ اپنی نظریں اس پر گاڑے رہا جو اس کے خیال میں کوئی چڑیل تھی۔ مسافر کی پیشانی سے موٹے موٹے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے تھے اور اس کا خون منجمد ہونے لگا تھا۔

''کیا بزدلی ہے!'' اس نے اپنے آپ سے کہتے ہوئے اپنی ہمت بندھائی۔ دنیا میں بھوت چڑیل جیسی کوئی چیز نہیں۔ خواہ مخواہ من گھڑت باتیں ہیں۔

وہ مسافر جانتا تھا کہ نہ تو دنیا میں بھوت ہیں اور نہ چڑیلیں تاہم اسے وہ نظر آ گئے جسے وہ چڑیل سمجھے ہوئے تھا۔ وہ ایک بلند جھاڑی تھی جس سے ایک بیل لپٹی ہوئی تھی۔ مسافر کا دل چاہا کہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے لیکن وہ ایسا نہ کر سکا، وہ قہقہہ لگاتے ہوئے ڈر رہا تھا۔

دفعتاً ایک بڑا الو قریب کے درخت سے پھڑ پھڑا کر اڑا اور مسافر کے سر سے ٹکراتا ہوا نکلتا چلا گیا۔

مسافر کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی، وہ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر بھاگ وہاں سے اپنے گھر کی طرف اور جب اسے اپنے آپ کو بستر پر ڈالا تو اس کا بدن بخار میں پھنک رہا تھا۔ وہ کئی روز تک بخار میں مبتلا رہا اور جب تک وہ پوری طرح سے تندرست نہ ہو گیا بھوتوں اور چڑیلوں کے متعلق بکتا اور نہایت ہی بھیانک آواز میں چیختا رہا جیسے کوئی اسے مار ڈال رہا ہو۔

بے شک وہ مسافر اور اس کا قصہ فرض ہے لیکن اس سے تو کسی کو بھی انکار نہ ہوگا کہ ایسا جیسا کہ اس مسافر نے محسوس کیا۔ ''ایسا واقعہ تو زیادہ تر لوگوں نے اکثر مرتبہ نہیں تو ایک آدھ مرتبہ تو ضرور محسوس کیا ہوگا۔

بھوتوں، چڑیلوں اور خبیثوں وغیرہ سے انسان نے اس وقت سے ڈرنا سیکھا ہے جب وہ غاروں میں رہتا تھا اور اسی وقت سے انسان اس ناقابل فہم مخلوق سے جس کا دراصل کوئی حقیقت نہیں مگر انسان اس وقت سے ڈرتا آیا ہے۔ چاہے سائنس جتنی ترقی کر لے انسان بھوتوں، چڑیلوں سے ڈرتا رہے گا۔ انسان میں اس خوف کی جڑیں بہت گہری ہوئی ہیں اور دنیا کے اس دور تک پہنچتی ہیں جسے کہ تاریک دور کہتے ہیں۔ خوف! وہم سے بڑھ کر حقیقت میں تبدیل ہو چکا ہے۔ افریقہ کے وحشیوں کی بات تو دور ہے کیونکہ یہ لوگ تو بھوتوں کی دنیا میں جیتے ہیں۔

لیکن مہذب دنیا والے بھی اس وہم میں ان وحشیوں سے پیچھے نہیں ہیں۔

یہ بات مشہور ہے کہ کالی بلی اور کالا کتا بھوت ہوتا ہے اور ہندوؤں کے یہاں جب کوئی بے موت مرتا ہے تو وہ راکشش بن جاتا ہے اور زندہ انسانوں کو ستایا کرتا ہے اور بسا وقت اپنے دشمنوں کا خون تک پی جاتا ہے۔ یہی راکشش انگریزی زبان میں ویمپائر کہلاتا ہے۔

انسان کا وہم اب وہم نہیں رہا بلکہ یقین میں بدل گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اندھیرے، بند کمروں، مدت سے خالی پڑے ہوئے مکانوں اور سنسان کھنڈروں وغیرہ میں اکثر لوگ جاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اگر ہر شہر میں نہیں تو اکثر دیہاتوں میں ایسے گھر موجود ہیں جہاں وہ رہتے ہیں چنانچہ ایسے خالی گھروں میں رہتے ہوئے خوف کھاتے ہیں اور ڈرتے ہیں۔

زمانہ قدیم کے برے یا اچھے کے دیوتاؤں کو اگر راضی یا خوش نہ کیا جاتا تو وہ انسانوں پر تباہی نازل کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ انہیں خوش کرنے کے لئے انسان خود انسان کو ان پر بھینٹ چڑھا دیتا تھا۔ افریقہ اور کئی جگہوں پر اب بھی یہ رسم جاری وساری ہے۔

برے یا شیطان دیوتا دراصل کسی کی بدروح ہوتے تھے اور چونکہ روح کی جان ہوتی ہے اور جان! خون کے بغیر نہیں رہ سکتی اس لئے ان دیوتاؤں کو خون کی پیاس ہوتی ہے یعنی زندہ رہنے کے لئے انسانوں کو ان پر بھینٹ چڑھا کر ان دیوتاؤں کی پیاس بجھائی جاتی تھی یا بجھائی جاتی ہے۔

اگر بدروح کو خون نہ ملے تو ظاہر ہے کہ وہ خفا ہو جائے اور پھر اس کی خفگی قحط، سیلاب یا کسی وبائی امراض کی شکل میں ظاہر ہو کر انسانوں کو برباد کر دیتی۔

دریائے نیل کی بھی ایک بدروح تھی۔ جسے خوش رکھنے کے لئے مصری ہر سال ایک کنواری لڑکی کو دریا میں

غرق کر دیتے تھے۔ مصریوں میں یہ رسم اس وقت تک جاری رہی جب تک کہ مسلمانوں نے مصر کو فتح نہ کیا۔ قحط سالی کا خوف سب سے بڑا خوف ہے چنانچہ انسان کو بھینٹ چڑھا گیا، رسم عموماً بیج بونے کے موسم میں ادا کی جاتی تھی کہ دیوتا خوش ہوں اور غلہ خوب پیدا ہو۔ لہٰذا سرسبز اور شاداب وادی کی پرپیچ گھاٹیوں میں بسے لوگ راہگیروں کو اغوا کر لیتے اور لے جا کر انہیں قتل کر دیتے تھے اور پھر جشن مناتے تھے کہ ہمارے اس اقدام سے دیوتا خوش ہوگا اور ہماری زندگی پرتعیش گزرے گی۔

یہی نہیں بلکہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی نوجوان لڑکے کو اغوا کر لیتے تھے اور پھر اس لڑکے کو ایک جگہ کھڑا کر دیتے اور اس لڑکے کے جسم میں مختلف جگہوں پر چھید کر دیتے تھے جس سے لڑکے کے جسم کا سارا خون نیچے کی طرف بہنا شروع ہو جاتا۔ اس خون کو لوگ ایک بڑے برتن میں جمع کر لیتے تھے۔ اور پھر اس خون کو کھیتوں میں چھڑک دیا کرتے تھے تا کہ اس عمل سے دیوتا خوش ہو کر غلہ میں فراوانی کر دے۔ کئی ملک اور علاقوں میں بھینٹ چڑھانے کا رواج آج بھی ہے۔

لیکن انسانی بھینٹ چڑھانے کی رسم جس جگہ اور جس قبیلہ میں سب سے زیادہ ہے۔ وہ بنگال کا ایک ڈراویڈی قبیلہ کھنڈ ہے اس کی تفصیل یوں ہے کہ بھینٹ ایک دیوی پر چڑھائی جاتی تھی۔ بھینٹ کی شرط یہ ہوتی تھی کہ ایسا لڑکا یا ایسی لڑکی جو کہ بھینٹ کے لئے وقف ہو۔ بھینٹ چڑھانے سے پہلے اس لڑکے یا لڑکی کو افیون کھلاتے تھے جس سے وہ اپنا حواس کھو بیٹھتا تھا اور ہاتھ پیر نہیں مارتا تھا۔ لہٰذا بھینٹ چڑھانے والا پیشوا ایک تیز دھار چھرے سے اس کا شہہ رگ کاٹ دیتا تھا اور یوں دیوی کو خون پیش کرنے کے لئے دیوی کو خوش کیا جاتا تھا۔

خونی آتما، آسیب یا خونی بلا کون بنتا ہے۔ تو خونی آتما یا بلا چند خاص قسم کے مردے بنتے ہیں۔

یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ خونی آتما یا بلا وہ بنتے ہیں جو کہ بے موت مرے ہوں۔ جس نے خودکشی کر لی ہو، جو زندگی میں برے کام کرتا ہو اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے اپنی خواہشات اور آرزوئیں پوری کرتا ہو۔ وہ جس کی کوئی آرزو پوری نہ ہوئی ہو اور مرتے وقت جس کی جان کسی چیز میں اٹک رہی ہو اور جان بڑی مشکل سے نکلی ہو اور پھر بلا وہ لوگ بھی بنتے ہیں جو اپنے والدین کو خوش نہ رکھتے ہوں اور جنہیں والدین نے بددعا دی ہو مثلاً بددعا دی جاتی ہے کہ ''کم بخت کو مرنے کے بعد بھی چین نہ ملے اور اس کی روح بھٹکتی رہے گی۔'' تو ایسی ہی روحیں دراصل خونی بلا بن جاتی ہیں۔

آج بھی یونان کی سلافی اقوام میں خونی روح کا محکم یقین موجود ہے اور یہ لوگ آج بھی راتوں میں ترکیبیں استعمال کرتے ہیں جو ان کے خیال میں خونی روح کو دور رکھ سکتی ہیں۔ جب کوئی سلافیوں میں مرتا ہے تو اسے دفن کرتے وقت خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ وہ خونی روح نہ بننے پائے اور جب وہ خونی روح قبر سے نکل پڑتی ہے تو وہ سب سے پہلے اپنے دشمن کا خون پیتی ہے چاہے وہ دشمن اس کے گھر کا ہی کیوں نہ ہو، اس کے بعد وہ اپنا دائرہ بڑھاتی ہے اور پھر اسے جو بھی اندھیری رات میں اکیلا مل جاتا ہے تو وہ اس کا خون پی جاتی ہے۔ سلافی لوگ خونی روح سے بچنے کے لئے طریقہ استعمال کرتے ہیں جب مردہ دفنایا جاتا ہے تو ایک خاص قسم کی لکڑی کا ایک نوکدار کھونٹا بناتے ہیں اور جب مردے کو قبر میں لٹا دیا جاتا ہے تو اس کھونٹے کو مردے کے دل کے اوپر والی جگہ پر رکھ کر اس زور سے اس کھونٹے پر ضرب لگاتے ہیں کہ وہ کھونٹا ایک ہی ضرب میں مردے کے دل کو چیرتا ہوا پشت پر نکل جائے۔

چین میں مشکوک لاشوں کو کھلی فضا میں سڑنے گلنے اور خشک ہونے کے لئے رکھ دیا جاتا تھا اور اگر مردے کو دفن کر دیا جاتا تو ذرا سے شک کی بنا پر قبر کو کھول کر لاشیں نکال لی جاتی تھیں اور پھر انہیں جلایا جاتا اس کے بعد ساری راکھ دریا میں بہا دی جاتی تھی۔ اور اکثر قبروں کے چاروں طرف چاول سرخ مرچ اور لوہے کے ٹکڑے بکھیر دیئے جاتے تھے کہ خونی روح ان چیزوں کے اوپر سے

www.pdfbooksfree.pk

نہیں گزر سکتی اور پھر مجبور ہو کر وہ خونی روح قبر سے باہر نہیں نکل سکتی بلکہ وہ قبر میں قید ہو کر رہ جاتی تھی۔

خونی بلا سے بچنے کے لئے چند خاص منتروں، مقدس علامتیں مثلاً صلیب، ہلال، ترشول کا نشان، سونے چاندی اور پتھروں کے دانے یا سچے موتی، تعویذ گنڈے، آج بھی کئی ممالک میں استعمال ہوتے ہیں جہاں کے لوگ خونی بدروحوں سے ڈرتے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے اور تسلیم کرلیا گیا ہے کہ ویمپائر کسی جوان بیوہ یا کنواری لڑکی سے جنسی تعلق قائم کرسکتا ہے اور کرلیتا ہے۔ بادل دھوئیں یا کسی اور روپ میں اپنی خواہش پوری کرنے آتا ہے۔

دور جانے کی ضرورت نہیں اکثر اپنے گھر میں اکثر محلوں میں کسی پیر صاحب کو کسی مریضہ کے متعلق چند خاص باتیں یا خاص قسم کے فقرے کہتے ہوئے سننے میں آتے ہیں۔

''فلاں لڑکی پر املی کا بھوت آیا ہوا ہے۔''

''کنوارے پن میں عاشق ہوا تھا۔ ہائے بے چاری کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ جب اس پر عاشق نامراد آسیب آتا ہے تو بے چاری کپڑے پھاڑ کر ننگی ہو جاتی ہے۔

اور اگر آسیب مرد نہیں عورت ہوتی ہے جسے عام طور پر چڑیل کہتے ہیں۔ تو وہ مردوں سے جنسی تعلقات قائم کرتی ہے۔'' اکثر ایسے فقرے سننے میں آتے ہیں۔

''بھلا چنگا آرہا تھا کہ راستے میں قبرستان کے قریب اسے وہ چمٹ گئی۔ کون؟

''ارے وہی الٹے پیروں والی۔''

یہ بات مشہور ہے کہ چڑیل کے پیر الٹے ہوتے ہیں۔

کیا گبرو جوان تھا۔ پہاڑ جیسا کڑیل، کم بخت دیکھتے ہی دیکھتے اسے کھا گئی۔ سوکھ کر کانٹا ہو رہا۔''

بھوت، چڑیل، آسیب، خبیث، خونی آتما، یا پھر ویمپائر اس قسم کی تمام باتیں کمزور عقائد لوگوں کے ہیں۔ حقیقت سے ان کا دور کا واسطہ نہیں۔

''حکیم صاحب دوست کی ڈائری میں یہیں تک لکھا تھا۔''

بہرحال ان تمام باتوں کو پڑھ کر میں یکدم سناٹے میں آ گیا اور پھر مجھے اپنے بھائی کے ساتھ پیش آنے والے حالات اور واقعات دماغ میں گردش کرنے لگے۔

جنگل میں ہرن کا نظر آنا، گولی لگنے کے بعد ہرن کا بھاگنا اور پھر بھائی نے کچھ دور جا کر اس ہرن کو دبوچ لیا، پھر بھائی کا بے ہوش ہونا، بھائی تک جب ہم پہنچے تو دیکھا کہ ایک عجیب الخلقت آدمی کا کٹا ہوا سر قریب ہی پڑا تھا۔ ہم کسی نہ کسی طرح بھائی کو گھر لے آئے۔ پتا جی نے پنڈت جی کو بلایا۔

پنڈت جی آئے تو انہوں نے کٹورے کے پانی پر کوئی منتر پڑھ کر بھائی کے چہرے پر چھڑکا تو اچانک بھائی غراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے منہ سے نکلا۔ ''او پنڈت تو ترنت بھاگ جا نہیں تو تیرا منکا توڑ کر رکھ دوں گا۔ تو نہیں جانتا میرا نام ''ماندرا'' ہے۔ اس بالک نے بہت بڑی غلطی کی ہے، میں ہرن کے روپ میں تھا کہ اس نے مجھ پر گولی چلا دی۔ پھر بھی میں بھاگا لیکن اس نے مجھے دبوچ لیا اور میری گردن پر چھری چلانا ہی چاہتا تھا کہ میں اپنی اصل جون میں آ گیا۔''

اس کے بعد بھائی کے منہ سے نکلا۔ ''میں اس بالک کو چھوڑ سکتا ہوں۔ لیکن ایک شرط پر۔ اور شرط یہ ہے کہ ترنت بیس بکروں کی بھینٹ دی جائے۔''

اور جب بیس بکروں کا بھینٹ دیا گیا تو بھائی بالکل ٹھیک ہو گئے۔

حکیم صاحب! اور پھر ایک وقت آیا کہ میرا دل پڑھائی سے اچاٹ ہو گیا اور میں پڑھائی چھوڑ چھاڑ۔ فوراً گاؤں میں آ گیا۔ میں اکیلا کھیت کھلیانوں میں گھومنے لگا۔ ایک روز میں ایک باغ میں اکیلا بیٹھا تھا کہ اچانک ایک اپسرا جیسی سندر سی سندری میرے سامنے آ گئی اور میری آنکھیں جیسے اس کی سندرتا میں کھو گئیں۔ مجھے اپنا کوئی ہوش نہ رہا اور جب ہوش آیا تو......''

(جاری ہے)

www.pdfbooksfree.pk

گمشدہ جزیرہ

ساجدہ راجا۔ ہنڈواں سرگودھا

کمرے میں ملگجی روشنی پھیلی تھی اور ایک عجیب الخلقت وجود بھی موجود تھا خاتون کی کلائی سے بھل بھل بہتے خون کو اس عجیب الخلقت وجود نے اپنی زبان لمبی کرکے تیزی سے چاٹنا شروع کردیا اور پھر اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔

جسم میں گردش کرتی لہو کو منجمد اور دماغ پر لرزا طاری کرتی......ایک خوف ناک کہانی

میرا نام ایڈم ہے اور میں امریکہ نیویارک میں رہائش پذیر ہوں۔ مجھے سیر و سیاحت کا حد سے زیادہ شوق ہے۔ پیسوں کی مجھے کمی نہیں کیونکہ مام اور ڈیڈ اپنی زندگی میں ہی میرے نام اتنا کچھ کر گئے تھے کہ میں ساری زندگی بیٹھ کے بھی کھاتا تو وہ ختم نہ ہوتا۔ پھر زندگی نے انہیں مہلت ہی نہ دی اور وہ ایک ٹریفک حادثے میں اس دنیا سے منہ موڑ گئے۔ میں اس بھری دنیا میں خود کو اکیلا محسوس کرنے لگا۔ گرینی آنٹی جو میرے پاس رہتی تھیں۔ مجھے ایک سڑک پہ نہایت سردی میں ٹھٹھرتی ہوئی ملی تھیں اور میں انہیں اپنے گھر لے آیا تھا جس سے میرا تنہائی کا احساس کچھ کم ہوا تھا اور میں اتنے بڑے گھر میں خود کو اکیلا نہیں محسوس کرتا تھا۔

گرینی آنٹی بہت محبت کرنے والی خاتون تھیں میرے ساتھ وہ یوں گھل مل گئیں جیسے برسوں سے ہمارا

ساتھ ہو مجھے مام ڈیڈ یاد تو آتے تھے لیکن ان کی یاد کی شدت کافی حد تک کم ہوگئی تھی گرینی آنٹی کے ساتھ میرا وقت بہت اچھا گزرنے لگا اور میں انہی کے کہنے پر انہیں گرینی آنٹی کہتا تھا۔

انہیں ہر چیز کے بارے میں اتنی معلومات ہوتیں کہ میں حیران رہ جاتا۔ جب مجھے کسی چیز کے بارے میں جاننا ہوتا تو میں انٹرنیٹ یوز کرتا تھا لیکن اب مجھے آنٹی سے اتنی معلومات مل جاتی تھیں کہ نیٹ کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی تھی۔ ایک بات تو میں بتانا بھول ہی گیا کہ آنٹی کی شخصیت میں کچھ نہ کچھ پراسراریت ضرور تھا جسے میں نے بہت بعد میں جانا تھا۔ اکثر جب میں رات کو گہری نیند میں ہوتا تو بغیر کسی وجہ سے میری آنکھ کھل جاتی اور پھر مجھے بہت عجیب سی آوازیں سنائی دینی شروع ہو جاتیں۔ جنہیں میں اپنی کم عمری کی وجہ سے اگنور کر دیا کرتا تھا۔

ایسی ہی ایک رات جب شدید پیاس سے میری آنکھ کھلی تو میں نے سائیڈ ٹیبل پر نظر دوڑائی۔ پانی کا جگ خالی تھا۔ ”شاید آنٹی پانی رکھنا بھول گئی تھیں۔“

میں یہ سوچ کر بیڈ سے اتر آیا کہ خود جا کر کچن سے پانی پیتا ہوں جب میں آنٹی کے کمرے کے پاس سے گزرا تو مجھے کچھ عجیب سا محسوس ہوا لیکن میں غور کیئے بغیر آگے بڑھ گیا، جب میں کچن سے واپس آ رہا تھا تو آنٹی کے کمرے کے پاس سے گزرتے ہوئے مجھے ایسی آواز سنائی دی کہ میں سر تا پا لرز گیا۔ بہت بھدی اور کرخت آواز تھی، الفاظ تو مجھے سمجھ نہیں آ رہے تھے لیکن اتنا محسوس ضرور ہو رہا تھا کہ کوئی بہت مودب انداز میں آنٹی سے بات کر رہا ہے، اس کے باوجود اس کی آواز بہت ہیبت ناک تھی وہ زبان میری سمجھ سے بالاتر تھی میں ڈرتے ڈرتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور سر تا پیر کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا۔ شدید سردی کے باوجود میرا جسم پسینے میں بھیگ گیا۔ نہ جانے رات کے کس پہر میری آنکھ لگ گئی۔

صبح اٹھا تو وہ واقعہ میرے ذہن سے تقریباً محو ہو چکا تھا۔ بہر حال اس کے بعد میں روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو گیا اور اس کے بعد میری زندگی میں بہت سے ایسے واقعات رونما ہوئے کہ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ میرے ساتھ کچھ نہ کچھ پراسرار حالات ضرور رونما ہو رہے ہیں اور یہ سب اسی رات کے بعد شروع ہوا تھا۔ جس رات میں نے گرینی آنٹی کے کمرے سے وہ پر ہیبت آواز سنی تھی۔

وہ دن میرے لئے اس لحاظ سے اہم تھا کہ ہم تین دوستوں نے سمندر میں موجود اس جزیرے کی سیر کا پروگرام بنایا، جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ جزیرا صدیوں سے یوں ہی ویران پڑا ہے، وہاں کچھ نہ کچھ ایسا ضرور تھا کہ کوئی وہاں جانا پسند نہیں کرتا تھا اور جو گیا وہ شاذ و نادر ہی واپس آیا۔

میرے دوستوں نے اس کے متعلق معلومات کیں تو انہیں اس جزیرے کے متعلق بہت سی معلومات حاصل ہوئیں اور انہیں اس میں ایسا کچھ نظر آیا جو کسی مافوق الفطرت واقعات کی طرف اشارہ کرتا، ویسے بھی یہ سائنسی دور ہے اب ایسی باتیں توہم پرستی کی جانب مائل کرتی ہیں۔

بہر حال جانے سے پہلے میں گرینی آنٹی کو آگاہ کیا تو ان کا ردعمل شدید تھا وہ کسی صورت میرے اس جزیرے پر جانے کے حق میں نہیں تھیں، ان کے چہرے پر زلزلے کے سے آثار تھے لیکن میں بھلا کہاں رکنے والا تھا۔

دوسری صبح ہماری روانگی تھی اور اس سے ایک شام پہلے کی بات ہے۔ آنٹی سر شام ہی اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھیں، انہوں نے سختی سے مجھے منع کیا تھا کہ میں نہ تو انہیں ڈسٹرب کروں اور نہ ہی کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کروں، میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

لیکن جب وہ کمرے میں بند ہوئیں تو اس کے چند لمحوں بعد ہی میں لان سے ملحقہ کمرے کی کھڑکی کے پاس پہنچ گیا اور اس کو آہستگی سے آگے کی طرف دھکیلا تو اس میں ہلکی سی درز پیدا ہو گئی، اتنی کہ میں باآسانی نظر ڈال سکوں کہ کمرے میں کون کون موجود ہے......؟

پھر اک بہت عجیب اور ڈراؤنا منظر میری آنکھوں نے دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ گرینی آنٹی کے آگے ایک انسانی گوشت سے خالی کھوپڑی رکھی ہوئی ہے جس کی

آنکھوں سے آگ سی نکلتی محسوس ہو رہی تھی اور اس کھوپڑی سے کچھ ہی آگے ایک ایسا آدمی، جسے آدمی کہنا بھی غلط ہے، موجود تھا اس کی شکل اتنی ڈراؤنی تھی کہ میں چند لمحے میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ وہ اجنبی زبان میں آنٹی سے بات کر رہا تھا۔ آنٹی اس سے سخت لہجے میں کچھ کہہ رہی تھیں اور وہ انکار میں سر ہلا رہا تھا۔

اچانک آنٹی نے اپنے پاس رکھی تیز دھار چھری اٹھائی اور اپنی کلائی پر کٹ لگایا۔ خون بھل بھل بہنے لگا۔

میں نے دیکھا کہ خون کو دیکھتے ہی اس عجیب الخلقت وحشی پر جنون سا طاری ہو گیا، وہ آگے بڑھا اور جھپٹ کر آنٹی کی کلائی پکڑ لی اور بہتا ہوا خون اس کے منہ میں جانے لگا اور پھر جو خون فرش پر گرا تھا اس کو بھی اپنی لمبی زبان سے چاٹ لیا۔ اس کے بعد وہ واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

آنٹی نے زخم والی جگہ پر کس کر پٹی باندھی، اس کے بعد آنٹی نے اس ہیبت ناک آدمی سے جو بات بھی کی تو اس نے اثبات میں سر ہلایا اور کچھ دیر بعد وہ اپنی جگہ سے غائب ہو گیا۔ اس کے غائب ہوتے ہی میں جلدی سے اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

”کچھ ہی دیر گزری تھی کہ آنٹی میرے کمرے میں داخل ہوئیں۔ نقاہت ان کے چہرے سے ظاہر تھی، میں نے جلدی سے انہیں بیڈ پر بٹھایا اور انہیں پانی کا گلاس پیش کیا جنہیں وہ ایک ہی سانس میں غٹاغٹ پی گئیں۔ جب وہ ذرا سکون سے ہوئیں تو میں نے ان سے طبیعت کی خرابی کی وجہ پوچھی تو وہ ٹال گئیں جبکہ وہ نہیں جانتی تھیں کہ میں سب کچھ دیکھ چکا ہوں۔ پھر انہوں نے مجھے اس جزیرے پر جانے سے روکا تو نہیں لیکن نصیحتیں ضرور کیں اب ان کے چہرے پر مجھے کافی اطمینان نظر آ رہا تھا جیسے کوئی بوجھ ان کے سر سے ٹل گیا ہو۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ پراسرار علوم پر بھی دسترس رکھتی ہیں لیکن اس کا مجھے پہلے کوئی علم نہیں تھا۔

بہر حال میں نے انہیں تسلی دی کہ ہم اپنی حفاظت کا مکمل بندوبست کر کے جا رہے ہیں انہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میری بات پر انہیں اطمینان تو ہوا لیکن یہ تو مجھے بعد میں پتہ چلا تھا کہ وہ اتنی مطمئن کس بات پر تھیں......؟

وقت مقررہ پر ہم تینوں دوست بوٹ پر سوار اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔ موسم بہت خوشگوار تھا ہلکی ٹھنڈی ہوا روح کو تازگی بخش رہی تھی۔ بوٹ کے آس پاس بہتا ہوا نیلگوں پانی بہت حسین لگ رہا تھا۔ اس جگہ سمندر اتنا شفاف تھا کہ پانی کے نیچے موجود ہر شے واضح نظر آ رہی تھی چونکہ ہوا کا رخ بھی اسی طرف تھا جدھر ہم جا رہے تھے اس لئے ہم نے سوچا کچھ دیر بوٹ کو بند کر کے سمندر کے حوالے کر دیا جائے اور زیر آب مناظر سے لطف اٹھایا جائے۔ چنانچہ بوٹ کو بند کر دیا گیا تو وہ خراماں خراماں ہوا کے زور پر آگے بڑھنے لگی اور ہم تینوں مکمل طور پر انجوائے کر رہے تھے۔

سمندر کے شفاف پانی کے نیچے کے مناظر اتنے خوب صورت تھے کہ ہم تینوں اردگرد سے مکمل بے نیاز تھے۔ اچانک میں چونک پڑا۔ میں نے پانی کے نیچے کوئی چمکتی ہوئی چیز دیکھی تھی۔ میں نے باقی دونوں دوستوں کو ادھر متوجہ کیا تو وہ بھی حیران ہو گئے۔ وہ گول سی کوئی پتھر نما چیز تھی جو ایک سمندری جھاڑی کے پاس پڑی چمک رہی تھی۔ ہم تینوں متجسس ہو گئے، آخر طے ہوا کہ چارلس آکسیجن ماسک پہن کر نیچے جائے اور وہ چیز لے کر آئے۔

چارلس نے ماسک پہن کر سمندر میں چھلانگ لگائی اور اس چمکتی ہوئی چیز کی طرف بڑھنے لگا۔ میں اور سولنگی اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔ چارلس اس چیز کے قریب پہنچ گیا اور اسے ہاتھ میں اٹھا کر واپس بوٹ کی طرف آنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ بوٹ میں مجھے اور سولنگی کو وہ چیز دکھا رہا تھا، نہ تو وہ کوئی ڈائمنڈ تھا اور نہ ہی سچا موتی، وہ پتھر نما تھا لیکن بہت خوب صورت اور اس کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ ہم نے کچھ دیر اسے دیکھنے کے بعد اپنے سامان میں رکھ لیا تاکہ جزیرے سے واپسی پر اس کا اچھی طرح معائنہ کر سکیں۔

بہر حال رات ہونے میں ابھی وقت تھا۔ ہم نے بوٹ کا انجن خودکار پر سیٹ کر دیا، تاحد نظر سمندر ہی سمندر تھا اور دور تک پھیلی عجیب سی ویرانی۔ ہم پہلی بار سمندر کے

www.pdfbooksfree.pk

اس دور دراز سفر پر روانہ ہوئے تھے جہاں آبی جہازوں کی آمدورفت نہیں تھی۔ ہم تینوں اس ماحول کی ویرانی کو اپنے اندر اترتا محسوس کررہے تھے۔ اب ہمیں پتہ چلا تھا کہ شام کا وقت سمندر میں کتنی اداسی لے کر آتا ہے۔

ہم تینوں خاموش تھے ماحول نہ جانے کیوں بوجھل سا ہوگیا تھا۔ دن کو حسین تر لگنے والا سمندر رات میں عجیب سی ہولناک خاموشی میں ڈوبا بہت پراسرار لگ رہا تھا۔ بوٹ تیزی سے اپنے سفر پر رواں دواں تھی۔ نقشے کے مطابق ہمیں کل تک اس جزیرے پر پہنچ جانا تھا، شاید جزیرے کے مطابق سنی گئی باتیں ہمارے اعصاب پر سوار ہوگئی تھیں۔ اس وجہ سے ماحول بہت پراسرار سا لگ رہا تھا۔ اب شام کا اندھیرا ہر سو چھایا رہا تھا۔

اس ہولناک خاموشی کو سولنگی کی آواز نے توڑا جو ہمیں کھانا کھانے کے لئے کہہ رہا تھا۔ ہم دونوں خاموشی سے کھانا کھانے میں مصروف ہوگئے۔ کھانے کے ساتھ ہی چارلس نے میوزک آن کردیا جس نے ماحول کے بوجھل پن کو کافی حد تک دور کردیا، کھانے کے بعد کافی کا دور چلا جس کے بعد ہمیں نیند آنے لگی۔ انجن کو خود کار پر سیٹ کرنے کے بعد ہم سونے کے لئے لیٹ گئے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا نے ہمیں جلد ہی نیند کی وادی میں لا پھینکا اور ہم اردگرد سے بیگانے ہوکر نیند کی وادی میں اترتے چلے گئے۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب ہماری بوٹ کو ایک زور دار جھٹکا لگا ہم تینوں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے پھر تو جھٹکوں کا ایک طوفان آ گیا۔ ہماری بوٹ کو مسلسل جھٹکے لگ رہے تھے اس کی وجہ ہمیں جلد ہی سمجھ آ گئی۔

ایک بہت بڑی شارک ہماری بوٹ کے آس پاس منڈلا رہی تھی اور ذرا ذرا دیر بعد اپنی دم اتنی زور سے بوٹ پر مارتی کہ بوٹ جھٹکا کھا کر رہ جاتی۔ میں نے چیخ کر سولنگی کو انجن سنبھالنے کا کہا اور خود اپنے بیگ سے ریوالور نکال لایا۔ سولنگی نے بڑی مشکل سے خود کو قابو کیا اور انجن کو سنبھالنے لگا۔ چارلس نے سولنگی کی مدد کے لئے اس کے ساتھ انجن سنبھال لیا وہ ساتھ ساتھ پیچھے مڑ کر میری طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ سولنگی نے بوٹ کی رفتار میں اضافہ کردیا لیکن شارک بھی کم تیز نہیں تھی جب وہ کسی صورت واپس نہ مڑی تو میں نے فائر کھول دیا جو اس کی دم پر لگا۔ اس نے ایک جھٹکا ضرور کھایا لیکن اس کی رفتار میں کمی نہ آئی بلکہ وہ غصے میں اور تیزی سے بوٹ سے ٹکرا رہی تھی اور خطرہ تھا کہ بوٹ ان مسلسل لگنے والے جھٹکوں سے الٹ نہ جائے۔ میں نے چیخ کر سولنگی کو بوٹ کی رفتار بڑھانے کا کہا اور خود اپنے ریوالور سے دوسرا فائر بھی کردیا اور تیسرا بھی۔ شارک کے جسم کو جھٹکے لگ رہے تھے اب اس کی رفتار میں کچھ تو کمی آ گئی تھی لیکن گولیوں کی وجہ سے اس کو جو تکلیف ہو رہی تھی اس کی زیادتی کی وجہ سے وہ اپنی دم کو بے چینی سے ادھر ادھر مار رہی تھی جو بوٹ کو بھی لگ رہے تھے اور بوٹ نہایت نازک پوزیشن میں تھی، ہم رفتار بڑھانے کے باوجود شارک کی رینج سے نکل نہیں پا رہے تھے۔ جو نہایت پریشانی کی بات تھی۔ ادھر شارک غصے میں بپھر رہی تھی وہ ہماری بوٹ کو تہس نہس کرنا چاہتی تھی ہم بھی کسی صورت ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھے۔

بوٹ کی رفتار خطرناک حد تک تیز تھی اور آخر وہی ہوا جس کا ہمیں ڈر تھا شارک نے جاتے جاتے اتنے زور سے ہماری بوٹ کے ساتھ رگڑا کھایا کہ بوٹ تقریباً الٹ گئی یہ تو شکر تھا کہ جیسے ہی وہ بوٹ سے دور ہوئی بوٹ خود بخود سیدھی ہوگئی اور ہماری رکی ہوئی سانسیں بھی بحال ہوگئیں۔ ہوا یوں کہ شارک نے واپس مڑنے کے لئے پلٹا کھایا اور ہماری بوٹ سے رگڑ کھاتے ہوئے دوسری طرف چلی گئی اس کے بوٹ کے ساتھ رگڑ کھانے سے وہ الٹی ہوتی لیکن جیسے ہی شارک دور ہوئی اس کے وزن کا زور ختم ہوتے ہی بوٹ خود بخود سیدھی ہوگئی۔

صبح کا ملگجی سا اجالا ہر طرف پھیل رہا تھا اور اس وقت سمندر اتنا حسین لگ رہا تھا کہ ہم رات والی ساری تکلیف اور تھکن بھول کر قدرت کی حسین صبح سے لطف اندوز ہونے لگے۔ ویسے شارک سے یوں مقابلہ بھی ہماری زندگی کا سب سے مشکل نہایت خطرناک مقابلہ تھا اور اس میں ہم کامیاب رہے تھے۔ مجھے پتہ تھا کہ واپس

جا کر ہم نے نہایت مرچ مصالحہ لگا کر اپنے باقی فرینڈز کو اپنا یہ کارنامہ بتانا تھا۔ ویسے اگر مرچ مصالحہ نہ بھی لگاتے تو بذات خود یہ ایک نہایت دلدوز واقعہ تھا جس کا سوچ کر مجھے آج بھی جھرجھری سی آتی ہے اگر ہم اس رات شارک کا شکار ہوجاتے تو......؟ یہ سوال ہی مجھے الجھا کر رکھ دیتا ہے۔ بہر حال ہم زندہ سلامت تھے اور اب ہم اپنی منزل کے بارے میں پرتجسس تھے۔

جلد ہی ہمیں جزیرے کے آثار نظر آنے لگ گئے تو ہمارے جوش و خروش میں مزید اضافہ ہوگیا۔ سولنگی انجن سنبھالنے میں مصروف تھا اور میں دوربین سے دور سے نظر آنے والے جزیرے کو دیکھنے میں مصروف...... اور چارلس حسب معمول لیٹا ہوا تھا۔ اس سفر کے دوران یا تو وہ سونے میں مصروف رہا یا پھر کھانے اور میوزک سننے میں۔ اس سفر کے دوران ہمیں معمولی نوعیت کے طوفانوں کا سامنا بھی کرنا پڑا تھا۔ سولنگی اور میں پوری طرح مستعد رہے لیکن چارلس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ خیر جزیرے کو دیکھ کر لگ رہا تھا کہ ہم سہ پہر تک جزیرے پر پہنچنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ میں نے دوربین ہٹالی اور چارلس کے پاس بیٹھ گیا۔ اب وہ ایک نیا دکھڑا رونے میں مصروف تھا، اسے اپنی گرل فرینڈ بہت یاد آرہی تھی جو اس کے ساتھ آنا چاہتی تھی لیکن میں نے کسی خطرے کے پیش نظر اسے منع کردیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ پتہ نہیں سفر کے دوران اور اس جزیرے پر نہ جانے کیسے حالات پیش آئیں۔ وہ لڑکی ہے برداشت نہیں کرسکے گی اور اب مجھے اپنا یہ فیصلہ درست لگ رہا تھا جبکہ چالیس بہت اداس تھا۔ وہ مجھ کو برا بھلا کہہ رہا تھا کیونکہ میں نے ہی اس کی گرل فرینڈ کو ساتھ آنے سے منع کیا تھا۔

میں نے اس کو تسلی دی اور کہا ”ہم ایک دو دن اس جزیرے پر رکیں گے اس کے بعد واپس آجائیں گے۔“ میری بات سے وہ کچھ نارمل ہوگیا۔ میں نے اسے دوربین تھمائی کہ وہ بھی جزیرے کو دیکھ لے۔ چارلس دوربین کی مدد سے جزیرے کا جائزہ لینے لگا جبکہ میں سولنگی کے پاس بیٹھا ادھر ادھر کی باتیں کررہا تھا کہ اچانک بادلوں کے زور دار گرجنے کی آواز نے ہمیں چونکنے پر مجبور کردیا۔ میں نے آسمان کی طرف نظر دوڑائی تو کالے بادل پورے آسمان پر پھیلتے نظر آئے۔ سولنگی نے اس خطرے کے پیش نظر بوٹ کی رفتار بڑھادی کہ خدانخواستہ اگر طوفان آ گیا تو جزیرے پر ہم محفوظ بھی ہوں گے اور بوٹ کو بھی کسی محفوظ جگہ پر کھڑا کردیں گے۔ چارلس اور میرے چہرے پر بھی تشویش کے آثار تھے۔ سولنگی کے خیال میں ابھی مزید آدھے گھنٹے کا سفر رہتا تھا۔ اس نے بوٹ کی رفتار میں خطرناک حد تک اضافہ کردیا۔ بادلوں کی رنگت سیاہ سے سیاہ ہوتی جارہی تھی ساتھ میں بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک والوں پر عجیب سی ہیبت طاری کررہی تھی۔

ابھی مکمل طور پر دوپہر بھی نہیں ہوئی تھی لیکن بادلوں کی وجہ سے ایسا لگ رہا تھا جیسے رات اب آئی کہ تب آئی۔

سمندری سفر، بادلوں کی وجہ سے گھور اندھیرا، طوفان کا خطرہ اور ہم تینوں انسانوں سے قطعی الگ تھلگ، ایسے میں ہمارے دلوں کا خوف کھانا کچھ ایسا عام بھی نہ تھا بے جا بھی نہ تھا۔ اچانک بجلی اتنے زور سے کڑکی کہ ہماری چیخیں نکلتے نکلتے رہ گئیں۔ روشنی کی لکیر آسمان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلی گئی اور ساتھ ہی چھما چھم بارش برسنے لگی۔

جزیرے کی حدود کافی قریب آ گئی تھی اس لئے سولنگی نے بوٹ کی رفتار میں کمی کردی، بارش اتنے زور سے برس رہی تھی کہ ہمیں کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ سولنگی کو بوٹ کو کنٹرول کرنے میں بہت مشکل پیش آرہی تھی اس کے باوجود وہ بہت مہارت سے بوٹ کو کنارے پر لایا جیسے ہی بوٹ رکی ہم جلدی سے چھلانگ مار کر نیچے اتر آئے اور سب سامان کو ایک محفوظ جگہ منتقل کرنے کے بعد بوٹ کو ایک محفوظ جگہ پر لنگر انداز کیا اور خود بارش سے بچنے کے لئے ایک گھنے درخت کے نیچے پناہ لے لی۔ تیز بارش کی وجہ سے دور تک دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ کافی تیز ہوا بھی چل رہی تھی جس کی وجہ سے تیز بارش ہمیں درخت کے نیچے بھی بھگو رہی تھی۔

اچانک میری نظر زمین پر پڑی تو میں حیران رہ

www.pdfbooksfree.pk

گیا، میں سولنگی اور چارلس کو بھی ادھر متوجہ کیا۔ وہ بھی حیران اور دہشت زدہ ہو گئے بات ہی کچھ ایسی تھی۔ جزیرے کی وہ زمین جہاں ہم کھڑے تھے وہاں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں کیڑے مردہ پڑے تھے۔ ہم نے اردگرد جہاں بھی نظر دوڑائی وہاں ایسا ہی منظر نظر آیا۔ ہمارے دل عجیب سے انداز میں دھڑک رہے تھے۔ نہ جانے اس جزیرے پر اتنے کیڑے کہاں سے آ گئے اور پھر وہ بھی سارے ہی مرے ہوئے......؟

بات بہت خوفزدہ کر دینے والی تھی پہلے ہماری توجہ چونکہ سامان کو اور بوٹ کو محفوظ کرنے کی تھی اس لئے ہم نے ادھر توجہ نہیں دی اب توجہ گئی تو بہت وحشت سی ہو رہی تھی۔

"یار ایڈم مجھے تو یہ جگہ واقعی بہت پراسرار لگ رہی ہے۔ دیکھ اتنے سارے کیڑے......! زمین کا کوئی حصہ بھی خالی نظر نہیں آ رہا اور اوپر سے بارش۔ یار سوچو کبھی اتنی ڈراؤنی بارش ہم لوگوں نے کب دیکھی ہے؟" یہ چارلس تھا جس کے چہرے اور لہجے سے بھی خوف ٹپک رہا تھا۔ میں نے غور سے آس پاس نگاہ دوڑائی واقعی اس کی بات درست تھی واقعی وہاں عجیب سی وحشت ناک صورت حال تھی اور بارش کے زمین پر گرنے سے بہت ڈراؤنی سی آواز پیدا ہو رہی تھی۔ جسے میں کوئی بھی نام دینے سے قاصر ہوں۔ بہرحال اب اگر ہم ادھر آ ہی گئے تھے تو کچھ نہ کچھ تو سراغ تو لگانا ہی تھا کہ پوری دنیا اس جزیرے سے کیوں اتنی خوف کھاتی تھی......؟

بارش کا کچھ زور ٹوٹ رہا تھا ہوا تیز ضرور تھی لیکن اتنی بھی نہیں کہ سمندر میں طغیانی آتی۔ آسمان اب بھی کالے گھنگھور بادلوں سے بھرا ہوا تھا اس کی تاریکی میں ابھی تک کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ بادلوں کی گرج ابھی بھی جاری تھی اور بجلی کی کڑک دلوں کو سہما رہی تھی۔

"تم لوگ بہت زیادہ خوف زدہ نہیں ہو؟" میں نے باری باری دونوں کے چہرے دیکھے لیکن اندرونی طور پر زیادہ خوفزدہ نہیں تھے۔ میری بات پر انہوں نے نفی میں گردن ہلائی جبکہ چارلس میری توقع کے برعکس بولا۔

"اب تو میں ہر چیز کا مکمل سراغ لگا کر جاؤں گا۔"

میں نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی اور جواباً وہ بولا۔

"میں نے اپنی گرل فرینڈ کو مرعوب بھی کرنا ہے، تمہیں تو پتہ ہے لڑکیاں بہادر لڑکوں سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔" اس کی بات پر میرے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی اور میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

بارش کا زور تو ٹوٹ گیا تھا لیکن بونداباندی ابھی جاری تھی اب یہاں ٹھہرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا اس لئے ہم نے اپنے اپنے بیگز اٹھائے اور جزیرے کے اندر چلنے کے لئے تیار ہو گئے اور پھر جہاں تک ہماری نظر گئی مردہ کیڑے......

کراہیت تو بہت آئی ہلکا سا خوف بھی محسوس ہوا لیکن یہ سوچ کر دل کو ڈھارس تھی کہ وہ مردہ تھے اور ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے...... یہ بات ابھی تک ہمارے ذہنوں میں سوالیہ نشان کی طرح تھی کہ اتنے لاکھوں کی تعداد میں کیڑے مر کیسے گئے، کیا کوئی آفت آئی تھی کوئی بیماری وغیرہ......! ہم صرف سوچ ہی سکتے تھے کوئی اندازہ قائم کرنا بھی مشکل تھا۔

کچھ دور آگے اونچی نیچی پہاڑیوں کا سلسلہ تھا۔ سنگلاخ پہاڑیوں کا سلسلہ......! اور جو درخت تھے وہ سرسبز تو تھے لیکن ان کی ہیئت کچھ عجیب سی تھی ان کے پتے ہماری زمین کے درختوں کے پتوں سے اور طرح کے تھے بہت عجیب سے جن کی ساخت کے بارے میں بیان کرنے سے قاصر ہوں......!

اس جزیرے کے زیادہ تر درخت بھی انہی مردہ کیڑوں سے بھرے پڑے تھے لیکن چونکہ بارش بہت تیز ہوئی تھی اس لئے درختوں پر ان کی تعداد تھوڑی تھوڑی تھی۔ وہاں کوئی بھی درخت پھول دار نہیں تھا اور نہ ہی کوئی پانی کی ندی تھی......!

جو بے چارے بھٹک کر اس جزیرے پر آتے ہوں گے وہ تو بھوک پیاس سے ہی مر جاتے ہوں گے اور یہ کیڑے......! نہ جانے یہ کب سے مردہ تھے ان کو دیکھ کر تو لگ رہا تھا جیسے یہ ذرا دیر پہلے ہی مرے ہیں کیونکہ ان کے

مردہ اجسام بالکل ٹھیک تھے ہم اردگرد دیکھتے مسلسل آگے بڑھ رہے تھے تاکہ کسی صاف ستھری جگہ پر اپنا ٹھکانہ کر سکیں لیکن ہمیں کوئی جگہ خالی نظر نہیں آ رہی تھی۔ دور تک پھیلی پہاڑیاں بہت عجیب سی لگ رہی تھیں میں نے دور تک نگاہ دوڑائی سوائے ان پہاڑیوں کے اور کوئی جگہ اس قابل نہیں تھی کہ وہاں رات بسر کی جا سکتی۔

میں نے سب کی توجہ اس طرف دلائی تو وہ بھی میرے خیال سے متفق ہو گئے ہم نے ایک نسبتاً کم اونچی پہاڑی کی طرف قدم بڑھائے اور اس کی چوٹی پر پہنچ کر جو تھوڑا بہت سامان ہمارے پاس تھا وہ ہم نے نیچے رکھ دیا اور خود بھی بیٹھ گئے، دور تک پھیلے اس جزیرے پر ویرانی ہی ویرانی تھی نہ کوئی جانور نہ کوئی پرندہ......!

پہلی بار مجھے پتہ چلا کہ جانوروں اور پرندوں کی وجہ سے بھی کتنی رونق ہوتی ہے۔ شام ہو رہی تھی اور بادل ابھی تک موجود تھے جس کی وجہ سے کافی اندھیرا تھا۔ چارلس نے ٹارچ روشن کر لی جو اس نے اپنے پاس موجود بیگ سے نکال لی تھی۔ ٹارچ کی روشنی سے آس پاس کا ماحول کافی حد تک روشن ہو گیا تھا لیکن دل کو محسوس کی جانے والی وحشت اب بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔

بھوک بھی لگ رہی تھی اس لئے کھانا کھانے کے بعد ہم آپس کی گفتگو میں مصروف ہو گئے جو زیادہ تر چارلس کی گرل فرینڈ کے قصوں پر مشتمل تھی۔ جب ان قصوں سے تھک گئے تو سونے کے لئے لیٹ گئے، اچانک مجھے اس چیز کا خیال آیا جو ہم نے سمندر سے نکالی تھی وہ ہمارے بیگ میں موجود تھی نہ جانے کیا سوچ کر میں نے اس کو سامان سے نکالا اور الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

چارلس اور سولنگی نیند کی وادیوں کی سیر کر رہے تھے۔ اور مجھے نیند نہیں آ رہی تھی اس لئے میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ ٹھوس پتھر نما چیز اب بھی میرے ہاتھ میں تھی۔ وہ چیز دن کی نسبت اب وہ اتنا نہیں چمک رہی تھی۔ میری نگاہ غیر ارادی طور پر آسمان کی طرف اٹھی، نہ جانے کب بادل چھٹے اور چاند نکل آیا تھا۔ میں نے اردگرد نگاہ دوڑائی چاند کی چاندنی میں وہ جزیرہ بہت پراسرار لگ رہا تھا۔ ہر سو پھیلی

خاموشی روح تک کو لرزا رہی تھی۔ میں نے ان دونوں کی طرف دیکھا وہ بے سدھ پڑے تھے، میں آہستگی سے اٹھا اور پہاڑی پر آگے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ وہ چیز میں نے جیب میں ڈال لی اور ٹارچ اٹھائے آگے بڑھنے لگا، چاند کی روشنی کی وجہ سے بھی ماحول کافی حد تک روشن تھا۔

میں آہستہ آہستہ پہاڑی سے نیچے اترنے لگا۔ میں خود بھی نہیں جانتا تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں میں بلا ارادہ ہی آگے بڑھنے لگا چلتے چلتے کافی دیر ہو گئی تو میں کھڑا ہو گیا اتنا زیادہ چلنے کی وجہ سے میں کافی تھکن سی محسوس کرنے لگا تھا اور جب میں نے اردگرد نگاہ ڈالی تو میں ٹھٹک گیا۔

بات ہی کچھ ایسی تھی میں اک ایسی جگہ موجود تھا جو انتہائی خوب صورت تھی، چاند کی دودھیا روشنی میں سامنے بہتا چشمہ اور اس کے کنارے کے آگے جنگلی پھول اور بھی خوب صورت لگ رہے تھے۔ میں بہت حیران ہوا کہ کہاں وہ ویران وحشت ناک جزیرہ اور کہاں یہ حسین وادی......؟ آس پاس اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد میں نے سوچا کہ واپس جا کر چارلس اور سولنگی کو بھی اس جگہ کا بتا کر ادھر ہی لے آتا ہوں۔ وہ دونوں بہت خوش ہوں گے۔ یہ سوچ کر میں نے واپسی کے لئے قدم اٹھائے۔

جب مجھے چلتے چلتے کافی دیر ہو گئی اور مجھے واپسی کا راستہ نہ ملا تو میں بہت پریشان ہو گیا۔ آخر تھک ہار کر میں ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں واپس کس طریقے سے جاؤں پھر یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ صبح ہو گی تو دیکھی جائے گی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے مجھے سلانا شروع کر دیا اور کچھ ہی دیر میں، میں بے سدھ ہو گیا۔

دن چڑھے میری آنکھ کھل گئی میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ چارلس اور سولنگی تو کافی پریشان ہو گئے ہوں گے۔ میری پریشانی بڑھ گئی۔ میں پھر اٹھ کر اسی راستے پر جانے لگا جہاں سے رات کو آیا تھا لیکن کافی کوشش کے بعد بھی مجھے واپسی کا راستہ نہ ملا اور پھر سہ پہر بھی ڈھلنا شروع ہو گئی تھی، میں تقریباً نیم پاگل سا ہو گیا۔ راستہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے میری ہمت جواب دے گئی اور میں

www.pdfbooksfree.pk

تھک ہار کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ مجھے خود پر بہت غصہ آ رہا تھا کیوں اس رات ان کو بتائے بغیر اتنی دور نکل آیا تھا۔ پیاس لگنے پر میں نے نزدیکی چشمے سے پانی پیا اور جھاڑیوں پر مجھے چھوٹے چھوٹے پھول نظر آئے وہ سرخ رنگ کے تھے، میں نے احتیاط سے انہیں چکھا۔ وہ کسی رسیلے پھل کی طرح مزیدار تھے میں نے انہیں توڑ کر کھانا شروع کردیا کیونکہ اور کوئی چیز کھانے کی موجود نہیں تھی۔ پتہ نہیں کتنے دن ہو گئے تھے مجھے ادھر بھٹکتے۔ راستہ مل کے نہیں دے رہا تھا۔ چارلس اور سولنگی بھی مجھے ڈھونڈ رہے ہوں گے۔ اس بات کا مجھے یقین تھا لیکن کیا انہوں نے مجھے مردہ سمجھ لیا ہوگا......؟ اس بات کا مجھے آہستہ آہستہ یقین آتا جا رہا تھا کیونکہ اتنے دن میری غیر موجودگی کو انہوں نے یقیناً مجھے مردہ سمجھ لیا ہوگا۔ اور ہو سکتا ہے وہ واپس چلے گئے ہوں۔

بہرحال میں صرف اندازے ہی لگا سکتا تھا۔ پہلے پہل مجھے تنہائی سے کافی وحشت ہوتی تھی لیکن آہستہ آہستہ مجھے اس کی عادت ہوتی گئی اور مجھے تنہائی کی اتنی عادت ہوگئی کہ کبھی بارش ہوتی اور بادل گرجتے تو مجھے وحشت نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ پرندوں کی چہچہاہٹ بھی ہوتی تو مجھے اچھی نہ لگتی لیکن اچھی بات تھی کہ اس جزیرے پر جانور وغیرہ نہیں تھے ورنہ مین ضرور ان کی آوازوں سے پاگل ہو جاتا۔

نہ جانے کتنا عرصہ بیت گیا مجھے واپسی کا خیال مکمل طور پر بھول گیا۔ شاید گرینی آنٹی نے بھی مجھے مردہ سمجھ لیا ہو۔ چارلس اور سولنگی اگر واپس پہنچے تھے تو یقیناً انہوں نے گرینی آنٹی کو میری پراسرار گمشدگی کے متعلق بتا دیا ہوگا اور گرینی آنٹی کا جو حال ہوا ہوگا اس کا مجھے بخوبی اندازہ تھا لیکن میں کچھ نہیں کر سکتا تھا میرے جسم پر جو لباس تھا وہ بھی پھٹ گیا تھا اب تو ان کے چیتھڑے بھی پتہ نہیں کہاں تھے۔ صرف واحد جانگیہ میرے جسم کو مکمل برہنگی سے چھپائے ہوئے تھا اور جانگیہ بھی نہ ہوتا تو میں پچھلے زمانے کے لوگوں کی طرح پتوں کے لباس پہنتا یا پھر ننگا ہی رہتا کیونکہ وہاں مجھے دیکھنے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ چمکتی ہوئی پتھر نما چیز اب بھی میرے پاس تھی میں نے بارش اور سخت موسم سے بچنے کے لئے کسی نہ کسی طرح ایک جھونپڑی بنالی تھی۔ واپسی کے تمام امکانات معدوم ہو چکے تھے اور میں نے بھی واپسی کا خیال چھوڑ دیا تھا کبھی کبھی اپنی دنیا کا خیال ضرور آتا لیکن پھر میں سر سے جھٹک کر اپنی دنیا میں محو ہو جاتا۔

اس دن میں یونہی لیٹا ہوا تھا میرے لبوں پر اچانک کوئی گیت آ گیا تو میں آہستہ آہستہ گنگنانے لگا۔ گنگناتے گنگناتے میری آواز بہت بلند ہو گئی چونکہ وہاں سننے والا کوئی نہیں تھا۔ اس لئے میں نے کچھ بھی پرواہ کئے بغیر گانا اونچی آواز میں جاری رکھا۔ جیسے ہی میری آواز بلند ہوئی اچانک جیسے پرسکون ماحول میں اتنا شور بلند ہوا کہ میں نے خوف زدہ ہو کر گانا بند کر دیا اور اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیا، شور اتنا بھیانک تھا کہ مجھے اپنے کانوں کے پردے پھٹتے محسوس ہونے لگے حیرت انگیز طور پر جیسے ہی میں نے گانا بند کیا وہ شور یوں ختم ہو گیا جیسے کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔

میں بہت حیران ہوا۔ شاید یہ میرا وہم ہو؟ میں نے سوچا اور پھر اونچی آواز میں گانا شروع کیا اور پھر وہی ہوا بھیانک شور اتنا بلند تھا کہ میں نے بے اختیار اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے اور گانا بند کرتے ہی وہ شور بھی تھم گیا۔ بہت عجیب سی بات تھی۔ میں نے اردگرد نگاہ دوڑائی تو سوائے اندھیرے کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ میں دل میں بہت خوفزدہ تھا کہ پتہ نہیں کیا معاملہ ہے؟

میرے ہاتھ میں وہ چمکتی ہوئی پتھر نما چیز تھی لیکن اندھیرے کے بجائے وہ روشنی میں چمکتی تھی جو بہت عجیب سی بات تھی۔ نہ جانے کس وقت میری آنکھ لگ گئی نہ جانے میں کتنی دیر سویا پھر عجیب سے احساس سے میری آنکھ کھل گئی اردگرد نگاہ دوڑائی اور خوف سے کانپ گیا۔

ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں میرے آس پاس کیڑے کلبلا رہے تھے۔ وہی کیڑے جو ہم نے اس جزیرے پر آتے وقت دیکھے تھے لیکن اس وقت وہ مردہ حالت میں تھے اور اب زندہ تھے۔ اتنے میں مجھے ایک عجیب سی آواز آئی، میں نے ادھر مڑ کے دیکھا تو ساکت رہ گیا۔

وہ ایک کیڑا نما عورت تھی اور اپنی دونوں ٹانگوں پر کھڑی تھی، اس کے جسمانی ابھار کی وجہ سے لگ رہا تھا کہ وہ عورتوں کی کیٹگری کی ہے باقی اس کا سارا جسم کیڑا نما تھا، اس ہیئت میں وہ بہت خوفناک لگ رہی تھی۔ اس نے اپنا پتلا اور بدہیئت بازو اٹھا کر میری طرف اشارہ کیا اور جب بولی تو ایسا لگا جیسے ہزاروں ڈھول بج رہے ہوں میں نے کانوں پر ہاتھ رکھا بالکل وہی آواز جو مجھے گانا گانے کے دوران سنائی دی تھی۔ اس کی جسامت کو دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی کہ اتنی تو وہ بھاری بدن کی نہیں تھی جتنی اس کی آواز ڈراؤنی تھی۔ وہ اپنی بھدی آواز میں مجھے گانا سنانے کا کہہ رہی تھی اور جب میں نے گانا شروع کیا تو اس نے عجیب بے ڈھنگے انداز میں اچھلنا اور ساتھ ساتھ شور مچانا شروع کر دیا۔ شاید اپنی زبان میں وہ کچھ گا رہی ہو لیکن وہ شور میری سماعتوں کو ناگوار لگنے لگا اور میں نے گانا گانا بند کر دیا۔

گانا رکتے ہی وہ بھی ایک جھٹکے سے رک گئی اور قہر آلود نظروں سے مجھے گھورنے لگی اور پھر مجھے گانا گانے کا کہنے لگی لیکن اب میں یہ غلطی کیسے کر سکتا تھا کیونکہ مجھے پتہ تھا کہ ذرا دیر اور یہ شور ہوتا تو حقیقت میں میرے کانوں کے پردے پھٹ جانے تھے، چپ رہنے میں ہی عافیت تھی جب میں کسی طریقے سے گانے پر راضی نہ ہوا تو اس نے اپنے ہاتھوں کو مخصوص انداز میں اشارہ کیا اور وہ کیڑے جو اب تک مجھ سے دور دور تھے اب میرے قریب آنے لگے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ اب میری خیر نہیں یہ کیڑے تو مجھے منٹوں میں چٹ کر جائیں گے۔ میں نے دہشت سے ادھر ادھر دیکھا چاروں طرف سے کیڑے میری طرف بڑھ رہے تھے۔ میرے اعصاب تن گئے مٹھیاں بھنچ گئیں تب مجھے اپنے ہاتھ میں اس پتھر نما چیز کا احساس ہوا۔ میں نے اسے اپنے ہاتھ میں سامنے کر لیا۔

جیسے ہی اس کیڑے نما عورت کی نظر پتھر پر پڑی تو اس کے منہ سے اذیت میں ڈوبی چیخ نکلی اور وہ اسی طرف بھاگ گئی جس طرف سے اچانک نمودار ہوئی تھی اور وہ کیڑے جو میری طرف بڑھ رہے تھے وہ بھی حیرت انگیز طور پر پیچھے ہٹ گئے۔ میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ غار بہت زیادہ لمبا تھا بھاگتے بھاگتے میرے پاؤں شل ہو گئے۔

خدا خدا کر کے غار کا دہانہ ختم ہوا، جیسے ہی میں دہانے پر پہنچا مجھے پتھر سے ایک ٹھوکر لگی اور میں غار سے باہر گرتا چلا گیا......

دن، مہینے، سال گزرتے چلے گئے۔ جوانی ڈھل گئی، بڑھاپا دبے قدموں آ پہنچا لیکن میں واپس نہ جا سکا۔ عجیب گورکھ دھندا تھا۔ اس دوران مجھے کھانے پینے کا مسئلہ نہیں ہوا اتنے سالوں میں، میں اتنا تو جان گیا تھا کہ کیا کھانے کے قابل ہے اور کیا نہیں......!

وہاں بظاہر جو چیز عجیب لگتی درحقیقت وہی کھانے کے قابل ہوتی...... میرا حلیہ جانوروں سے بدتر ہو گیا تھا۔ سر اور داڑھی کے بال اتنے بڑھ گئے تھے کہ بیان سے باہر ہے۔

وہ بھی عام سے دنوں جیسا ایک دن تھا جب میں نے اپنے اردگرد کچھ ایسا محسوس کیا جو اتنے سالوں میں، میں نے نہیں کیا تھا۔ میں چوکنا ہو کر آس پاس دیکھنے لگا اور پھر میری آنکھوں نے وہ منظر دیکھا۔ جو اس وقت سے کئی سال پہلے میں نے اس عجیب الخلقت وجود کو گرینی آنٹی کے کمرے میں دیکھا تھا۔

وہ وہی پرہیبت شخص تھا۔ بالکل وہی۔ میں جوان سے بوڑھا ہو گیا۔ لیکن وہ بالکل نہیں بدلا...... اس کے چہرے کی سفاکی آج بھی برقرار تھی وہ یک ٹک میری طرف دیکھ رہا تھا شاید وہ مجھے پہچان نہیں پا رہا تھا۔

مجھے اعتراف ہے کہ اسے دیکھ کر مجھے ڈر و خوف کے بجائے عجیب سی مسرت ہوئی تھی۔ ”شاید تیرے دل کے کسی کونے میں آج بھی اپنی دنیا میں جانے اور دیکھنے کی خواہش موجود ہے۔“ اور جب اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں نے بلا چوں چرا اس کا ہاتھ تھام لیا اور پھر مجھ پر نیند کا غلبہ ہوتا گیا۔

جب میری آنکھ کھلی تو میں بستر پر موجود تھا اور میرا حلیہ بالکل بدل چکا تھا سر اور داڑھی کے بال مونڈ دیئے

www.pdfbooksfree.pk

گئے تھے۔

”کیا میں اپنی دنیا میں ہوں......“ میرے دل میں اچانک خیال آیا تو میں نے اٹھ کر باہر جھانکا۔ حیرت انگیز طور پر وہ میرا ہی گھر تھا جو نہ جانے کتنے سال پہلے میں چھوڑ کے گیا تھا اور وہ آج تک ویسا ہی صاف ستھرا تھا یا شاید میرے آنے کی وجہ سے ہوا تھا۔ میں ساری باتوں کو بھول گیا اور اپنے کمرے سے باہر نکل آیا، سارا گھر گھوم پھر کر دیکھنے کے بعد میں گرینی آنٹی کے کمرے کی طرف بڑھ گیا ان کا کمرہ بھی ویسا ہی تھا میں ان کے بستر کے قریب گیا، ان کے بیڈ کے قریب رکھی چھوٹی سی میز پر ایک سرخ جلد کی ڈائری الٹی پڑی تھی، میں نے تجسس کے مارے وہ ڈائری اٹھالی اور اپنے کمرے میں آ گیا اور اپنے بستر پر دراز ہوکر پوری محویت سے وہ ڈائری پڑھنے میں مصروف ہوگیا۔

میرے پیارے ایڈم

تمہارا انتظار کرتے کرتے میری آنکھیں تھک گئی ہیں۔ نہ جانے کس وقت بند ہو جائیں۔ کاش! مرنے سے پہلے ایک بار تمہارا چہرہ دیکھ سکتی......؟

لیکن مجھے معلوم ہے تم زندہ ہو اور جس گورکھ دھندے میں تم پھنس گئے ہو اس سے نکلنے کے لئے نہ جانے کتنا عرصہ درکار ہو۔ شاید تمہیں پتہ بھی ہو کہ مجھے پراسرار علوم پر کافی دسترس حاصل ہے۔ جب تم نے اس جزیرے پر جانے کی ضد کی تو میں نے تمہیں بہت روکا لیکن تم جوان تھے وہی کرتے جس سے تمہیں منع کیا جاتا، اس لئے میں نے عمل کے ذریعے کالی طاقتوں کے پیر کو طلب کرلیا اور اسے بھینٹ کے طور پر اپنا خون پلایا، تب جا کر وہ تمہاری حفاظت کرنے پر رضامند ہوا لیکن وہ اس وقت تمہاری مدد کرسکتا جب تم مکمل طور پر بے بس ہو جاتے لیکن ایسا کوئی موقع نہ آیا اور ایک رات تم غلطی سے اس علاقے میں قدم رکھ بیٹھے جہاں سے واپس آنا انسانی بس کی بات نہیں تھی۔ جس پیر کو میں نے تمہاری حفاظت پر معمور کیا، وہ بھی اس علاقے میں نہ جاسکا، وہ آج تک اسی علاقے میں جانے کی کوشش میں مصروف ہے، نہ جانے کون سی طاقت ہے جو اس کو وہاں پہنچنے نہیں دیتی؟ ہوسکتا ہے جب میں مرجاؤں تب وہ تم تک پہنچ جائے......؟ تمہارے دوست اسی جزیرے پر موجود کیڑوں کی غذا بن گئے تھے اور تم اس چمکتی ہوئی پتھر نما چیز کی وجہ سے محفوظ رہے۔

میرے بچے۔ اس جزیرے پر جب بھی بارش ہوتی ہے تو وہ کیڑے کچھ وقت کے لئے بے ہوش ہوجاتے ہیں اور پھر جیسے ہی بارش کا پانی سوکھتا ہے خشک ہوتا ہے تو وہ دوبارہ زندہ ہوجاتے ہیں۔ اور اگر کوئی انسان ان کو مل جائے تو وہ انسان کو منٹوں میں چٹ کر جاتے ہیں۔ میرے بچے یہ سب باتیں مجھے اپنے علوم کی وجہ سے معلوم ہوئیں لیکن میرا علم اس حصے تک نہیں پہنچ پا رہا جہاں تم موجود ہو۔

میں نے پولیس ریکارڈ میں یہ بات محفوظ کرادی ہے کہ تم جب بھی لوٹو گے اور اس گھر میں واپس آؤ گے تو تمہیں سب کچھ ویسا ہی ملے گا تمہاری جائیداد کو نیلام نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی کسی ٹرسٹ کے حوالے کیا جائے گا۔ اس لئے اب تم جب بھی لوٹو گے تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی، ہوسکتا ہے جب تم بڑھاپے کی سرحد پر ہو، اس وقت تمہاری واپسی کی کوئی راہ بنے لیکن جب بھی آؤ گے سب کچھ ویسا ہی پاؤ گے تمہارے لئے بہت سا پیار اور دعائیں۔

تمہاری گرینی آنٹی

میں نے ڈائری پڑھ کر ایک طرف رکھ دی۔ میری زندگی کے کتنے سنہرے سال ضائع ہوگئے تھے۔ چارلس سونگی بچھڑ گئے اور میں بڑھاپے کی سرحد پر کھڑا سوچ رہا ہوں کہ آیا اس جزیرے پر جانے کا میرا فیصلہ کیا درست تھا؟ اور یہ کہ وہاں ایسا کون سا طلسم تھا جو انسان کو واپسی کی راہ بھلا دیتا تھا؟ لیکن وہاں اتنا عرصہ گزارنے کے بعد بھی میں اس کا جواب نہیں جان سکا۔ تو اب کیا جان پاؤں گا؟ وہ پتھر نما چیز اب بھی میرے پاس محفوظ ہے یادگار کے طور پر......!

خون جگر

عامر ملک۔ راولپنڈی

اچانک کمرے میں آواز گونجی تیرا خالق لامحدود قوتوں کا مالک ہے شیطان وقتی طور پر گمراہ کرتا ہے لیکن بالآخر اسے شکست ہوتی ہے اپنی نفسانی خواہشات کے لئے تو نے شیطان کی پناہ چاہی اور تو زندگی بھر کے لئے اذیت سے دو چار ہوگیا۔

دل دہلاتا اور رونگٹے کھڑے کرتا شاخسانہ جسے پڑھنے والے دنگ رہ جائیں گے

برسوں پرانا قصہ ہے یہ، پاکستان کو معرض وجود میں آئے بارہ سال بیت گئے تھے ان دنوں میں ایک سرکاری ادارے میں ملازمت کرتا تھا۔ میں جس شہر میں کام کرتا تھا وہ ہمارے گاؤں سے چالیس میل دور تھا اس لئے میں روزانہ گھر سے ہی صبح ڈیوٹی پر شہر جاتا اور شام کو چھٹی کرکے واپس گاؤں آجاتا تھا۔ میری ماں زندہ تھی۔ جبکہ ابا جان کا انتقال ہوچکا تھا۔ مجھ سے بڑی ایک بہن رشیدہ کی شادی ہوگئی تھی اور وہ اپنے گھر میں خوش وخرم زندگی گزار رہی تھی۔ قدرت نے مجھے صحت تو اچھی دی تھی۔ میرا جسم بھی مضبوط اور توانا تھا مگر میرا رنگ کالا تھا۔ چہرے کے خدوخال بدنما تھے چپٹی سی ناک اور بندر جیسا چہرہ دیکھ کر لوگ نفرت سے منہ پھیر لیتے تھے مگر میرے دل میں کوئی بھی نہیں جھانکتا تھا کہ اسے میرے اندر کے خوبصورت انسان کا اندازہ ہوسکے۔

www.pdfbooksfree.pk

سب میری ظاہری صورت دیکھ کر نفرت کا انداز اپنائے ہوئے تھے۔ اس کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ تمام برادری میں صرف ہم ہی مفلس اور غریب تھے۔ یہی غریبی اور بدصورتی نہ صرف میری دشمن بلکہ میرا سب سے بڑا جرم بھی بن گئیں تھیں۔ گاؤں کی جوان لڑکیاں مجھے دیکھ کر طنزیہ باتیں کرتیں اور قہقہے لگاتی تھیں۔ انہوں نے مجھے کالا کوا۔ بندر لنگور اور نہ جانے کتنے القابات سے نواز رکھا تھا۔

گاؤں کا سب سے امیر شخص سلطان خان تھا۔ اس کی جائیداد کا کوئی شمار ہی نہیں تھا۔ وہ میرے ابا جان کا چچازاد تھا۔ بچپن میں ہی میری منگنی چچا سلطان کی بیٹی ثریا سے کردی گئی تھی۔ مگر اب جبکہ میرے ابا جان اس دنیا میں موجود نہ تھے اور میری شکل بھی کسی کو نہ بھاتی تھی۔ ساتھ ہی غریبی کا انمٹ داغ بھی میری پیشانی پہ سجا ہی تھا۔ تو چچا سلطان نے میری اور ثریا کی منگنی توڑنے کا اعلان کردیا۔ اس کے ساتھ ساتھ میرا سماجی اور معاشی بائیکاٹ بھی کرڈالا۔ برادری کے دیگر لوگ بھی چچا سلطان کے ہمنوا بن گئے اور مجھے ایک اچھوت سمجھ کر مجھ سے نفرت کرنے لگے۔ میں ان لوگوں کی نفرتیں دیکھ کر بہت کڑھتا تھا۔ اور اوپر والے سے شکوہ بھی کرتا تھا کہ اس نے مجھے بدصورت کیوں بنایا ہے اس کے خزانے میں کیا کمی تھی؟ مگر میں اور کچھ نہ کرسکتا تھا زندگی یوں ہی بے کیف سی گزر رہی تھی۔

ادھر میری ماں کو میرے سر پر سہرا دیکھنے کی شدید خواہش تھی۔ چچا سلطان کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد انہوں نے برادری کے ہر گھر میں جا کر میرے لئے جھولی پھیلائی مگر میری غریبی اور میری بدصورتی میرے راہ کی دیوار بن گئیں برادری میں سے کسی نے بھی مجھے رشتہ نہ دیا۔ برادری سے باہر ایک نزدیکی گاؤں میں ایک خاندان ہر لحاظ سے ہمارے ہی معیار کا تھا۔ وہاں میرا رشتہ طے ہوگیا لڑکی کو میں نے صرف ایک بار دیکھا تھا۔ اس کا نام شمیم تھا۔ وہ بہت ہی خوبصورت تھی رشتہ طے ہونے پر میں اپنی قسمت پر رشک کرنے لگا۔ میں بہت خوش تھا کہ میرے دل کی مراد پوری ہورہی ہے۔ امی بھی مسرور تھیں اور زور و شور سے شادی کی تیاریاں کررہی تھیں۔ مگر تقدیر میری بدبختی پر مسکرارہی تھی اور میرا تماشہ دیکھ رہی تھی...... اور پھر وہی ہوا کہ میرے سر پر سہرا نہ سج سکا اور میری ساری آرزوئیں دم توڑ گئیں۔ ایک صبح اچانک خبر ملی...... کہ میری منگیتر اور ہونے والی بیوی شمیم اپنے گاؤں کے ایک لڑکے کے ساتھ گھر سے فرار ہوگئی ہے۔ اس نے بھی میری بدصورتی کا شہرہ سن لیا تھا۔ جلد ہی یہ خبر نہ صرف گاؤں بلکہ علاقے میں بھی پھیل گئی میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہا۔ خوب بے عزتی ہوگئی میرے ارمان بھی ادھورے رہ گئے۔ لوگ میرا مذاق اڑانے لگے۔ میں اندر ہی اندر شرمندہ ہوکر کڑھنے لگا۔ میں نے گاؤں جانا کم کردیا۔ اگر جاتا بھی تو گھر سے باہر نہ نکلتا۔ کبھی مجھے اپنے آپ پر غصہ آتا۔ جی چاہتا کہ خودکشی کرلوں ذلت اور رسوائی کی اس زندگی سے موت بہتر ہے۔ مگر شاید میں بزدل تھا کہ ایسا نہ کرسکا۔ میں اکثر تقدیر بنانے والے سے شکوہ کناں ہوجاتا۔

اے سب جہانوں کے مالک! تو نے مجھے پیدا ہی کیوں کیا تھا؟ میں بھی تیری ہی مخلوق ہوں۔ تیرا ہی بنایا ہوا انسان ہوں۔ تو پھر تیرے ہی تخلیق کئے گئے دوسرے انسان مجھ سے نفرت کیوں کرتے ہیں؟ اس سے تو بہتر تھا کہ تو مجھے پیدا ہی نہ کرتا۔ اگر میں اس دنیا میں نہ آتا تو تیری دنیا کا نظام رک تو نہ جاتا...... سورج، چاند اور ستاروں کی روشنی ماند تو نہ پڑتی۔ میں لوگوں کی طنز بھری باتوں سے تو بچ جاتا۔

شکوہ کرتے کرتے میں رو پڑتا۔ پھر سجدے میں گر جاتا اور رو رو کر پروردگار سے معافی مانگتا کہ تیری ذات سے شکوہ کرنا مجھے زیب نہیں دیتا۔ تو نے جو کچھ مجھے عطا کیا ہے۔ اس میں بھی تیری کوئی مصلحت ہوگی۔ میں تیرا گناہگار بندا ہوں۔ میں تمام عمر بھی تیرا شکر ادا کرتا رہوں تو کم ہے۔ بے شک تو غفار ہے، جبار ہے، قہار ہے میں، تیری ذات سے ناامید نہیں ہوں۔ نہ جانے کب تیری رحمت جوش میں آجائے اور تو مجھے مالا مال کرڈالے۔

میں اسی یقین کے سہارے زندگی کے دن گزار رہا تھا کہ ایک روز میری ماں میرے سر پر سہرا دیکھنے کی خواہش لئے اس دنیا سے کوچ کرگئی۔ مجھے ماں کے جانے کا بہت ہی دکھ ہوا۔ میں اس روز بہت ہی رویا تھا...... میری اس تنہائی اور بربادی کا ذمہ دار میری نظروں میں صرف میرا چچا ہی تھا۔ جس نے میرے ارمانوں کے پھولوں کو مسل ڈالا تھا۔ اس کی دولت اور گھمنڈ نے میری ماں کی جان لے لی تھی۔ میرے دل میں چچا سلطان کے خلاف نفرت کا لاوا ابل رہا تھا۔ مگر میں مجبور اور بے کس تھا کہ میں اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکتا تھا۔ میں جب بھی چچا سلطان یا ثریا کو دیکھتا تو میرے تن بدن میں آگ سی لگ جاتی۔ میں اپنے آپ میں نہ رہتا اپنوں کی بے وفائی اور ستم ظریفی کی آگ مجھے جلانی لگتی گاؤں میں رہنا اور جینا میرے لئے عذاب بن گیا تو میں نے گاؤں کو خیرآباد کہہ دیا اور مستقل طور پر شہر میں رہائش رکھ لی۔ گاؤں میں اب میرا تھا بھی کون...... سوائے ایک بہن کے...... میں کبھی کبھار اس کی خیریت معلوم کرنے گاؤں چلا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اور میرا گاؤں سے کوئی تعلق نہ رہا تھا۔ تقدیر نے مجھے بھری دنیا میں تنہا کردیا تھا۔ اور تنہائی کے درد نے میری زندگی میں ایک خلا سا پیدا کردیا۔ میں اندھیری راہوں پر لڑکھڑانے لگا تھا۔ میں سوچتا تھا۔ یہ آرزوئیں اور ان کی تکمیل بھی کیا شے ہے کبھی کبھی تو یہ انسان کی زندگی کو خوشیوں سے مالا مال کرڈالتی ہے اور کبھی ان کی زندگی اجیرن بنادیتی ہے۔

میں جس دفتر میں ملازم تھا وہاں میری دوستی صرف ایک شخص سے تھی۔ اس کا نام برکت تھا۔ میں اب شہر میں اسی کے ساتھ رہتا تھا میں ایک دو بار برکت کے ہمراہ اس کے گاؤں بھی جاچکا تھا۔

ہم جس محلے میں رہتے تھے وہاں زیادہ تر لوگ بال بچوں والے تھے ہمارے سامنے والے گھر میں جو لوگ رہتے تھے وہ بہت ہی امیر تھے اور پرلطف زندگی گزار رہے تھے جمیلہ کا تعلق اسی گھرانے سے تھا۔ میں نے پہلی بار جمیلہ کو دیکھا تو پلکیں جھپکانا بھول گیا جمیلہ قدرت کا ایک حسین شاہکار تھی اس جیسی خوبصورت لڑکی میں نے زندگی میں پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ میں اسے دیکھ کر اپنا آپ بھلا بیٹھا۔ صرف جمیلہ یاد رہ گئی۔ لگتا تھا میں دیوانہ ہوگیا ہوں اس کا لمبا قد، خوبصورت نقش اور حیا کی سرخی سے بھرپور چہرہ دیکھ کر میں بے خود ہوگیا میں ہر لمحہ اس کی سندرتا میں کھویا رہتا تھا اس کے حسن کی تاب میری آنکھوں کو خیرہ کردیتی تھی۔ جب میں ہوش کی دنیا میں آتا تو اپنی بدنصیبی اور بدصورتی پر آنسو بہانے لگتا۔ کہ میں ایسے خواب دیکھنے کا حق نہیں رکھتا۔ جمیلہ میرے لئے نہیں بلکہ کسی شہزادہ گلفام کے لئے بنا کر اس دنیا میں بھیجی گئی ہے وہ میرے خوابوں کی ملکہ نہیں بلکہ کسی اور کے خوابوں کی رانی ہے۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ جمیلہ کو بھول جاؤں مگر میں ایسا نہ کرسکا...... کہ محبت کرنے کا حق تو ہر کسی کو حاصل ہے اور پھر محبت، رنگ ونسل، اونچ نیچ، امیری غریبی نہیں دیکھتی۔ بس یہ ہوجاتی ہے مگر مجھ سے تقدیر نے محبت کرنے کا حق چھین لیا تھا اور یہی میری زندگی کا سب سے بڑا المیہ بن گیا تھا۔ پھر بھی نہ جانے مجھے کیوں یہ یقین تھا کہ کبھی تو میری مندگی کے چمن کے مرجھائے ہوئے پھول کھلیں گے۔ میری خزاں رسیدہ زندگی میں بھی بہار ضرور آئے گی۔

برکت کی بہن کی شادی طے پاچکی تھی اس نے دفتر سے پندرہ دن کی چھٹی لی اور مجھے بھی اپنے ساتھ گاؤں لے گیا۔ شادی کا ہنگامہ تین دن رہا اور ختم ہوگیا۔ برکت کی خاندان کی گاؤں میں کافی ساری زمینیں تھیں گاؤں سے باہر انہوں نے ایک ڈیرہ بنا رکھا تھا۔ جہاں باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کو ٹھہرایا جاتا تھا شادی کے بعد میں اور برکت اسی ڈیرے پر رہتے تھے رات ہم ڈیرے پر ہی گزارتے تھے اور صبح صبح بھینسوں کا دودھ نکال کر برکت کے گھر لوٹ جاتے تھے برکت کے گھر والے مجھ سے مانوس تھے۔ اور گھر کی عورتیں مجھ

www.pdfbooksfree.pk

سے پردہ نہ کرتی تھیں میں ان لوگوں کے اخلاق اور خلوص سے بہت ہی متاثر تھا۔

وہ دسمبر کا آخری ہفتہ تھا شدید سردی کا موسم تھا۔ صبح کے وقت زمین پر اتنا پالا پڑا ہوتا تھا کہ لگتا تھا جیسے زمین پر کسی نے سفید چادر بچھادی ہو۔ دور دور تک سفیدی ہی سفیدی نظر آتی تھی۔ وہ بھی ایک ایسی ہی سرد اور منجمد کردینے والی صبح تھی۔ میں اور برکت بھینسوں کا دودھ نکال کر بڑی سی بالٹی اٹھائے گاؤں کی طرف جارہے تھے گاؤں اور ڈیرے کا فاصلہ آدھے میل سے زیادہ تھا۔ اس شدید سردی کے عالم میں ہم نے دیکھا کہ ایک بنجر سی زمین پر ایک شخص دوزانو بیٹھا ہوا ہے اس کے سر پر بال نہیں تھے اور جسم پر کپڑا بھی برائے نام ہی تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ لباس سے آزاد ہے۔ میں اور برکت اسے اس حالت میں دیکھ کر بہت ہی حیران ہوئے کہ یہ کون ہے؟ بے وقوف جو اس سردی کے عالم میں کھلے آسمان تلے بیٹھا ہوا ہے۔ ہم اپنا تجسس دور کرنے کے لئے اس کی طرف بڑھنے لگے کہ وہ کون ہے؟ اور یہاں اس شدید سردی میں کیا کررہا ہے ہم اس کے قریب پہنچے تو یہ دیکھ کر ہماری حیرانگی اور بھی بڑھ گئی کہ ہر طرف سفید پالا پھیلا ہوا تھا مگر وہ شخص جہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اس جگہ اور اس کے ارد گرد چاروں طرف دو دو فٹ کے فاصلے تک پالے کا نام و نشان نہ تھا۔ پھر بھی اس پر سردی کا اثر انداز ہونا لازمی تھا۔ مگر یوں لگتا تھا کہ اسے اس سردی کی شدت کا احساس ہی نہیں ہے۔ اس نے ایک نظر ہماری طرف دیکھا اور پھر بیگانہ سا بن کر اپنے آپ میں مگن ہوگیا۔ اس نے ہمیں نظر انداز کردیا۔ مگر ہمیں اس پر ترس آنے لگا۔ برکت نے اسے مخاطب کیا اور دودھ کی بالٹی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بابا! لو یہ دودھ پی لو۔" برکت نے ہمدردی جتاتے ہوئے کہا۔ کیونکہ وہ ایک کمزور سا انسان لگ رہا تھا اس نے نظر اٹھا کر پہلے ہماری طرف اور پھر دودھ کی بالٹی کی طرف دیکھا۔ اور پھر اس نے ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اپنے دونوں ہاتھوں سے زمین سے مٹی اٹھائی اور دودھ میں ڈال دی۔ اور پھر اپنا دایاں ہاتھ بالٹی کے اندر ڈال کر ہلانے لگا۔ مٹی دودھ میں گل ہوگئی اور دو... کا رنگ بدل کر مٹیالہ سا ہوگیا تمام دودھ گدلا ہوگیا...... تو وہ بولا...... "لو اب تم یہ دودھ پی لو۔"

ہمیں اس کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا جی... کہ اس کی پٹائی کریں کہ اس نے دس بارہ کلو دودھ خرا... کر ڈالا تھا مگر ہم نے صبر سے کام لیا اور اس سے کہا۔

"اب یہ سارا دودھ تم ہی پیئو گے۔ اگر تم نے... دودھ نہ پیا تو ہم تمہیں زبردستی یہ سارا دودھ پلا... گے۔" اس نے ہمارے غصہ کا اندازہ لگالیا۔ اور خامو... رہا۔ اس نے ایک بار پھر نظریں اٹھا کر باری باری... دونوں کو دیکھا اور پھر دودھ کی بالٹی سے اپنے ہونٹ... کر دودھ پینے لگا۔ اور پھر ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے... تمام دودھ پی گیا اس نے جب خالی بالٹی ہماری طرف... بڑھائی تو ہم حیران رہ گئے کہ وہ ایک مریل سا انسا... ہے دس بارہ کلو دودھ اسکے پیٹ میں کیسے سما گیا... چونکہ سردی زیادہ تھی اس لئے ہم نے اس سے مزید ک... بات کرنی مناسب نہ سمجھی اور گاؤں کی طرف چ... پڑے۔ راستے میں ایک کنواں پڑتا تھا۔ برکت وہا... رک گیا اور پانی نکال کر بالٹی کو دھونے لگا۔ بالٹی دھو... سے قبل برکت نے اس بالٹی کے اندر لگے ہوئے دود... کے قطروں کو اپنی انگلی سے لگا کر زبان پر لگایا تو م... حیرت زدہ ہوگیا کہ دودھ کے وہ قطرے شہد سے ... زیادہ میٹھے تھے۔ برکت کے کہنے پر میں نے بھی ا... قطروں کو چکھا تو حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

ہمیں یہ یقین سا ہونے لگا کہ وہ بابا یقیناً ک... پہنچا ہوا ولی ہے۔ یا یہ کہ وہ کوئی جادوگر ہے۔ لیکن ا... میں کوئی خاص بات ضرور ہے جو اس نے ہمیں یہ حیرا... کردینے والا تماشہ دکھایا ہے۔

ہم گھر آگئے۔ ناشتہ وغیرہ کرلیا۔ مگر چین... آرہا تھا کچھ دیر بعد ہم دونوں پھر واپس اسی جگہ... مگر اب وہ بابا وہاں موجود نہ تھا ہم نے ادھر ادھر د... مگر وہ کہیں بھی نظر نہ آیا لہٰذا ہم ناکام واپس آگئے۔ ... صبح جب ہم پھر دودھ لے کر گاؤں کی طرف آنے...

تو وہ بابا اسی جگہ اسی حالت میں موجود تھا ہم نے پھر اسے دودھ پینے کی پیشکش کی تو وہ بالکل اسی طرح تمام دودھ پی گیا...... یہ سلسلہ چار دن تک چلتا رہا ہم صبح دودھ لے کر آتے تو وہ وہاں موجود ہوتا ہم اسے دودھ پینے کے لئے دیتے وہ دودھ پی لیتا۔ اور ہم گھر واپس آجاتے اس کے بعد وہ وہاں سے غائب ہوجاتا یہ معمہ ہماری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کون ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے؟ اور دن کو وہ کہاں چلا جاتا ہے؟ اس شدید سردی میں وہ برائے نام لباس میں زندہ کیسے ہے؟ اور اتنی سردی وہ کیسے برداشت کررہا ہے؟ روز بہ روز ہمارا تجسس بڑھتا چلا جارہا تھا بالآخر ہم نے فیصلہ کیا کہ آج ہم بابا سے اسکی حقیقت معلوم کرکے ہی رہیں گے۔

جب بابا دودھ پی چکا تو ہمارے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی وہ بول پڑا اور کہنے لگا۔

آج میں تم لوگوں کا تجسس دور کردیتا ہوں میں ولی نہیں ہوں اس لئے کہ میں مسلمان نہیں ہوں میں ہندو ہوں۔ میرا نام گنگارام ہے اور ہندوستان کا رہنے والا ہوں۔ میں راولپنڈی سے آیا ہوں اور مدراس جا رہا ہوں۔ میں مدراس کے ایک مندر کا سادھو ہوں۔ مجھے یوگ پر مکمل عبور حاصل ہے اور یہ سب کچھ جو تم دیکھ رہے ہو اسی یوگ کا ہی کرشمہ ہے۔ میں آج یہاں سے کوچ کررہا ہوں۔ اگر تم دونوں کی کوئی خواہش ہے کوئی مسئلہ یا پریشانی...... تو مجھے بتاؤ...... میں تمہارا کام ضرور کروں گا تم لوگوں نے بغیر کسی لالچ اور غرض کے میری خدمت کی ہے۔ میں اس کا صلہ تم کو دینا چاہتا ہوں۔"

میں اور برکت حیرت زدہ سے ہوکر سوچنے لگے کہ اسے کون سا کام بتائیں؟ برکت کا تو کوئی مسئلہ ہی نہ تھا البتہ میرا وہی ایک مسئلہ تھا کہ میری شادی نہیں ہورہی تھی میرے کچھ کہنے سے قبل ہی برکت بول پڑا "یہ میرا دوست منظور ہے بابا! یہ دل کا بہت ہی اچھا ہے۔ مگر اس کی صورت اچھی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی شادی نہیں ہورہی اس کی بدصورتی کو دیکھ کر کوئی بھی اس سے شادی کرنے کو تیار نہیں ہے حالانکہ اس کی ایک جگہ منگنی

سب ایسا ہی کہتے ہیں

صاحب نے دفتر میں ایک نیا چپڑاسی رکھا۔ وہ دفتر کا کام تو اچھا کرتا تھا مگر صاحب اس سے بہت تنگ تھے کیونکہ وہ ہر شخص کو صاحب سے ملنے کی اجازت دے دیتا تھا۔ جس سے صاحب کے کام کا حرج ہوتا۔ ایک دن اسی بات پر ناراض ہو کر صاحب نے چپڑاسی سے کہا۔ "تم بالکل بے کار آدمی ہو، تمہارا مجھے کیا فائدہ۔" "میں کیا کروں حضور۔" اگر میں کہوں صاحب اندر نہیں ہیں تو کوئی میرا اعتبار نہیں کرتا۔" سب کہتے ہیں کہ بڑا ضروری کام ہے اور صاحب ہی نے بلایا ہے۔ صاحب نے سختی سے کہا۔ آئندہ یاد رکھو کوئی کچھ بھی کہے تم پرواہ مت کرو۔ کہہ دیا کرو۔ "سب ایسا ہی کہتے ہیں" بہت اچھا حضور۔ چپڑاسی صاحب کی تازہ ہدایات لئے کمرے کے باہر آکر بیٹھ گیا۔ دوپہر کو ایک موٹی سی عورت آئی اور باہر بیٹھے ہوئے چپڑاسی کی مطلق پرواہ کرتے ہوئے بڑے رعب سے کمرے میں داخل ہونے لگی۔ "چپڑاسی نے اسے روکا اور کہا۔" آپ اندر نہیں جاسکتیں" یہ صاحب کا آرڈر ہے۔ میم صاحب۔ "لیکن میں تو صاحب کی بیوی ہوں" ہاں ہاں۔ چپڑاسی بے پرواہی سے بولا۔ "سب ایسا ہی کہتے ہیں۔"

(شرف الدین جیلانی۔ٹنڈو الہ یار)

www.pdfbooksfree.pk

اورایک جگہ شادی بھی طے ہوئی تھی مگر بعد میں منگنی بھی ٹوٹ گئی اور دوسری لڑکی اپنے آشنا کے ساتھ گھر سے فرار ہوگئی۔ آپ اس کا یہ مسئلہ حل کردیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ اگر میرے جگری یار کی شادی ہوگئی تو ہم تمام عمر آپ کو دل میں اور دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

میں نے بھی برکت کی ہاں میں ہاں ملائی اور درخواست کی کہ وہ میری شادی کا مسئلہ حل کردیں۔

بابا گنگا رام نے کچھ دیر سوچا اور پھر مجھے اپنے قریب بٹھا کر کہنے لگا۔

”میں تمہیں ایک عمل بتا رہا ہوں اس عمل کے دوران کوئی غلطی نہ ہونے پائے اگر غلطی ہوگئی تو نقصان تمہارا ہی ہوگا۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اگر تم نے میرے بتائے ہوئے عمل میں کوئی غلطی نہ کی تو تمہاری شادی ضرور ہوگی۔

میں بہت خوش ہوا۔ اور یہ یقین ہوگیا کہ گنگا رام میرا کام ضرور کرے گا۔ میں نے کہا۔

”آپ مجھے عمل بتائیں۔ میں کوئی غلطی نہیں کروں گا۔“

گنگا رام نے مجھے ہندی زبان کے چند الفاظ بتائے اور کہا کہ مجھے چالیس راتوں میں یہ عمل کسی قبرستان میں بیٹھ کر کرنا ہوگا۔ آدھی رات کو قبرستان میں جا کر کسی جگہ تھوڑی سی آگ جلانی ہے مجھے اپنے ساتھ سرخ مرچیں لے کر جانا ہوں گی۔ جتنی بار یہ الفاظ یا منتر پڑھنا ہے اتنی ہی بار ایک مرچ اس آگ میں ڈالتے جانا ہے۔ یوں چالیس مرچیں ہر رات کو اس آگ میں جلانی ہیں۔ بیس دن کے بعد مجھے اس لڑکی کے سامنے جانا ہے جس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اول تو یہ امید ہے کہ چالیس دن کا عمل مکمل ہونے سے قبل ہی میری اور اس لڑکی کی شادی ہوجائے گی ورنہ عمل کے بعد تو شادی یقیناً ہوجائے گی وہ کیسے ہوگی؟ وہ تمہیں خود ہی وقت آنے پر معلوم ہوجائے گا۔

یہ عمل نہایت ہی مشکل اور خوفناک تھا مگر یہ میری زندگی کی رعنائیوں اور خوشی کا مسئلہ تھا اس لئے میں نے یہ عہد کیا کہ خواہ کچھ بھی ہوجائے میں گنگا رام کا بتایا ہوا عمل ضرور کروں گا گنگا رام نے مجھے اپنا مدراس کا مکمل پتہ بھی دیا کہ اگر میں اسے خط لکھنا چاہوں تو اس پتہ پر لکھ سکتا ہوں گنگا رام ہندوستان روانہ ہوگیا۔ میں اور برکت بھی دو دن بعد شہر ڈیوٹی پر حاضر ہوگئے۔

ثریا کی شادی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔ البتہ اس کی منگنی ساتھ والے گاؤں کے ملک مکھن خان کے بیٹے ملک سجاول سے طے پاگئی تھی کچھ عرصہ بعد ان کی شادی ہونا تھی میرے لئے ثریا کو حاصل کرنے اور چچا سلطان سے بدلہ لینے کا موقع ہاتھ آگیا تھا۔ میں نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھانے اور ثریا کو حاصل کرنے کی خاطر گنگا رام کا بتایا ہوا عمل شروع کردیا۔

ہم شہر کے جس علاقہ میں رہ رہے تھے وہاں سے ایک قبرستان نزدیک پڑتا تھا۔ قبرستان کے اردگرد کافی فاصلے پر کوئی آبادی نہ تھی۔ میں نے دن کے وقت قبرستان جا کر ماحول اور حالات کا جائزہ لیا اور ایک گڑھے نما جگہ عمل کے لئے منتخب کرکے مطمئن ہوگیا۔ رات کو گیارہ بجے جب میں اپنے مکان سے نکلا تو ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ یخ بستہ رات میں لوگ اپنے اپنے گھروں میں نرم گرم بستروں میں دبکے پرسکون نیند سو رہے تھے اور میں قبرستان کی طرف جا رہا تھا ۔میں نے سردی سے بچنے کے لئے پورا بندوبست کر رکھا تھا۔ پھر بھی سرد ہوائیں برچھیوں کی مانند میرے جسم سے آر پار ہو رہی تھیں۔ قبرستان میں چھائی ہوئی ویرانی اور سناٹے نے مجھے بے حد خوف زدہ کردیا تھا۔ اندھیری رات میں راستہ بھی واضح طور پر نظر نہیں آرہا تھا مگر میں نے بھی ہمت نہ ہارنے کی قسم کھا رکھی تھی کہ یہ میرے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ بن گیا تھا ثریا کو حاصل کرنے کی خاطر تو میں آگ کے سمندر میں کودنے کو بھی تیار تھا یہ عمل تو میرے لئے معمولی بات لگ رہا تھا۔

میں پہلی رات جب عمل سے فارغ ہوا تو رات کا ایک بج رہا تھا۔ میں واپس مکان پر پہنچا تو نڈھال سا ہوکر بستر پر گر پڑا۔ اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ دن کو میری آنکھ دیر سے کھلی تو میری طبیعت سنبھل گئی تھی ورنہ رات کو تو مجھے یوں لگ رہا تھا کہ میرا انگ انگ دکھ رہا ہے اور میں شدید بخار میں مبتلا ہوں اب میری جھجک اور خوف ختم ہوگیا اور میں ہر رات باقاعدگی سے قبرستان جا کر گنگا رام کا بتایا ہوا عمل کرنے لگا۔

یوں ہی بیس دن گزر گئے گنگا رام کے کہنے کے مطابق مجھے بیس دن بعد ثریا کے سامنے جانا چاہئے تھا۔ مگر میں یہ بات بھول گیا۔ میں نہ ہی گاؤں گیا اور نہ ہی ثریا کے سامنے جانے کے بارے میں سوچا۔ مگر عمل مسلسل جاری رکھا۔ یہ سوچ کر کہ چالیس دن بعد میں گاؤں جاؤں گا۔ تو گنگا رام کے بتائے ہوئے عمل کا ردعمل دیکھوں گا بیس روز عمل کرنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ جب میں عمل کے دوران سرخ مرچ کو آگ میں ڈالتا تو وہ جلنے لگتی تھی اور ساتھ ہی دھوئیں میں سے کسی عورت کی ہلکی ہلکی سسکیوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ یوں لگتا جیسے کوئی عورت درد کی شدت سے کررہ رہی ہو اور سسکیاں لے رہی ہو۔ میں یہی سمجھا کہ یہ ثریا کی سسکیاں ہیں اور گنگا رام کا بتایا ہوا عمل اثر دکھا رہا ہے آخری بیس دنوں میں میں ثریا کی سسکیاں سنتا اور خوش ہوتا رہا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ فریاد کررہی ہو۔ اور تڑپ رہی ہو۔ ثریا نے میرے ساتھ شادی کرنے سے انکار کرکے جو اذیت مجھے دی تھی میں اس کا بدلہ لے رہا ہوں اور یہ بات میرے لئے تسکین کا باعث تھی۔

چالیس راتیں گزر گئیں تو میں نے سکون کا سانس لیا۔ میں نے عمل مکمل کرلیا تھا۔ میں اگلی صبح گاؤں کی طرف چل پڑا تاکہ ثریا کے سامنے جا کر اس کا ردعمل دیکھوں...... یقیناً اب وہ میرے بارے میں سوچنے لگی ہوگی...... میں شادی کے سپنے سجائے گاؤں جا پہنچا...... میں گاؤں سے چند قدم کے ہی فاصلے پر تھا کہ میں نے دیکھا کہ گاؤں کے لوگ کوئی جنازہ اٹھائے قبرستان کی طرف جا رہے ہیں۔ میں بھی اسی سمت چل پڑا اور جنازے میں شامل ہوگیا چلتے چلتے میں نے گاؤں کے ایک آدمی سے دریافت کیا کہ کون فوت ہوا ہے؟

اس کی زبان سے مرنے والے کا نام سن کر میرے قدموں تلے سے زمین نکل گئی...... اس لئے کہ وہ جنازہ ثریا کا تھا۔ میری آنکھیں دکھ اور درد کی شدت سے بھر آئیں۔ میں نے اس کی نماز جنازہ میں بھی شرکت نہ کی اور تھکے تھکے سے قدموں سے اپنی بہن کے گھر آگیا۔ بہن رشیدہ نے بتایا کہ ثریا بیس دن قبل بیمار ہوئی تھی۔ اس کی بیماری کسی کی سمجھ میں ہی نہ آتی تھی اس کے پورے جسم میں درد ٹیسیں اٹھتی تھیں اور وہ زور زور سے روتی اور چیختی چلاتی تھی۔ اس کے باپ نے اس کا بہت علاج کرایا شہر میں بڑے اسپتال بھی لے کر گیا۔ مگر اسے کہیں سے بھی آرام نہ ملا۔ بالآخر وہ آج رات مرگئی کسی نے بھی اس کی بیماری نہیں پکڑی کہ اسے چلتے پھرتے کیا ہوگیا ہے بیماری آناً فاناً ہی آئی اور اسے موت کے منہ میں لے گئی۔

مگر میں جان گیا تھا کہ ثریا کیوں اور کیسے مری؟ میں نے گنگا رام کے بتائے ہوئے عمل میں غلطی کرڈالی تھی اگر میں بیس دن کے بعد ملنے آجاتا تو آج ثریا کا جنازہ نہیں بلکہ اس کی ڈولی اٹھتی۔ مگر اب کچھ بھی نہ ہوسکتا تھا میں اپنے آپ کو ثریا کا قاتل سمجھنے لگا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ نہ جانے کیوں مجھے ایک سکون اور اطمینان کا احساس بھی ہو رہا تھا کہ اگر ثریا میری نہیں ہوسکی تو کسی اور کی بھی نہیں ہوسکی۔ میں مزید گاؤں میں نہ رکا اور اسی شام واپس شہر لوٹ آیا۔ جب میں نے برکت کو ثریا کی موت کی خبر سنائی تو وہ بھی افسردہ ہوگیا یوں ہی ایک ماہ گزر گیا...... میں ایک روز گنگا رام کو خط لکھا اور اسے تمام حالات بتائے۔ گنگا رام نے جوابی خط میں مجھے ڈانٹ پلائی کہ تم نے مجھے قاتل بنا دیا ہے میں اپنے آپ کو ثریا کا مجرم اور قاتل سمجھنے لگا ہوں اور یہ کسک میں تمام عمر محسوس کرتا رہوں گا اس سانحہ کے ذمہ دار صرف اور صرف تم ہو۔ اگر تم عمل میں غلطی نہ کرتے

www.pdfbooksfree.pk

تو آج ثریا تمہاری ہوتی مگر تم نے میری ساری محنت اور عبادت پر پانی پھیر دیا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ میں تمہیں اس جرم کی سزادوں اور تمہاری تمام عمر شادی نہ ہوسکے مگر نہ جانے کیوں مجھے تم پر رحم اور ترس آرہا ہے شاید اس لئے کہ تم بدصورت ہو کوئی عورت تمہاری زندگی میں خوشی اور مرضی سے نہیں آئے گی۔ تم نے میری خدمت بھی کی ہے لہٰذا تمہاری پہلی غلطی سمجھ کر معاف کررہا ہوں اور مزید ایک عمل بتا رہا ہوں جو نہایت ہی آسان سا ہے۔ میں اس لفافے میں تھوڑی سی راکھ ڈال کر بھیج رہا ہوں۔ اب تم جس لڑکی سے شادی کرنے کے خواہش مند ہوگے یہ راکھ کسی بھی طریقے سے اس کے کھانے میں ملا دینا تمہارے من کی مراد ضرور پوری ہوجائے گی یہ نہایت ہی آسان عمل ہے امید ہے کہ اب تمہیں ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑے گا۔

گنگارام کے خط اور اس کی مہربانی سے میرے من کے مرجھائے ہوئے پھول پھر سے کھل اٹھے اور منزل ایک بار پھر قریب اور آسان دکھائی دینے لگی۔ خط پڑھنے کے بعد میرا دھیان فوراً ہی جمیلہ کی طرف گیا میں نے اس کے بارے میں سوچا۔ مگر اسے حاصل کرنا نہایت ہی مشکل بلکہ ناممکن کام تھا۔ اس لئے میں نے کسی اور کے بارے میں سوچنا شروع کردیا۔ میں نے گنگارام کی بھیجی ہوئی راکھ اپنی جیب میں رکھ لی کہ مجھے جب بھی اور جہاں کہیں بھی موقع ملا۔ میں اپنا کام دکھاؤں گا۔ اب مجھے کسی مخصوص لڑکی سے غرض نہ تھی ۔غرض تھی تو صرف یہ کہ کہیں بھی اور کسی سے بھی میری شادی ہوجائے۔

مزید ایک ماہ گزر گیا تھا۔ ایک شام میں اپنے مکان میں اکیلا تھا برکت کسی کام سے بازار گیا ہوا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ میں نے دروازہ کھولا تو سامنے جمیلہ کا چھوٹا بھائی کھڑا تھا۔ اور پریشان سا لگ رہا تھا۔ میرے پوچھنے سے قبل ہی وہ بولا۔ ’’بھائی جان! امی بیمار ہیں ابو گھر میں نہیں ہیں امی کو اسپتال لے کرجانا ہے۔ آپ اس سلسلہ میں ہماری مدد کریں۔‘‘

’’کیوں نہیں...... چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔‘‘ یہ کہہ کر میں نے دروازے کی باہر سے کنڈی لگائی اور اس کے ہمراہ اس کے گھر کی طرف چل پڑا۔ پھر میں اس کی ماں کو ٹیکسی میں بٹھا کر اسپتال لے گیا۔ ڈاکٹر نے ان کو چیک اپ کیا اور ان کو اسپتال میں داخل کردیا۔ کچھ ادویات ڈاکٹر نے لکھ دیں کہ یہ بازار سے لے آئیں۔ میں نے مطلوبہ ادویات لاکر دیں اور جمیلہ کو ان کے پاس ہی چھوڑ کر واپس آگیا۔ اور جمیلہ کے گھر جاکر اس کے بہن بھائیوں کو تسلی دی کہ ان کی ماں جلد ٹھیک ہوجائے گی۔ پھر میں پانی پینے کے بہانے کچن میں چلا گیا۔ ایک ہانڈی میں سالن پڑا ہوا تھا۔ میں نے گنگارام کی دی ہوئی راکھ تھوڑی سی مقدار میں ہانڈی میں ڈالی اور گھر لوٹ آیا۔

دو دن بعد جمیلہ کی ماں صحت یاب ہوکر گھر آگئیں وہ لوگ میرے احسان مند تھے کہ میں نے مشکل وقت میں ان کی مدد کی۔ یوں ان لوگوں سے سلام دعا شروع ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی گنگارام کی بھیجی ہوئی راکھ نے اپنا اثر دکھانا شروع کردیا۔ جمیلہ خود ہی میری طرف راغب ہونے لگی اس کے گھر کے سب ہی افراد میرے گرویدہ ہوگئے اور جمیلہ کسی نہ کسی بہانے میرے سامنے آجاتی اور مجھ سے بات بھی کرلیتی۔ اس روز میں بہت ہی خوش ہوتا آئینے کے سامنے جاکر اپنا بھدا چہرہ دیکھتا روزانہ شیو بناتا اور بالوں کو سنوارتا خوشبوئیں بھی لگاتا۔ یوں لگتا جیسے منزل نزدیک آگئی ہے میری زندگی میں بہار کا موسم آگیا ہے پھر ایک روز میں جمیلہ کے ماں باپ کو اپنے مکان میں داخل ہوتے دیکھ کر ششدر رہ گیا...... انہوں نے بغیر کسی لگی لپٹی کے مجھے جمیلہ کے ساتھ شادی کرنے کی پیشکش کرڈالی...... اب مجھے یقین ہوگیا کہ گنگارام کی بھیجی ہوئی راکھ اپنا کام دکھا گئی ہے...... میں نے جان بوجھ کر انکار کرنا چاہا تو وہ دونوں میری منتیں کرنے لگے اور التجائیہ میں کہنے لگے۔

’’ہم تو جمیلہ کی خاطر تمہارے پاس سوالی بن

کرآئے ہیں اگر تم نے انکار کردیا تو جمیلہ زندہ نہ رہے گی وہ اپنی زندگی ختم کرے گی وہ ہر وقت تمہاری ہی باتیں کرتی ہے اس کے لبوں پر ہر وقت تمہارا ہی نام رہتا ہے وہ تمہاری دیوانی ہوگئی ہے اس لئے اب تم انکار نہ کرنا...... شادی کے بعد ہم تمہیں اپنے گھر رکھیں گے اور تمہیں کاروبار بھی کرائیں گے۔

میں نے مزید منتیں نہ کروائیں اور رضامندی ظاہر کردی...... یوں جمیلہ سے میری شادی ہوگئیں وہ میری زندگی کا یادگار اور سنہرا دن تھا۔ مجھے میرے خوابوں کی تعبیر مل گئی تھی وہ میری اور جمیلہ کی زندگی کی پہلی رات تھی جو مجھے ابھی تک یاد ہے...... جمیلہ بہت ہی حسین لگ رہی تھی وہ عروسی سیج پر یوں بیٹھی تھی جیسے کسی یونانی نقاش کے ہاتھوں سے تراشیدہ وینس کا مجسمہ ہو۔ اس کی چوڑیوں کی کھنک سے جلترنگ سا بج اٹھاتا رخسار حیا کی آگ سے دہک رہے تھے اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں جادو تھا وہ سراپا خمار اور ہمہ تن کیف تھی۔ اس کی رگوں میں خون نہیں شراب دوڑ رہی تھی۔

ہماری ازدواجی زندگی نہایت شاندار اور پرسکون گزرنے لگی۔ جمیلہ نے میری ساری تشنگی مٹاڈالی۔ وہ اتنی حسین ہونے کے باوجود مجھ جیسے بدصورت مرد کے ساتھ بے حد خوش تھی۔ وقت گزرتا رہا۔ ہم دو بچوں کے والدین بن گئے میں نے ملازمت چھوڑ دی تھی اور کاروبار شروع کرلیا تھا اپنا گھر بھی بنالیا تھا جمیلہ کے والدین نے اپنا وعدہ نبھایا تھا زندگی نہایت ہی پرسکون اور شاندار گزر رہی تھی...... کہ میری زندگی میں پھر ایک طوفان آیا اور میں پھر سے اندھیروں میں بھٹکنے لگا۔

جب سے ہم اپنے ذاتی گھر میں شفٹ ہوئے تھے۔ تب سے ہمارا سکون غارت ہوگیا تھا۔ گھر کے فرش پر اچانک ہی خود بخود آگ بھڑک اٹھتی تھی جس سے گھر کی کئی قیمتی چیز بھی جل کر راکھ ہوگئی تھیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آگ خود بخود کیسے لگ جاتی ہے۔ میں نے اس معاملہ میں سب سے پہلے گنگارام سے رابطہ کیا۔ اسے کئی خطوط لکھے مگر اس کی طرف سے کسی بھی خط کا جواب نہ ملا۔ تو میں نے خود ہندوستان جانے کا پروگرام بنایا کیونکہ میں اپنے کسی عامل سے رجوع نہیں کرنا چاہتا تھا میں نے اسلام آباد جاکر ہندوستان کے سفارت خانے سے وہاں کا ویزا لگوایا اور ہندوستان روانہ ہوگیا میں مدراس گنگارام کے دیئے ہوئے پتے پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ گنگارام تو فوت ہوگیا ہے مجھے اس کی موت کا بہت ہی دکھ ہوا۔ میں نے اپنے مسئلہ کے سلسلہ میں کئی اور سادھوؤں سے رابطہ کیا۔ مگر ہر کسی نے جواب دیا کہ ہم خود گنگارام کے شاگرد ہیں اس کے بتائے عمل کا توڑ ہمارے پاس نہیں ہے۔ اس لئے ہم اس معاملہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتے۔ میں ہر طرف سے ناکام و نامراد ہوکر واپس وطن لوٹ آیا۔ یہاں آکر میں اپنے وطن کے عاملوں کے آگے ہاتھ پھیلائے کہ وہ اس سلسلہ میں میری مدد کریں اور مجھے اس مصیبت سے نجات دلائیں ہر ایک نے مجھے کوئی نہ کوئی عمل بتایا اور روپے بٹورے مگر مجھے اس اچانک بھڑک اٹھنے والی آگ سے پھر بھی نجات نہ مل سکی بلکہ اب تو اکثر ایسا ہونے لگا کہ کبھی جمیلہ کا دوپٹہ آگ پکڑلیتا اور کبھی اس کے بستر کو آگ لگ جاتی جس پر وہ سوئی ہوئی ہوتی تھی۔ میرے بچے اتنے خوف زدہ ہوگئے کہ انہوں نے اس گھر میں رہنے سے انکار کردیا اور نانا نانی کے پاس جاکر رہنے لگے۔ ان واقعات نے مجھے دیوانہ سا بنادیا۔ میں بے بس ہوگیا۔ کچھ سمجھ نہ آرہا تھا کہ یہ سب کیوں اور کیسے ہو رہا تھا۔ پھر ایک دن میری دکان میں بھی آگ لگ گئی اور دکان کا سارا سامان جل کر راکھ ہوگیا مجھے کچھ سمجھ نہ آرہا تھا کہ میں کیا کروں اور اس آگ سے کس طرح نجات حاصل کروں؟ میں یہ تو محسوس کرنے لگا تھا اور جان گیا تھا کہ یہ آگ میرے کرتوتوں اور گناہوں کا نتیجہ ہے...... میں نہ نماز پڑھتا تھا اور نہ ہی اللہ کو یاد کرتا تھا۔

ایک روز میں نے نہایت پریشانی کے عالم میں کسی عامل کی تلاش میں سڑک پر جارہا تھا کہ ایک مجذوب

www.pdfbooksfree.pk

سے دیوانے نے میرا راستہ روک لیا۔ اور غصے سے بولا۔
"او بد بخت! تو اپنے گناہوں سے توبہ کیوں نہیں کرتا؟" جو کچھ مانگتا ہے اللہ سے مانگ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے کے بجائے اس کے سامنے سر جھکا وہ بڑا رحیم و کریم ہے۔"

پتہ نہیں کہ میرے دل میں کیا آیا کہ میں نے بھری پری سڑک پر اس کے پاؤں پکڑ لئے اور رو رو کر منتیں کرنے لگا راہ چلتے لوگ ٹھٹک گئے اور رک کر میرا تماشہ دیکھنے لگے۔ میں مجذوب کے پاؤں پکڑے منتیں کر رہا تھا کہ وہ مجھے اس بلائے ناگہانی سے نجات دلائے۔

جب کافی وقت گزر گیا تو اسے رحم آ گیا اور اس نے کہا...... "چل بد بخت"

میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ کچھ دوری پر ایک مسجد تھی اس مسجد کے نزدیک پہنچ کر اس نے کہا۔

"اوئے بد بخت جا وہاں نل ہے پہلے نہا اور وہیں طاقچے پر کپڑے ہوں گے انہیں پہن لے پھر خدا کے حضور جھک کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ وہ رحیم و کریم ہے سمیع و بصیر ہے وہ تیری دعاؤں کو ضرور سنے گا تیری معافی قبول کرے گا۔ جا! اب دیر نہ کر ورنہ تو بھی اس انجانی آگ کی لپیٹ میں آ جائے گا۔

میں تیر کی طرح اندر داخل ہو گیا۔ نہا دھو کے نئے کپڑے پہنے۔ جو نہ معلوم کس کے تھے، مگر میرے جسم پر فٹ آ گئے تھے۔ میں نے نماز پڑھی۔ ابھی میں صورۃ فاتحہ کی تلاوت کر رہا تھا کہ مجھ پر شدید رقت طاری ہو گئی۔ میں نے بہ ہزار وقت نماز تمام کی اور سلام پھیرنے کے بعد پھر سجدے میں گر گیا۔ اس وقت میری زبان پر ایک ہی الفاظ تھے۔ "ایاک نعبد وایاک نستعین پتہ نہیں میں نے اس آیت کو کتنی بار دوہرایا مجھے ہوش تب آیا۔ جب ایک باریش شخص نے میرے کندھے کو پکڑ کر ہلایا اور بتایا کہ ظہر کی اذان ہونے والی ہے تب مجھے احساس ہوا کہ میں دو گھنٹے سے سجدے میں پڑا ہوا ہوں۔ مصلیٰ میرے آنسوؤں سے بھیگ گیا تھا۔ میں نے برسوں بعد نماز باجماعت ادا کی اور گھر لوٹ آیا۔ میں اس مجذوب کو بھی بھول چکا تھا لیکن جیسے ہی میں گھر کے دروازے پر پہنچا اسے منتظر پایا۔ اس نے میری پیٹھ تھپتھپا کر کہا۔

"تیرا خالق لامحدود قوتوں کا مالک ہے۔ شیطان وقتی طور پر گمراہ کرتا ہے لیکن بالآخر اسے شکست ہوتی ہے اپنی نفسانی خواہشات کے لئے تو نے شیطان کی پناہ چاہی اور من کی مراد پالی مگر یہ مراد تجھے زندگی بھر کے لئے اذیت میں مبتلا کر گئی ہے تو اب ہر وقت اپنے رب سے معافی مانگتا رہ شاید اس رب جلیل کو تجھ پر رحم آ جائے اور ایک معصوم کو ورغلا کر اپنے دام میں پھنسانے کی سزا سے تو بچ جائے بے شکوہ رب جلیل بڑا ہی رحیم و کریم ہے جب سے میں نے نماز شروع کی تو مجھے اس آگ سے نجات مل گئی جو اچانک بھڑک اٹھتی تھی لیکن اس دوران میں...... میں نے یہ بھی محسوس کر لیا کہ جمیلہ کی چاہت میں اب وہ گرمجوشی نہیں رہی۔ اب وہ ہر وقت کھوئی کھوئی سی رہنے لگی معلوم نہیں کہ وہ کس سوچ میں ڈوبی رہتی۔

مگر میں یہ جان گیا...... کہ اس پر سے اب میرا سحر ٹوٹ گیا ہے اسے میری بدصورتی اور اپنی خوبصورتی کا احساس لگاتار رہتا تھا اس کا یہ انداز میرے لئے پشیمانی کا سامان تھا...... اس نے مجھ سے بات کرنی چھوڑ دی اور گم سم رہنے لگی۔ اور پھر ایک دن وہ میرا گھر چھوڑ کر چلی گئی اور آج تک واپس نہیں آئی نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے زندہ ہے یا مر گئی ہے؟ میرا غم ناقابل فراموش ہو چکا ہے میں پل پل مرتا اور جیتا ہوں خون جگر کی آنکھوں سے بہتا رہتا ہے، نماز پڑھ کر اللہ کے حضور زور و شور سے گڑگڑاتا ہوں تاکہ میرے گناہ دھل جائیں۔ پتا نہیں میرے گناہ دھل پائیں گے یا نہیں......؟ آپ سب بھی میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری خطاؤں کو معاف کر دے۔

موت کا گھر

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

نوجوان کا جسم اچانک برف کی طرح سرد ہوگیا۔ سامنے کھڑی عجیب الخلقت مخلوق اپنے لمبے اور نوکیلے دانت کچکچاتے ہوئے نوجوان کی طرف بڑھی کہ پھر چشم زدن میں نوجوان کو جیسے ہوش آگیا اور اس نے اوپر سے چھلانگ لگادی۔

رات کے اندھیرے میں جنم لینے والی دل و دماغ کو مبہوت کرتی ایک ناقابل فراموش کہانی

ڈاکٹر پال اس رات کو کافی دیر سے سوئے تھے۔ دن بھر ان کے کلینک میں مریضوں کا تانتا بندھا رہتا اور انہیں دم لینے کی مہلت بھی نہیں ملتی تھی۔ لیکن اب ساڑھے چار بجے اچانک ان کی آنکھ کھل گئی تھی۔ انہوں نے سنا کہ صدر دروازے کی گھنٹی مسلسل بج رہی ہے سورج کے طلوع ہونے میں ابھی کافی دیر تھی اور چاروں طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس وقت نرم گرم بستر سے نکلنا ڈاکٹر پال کے لئے بہت تکلیف دہ تھا۔ وہ اپنے ملازم کو کوسنے لگے جو ایک دن قبل کوئی بہانہ کر کے اپنے گاؤں چلا گیا تھا۔

"پتا نہیں کون کم بخت میری نیند حرام کرنے پر تلا ہوا ہے جہنم میں جائے۔" انہوں نے بڑبڑا کر کہا اور لحاف اپنے اوپر لپیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگے مگر اب گھنٹی بجانے والا دروازہ پیٹنے لگا تھا۔ کئی منٹ

www.pdfbooksfree.pk

گزر گئے مگر وہ بدستور دروازے کو پیٹتا رہا۔ اور جب ڈاکٹر پال کو یقین ہوگیا کہ دستک دینے والا آسانی سے ٹلنے والی آسامی نہیں تو غصے میں وہ بستر سے نکلے اور ڈریسنگ گاؤن پہن کر لڑکھڑاتے ہوئے صدر دروازے تک گئے۔

دروازہ کھول کر انہوں نے جونہی باہر تاریکی میں جھانکا تو ایک شخص جھٹ سے اندر آ گیا اور جلدی سے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگادی پھر اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے ڈاکٹر کا بازو پکڑلیا۔ ڈاکٹر نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا مگر اس کی گرفت اور سخت ہوگئی۔ چند لمحوں بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''مجھے بتایا گیا ہے کہ اس مکان میں ایک ڈاکٹر رہتا ہے جس کا نام پال ہے۔ کیا تمہارا یہی نام ہے؟ اگر تم ڈاکٹر نہیں تو خدارا مجھے ڈاکٹر پال کے پاس لے چلو۔''

ڈاکٹر پال نے جواب دینے سے پہلے اس پراسرار اجنبی کا بطور جائزہ لیا۔ پھر مطمئن ہوکر انہوں نے اجنبی کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے کتب خانے میں لے آئے جہاں آتش دان میں اب بھی لکڑیاں چیخ رہی تھیں اور کمرہ خاصا گرم تھا۔ انہوں نے ایک موٹی سی لکڑی آتش دان میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''ہاں مجھے ڈاکٹر پال کہتے ہیں۔''

''اوہ ڈاکٹر صاحب مجھے بتایئے کیا میں پاگل ہوں۔''

ڈاکٹر پال نے بھی اپنے اس بے وقت ملاقاتی کی طرف بغور دیکھا۔ اس کا حلیہ عجیب وغریب تھا ۔سر کے بال گرد آلود اور الجھے ہوئے تھے۔ کپڑے پھٹ کر تار تار ہو چکے تھے اور چہرہ خون سے تر تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف وہراس آواز میں کپکپاہٹ اور خوف کا عنصر نمایاں تھا۔ ڈاکٹر نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے اس سے بیٹھنے کے لئے کہا جس پر اجنبی دھپ سے بیٹھ گیا۔ ''تم زخمی بھی ہو اور حواس باختہ بھی ٹھہرو۔ ابھی کچھ دیر بعد تمہاری داستان سنتا ہوں۔''

ڈاکٹر نے الماری کھولی اور برانڈی کا ایک گل[illegible] بھر کر اجنبی کو دیتے ہوئے کہا۔ ''لو پہلے اسے [illegible] لو۔'' اس نے ایک ہی سانس میں گلاس ختم کر[illegible] اور پھر آہستہ آہستہ اس کے اوسان بحال ہونے [illegible] ، چند لمحوں تک خاموشی چھائی رہی آخر اجنبی نے ا[illegible] داستان اس طرح شروع کی۔

''میرا نام فرنیک میتھون ہے اور میں لندن [illegible] رہنے والا ہوں، میرا پیشہ فوٹو گرافری ہے اور میں برا[illegible] اینڈ بلیک کمپنی میں ملازم ہوں کمپنی کے کام سے مجھے ا[illegible] علاقے میں چند تصویریں لینے کے لئے آنا پڑا ا[illegible] علاقے میں قطعی ناواقف ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ گزش[illegible] پندرہ روز سے مختلف دیہاتوں میں بھٹکتا پھر رہا ہو[illegible] لیکن مجھے اپنی مطلوبہ تصاویر لینے میں کامیابی نہ[illegible] ہوئی۔ آخر میں نے رور کنگٹن اور وائٹ ہیون [illegible] اضلاع کا دورہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ میرا ارادہ وائ[illegible] ہیون کے بہترین رائل ہوٹل میں قیام کرنے [illegible] تھا۔ چنانچہ گزشتہ رات میں اپنی موٹر سائیکل پر ب[illegible] کر روانہ ہوا۔ یہ تمام راستہ ویران اور دلدلی میدانوں [illegible] مشتمل تھا۔ رات بھی بہت تاریک اور سرد تھی مگر میں ا[illegible] دھن میں برق رفتاری سے موٹر سائیکل اڑائے وائ[illegible] ہیون کی طرف چلا جارہا تھا کہ اچانک موٹر سائیکل [illegible] رفتار خود بخود دھیمی پڑنے لگی۔

اور تھوڑی دور آگے جا کر موٹر سائیکل بالکل [illegible] ٹھپ ہوگئی۔ میں نے موٹر سائیکل سے اتر کر اس [illegible] چیک کیا اور یہ معلوم کر کے میرا دل دھک سے رہ گیا [illegible] پیٹرول کی ٹنکی تقریباً خالی ہوچکی ہے تلاش کرنے پر م[illegible] نے ٹنکی کے پیندے میں ایک ننھا سا سوراخ پایا ج[illegible] میں سے پیٹرول ٹپک ٹپک کر تمام راستے گرتا آیا تھ[illegible] میں نے جلدی سے ایک چیونگم چبا کر سورا[illegible] پر لگادیا تا کہ جو تھوڑا سا پیٹرول بچ رہا ہے وہ ضائع [illegible] ہو۔ میری بدقسمتی دیکھئے کہ فالتو پیٹرول کا ڈبا جو میں ا[illegible] سفر میں ہمیشہ ساتھ رکھتا ہوں بالکل خالی تھا حالانکہ م[illegible]

نے گیراج والوں کو ہدایت کردی تھی کہ وہ یہ ڈبا پیٹرول سے پر کردیں۔ مگر غالباً وہ بھول گئے تھے۔ خیر میں نے دوبارہ موٹر سائیکل اسٹارٹ کی میں جلد از جلد اس وحشت ناک علاقے سے نکل جانا چاہتا تھا مگر کیا معلوم قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ابھی بمشکل دو فرلانگ ہی گیا تھا کہ موٹر سائیکل نے جواب دے دیا۔ مجھے جو پریشانی اور وحشت ہوئی اس کا آپ صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے۔ میرے اندازے کے مطابق نزدیکی گاؤں کم از کم چھ میل دور تھا۔ میں نے جیبی گھڑی نکال کر دیکھی ، ریڈیم ڈائل کی چمکتی ہوئی سوئیوں نے مجھے بتایا کہ رات کے دس بجے ہیں چاروں طرف گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور ہوا میں خنکی لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جارہی تھی۔ میں نے اپنے چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پناہ لینے کیلئے کوئی مکان یا کسی دہقان کی جھونپڑی کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر اس قدر ہولناک سناٹے کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے صدیوں سے یہاں کسی انسان نے قدم نہیں رکھا۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ دھند کا ایک گہرا بادل مجھے اپنے حلقے میں لینے کے لئے آہستہ آہستہ میری طرف بڑھ رہا ہے۔

یہاں تک پہنچ کر فرنیک میتھون نے چند لمحے توقف کیا اور پھر بولا۔

مجھے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس دھند کو دیکھ کر میری وحشت اور اضطراب میں اضافہ ہوگیا۔ میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا تھا۔ چاروں طرف دہشت زدہ کردینے والی خاموشی چھائی ہوئی تھی ۔ جیسے میں صدیوں پرانے قبرستان میں کھڑا ہوں اور پھر دھند نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

میری طاقت جیسے کسی نادیدہ قوت نے سلب کرلی۔ یقین کیجیے ڈاکٹر صاحب میں اتنا بزدل نہیں ہوں اور نہ ہی میرے اعصاب اتنے کمزور ہیں لیکن اس دھند میں پھنس کر مجھے یہ یقین ہورہا تھا کہ اس میں کسی نادیدہ قوت کا دخل ہے پھر میں نے اپنے شانوں پر ایک زبردست دباؤ محسوس کیا اور مجھے یوں لگا جیسے یہ قوت مجھے آگے بڑھنے کے لئے مجبور کررہی ہے، میں نے جدوجہد کی کہ آگے نہ جاؤں مگر میری ایک نہ چلی۔

کسی سحر زدہ انسان کی طرح میں آگے بڑھتا چلا جارہا تھا۔ آگے خاردار جھاڑیوں کے درمیان مجھے ایک وسیع شگاف دکھائی دیا۔ اور جونہی میں شگاف میں داخل ہوکر دوسری جانب نکلا میرے شانوں پر رکھا ہوا ناقابل برداشت بوجھ اتر گیا میں نے دیکھا کہ وہ گہری دھند جسے دیکھ کر مجھ پر دہشت طاری ہوگئی تھی آہستہ آہستہ فضا میں تحلیل ہورہی ہے اور پھر اچانک مجھے اس ویرانے میں ایک مکان دکھائی دیا۔ یہ ایک سرائے کی طرز کا قدیم مکان تھا جس کے چاروں طرف خودرو جھاڑیاں اور لمبی گھاس بکثرت اگی ہوئی تھی۔ سرائے چونکہ بہت قدیم تھی اس لئے اس کی دیواروں کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا یا ممکن ہے تاریکی میں مجھے سیاہ نظر آیا ہو بہرطور بے بسی اور مجبوری کے عالم میں یہ مکان مجھے بہت بڑا اسہارا نظر آیا۔

مجھے یقین تھا کہ یہ مکان ضرور آباد ہوگا۔ بلاشبہ رات کافی بیت چکی تھی مگر پھر بھی مکان کا مالک یا جو کوئی بھی اس میں رہتا ہے، انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت میرے لئے دروازہ کھولنے میں کوئی ناراضگی محسوس نہیں کرے گا اور عین ممکن ہے مجھے گرما گرم کھانا بھی کھلادے، کھانے کا خیال آتے ہی میری بھوک چمک اٹھی اور چند منٹ پہلے مجھ پر خوف ودہشت کی جو کیفیت طاری ہوئی تھی رفتہ رفتہ دور ہوگئی انسان کی فطرت بھی عجیب ہوتی ہے۔

قریب پہنچ کر اس عمارت کے دھندلے نقوش مجھے واضح طور پر دکھائی دینے لگے، عمارت کے بڑے سے دروازے پر کچھ لکھا ہوا تھا جو میں کوشش کے باوجود نہ پڑھ سکا۔ عمارت کے چاروں طرف وہی پراسرار دھند پھیلی ہوئی تھی لیکن یہ دھند اپنی جگہ بالکل ساکت تھی۔

جی کڑا کر کے میں نے دروازے پر زور سے دستک دی اور انتظار کرنے لگا مگر اندر سے کوئی جواب نہ

www.pdfbooksfree.pk

آیا تب میں نے دروازے کو کئی مرتبہ کھٹکھٹایا۔اب میں اپنے گردوپیش کی چیزیں بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ مجھے حیرت اس بات پر ہورہی تھی کہ شاندار عمارت کا مالک یا تو نہایت لاپرواہ شخص ہے یا اسے اپنے مکان سے باہر نکلنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا کہ اس کی حالت درست کرنے پر توجہ دے اور دفعتہً میری نگاہ عمارت کے اوپر لگے ہوئے ایک سفید پتھر پر گئی جس پر چند الفاظ کندہ تھے، پہلے میرا خیال تھا کہ شاید اس پر سرائے کا نام لکھا ہوا ہے لیکن اب بغور دیکھنے پر پتا چلا کہ اس پر عجیب مضحکہ خیز الفاظ لکھے ہیں۔

"آپ کا سفر یہاں ختم ہوتا ہے۔"

ان احمقانہ الفاظ کا مطلب میری سمجھ میں نہ آسکا میں کافی دیر تک ان الفاظ پر غور کرتا رہا اور پھر اچانک میرے کانوں میں ایسی آواز آئی جیسے کوئی مکان کے اندر چل رہا ہو۔ پھر دائیں ہاتھ کی اونچی کھڑکی کی درازوں میں روشنی کی ہلکی ہلکی کرنیں مجھے دکھائی دیں اور فوراً ہی یہ روشنی غائب ہوگئی غالباً کوئی شخص دروازہ کھولنے آرہا تھا لیکن یہ سوچ کر کہ دستک دینے والا لوٹ گیا وہ روشنی بجھا کر اپنے بستر پر لیٹ گیا ہوگا۔ لیکن پھر میرے کانوں میں مکان کے اندر کسی کے آہستہ آہستہ چلنے پھرنے کی آواز آئی۔ آہستہ آہستہ یہ آہٹ مکان کے اندرونی حصے سے دروازے کی طرف آئی۔ پھر میں نے دروازے کی آہنی زنجیر کی کھڑکھڑاہٹ سنی اور پھر لکڑی کا بنا ہوا بلند وبالا دروازہ آہستہ آہستہ کھلنے لگا۔

سامنے ہی مجھے ایک آدمی کھڑا دکھائی دیا۔ اسے دیکھ کر میری ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی ایک سرد سی لہر سرایت کرگئی۔ میں بری طرح خوف زدہ ہوگیا۔ وہ پستہ قد اور چوڑے چکلے شانوں والا مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ اس کا گول مٹول چہرہ دودھ کی مانند سفید اور چمکدار تھا۔ گنجی کھوپڑی اندھیرے میں سفید انڈے کی طرح چمک رہی تھی۔ اس نے سیاہ رنگ کا لمبا سا چغہ زیب تن کر رکھا تھا۔ مگر ان تمام عجیب باتوں کے علاوہ جس چیز نے میرے جسم پر لرزہ طاری کردیا تھا وہ یہ تھی کہ اس شخص کے چہرے پر نہ بھنویں تھیں اور نہ آنکھیں ۔اس عجیب وغریب آدمی کے پیچھے ایک بے حد خوبصورت اور جاذب نظر عورت قدیم طرز کا شمع دان ہاتھ میں لئے کھڑی تھی۔ مرد جتنا بھدا اور بدصورت تھا عورت اتنی ہی حسین اور دلکش تھی، اس کا مرمریں جسم سڈول اور کافی اشتعال انگیز تھا اور سفید وسیاہ آنکھیں جن میں جھیل کی سی گہرائی تھی بے پناہ چمکیلی تھیں۔ سیاہ لباس میں وہ غضب ڈھا رہی تھی۔

مگر ان سب چیزوں کے باوجود اسکے چہرے پر ایک ایسی چیز بھی تھی جسے دیکھ کر میرے دل میں اس کے لئے شدید ترین نفرت اور کراہت کے جذبات پیدا ہوگئے نہ جانے کیوں؟ اس کے ہونٹ پتلے پتلے تراشیدہ ہونٹ، کبوتر کے خون کی مانند سرخ تھے جیسے وہ ابھی کسی کا خون پی کر آئی ہو۔ مجھے دیکھتے ہی اس عورت کی آنکھیں تارے کی مانند چمکنے لگی تھیں۔ میں نے ان سے اپنا حال بیان کیا اور ایک رات کے لئے پناہ لینے کی درخواست کی جب میں چپ ہوا تو ایک لمحہ انتظار کے بعد بغیر آنکھوں اور بھنوؤں والے پراسرار شخص نے اپنی لمبی لمبی سفید انگلیاں آگے بڑھائیں اور میرے چہرے کو ٹٹولنے لگا۔ شاید وہ میرے چہرے کے خدوخال سے یہ اندازہ لگا رہا تھا کہ آیا میں کوئی بدمعاش تو نہیں اور پھر اس عورت نے جھک کر مرد کے کان میں آہستگی سے کہا۔"کافی ہے اسے اندر آنے دو۔"

میں نے اس کا یہ فقرہ سن لیا مگر اس کا مطلب میری سمجھ میں نہ آسکا فوراً ہی مرد نے ایک طرف ہٹ کر مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا اگرچہ میں اس مکان کی ہیت اس میں رہنے والے ان دو افراد کی شکل وصورت لباس اور انداز گفتگو سے کسی قدر سراسیمہ ہوگیا تھا لیکن اب میرے لئے مکان میں داخل ہونے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ بصورت دیگر میں اپنے آپ کو اس ویران دلدلی علاقے کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتا اور راہ گیر صبح میری اکڑی ہوئی لاش پاتے۔

بہرحال اپنے آپ کو ہمت دلاتا ہوا میں مکان

میں داخل ہوگیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ سفید چہرے والا شخص کدھر کو چلا گیا البتہ عورت نے مجھے اپنے پیچھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور پہلی منزل کے ایک کمرے میں لے گئی۔ میں نے دیکھا کہ چلتے ہوئے اس کے پیروں سے ہلکی سی آہٹ بھی پیدا نہ ہوتی تھی۔

یہ مکان دو منزلہ تھا اور اس میں کئی بڑے بڑے کمرے تھے مجھے وہ جس کمرے میں لے گئی غالباً وہ سونے کا کمرہ تھا۔ کیونکہ کمرے کے ایک کونے میں ایک آرام دہ بستر موجود تھا۔ عورت کمرے میں داخل نہیں ہوئی بلکہ دروازے پر ہی رک گئی۔ اس کے لبوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی اس نے سر کے اشارے سے رخصتی سلام کیا اور واپس مڑنے ہی والی تھی کہ میں نے اسے روک لیا اور پوچھا کہ کیا کھانے کے لئے کچھ مل سکتا ہے؟ مگر اس عورت نے نفی میں گردن کو جنبش دی اور بجائے افسوس ظاہر کرنیکے اس کے سرخ سرخ لبوں پر مسکراہٹ کچھ اور زیادہ ہوگئی یہاں تک کہ مجھے اس کے سفید سفید چمکیلے دانت دکھائی دیئے جو غیر معمولی طور پر لمبے اور نوکیلے تھے پھر اس نے دروازہ بند کیا اور چلی گئی۔

اب میں کمرے میں تنہا تھا میں نے چاروں طرف بغور دیکھا یہ ایک بڑا سا کمرہ تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں ہاتھ منہ دھونے کے لئے ایک سنک بنا ہوا تھا ۔جس کے قریب ہی چند تولیے لٹک رہے تھے جنوبی دیوار کے ساتھ پرانی طرز کی کئی کرسیاں بھی ایک قطار میں رکھی ہوئی تھیں اور اس کے مقابل کی دیوار کے ساتھ ہی لکڑی کی بنی ہوئی ایک بے حد مضبوط اور بھاری الماری کھڑی تھی۔ کمرے کی مغربی دیوار کے کونے میں ایک ہی کھڑکی تھی جو مجھے بند دکھائی دی۔ اور اسی طرف وہ دروازہ تھا جس سے میں اندر داخل ہوا تھا۔

بستر کے قریب ہی ایک نہایت وزنی اور کئی فٹ اونچا لیمپ بھی رکھا ہوا تھا جس پر گرد کی موٹی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ اس کی زرد رنگ کی روشنی میں کمرے کی یہ تمام چیزیں مجھے دھندلی سی نظر آرہی تھیں۔ مشرقی دیوار میں ایک چھوٹا سا دروازہ مجھے دکھائی دیا جس میں قفل لگا

انمول باتیں

☆ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر انسان کو رزق دینے کا وعدہ فرمایا ہے لیکن یہ وعدہ نہیں کیا کہ وہ ہر ایک کو بخش دے گا۔ پھر ہم کیوں رزق کے لئے فکر مند ہیں اور مغفرت سے بے پرواہ......؟

☆ قسمت آپ کے ہاتھوں میں نہیں لیکن کام آپ کے ہاتھ میں ہے۔ قسمت آپ کا کام نہیں سنوار سکتی لیکن کام قسمت سنوار سکتا ہے۔

☆ جب آپ روشنی میں ہوں گے تو ہر چیز آپ کے پیچھے چلے گی لیکن جب آپ اندھیرے میں داخل ہوں گے تو ہر چیز حتیٰ کہ آپ کا سایہ بھی آپ کا ساتھ چھوڑ دے گا۔ یہی زندگی ہے۔

☆ انسان کے اعمال ہی اس کی قسمت کا فیصلہ کرتے ہیں۔ نیک نیتی سے کی جانے والی کوششیں کبھی ضائع نہیں ہوتیں۔ جو شکوہ کرتا ہے وہ اللہ کی تقسیم پر راضی نہیں۔

☆ غیبت کرنے سے صرف اس بندے کو فائدہ ہوگا جس کی غیبت کی جائے۔ کیونکہ اس سے اس کی نیکیاں بڑھیں گی اور غیبت کرنے والی کی کم ہوں گی۔

☆ حاسد اپنے سوائے کسی کا نقصان نہیں کرتا۔ ناکامی کی وجہ تقدیر نہیں۔ ہڈحرامی بدنیتی اور بے عملی ہوتی ہے۔

(نوشین خان۔کوٹ مظفر میلسی)

www.pdfbooksfree.pk

ہوا تھا میں نے ایک سوراخ سے اندر دیکھنے کی کوشش کی مگر کچھ دکھائی نہ دیا کہ اس کمرے میں کیا ہے کیونکہ اندر گھپ اندھیرا تھا۔

میں تھک کر چور ہو چکا تھا اور کپڑے دھول میں اٹ گئے تھے میں نے سوچا اگر اس وقت گرم گرم پانی سے ایک غسل ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو۔ مگر افسوس کے یہاں غسل کا کوئی انتظام نہ تھا میں نے سونے کی تیاریاں شروع کردیں اور اپنا کوٹ اتارا تب مجھے اس عورت کا خیال آیا جو مجھے اس کمرے میں پہنچا کر غائب ہوگئی تھی۔ آخر اتنی حسین و جمیل عورت اس پراسرار اندھے شخص کے ساتھ اس ویران مکان میں کیونکر رہتی ہے؟ اور وہ شخص تو مجھے کسی اور ہی دنیا کی مخلوق معلوم ہوتا تھا یا پھر وہ کوئی بدروح ہے مگر اس بدروح کے ساتھ اس عورت کا کیا تعلق؟ چونکہ میں بری طرح تھک چکا تھا لہٰذا اس سوال کا جواب میرا ذہن بھی دینے سے قاصر رہا ہاں میں نے یہ طے کرلیا کہ صبح ہوتے ہی اس عورت کا معاملہ حل کرنے کی کوشش کروں گا۔

بستر پر لیٹتے ہی ایک مرتبہ پھر میرے دل میں غسل کرنے کی خواہش نے جنم لیا اور پھر مجھے یاد آیا کہ ممکن ہے کہ وہ چھوٹا سا دروازہ جس میں تالا لگا ہے کسی غسل خانے کا دروازہ ہو۔ میں بستر سے اٹھ کر اس دروازے کے قریب گیا۔ دروازے کا جائزہ لیا اور پھر پوری قوت سے اسے کھلونے کی کوشش کی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

میں ہمیشہ کئی قسم کی چابیوں کا گچھا اپنے ساتھ ضرور رکھتا ہوں چنانچہ میں نے وہ گچھا کوٹ کی جیب سے نکالا اور باری باری ہر چابی تالے کے سوراخ میں آزمانے لگا اور آخر طویل جدوجہد کے بعد ایک چابی سے تالا کھل ہی گیا۔ واقعی یہ غسل خانہ تھا مگر بے حد غلیظ تھا۔ خدا معلوم کتنے عرصے سے اس میں صفائی نہیں ہوئی تھی چونکہ لیمپ کی مدھم روشنی غسل خانے تک نہیں پہنچ سکتی تھی اس لئے میں نے موم بتی تلاش کرنے کی کوشش کی مگر جہد مسلسل کے باوجود مجھے موم بتی نہ ملی میں نے موم بتی کی تلاش بلاتاخیر ترک کردی اور اندھیرے میں ہی غسل کرنے کا فیصلہ کرلیا اور پھر میں نے ٹنکی میں لگے ہوئے نل کا والو کھول دیا۔

بہت ہی مدھم روشنی میں، میں نے دیکھا کہ پانی کی پتلی سے دھار نکل کر غسل کے بڑے ٹب میں گری مگر کیسا پانی، گدلا اور سیاہ رنگ کا جس میں سے عجیب قسم کا تعفن پھوٹ رہا تھا اور پھر پانی کی ٹنکی سے خرخر کی عجیب آوازیں نکلنے لگیں۔ اب میں نے نہانے کے ٹب پر ایک نظر ڈالی یہ بھی قدیم طرز کا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے صدیوں سے اسے کسی نے استعمال نہیں کیا۔

پہلے تو میں نے سوچا کہ نہانے کا ارادہ ترک کردینا چاہئے لہٰذا سوچا کہ کم از کم ہاتھ پیر ہی دھولوں جو بے حد گرد آلود تھے، یہ سوچ کر میں نہ پتلوں اور موزے بھی اتار ڈالے اور انہیں بستر پر رکھ کر دوبارہ غسل خانے میں آگیا میرے دل سے اب سارا ڈر اور خوف رخصت ہو چکا تھا میں سیٹی بجاتے ہوئے پانی کے ٹب میں بیٹھ گیا۔ میرے سر پر پانی کی پتلی سے دھار پڑنے لگی۔ مگر دفعتہً میں بری طرح دہشت زدہ ہوگیا۔ خدا کی پناہ یہ کیا لجلجی سی چیز تھی جو میرے بدن پر چپک رہی تھی۔ میں نے غور سے ٹب کی طرف دیکھا اور پھر میرے رونگٹے کھڑے ہوئے۔ ٹب کے نیچے اور چاروں کناروں لجلجا سا خون جما تھا۔ جسے دیکھ کر میرے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور میں اچھل کر دوسری طرف جا پڑا۔

اور جب مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو اسی مکروہ اور غلیظ ٹب کے پاس پڑے ہوئے پایا، میرے ہاتھوں اور پیروں میں خون جم کر سخت ہوگیا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ یہ خون حیوانی نہیں انسانی ہے۔ اس اچانک اور لرزہ خیز دریافت نے میرا ذہن قطعی ماؤف کردیا۔ چند لمحوں تک میں سر پکڑے اس طرح بیٹھا رہا۔ ایک ویران مکان کے اندر آدھی رات کو انسانی خون سے بھرے ٹب میں غسل کرنے کا حادثہ اتنا بھیانک اور دہشت انگیز تھا کہ اس نے میری تمام ذہنی اور جسمانی قوتیں سلب کرلی تھیں، میں یقیناً اسے ایک وہم یا خواب

سے زیادہ اہمیت نہ دیتا اگر خون سے جمے ہوئے لوتھڑے میرے بدن سے چمٹے نہ ہوتے۔

چند منٹ بعد میرے اعصاب کچھ پرسکون ہوئے تو میں اٹھا اور کمرے میں جا کر اپنے تولیے سے ہاتھ پیروں میں جما ہوا خون بمشکل صاف کیا۔ بلاشبہ یہ انسانی خون تھا اور بالکل تازہ، آخر یہ خون کہاں سے آیا؟ اور وہ بدنصیب جو مارا گیا اس کی لاش کہاں چھپائی گئی۔

نہ جانے میں کتنی دیر تک سوچتا رہا۔ دہشت سے میرے جسم کا ہر رونگٹا کھڑا ہوگیا تھا اور دل دھک دھک کررہا تھا۔ میں نے اپنے کپڑے دوبارہ پہنے کیونکہ اب آنکھوں سے نیند غائب ہو چکی تھی اور ایک ایسی بھیانک جگہ جہاں انسانی خون بکھرا ہوا ہو بھلا کسی شخص کو کس طرح نیند آسکتی ہے، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کون بدنصیب تھا جس کا خون بہایا گیا اور کس نے بہایا؟ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی موٹی تازی جونک نے اس کا خون چوسا ہو اور پھر اسے ٹب میں خارج کردیا ہو۔

جونک؟ بجلی کی مانند میرے ذہن میں یہ خیال آیا اور پھر اس سفید چہرے والے اندھے کی خوفناک شکل میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگی۔ اف خدایا، کیا اس کی شکل جونک سے مشابہت نہیں رکھتی؟ خون میری رگوں میں جمنے لگا۔ اس عفریت کا اگلا شکار کون ہوگا؟ میرا جسم بری طرح کپکپانے لگا۔ میں اٹھ کر فوراً کھڑکی کی طرف بڑھا اور پوری قوت کے ساتھ میں نے کھڑکی کے دونوں پٹ کھولے۔ مگر باہر جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ کھڑکی میں موٹی موٹی آہنی سلاخیں لگی ہوئی تھیں میں فوراً وہاں سے دروازے کی طرف لپکا مگر بے سود کیونکہ دروازہ تو باہر سے مقفل کردیا گیا تھا اور پھر میں دروازے کے قریب کھڑے ہو کر فرار ہونے کی ترکیب سوچنے لگا دفعتاً مکان میں پھر کسی کی نقل و حرکت کی ہلکی سی آواز میرے کانوں میں آئی جیسے کوئی دبے پاؤں چل رہا ہو۔ یہ آواز آہستہ آہستہ قریب آرہی تھی یہاں تک کہ میرے کمرے کے دروازے کے برابر پہنچ کر اچانک تھم گئی۔ دہشت سے آنکھیں پھاڑے میں دروازے کی طرف دیکھتا رہا اور پھر میں نے سنا کہ قفل میں چابی گھمائی جارہی ہے۔ دروازے میں لگا ہوا گول دستہ آہستہ آہستہ گھومنے لگا اور دروازہ بغیر کسی آہٹ کے دو تین انچ کے قریب کھل گیا۔

فرنیک میتھون کی حالت غیر ہوگئی اور اس کا سانس زور زور سے چلنے لگا۔ ڈاکٹر پال نے فوراً برانڈی کا گلاس بھر کر اس کے منہ سے لگا دیا۔ برانڈی پینے کے بعد اس کی حالت درست ہوئی اور اس نے سلسلہ کلام دوبارہ شروع کیا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کمرے کے فرش نے میرے پیر جکڑ لئے ہیں اور میں کوشش بھی کروں تو اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا میرا مفلوج جسم پسینے سے تر ہو رہا تھا۔ آہ وہ ہیبت ناک اور بھیانک خاموشی مجھے ساری عمر یاد رہے گی، یہاں تک کہ خوف سے میرے دانت بجنے لگے۔ غسل خانے کی ٹنکی سے قطرہ قطرہ پانی ٹب میں گر رہا تھا اور اس کی آواز بڑی ہی ڈراؤنی تھی۔

دروازہ تھوڑا سا اور کھلا اور پھر میں اپنی قوت سے چلانے لگا۔ ”جاؤ...... یہاں جو کوئی بھی ہے فوراً چلا جائے ورنہ......“ اور پھر پاگلوں کی طرح کھلے ہوئے دروازے پر اپنا بوجھ ڈال کر اسے زور سے بند کردیا، دروازے کے باہر قدموں کی چاپ ایک مرتبہ پھر سنائی دی جو آہستہ آہستہ دور ہوتی گئی اور پھر غائب ہوگئی میں دروازے کے ساتھ چمٹا ہوا بری طرح ہانپ رہا تھا اور جب مجھے پورا اطمینان ہوگیا کہ باہر کوئی بھی نہیں تو میں نے دروازہ کھولنا چاہا مگر وہ باہر سے بند تھا۔ اب مجھے ہر قیمت پر یہاں سے نکلنا تھا۔

مگر سوال یہ تھا کہ کیسے؟ عین ممکن تھا کہ وہ خون آشام جونک جو انسانی شکل میں تھی دوبارہ اس طرف کا رخ کرتی۔ اور پھر میری نظر کمرے میں رکھی ہوئی بھاری بھرکم لکڑی کی الماری پر پڑی میں نے بمشکل وہ بھاری الماری گھسیٹ کر دروازے کے ساتھ لگا دی۔ اس کام سے فارغ ہو کر مجھے اطمینان ہوا کہ اس دروازے سے اب کوئی آسانی سے نہ آسکے گا۔ کمرے کا لیمپ

www.pdfbooksfree.pk

بدستور جل رہا تھا۔ میں نے جیب سے گھڑی نکال کر دیکھی پورے بارہ بجے تھے اور صبح ہونے میں ابھی کئی گھنٹے باقی تھے میں بستر پر لیٹ گیا اور صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

مسہری کے اوپر چھت پر ایک بہت بڑا سا سائبان لگا ہوا تھا جیسا کہ پرانے زمانے میں بستر کی خوبصورتی کے لئے استعمال ہوتا تھا میں بستر پر لیٹا اس خوبصورت سائبان کو دیکھنے میں محو تھا کہ اچانک میری نگاہ ایک ایسی شے پر پڑی جسے دیکھ کر مجھے ہمیشہ کراہت ہوتی ہے۔ یہ ایک بہت بڑی مکڑی تھی جس نے میرے سر کے عین اوپر سائبان کے درمیان لگی ہوئی ایک لمبی اور نوکیلی آہنی سلاخ سے لیکر مسہری کے ایک کونے تک اپنا وسیع جالا تان رکھا تھا، میرا خیال تھا کہ سائبان کے درمیان لوہے کی یہ نوکیلی سلاخ شاید لالٹین یا لیمپ وغیرہ کے لٹکانے کے کام آتی ہوگی۔ مکڑی اب جالے کے عین درمیان میں بیٹھی مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں بھی اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا یہاں تک کہ میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں اور پھر چند لمحوں بعد نیند نے مجھے آ گھیرا۔

دفعتاً میری آنکھ کھل گئی اور مجھے یاد ہے کہ وہ بڑی مکڑی اپنے جالے سے گر کر میرے دائیں گال پر آن پڑی اور پھر رینگتی ہوئی گردن کی طرف بڑھی، دہشت زدہ ہو کر میں ایک طرف اچھلا عین اس لمحے لوہے کی بھاری نوکیلی سلاخ سنسناتی ہوئی نکلی اور بستر میں کھب گئی اور ایک سیکنڈ کی بھی دیر ہو جاتی تو وہ سلاخ میرے سینے میں پیوست ہو چکی ہوتی مگر اس مکڑی نے میری جان بچالی اور تب میں نے محسوس کیا کہ سائبان کے درمیان اس آہنی سلاخ کو لگانے کا اصل مقصد کیا ہے۔؟

واقعی کسی کو سوتے میں قتل کرنے کی اس سے بہتر ترکیب کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے اس سلاخ کا معائنہ کیا جو بستر میں گڑی ہوئی تھی۔ سلاخ کی بناوٹ تیز دھار نیزے کی انی سے مشابہت رکھتی تھی انی جب گری تو مکڑی کا جالا ٹوٹ گیا اور یقیناً مکڑی کو پہلے سے پتا چل گیا ہوگا کہ سائبان کی سلاخ میں جنبش ہو رہی ہے اور پھر مکڑی خوف زدہ ہو کر میری گردن پر آن گری اور میں نیزے کی انی سے ہلاک ہوتے ہوتے بچا۔

اب میں کمرے کے وسط میں کھڑا اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے کوئی تدبیر سوچ رہا تھا کہ دفعتہً میں نے دروازے کے باہر قدموں کی وہی چاپ سنی جو اس سے قبل میں دو مرتبہ پہلے بھی سن چکا تھا جلد ہی یہ ہلکی آواز غائب ہوگئی مگر کچھ دیر بعد ہی وہی آواز سنائی دی۔ اس مرتبہ یہ آواز دیوار کے قریب سے آئی تھی جس کے ساتھ مسہری لگی ہوئی تھی۔ اور پھر ایسی آواز سنائی دی جیسے دیوار کھرچی جا رہی ہو اور اس میں سے کوئی چیز نکالی جا رہی ہو اور پھر کوئی بٹن دبائے جانے کا کھٹکا بھی سنائی دیا۔

میں نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا دیوار میں ایک چھوٹا سا شگاف ظاہر ہو رہا تھا۔ جس میں سے موم بتی کی مدھم اور لرزتی ہوئی روشنی کمرے میں داخل ہو رہی تھی میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر لیمپ کو گل کر دیا میں نے کوشش کی کہ دہشت سے اپنے اعصاب کو بچائے رکھوں پھر میں لپک کر اس غسل خانے میں گھس گیا جہاں جاتے ہوئے میری روح فنا ہوتی تھی میں دروازے کی اوٹ سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

دیوار والا شگاف آہستہ آہستہ بڑا ہو رہا تھا اور پھر وہ اتنا چوڑا ہو گیا کہ ایک آدمی اس میں سے بخوبی نکل سکتا تھا اور پھر مجھے دو ہاتھ دکھائی دیئے۔ بھدے بدنما اور پنجے جیسے ہاتھ جو شگاف کو ٹٹول رہے تھے اور دوسرے ہی لمحے وہ بغیر آنکھوں والی مکروہ اور غلیظ جو انسانی شکل میں تھی اندر داخل ہوگئی۔ چند سیکنڈ توقف کے بعد وہ آہستگی سے بستر کی طرف بڑھا اور پھر میں نے دیکھا کہ دیوار کے شگاف کے پیچھے وہی خوبصورت چڑیل ہاتھوں میں شمع دان لئے کھڑی ہے اس کی شیطانی آنکھیں دہکتے ہوئے انگاروں کی طرح سرخ تھیں جنہیں دیکھ کر میں کانپ اٹھا۔

آدمی اب بستر کے قریب پہنچ چکا تھا چند لمحے بستر ٹٹولنے کے بعد وہ اندھا شیطان بلی کی مانند غرایا اور پیچھے ہٹا اس کی آواز سن کر چڑیل بھی

اندر آ گئی اور اس اندھے شیطان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ”جلدی کرو...... غسل خانے میں......“ یہ سنتے ہی وہ مڑا اور دبے پاؤں غسل خانے کی طرف بڑھا اس مختصر سے عرصہ میں مجھے ہر قیمت پر اپنی بچانی تھی۔ میں نے چھت پر ٹنکی کی طرف دیکھا جہاں ایک بڑا سا شگاف تھا۔ برق رفتاری سے میں اوپر چڑھ گیا۔ شگاف اتنا بڑا تھا کہ میں تڑ مڑ کر اوپر چھت پر پہنچ سکتا تھا۔ اس شگاف تک پہنچتے پہنچتے میرا سانس پھول گیا اور میں ایک لمحہ دم لینے کے لئے رکا۔ تعفن اور سڑاند کا ایک سلسلہ مجھے اپنے نتھنوں میں گھستا ہوا محسوس ہوا، اور پھر وہ مرد اور عورت غسل خانے میں داخل ہو گئے پہلے عورت نے ٹب میں جھانکا اور کمر سیدھی کر کے کھڑی ہوئی اور اب میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک کلہاڑی تھی۔

اس عورت نے مجھے دیکھا اور بھیانک انداز میں قہقہے لگانے لگی۔ ”نیچے اترو چڑیل نے چلا کر کہا اس کمرے میں رہنے کا معاوضہ تمہیں ادا کرنا پڑے گا ، اور جب میں نے کوئی حرکت نہ کی تو اس کا وحشیانہ پن عود کر آیا۔ اس نے شمع دان مرد کو تھمایا اور پھرتی سے پائپ پر چڑھنے لگی۔ میں نے جلدی سے اپنا جسم سوراخ کے اندر داخل کر لیا اور پھر میں نے بغیر سوچے سمجھے چھلانگ لگا دی۔

اف خدایا! میں گوشت اور ہڈیوں کے ایک عظیم ڈھیر پر گرا تھا۔ دس پندرہ لاشیں جن کے عضو عضو جدا تھے جانے کب سے پڑی سڑ رہی تھیں۔

میرے سامنے ایک تاریک راہداری تھی جس کے اندر میں اندھا دھند دوڑتا چلا گیا۔ عورت چیختی چلاتی ہوئی اب بھی میرے تعاقب میں تھی۔ میں لکڑی کے ایک زینے کے ذریعے دوسری منزل کی چھت پر پہنچ گیا تھا۔ اب میرے لئے فرار کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں۔

خوبصورت چڑیل میری بے بسی سے فائدہ اٹھا کر مجھ سے دس فٹ کے فاصلے پر رک کر وحشیانہ انداز میں قہقہے لگانے اور کلہاڑی گھمانے لگی۔ میرا سارا جسم برف کی مانند سرد ہو گیا۔ وہ اپنے لمبے، نوکیلے سفید دانت پیستی ہوئی میری طرف بڑھ رہی تھی۔ میں نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا۔ ایک بلند بالا درخت کی چند شاخیں چھت سے دو تین فٹ کے فاصلے پر پہنچ کر رک گئی تھیں۔ میں نے دیوار پر ایک ہاتھ رکھ کر دوسرے ہاتھ سے ایک شاخ پکڑ لی اور دوسرے ہی لمحے وہ مجھ پر جھپٹ پڑی۔ اس نے کلہاڑی گھمائی اور دیوار پر رکھا ہوا میرا ہاتھ سن ہو گیا۔ درخت کی شاخ میرا بوجھ نہ سنبھال سکی اور تڑاخ سے ٹوٹ گئی۔ اور میں دھڑام سے جھاڑیوں پر گرا اور اٹھ کر پاگلوں کی طرح بھاگا اور ایک میل تک بھاگتا رہا آخر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو جس مقام پر سرائے تھی وہاں آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے پوری عمارت ان شعلوں کی لپیٹ میں آ گئی تھی۔“

فرینک میتھون خاموش ہو گیا اس کی پیشانی عرق آلود ہو رہی تھی۔

”اچھا تو سرائے میں آگ لگ گئی؟“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”مگر یہ آگ کس طرح لگی ہوگی؟“

”میرا خیال یہ ہے کہ عورت نے وہ شمع اندھے کے ہاتھ میں پکڑا دی تھی اور پھر کسی طرح اس کے سیاہ چغے نے شمع کی لو کو چھو لیا ہوگا۔ اندھے نے اپنے بچاؤ کی تدبیر کی ہوگی لیکن کمرے کے دوسرے سامان نے بھی آگ پکڑ لی ہوگی۔“

”بہر حال کہانی بہت دلچسپ ہے...... بشرطیکہ یہ سچی ہو......“

یہ سنتے ہی فرینک میتھون کا چہرہ فق ہو گیا اور اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”ڈاکٹر کیا تم بھی مجھے پاگل سمجھتے ہو۔“ یہ کہہ کر اس نے اپنا دایاں ہاتھ کوٹ کی جیب سے نکال کر ڈاکٹر کی آنکھوں کے سامنے کر دیا۔

اس کی چاروں انگلیاں کٹی ہوئی تھیں اور ہاتھ پر بے ترتیبی سے بندھی ہوئی ڈھیلی پٹیوں پر تازہ خون کے قتلے جمے ہوئے تھے۔

www.pdfbooksfree.pk

سنہری تابوت

ایم اے راحت

قسط نمبر: 10

خراماں خراماں اور سبک رفتاری سے دل و دماغ کو خوف کے شکنجے میں جکڑتی ہوئی صدیوں پر محیط اپنی نوعیت کی اچھوتی انوکھی دلکش دلفریب ایک طویل عرصہ تک دماغ سے محو نہ ہونے والی حقیقت سے قریب تر، سوچ کے افق پر جھلمل کرتی ناقابل فراموش کہانی۔

شاہکار کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے اچنبھے میں ڈالتی حیرت انگیز اور تحیر انگیز کہانی

ابھی عسکری حیران نگاہوں سے مجھے دیکھ ہی رہا تھا کہ صوفیہ نے پلٹ کر میری کلائی پکڑلی۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا تو وہ بولی۔

"سوری نشاء...... ذرا میرے ساتھ آؤ۔"

"کہاں۔" میں نے حیرانی سے پوچھا تو صوفیہ نے کہا۔

"میں، واش روم جانا چاہتی ہوں۔"

اسی وقت عسکری. دو قدم آگے بڑھا اور بولا۔ نہیں میڈم، خدا کے لئے انہیں مجھ سے انحراف پر مجبور نہ کریں، اگر ہو سکے تو یقین کرلیں کہ میں دوست ہوں۔"

عسکری نے جس انداز سے یہ الفاظ کہے اس سے صوفیہ شرمندہ سی ہوگئی، پھر اس نے کہا۔

"او کے میں چلتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ پلٹی اور واپس چل پڑی۔

تب عسکری نے کہا۔ "اصل میں ہمارے راستے میں دوسری بہت بڑی رکاوٹیں بھی ہیں، میں اگر تم سچ سمجھ لو تو تمہیں یقین دلا رہا ہوں کہ میں تو خیر برا ہوں، لیکن ہمارے راستے میں بہت سارے طریقے سے رکاوٹیں ڈالنے کی کوششیں کی گئی ہیں، اسی طرح سے میڈم صوفیہ تمہیں تفصیل بتانے سے روکنا چاہتی تھیں، لیکن نشاء براہ کرم مجھے یہ بتاؤ روشاق کو یہ بات نہیں معلوم میں اسے یہ اطلاع دوں گا اس طرح تمہارے مفاد میں میرا کام جاری رہ سکتا ہے، یہ بے حد ضروری ہے نشاء...... یہ بے حد ضروری ہے۔"

"میں ان تابوتوں کو دیکھنا چاہتی ہوں۔" میں نے ضدی لہجے میں کہا۔

"تم چاہو تو میں تمہیں وہاں لے جاسکتا ہوں، یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے لیکن مجھے اس بات کا جواب دو، پلیز مجھے اس بات کا جواب دو کہ کیا کیا...... وہ واقعی مرگیا، میری مراد...... میری مراد البرونوس سے ہے؟"

"ہاں اس کی لاش تابوتوں کے پاس پائی گئی ہے اور اس کا رنگ موت کے بعد گہرا نیلا ہو چکا تھا۔"

"کیا اب بھی وہ لاش وہیں موجود ہے؟"

"یہ میں نہیں جانتی۔"

"ٹھیک ہے آؤ چلیں، مگر تمہیں ان تابوتوں سے کیا دلچسپی ہے؟" اس نے پوچھا اور میرے چہرے پر ناخوشگواری کی لکیریں پھیل گئیں۔

"یہ بھی بتانا ہوگا۔" میں نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

www.pdfbooksfree.pk

”نہیں جو کچھ نہ بتانا چاہو وہ مت بتانا، اس کے بارے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ عسکری نے خلوص سے کہا اور ہم دونوں وہاں سے آگے بڑھ گئے، پھر جب ہم نیچے جانے لگے تو فرانسیسی پولیس کے چند افراد نے ہمیں روک دیا۔

”نہیں آپ! آگے نہیں جاسکتے۔“

”کیوں؟“ عسکری نے سوال کیا۔

”آگے خطرہ ہے کیونکہ مسٹر واسکوڈی قیدیوں کو نکال کر لا رہے ہیں، ان کی ہدایت ہے کہ راستے محفوظ رکھے جائیں، خصوصاً خواتین کے لئے، پلیز...... آپ لوگ فوراً راستہ خالی کر دیجیے۔“ عسکری نے میری جانب دیکھا اور ہمیں بادل نخواستہ واپس پلٹنا پڑا تھوڑا سا پیچھے آنے کے بعد اس نے کہا۔

”خیر ہم بعد میں وہاں ضرور جائیں گے۔“ میں نے کوئی جواب نہیں دیا، ہم دونوں واپس اسی جگہ آگئے جہاں پر جہاز کے دوسرے مسافر جمع ہو رہے تھے، صوفیہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی، میں نے عسکری سے کہا۔

”روشاق ابھی تک نظر نہیں آیا وہ کہاں ہے؟“

”شاید ان لوگوں میں نہیں ہے۔“ عسکری نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا وہ اپنے کیبن سے کبھی باہر نہیں آتا؟“ میں نے سوال کیا تو عسکری عجیب سے انداز میں شانے ہلا کر بولا۔

”یقین کرو نشاء، مجھے تو وہ کوئی بری روح معلوم ہوتا ہے، اتنے واقعات پیش آگئے، جہاز کے ہر مسافر پر قیامت گزر گئی، لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوا، میں نے جب بھی اسے دیکھا اپنے کیبن میں ہی دیکھا۔ اس کے چہرے پر گہرا سکون پھیلا ہوا نظر آتا ہے اور وہ غیر مطمئن نہیں لگتا۔“

”اس کے پاس ایک خونخوار سی بلی رہتی ہے، کیا وہ اس وقت بھی اس کے پاس موجود ہے۔“

”یقین کرو میں نے نہیں دیکھی ابھی تک۔“

”مطلب یہ کہ جب بھی تم اس سے ملے ہو تو وہ خونخوار بلی روشاق کے پاس موجود نہیں تھی؟“

”لیکن وہ کہاں ہے یہ صرف روشاق ہی جانتا ہے۔“

میں ایک گہری سانس لے کر خاموش ہوگئی۔ وہ بلی ان تمام معاملات میں ایک نمایاں کردار رکھتی تھی، کچھ دیر کے بعد لوگ اس راستے سے ہٹنے لگے جو نیچے سے اوپر آتا تھا، فرانسیسی پولیس کے سپاہی قیدیوں کو لے کر اوپر آ رہے تھے۔ لوہے کی بیڑیوں کی کھنک گونج رہی تھی، میں اور تھوڑا سا پیچھے ہٹی اور عسکری کے ساتھ ایک بلند جگہ جا کھڑی ہوئی۔ وہاں سے میں نے ان آٹھ قیدیوں کو دیکھا۔ جینز کے موٹے لباس میں ملبوس تھے۔ انسانی شکل میں جانور نظر آ رہے تھے، داڑھیاں بڑھی ہوئی، آنکھیں وحشت زدہ، بدن قوی ہیکل جنہیں دیکھ کر ہیبت طاری ہوتی تھی، فرانسیسی سپاہی ہاتھوں میں چابک سنبھالے ہوئے تھے، وہ مجمع کے درمیان سے گزرتے ہوئے اس جگہ تک آگئے جہاں ان کے لئے انتظام کیا گیا تھا۔

لوگ انہیں دیکھ کر دم بخود ہو گئے تھے، پھر انہیں ایک قطار میں کھڑا کر دیا گیا، اس کے بعد ہینڈرک واسکوڈی نے ایک شخص کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ یہ انتہائی دیو قامت آدمی تھا۔ واسکوڈی بولا۔

”یہ گارساں ہے۔“

”ڈان وان اوٹر بلیجی گارساں۔“ قوی ہیکل نے پورا نام بتایا پھر مجمع کی طرف دیکھ کر مسکرا کر بولا۔

”فرانس کا بوڑھا کانسٹیبل ہمیشہ میرا پورا نام لینے سے کتراتا ہے کیونکہ میرے خوف سے اس کی جان نکلتی ہے۔“

عقب میں کھڑے ایک فرانسیسی نے طیش میں آکر شڑاک کی آواز کے ساتھ ایک زوردار چابک اس پر رسید کیا، لیکن وہ منظر بھی قابل دید تھا کہ گارساں کے بدن میں جنبش بھی نہیں ہوئی، وہ اسی طرح مضحکہ خیز نگاہوں سے واسکوڈی کو دیکھتا رہا، جبکہ واسکوڈی کسی

قدر نروس ہو گیا تھا۔ برطانوی نژاد پولیس آفیسر نے آگے بڑھ کر کہا۔

”یہ تم کیا کر رہے ہو مسٹر واسکوڈی، کیا اس طرح دوستانہ فضا میں بات ہو سکتی ہے۔“ فرانسیسی افسر نے گھبرا کر اپنے افسر اعلیٰ کو دیکھا پھر اپنے ساتھیوں سے بولا۔

”گارساں کی بکواس پر کان نہ دھرو، بکنے دو جو وہ بکتا ہے۔“ اس کے بعد اس نے گارساں سے کہا۔

”مائی ڈیئر گارساں تمہیں علم ہے کہ مارشل سمندری طوفان کا شکار ہو گیا ہے، یہ تمام لوگ......“ واسکوڈی نے چاروں طرف بکھرے ہوئے لوگوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”یہ تمام لوگ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں، اس وقت ہم میں سے کوئی کسی کا دشمن نہیں ہے، سب کو ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت ہے تمہیں بھی ہم سب کا ساتھ دینا ہوگا، کیا سمجھے؟“

گارساں نے دو تین بار سر کو مضحکہ خیز انداز میں جنبش دی، واسکوڈی کو تمسخرانہ نگاہوں سے دیکھا، پھر اس کے حلق سے قہقہہ ابل پڑا، پھر اس کا دوسرا ساتھی بھی ہنسنے لگا، پھر دوسرا، پھر تیسرا اور اس کے بعد وہ آٹھوں پاگلوں کی طرح پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنسنے لگے، ہینڈرک واسکوڈی کا چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا، وہ لوگ مسلسل ہنسے جا رہے تھے، انداز بالکل پاگلوں جیسا تھا اور سارا مجمع خاموش تھا، فرانسیسی افسر کو سخت طیش آ رہا تھا جس کا اظہار اس کے چہرے سے ہوتا تھا، اس کے ساتھی چمڑے کے ہنٹروں پر اپنی گرفت سخت کر چکے تھے اور منتظر تھے کہ واسکوڈی کا اشارہ ملے تو وہ ان کی کھال اتار کر پھینک دیں، لیکن واسکوڈی نے کوئی اشارہ نہیں کیا، وہ خاموشی سے اس تمسخرانہ ہنسی کو دیکھتا رہا، یہاں تک کہ ہنسنے والے خود تھک گئے، پھر گارساں نے انگلی اٹھا کر ہینڈرک واسکوڈی کی طرف دیکھا اور مجمع کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

”فرنچ کانسٹیبل بہت مسخرہ ہے، دلچسپ باتیں کرتا ہے، کہتا ہے کہ یہاں کوئی کسی کا دشمن نہیں ہے، میرے دوست کو دیکھو جس نے ہمیں بیڑیوں میں جکڑ رکھا ہے، اس کے ساتھ رنگروٹ ہاتھوں میں کوڑے لئے ہوئے ہیں جو ہم پر برسانے کے لئے ہیں اور یہ کہتا ہے کہ اسے ہماری مدد درکار ہے، تم لوگوں کو ہنسی نہیں آتی اس بات پر۔“

”اور اس احمقانہ فرمائش پر سب سے پہلے میں احتجاج کرتا ہوں۔“ ایک عجیب سی آواز ابھری اور مجمع کے ساتھ ساتھ ہماری بھی نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں، میرے پورے بدن کو ایک شدید جھٹکا لگا تھا وہ روشاق تھا۔ نجانے کس وقت وہ مجمع میں آکر شامل ہو گیا تھا، میرے بدن میں چنگاریاں دوڑنے لگیں، روشاق نے پھر کہا۔

”ان لوگوں کو مدد کے قابل سمجھا گیا ہے تو انہیں بھی جہاز کے معزز مہمانوں کا درجہ دیا جائے۔“

روشاق اس وقت بہت عجیب نظر آ رہا تھا، اس نے پادریوں جیسا جبہ پہنا ہوا تھا، سر پر عجیب سی ٹوپی پہنی ہوئی تھی، یہاں تک کہ گارساں کی نگاہیں بھی اس کی جانب اٹھ گئیں اور وہ بدستور تمسخرانہ انداز میں بولا۔

”معاف کرنا نیک دل انسان، اگر تم پادری ہو تو میں تمہیں مقدس باپ نہیں کہہ سکتا کیونکہ عظیم گارساں کا ایک ہی باپ تھا اور اس نے ایک ہی نر پیدا کیا یعنی گارساں، ہاں میں تمہیں چچا کہہ سکتا ہوں تو میرے مقدس چچا، میرے مقدمے کی پیروی کرو۔“

”اس پورے سمندری سفر میں یہ پہلی بار اپنے کیبن سے باہر نکلا ہے۔“ عسکری نے میرے کان کے پاس سرگوشی کی۔ ”تم اسے پہچانتے ہو نا یہی روشاق ہے نا؟“

”ہاں ہاں۔“ میں نے آہستہ سے کہا۔

برطانوی نژاد مجسٹریٹ نے کہا۔ ”میں برٹش قانون داں ہوں، لیکن اس وقت میں عالمی قانون کی بات کرتا ہوں، ایسے لمحات میں جب کوئی کسی کی زندگی

www.pdfbooksfree.pk

کی ضمانت نہ دے سکے، کوئی کسی کو قید نہیں رکھ سکتا۔ پہلے قیدیوں کو آزاد کیا جائے اس کے بعد ان سے دوسری گفتگو کی جائے۔"

"دوسرا اچھا بھی ٹھیک کہتا ہے، بیڑیوں سے آزادی کے ساتھ ہمیں شریفانہ لباس بھی دیئے جائیں، اور حلیہ ٹھیک کرنے کی اجازت بھی دی جائے، اس سے قبل ہم کچھ بھی نہیں سنیں گے۔"

"یہ ناممکن ہے۔ نہ میں برٹش لاء کو مانتا ہوں نہ کسی عالمی قانون کو، میں انہیں آزادی نہیں دے سکتا۔" ہینڈرک واسکوڈی نے مستحکم لہجے میں کہا۔

"فرانسیسیوں نے انیس سو تینتالیس میں صرف جرمنی کے قانون کو مانا تھا اور آج تک وہاں کی عورتیں اس قانون سے محبت کرتی ہیں۔" گارساں نے بدستور مذاق اڑانے والے لہجے میں ایک شدید طنز کیا۔

"میں تمہارے بدن کی کھال اتار دوں گا پرتگالی کتے، ورنہ تو زبان بند رکھ۔" ہینڈرک نے دانت پیس کر کہا اور گارساں پھر ہنس پڑا۔

"ہمیں سزائے موت کے لئے الجزائر لے جایا جا رہا ہے وہاں جا کر ہمیں موت کا شکار ہونا پڑے گا، یہ موت ہمیں مارشل جہاز پر آ جائے یا کسی سیارے پر ہمیں کیا فکر ہو سکتی ہے، فرنچ رنگروٹ ہمیں یہاں گولی ماردیں یا کہیں اور لے جا کر، ہاں جہاز کے دوسرے مسافر بھی اس کے ہاتھوں موت قبول کرنے کو تیار ہوں تو دوسری بات ہے۔"

"لے چلو ان کتوں کو قید خانے میں واپس لے چلو۔ بند کردو سب حرامیوں کو۔" چلو ہینڈرک واسکوڈی اب بالکل ہی بے قابو ہو گیا تھا، اس نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی اور وہ قیدیوں کو کوڑوں سے ہانکنے لگے، مجمع خاموش تھا، کچھ دیر کے بعد وہ سب نگاہوں سے اوجھل ہو گئے، ہر شخص کسی اور کے بولنے کا منتظر تھا، ان میں سب سے پہلے برٹش فوج کے ریٹائرڈ میجر نے ابتداء کی۔

"فرانسیسی افسر نے اس وقت مارشل پر فرانسیسی قانون نافذ کر دیا ہے، ہم اس قانون کو نہیں مانتے، ہم مختلف ملکوں کے باشندے ہیں، ایک شخص کی ضد نے سارے جہاز کے مسافروں کی زندگی خطرے میں ڈال دی ہے، ہو سکتا ہے بحری قزاق ہم سب کی زندگی بچانے میں کامیاب ہو جائیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک تجربے کار ملاح ہوں۔"

"ہینڈرک واسکوڈی بے جا ضد کر رہا ہے۔" یہ آواز روشاق کی تھی۔

"اسے قیدیوں کو آزادی دینا ہوگی۔" دوسری آواز۔

"ورنہ ہم اسے آزاد کرائیں گے۔"

"تو پھر دیر کیوں کر رہے ہو تم لوگ؟" روشاق نے کہا اور جہاز کے تمام مسافر شور مچانے لگے۔

"مسٹر واسکوڈی ضد نہ کرو، قیدیوں کو آزادی دو، مسٹر واسکوڈی، مسٹر واسکوڈی۔" اچانک ہی انکل ڈیزل سسٹر صوفیہ کے ساتھ کسی طرف سے نکل کر ہمارے قریب آ گئے اور مجھ سے بولے۔

"نشاء یہاں سے ہٹ جاؤ ہنگامے کا خطرہ ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔"

انہوں نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور ایک طرف کھینچنے لگے۔

"ذرا اس معاملے کا فیصلہ تو دیکھ لینے دیں انکل، میں کیبن میں نہیں جاؤں گی۔" نجانے کیوں مجھے ضد چڑھ گئی۔

"میں تمہیں کیبن میں نہیں لے جا رہا، یہ جگہ غیر محفوظ ہے اس طرف آ جاؤ۔" انکل ڈیزل کے ساتھ ہم ایک محفوظ گوشے میں جا کھڑے ہوئے، عسکری البتہ وہیں رہ گیا تھا، انکل ڈیزل کی وجہ سے اس نے ہمارے ساتھ آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"صورت حال بے حد سنگین ہو گئی ہے، فرانسیسی پولیس آفیسر ایک طرح سے درست کہہ رہا ہے، بحری قزاق گارساں شیطان صفت ہے، نجانے اس کی آزادی دوسرے کونسے گل کھلائے۔"

"وہ بعد کی باتیں ہیں انکل، سمندر میں یہ جہاز کب تک ڈول سکتا ہے، کوئی تحریک تو ہو؟" میں نے کہا، انکل ڈیزل نے کوئی جواب نہیں دیا، کافی دیر تک وہ خاموش رہے پھر اچانک بول پڑے۔

"روشاق کو دیکھا ہے؟"

"ہاں اب وہ کھل کر سامنے آ گیا ہے۔"

"اور اس نے گارساں کی حمایت کر کے خود کو اس کے سامنے کر لیا ہے یہ بات بہت تشویش ناک ہے، کیا تم اس کی گہرائیوں پر غور نہیں کر رہیں۔" میں نے حیران نگاہوں سے ادھر دیکھا اسی وقت صوفیہ نے پوچھا۔

"کیوں مسٹر وسکن آپ کو یہ خطرہ کیوں محسوس ہو رہا ہے؟"

"دو شیطان اکٹھے ہو جائیں تو کیا نہیں ہو سکتا، روشاق نے چالاکی سے نمودار ہو کر اس وقت صورت حال اپنے قابو میں کرنے کی کوشش کی ہے۔" وسکن ڈیزل نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔ اسی وقت واسکوڈی اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس نکل آیا، وہ کڑی نگاہوں سے شور مچانے والوں کو دیکھنے لگا، پھر اس کی دہاڑتی ہوئی آواز ابھری۔

"خاموش ہو جاؤ، پہلے میری بات سنو، میری بات سن لو، خاموش ہو جاؤ، میں تمہیں بتاؤں وہ خونخوار قاتل اور مکمل جرائم پیشہ انسان ہے، اس کی آزادی خطرناک ہو سکتی ہے۔"

"ان حالات میں ہر خطرہ مول لیا جا سکتا ہے۔" برٹش مجسٹریٹ نے کہا۔

"مجھے چند گھنٹے درکار ہیں، میں اس پر تشدد کر کے اسے جہاز کی درستگی کے لئے مجبور کروں گا۔" واسکوڈی بولا۔

"ہمیں سمندر میں لاوارث کھڑے کسی جہاز پر موجود لوگوں پر تشدد کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔" اس بار روشاق نے منمناتی آواز میں کہا۔

"میں اس بارے میں کچھ نہیں سنوں گا، مجھے سختی پر مجبور مت کرو۔" واسکوڈی نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تمہیں سختی کرنے کا کوئی حق بھی نہیں ہے، ہم فرانسیسی پولیس کے محکوم بھی نہیں ہیں۔" مسافر بپھر گئے۔

"ہم سب قیدیوں کو آزاد کرائیں گے۔" ایک گروہ نے کہا اور ہینڈرک واسکوڈی نے اپنا پستول نکال لیا، اس کے تمام ساتھی بھی ہتھیار سنبھال کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن زندگی اور موت کی کشمکش سے اکتائے ہوئے اور ویران سمندر کے بیچوں بیچ کھڑے ہوئے لوگ خوف زدہ نہ ہوئے، بلکہ پورے جہاز میں بکھر کر انہوں نے لکڑیوں کے کنڈے، فولادی زنجیریں اور جو کچھ بھی ان کے ہاتھ آیا اٹھا لیا۔ وہ خونی نگاہوں سے واسکوڈی کو دیکھ رہے تھے۔ اسی وقت برٹش آفیسر نے کہا۔

"سنو سنو میری بات سنو، ایک منٹ، ایک منٹ، کوئی تشدد کسی پر نہ کیا جائے، مائی ڈیئر واسکوڈی تم بے گناہ انسانوں کی جان سے کھیل کر کوئی دانشمندی کا ثبوت نہیں دے رہے، ان میں سے کتنوں کو ہلاک کرو گے جو باقی بچیں گے تمہیں مار ڈالیں گے، کوئی فائدہ نہیں ہوگا اس سے، موت دونوں طرف سے ہمارے سمت آ رہی ہے، تم اسے اور قریب نہ لاؤ۔"

واسکوڈی خاموشی سے تیار کھڑے نوجوانوں کو دیکھتا رہا پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر اپنا پستول واپس پیٹی میں لگا لیا اور اپنے آدمیوں کو بھی ہتھیار استعمال نہ کرنے کا اشارہ کیا۔ پھر نفرت بھرے لہجے میں بولا۔

"جہنم میں جاؤ، جو کچھ کرو گے خود بھگتو گے۔" اس نے قید خانے کی لمبی چابیوں کا گچھا نکال کر پھینکا تو روشاق نے جھپٹا مار کر اسے لپک لیا۔ اسی وقت وسکن ڈیزل نے آہستہ سے کہا۔

"اس کا منصوبہ مکمل ہے، وہ اپنے پورے پورے نمبر بنانا چاہتا ہے، ویسے تم لوگ میری بھی بات سن لو، اگر جہاز بچ بھی گیا تو ہم الجزائر نہیں جا سکیں گے۔"

www.pdfbooksfree.pk

"کیا مطلب؟" صوفیہ نے پھٹی پھٹی آواز میں کہا۔

"بہت معمولی سی بات ہے جوان میں سے کسی نے نہیں سوچی، کیا گارساں اسے اپنے پھانسی گھر لے جائے گا، وہ الجزائر کا مجرم ہے اور وہاں اسے سزائے موت کے لئے لے جایا جارہا تھا۔"

"اوہ مائی گاڈ، ہاں یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں انکل، میرے خدا، پھر کیا ہوگا، یہ بات تو دوسروں کو بھی سوچنی چاہیئے۔" صوفیہ نے کہا، وسکن ڈیزل نے کوئی جواب نہیں دیا، اسی وقت ہم نے روشاق کی آواز سنی۔

"کچھ جوانوں کو میرے ساتھ آنا چاہیئے، ان کی خواہشوں کی تکمیل کرکے ہی ہم اس مشکل سے نجات حاصل کرسکتے ہیں۔"

کون تھا جو اس وقت قید خانے تک جانا پسند نہ کرتا، عسکری روشاق کے بالکل قریب تھا، ہم وہیں انتظار کرتے رہے، کچھ دیر کے بعد ہی گارساں اور اس کے ساتھی بیڑیوں سے آزاد ہوکر سینہ تانے ہوئے باہر آگئے۔ نوجوانوں کا ہجوم انہیں گھیرے میں لئے ہوئے تھا، اس موقع پر واسکوڈی اور اس کے ساتھی وہاں سے ہٹ گئے تھے، گارساں نے کہا۔

"ہمارے لئے فوراً خوراک لباس اور شیو وغیرہ کا سامان فراہم کیا جائے۔"

اس وقت گارساں جہاز کا ہیرو بن گیا تھا اور اسے ہر چیز پیش کی جاسکتی تھی چنانچہ ہر شخص حسب استطاعت اس کی ناز برداری میں مصروف ہوگیا۔ کافی لوگ کیبنوں میں چلے گئے تھے، اسی وقت ڈیزل کی آواز ابھری۔

"تم یہیں رکوگی بے بی۔"

"انکل میرا وہ کام کردیں۔" میں نے لجاجت سے کہا۔

"کیا؟"

"وہ جگہ دکھادیں جہاں تابوت رکھے ہوئے ہیں۔"

ڈیزل نے اس وقت ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا، نہایت مناسب وقت تھا، سب لوگ گارساں میں الجھے ہوئے تھے، کسی کو کسی کی فکر نہیں تھی، چنانچہ ڈیزل نے کہا۔

"آؤ میرے ساتھ۔"

اور میں چل پڑی، صوفیہ بھی خاموشی سے ہمارے ساتھ چل پڑی تھی، جس جگہ وسکن ڈیزل ہمیں لے کر پہنچے وہ جہاز کا سب سے پراسرار گوشہ تھا، چاروں طرف بڑے بڑے کارٹن فولادی صندوق اور دوسرا سامان سامان جن پر بڑے بڑے ٹیگ لگے ہوئے تھے رکھا ہوا تھا۔ وہیں پر دونوں تابوت بھی تھے، انہیں دیکھ کر میرا دل بند ہونے لگا، سوفیصد وہی تابوت تھے جنہیں میں کامیج میں دیکھ چکی تھی، کپڑے کی پٹیاں بھی وہی تھیں، نجانے کیوں حلق میں گولا سا بن گیا، میں حسرت سے ان تابوتوں کو دیکھتی رہی، میری پیاسی آنکھیں وہ انسانی وجود تلاش کررہی تھیں جو میرا نام نہاد باپ تھا۔ وہ تھا یا نہیں یہ بعد کی بات ہے، لیکن میں نے اسے باپ ہی کی صورت میں دیکھا اور محسوس کیا تھا۔ میرے اس انداز پر ڈیزل نے چونک کر مجھے دیکھا اور بولے۔

"پہچانا تم نے۔"

"یہ تو وہی ہیں نشاء۔" صوفیہ بے اختیار بول پڑی۔

"میرا بھی یہی خیال تھا لیکن سسٹر صوفیہ۔"

"ہاں بولو۔"

"وہ شخص کون تھا، کون تھا وہ؟"

"کس کی بات کررہی ہو؟"

"البرونوس، میں البرونوس کے بارے میں کہہ رہی ہوں۔" میں نے کہا اور چند لمحات تک خاموشی طاری رہی، اچانک ہی وسکن ڈیزل کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا، اس بات کو ہم دونوں نے محسوس کیا تھا۔ وسکن ڈیزل کچھ لمحے خاموش رہے۔ پھر ان کی پراسرار آواز ابھری ایسی ہولناک آواز جسے سن کر بدن کا ہر رونگٹا تھرا جائے۔ انہوں نے بھاری لہجے میں کہا۔

"ہارون دانش، میرے دوست اگر تم آس پاس

موجود ہو تو مجھ سے رجوع کرو، یہاں کوئی اجنبی نہیں ہے، تمہارا ہر راز راز رہے گا، ان حالات میں مجھے تمہاری مزید ہدایات کی ضرورت ہے، میں بعض فیصلے کرنے سے قاصر ہوں۔"

سارا ماحول تھرا رہا تھا، بڑی شدید لرزش محسوس ہورہی تھی، وہ پراسرار الفاظ بڑے سنسنی خیز تھے ان کی ادائیگی کے بعد وسکن ڈیزل خاموش ہوکر انتظار کرتے رہے پھر انہوں نے دوبارہ کہا۔

"اور اگر یہ اس وقت مناسب نہ ہو اور تم کچھ بولنا مناسب نہ سمجھو، تو کسی بھی وقت میں تمہارا انتظار کروں گا، سمجھے میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

پھر وسکن ڈیزل ہماری جانب پلٹے اور بولے۔ "آؤ بے بی چلیں۔"

"میں کچھ دیر یہاں رہنا چاہتی ہوں انکل، تنہا بالکل تنہا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں بے بی یہ مناسب نہیں ہوگا۔"

"میں یہاں رکوں گی انکل۔"

"بالکل نہیں بے بی میں کسی طور اس کی اجازت نہیں دوں گا، مجھے یقین ہے کہ تم میرے ساتھ تعاون کروگی۔" وسکن ڈیزل نے سخت لہجے میں کہا اور میں خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر خاموش ہوگئی، ہم وہاں سے نکل آئے، ادھر برٹش مجسٹریٹ کے متعین کردہ افراد خوراک تقسیم کررہے تھے، عسکری ہمیں تلاش کرتا پھر رہا تھا، اس نے ہمارے قریب آکر کہا۔

"آپ لوگوں کا کھانا میں نے آپ کے کیبن میں پہنچادیا ہے، گرم ہے بعد میں خراب ہوجائے گا۔"

"شکریہ نوجوان...... آؤ بے بی۔" وسکن ڈیزل نے آگے قدم بڑھادیئے۔

ہمیں بھی ان کے ساتھ جانا پڑا، کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وسکن ڈیزل نے کہا۔

"کسی طرح کی ضد اس وقت مناسب نہیں ہوگی، جو کچھ جہاز پر چل رہا ہے تم لوگ اچھی طرح جانتی ہو، ذرا سی لغزش ہماری زندگیوں کا خاتمہ کرسکتی ہے، میں جارہا ہوں خیال رکھنا پلیز۔"

ڈیزل چلے گئے، کیبن میں میں اور صوفیہ رہ گئے تھے، تھوڑی دیر تک خاموشی رہی، پھر صوفیہ نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

"آؤ کچھ دیر آرام کرلیں نشاء۔"

"آپ یہ بتایئے کیا ہمیں اپنی زندگی کا یقین ہے، کیا تاحد نگاہ بکھرا ہوا سمندر آخرکار ہمیں نگل نہیں لے گا، ہم یہیں اس جہاز پر مرجائیں گے سسٹر اب اور کچھ نہیں ہوسکتا میں مایوس ہوگئی ہوں زندگی سے، لیکن میں مرنے سے قبل اپنے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔ چاہے کیسے ہی ہو، چاہے یہ بات مجھے روشاق ہی سے کیوں نہ معلوم کرنی پڑے۔"

"روشاق۔" صوفیہ دہشت سے بولی۔

"ہاں وہی مکروہ انسان، کوئی تو مجھے میرے بارے میں بتائے، میں تو اس سے رجوع کرنا چاہتی ہوں۔"

"یہ تمہاری زیادتی ہوگی نشاء۔" صوفیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں آخر کیوں؟"

ذرا ماضی کے واقعات پر نگاہ ڈالو، تمہیں اندازہ ہوگا کہ روشاق کا کردار مسلسل مجرمانہ رہا ہے، وہ چوروں کی طرح معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے، اس نے ہمارے قریب بکھرے ہوئے لوگوں کے ساتھ جو کچھ کیا ہے تمہیں اس کا علم ہے، تمہیں معلوم ہے اے کے ہمدانی میرے لئے باپ جیسی شخصیت رکھتے تھے وہ اس کے ہاتھوں موت کے گڑھے تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد وسکن ڈیزل نے ہمارا ساتھ دیا۔

"ہاں میں جانتی ہوں یہ سب کچھ ہے۔"

"اور میں بھی تو تمہاری بہتری کے لئے اپنی پرعیش زندگی چھوڑ کر اس پانی کے جہنم میں موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہوں، میں یہ سب کیوں کررہی ہوں تم جانتی ہو نا، روشاق کے بارے میں تم جانتی ہو اس کا ایک ہی مقصد ہے تمہاری آڑ میں ہارون

www.pdfbooksfree.pk

دانش تک پہنچنا، اگر اسے سب کچھ معلوم ہوگیا تو نجانے کیا ہو، عسکری اسی کا آلہ کار ہے، کیا تم چاہتی ہو کہ وہ ہو جائے جو ہارون دانش نہیں چاہتے۔"

"ابو۔" میرے حلق سے سسکی نکلی۔

صوفیہ نے پھر کہا۔ "وہ اگر چاہتے تو تمہیں روشاق سے رجوع کرنے کے لئے کہہ سکتے تھے، تمہیں اس سفر کے لئے انہوں نے کیوں آمادہ کیا؟"

"سسٹر صوفیہ میری قوت برداشت کہاں تک میرا ساتھ دے سکتی ہے۔" میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"معاف کرنا نشاء میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ میں تو ایک غیر متعلق شخصیت ہوں جن کا ان واقعات سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وسکن ڈیزل جو صرف دوستی نبھا رہے ہیں سب کچھ برداشت کر رہے ہیں، یہ سب کچھ تو تمہارے لئے ہی ہو رہا ہے نا، صرف تمہارے لئے۔" سسٹر صوفیہ نے کہا اور میں خاموش ہوگئی۔

آہ میں کسی کو کیا بتاتی کہ میری زندگی کن حالات کا شکار ہے، تیونس میں کارچوک کی پہاڑیوں میں میرے ساتھ جو واقعات پیش آئے، میں جو ایک قطعی غیر متعلق شخصیت بن کر خود اپنی ہی نگاہوں میں آئی، میں کیا ہوں، کیا تھی مستقبل میں کیا ہوں گی مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔ نہ ماں علم میں تھی، نہ باپ کا کوئی پتہ تھا، کتنی الجھی ہوئی زندگی تھی میری۔ صوفیہ کو یہ سب کچھ نہیں معلوم تھا، بہر حال میں نے اس کی باتوں پر غور کیا، کم از کم یہاں تو وہ سچ کہہ رہی تھی، کوئی نہ کوئی جواب دینا ضروری تھا چنانچہ میں نے آہستہ سے کہا۔

"سوری! سوری سسٹر۔"

"ہم عسکری پر بالکل بھروسہ نہیں کر سکتے نشاء ڈارلنگ۔" "میں نے تمہیں بس اتنا نرم ہونے کے لئے کہا تھا جتنا ضروری ہے اور جتنا ہمارے کام آرہا ہے، اس سے زیادہ کسی بھی شکل میں اسے بتانا خطرناک ہوگا، کیا تم نے اسے تابوتوں کی کہانی سنا دی ہے، میرا مطلب ہے وہ کہانی جو۔"

"نہیں بالکل نہیں، بس وہی بتایا تھا میں نے اسے جو آپ کے سامنے بتایا تھا۔"

"اس نے خود بھی کوئی تفصیل نہیں پوچھی۔"

"موقع نہیں ملا کیونکہ ہم جہاز کے تہہ خانے تک نہیں جا سکے تھے۔"

"اوہ یہ اچھا ہی ہوا، اسے بالکل کچھ نہیں بتانا۔"

"ایک بات میرے دل میں بری طرح چبھ رہی ہے سسٹر اس سے پوچھوں۔"

"ہاں بولو۔"

"کیا اس دوسرے تابوت میں میری ماں بھی ہو سکتی ہے، اس گھر میں بھی اس جیسے دو تابوت تھے، ایک کھلا تھا دوسرا بند تھا، کھلے ہوئے تابوت کی کہانی تمہیں معلوم ہو چکی ہے، لیکن اب دونوں تابوت کھلے ہوئے ہیں۔"

سسٹر صوفیہ نے پیاری بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ انہیں میرے اس سوال کا پوری طرح احساس ہوگیا تھا، میرے لہجے میں جو حسرت بسی ہوئی تھی وہ ان کے ذہن تک پہنچ گئی تھی، لیکن وہ میرے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکیں، کافی دیر تک خاموش رہنے کے بعد انہوں نے کہا۔

"اتنا ہی کہوں گی نشاء ڈارلنگ کہ وقت کا انتظار کرو وقت خود مناسب انکشاف کر دے گا، یہ ہوشربا واقعات انسانی عقل سے بعید ہیں، بھلا مجھ جیسی معمولی سی عورت اس پر کیا روشنی ڈال سکتی ہے۔"

میں خاموش ہوگئی تھی، شام کے ساڑھے چار بجے ہم پھر باہر نکل آئے، کیبن میں گھسے گھسے طبیعت بوجھل ہوگئی تھی، باہر نہ عسکری نظر آیا نہ وسکن ڈیزل لیکن سسٹر صوفیہ نے ایک اور شخص کو روک کر پوچھا۔

"کیا گارساں نے کوئی جواب دیا؟"

"شام کو پانچ بجے وہ جہاز کے لوگوں سے میٹنگ کرے گا، ابھی آرام کر رہا ہے۔" اس شخص نے کہا۔

صوفیہ خاموش ہوگئی، اس کے بعد ہم لوگ جہاز پر گھومتے پھرے، اس شخص نے جس نے اپنے آپ

کو برٹش مجسٹریٹ بتایا تھا کافی انتظامات کر لئے تھے، عرشہ صاف و شفاف تھا، طوفان سے ہونے والی ٹوٹ پھوٹ درست کر دی گئی تھی، پھر ہمیں وہ جگہ معلوم ہوئی جہاں گارساں میٹنگ کرنے والا تھا مجھے اور سسٹر صوفیہ کو بھی اس میٹنگ سے دلچسپی تھی، وسکن ڈیزل کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا، ہم نے پہلے ہی ایک بہتر جگہ قبضے میں کر لی۔ پھر کیبن خالی ہونے لگے اور پانچ بجے گارساں اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں آ گیا، گارساں کی عمر کوئی پچاس سال کے قریب ہوگی۔ حلیہ درست کرنے کے بعد یہ لوگ اور خوفناک نظر آنے لگے تھے۔ ان کے سر کے بال بہت لمبے اور شانوں پر بکھرے ہوئے تھے، ٹھوڑیاں صاف کر لی گئی تھیں لیکن ایک مخصوص انداز سب کے چہروں پر نظر آ رہے تھے، پھر اس کی آواز ابھری۔

"میں چاہتا ہوں کہ جس مقصد کے تحت مجھے آزادی دی گئی ہے اسے بیان کرنے کے لئے آپ لوگ ایک نمائندہ منتخب کر لیں، وہ مجھے تفصیل بتائے اور اگر چاہے تو مشورے کے لئے کچھ لوگوں کو ساتھ رکھ سکتا ہے۔"

برٹش مجسٹریٹ ہی کو بات کرنے کے لئے منتخب کیا گیا، چند اور افراد بھی اس کے ساتھ تھے جو عمر رسیدہ تھے اور مشیروں کی حیثیت سے اس کے ساتھی بنے، اچانک ہی صوفیہ نے ایک طرف اشارہ کیا اور بولی۔

"دیکھو نشاء ادھر دیکھو۔"

میں نے صوفیہ کے اشارے پر دیکھا تو روشاق نظر آیا، لیکن اس وقت پہلی بار میں نے اس منحوس بلی کو اس کے شانے پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ انتہائی خوفناک شکل کی بلی تھی، بس کیا بتاؤں لگتا تھا جیسے یہ چہرہ بلی کا نہیں بلکہ کسی عورت کا چہرہ ہو، ایک عجیب و غریب شکل تھی اس کی، بہت سے لوگ شاید اسی لئے اس کی جانب متوجہ تھے۔ پھر شاید گارساں نے بھی اسے دیکھ لیا اور وہ زور سے چیخا۔

"مقدس چچا...... کیا تم میرے مشیر کی حیثیت سے میرا ساتھ دو گے؟"

"بے فکر رہو بھتیجے، میں یہیں سے تمہارے مفادات کی نگرانی کر رہا ہوں۔" روشاق نے بھی چیخ کر جواب دیا اور گارساں نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ٹھیک ہے اپنے دشمن سے ہوشیار رہنا۔" برٹش مجسٹریٹ نے کہا۔

"الجزائر کی طرف سفر کرتے ہوئے مارشل جس حادثے کا شکار ہوا ہے تمہیں اس کا علم ہے گارساں، جہاز کے انجن خراب ہوگئے ہیں، انجینئر حادثے کا شکار ہو کر مر چکے ہیں، کیپٹن روڈ رگس بھی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے اور دوسرے ذمے دار افراد کشتیاں لے کر فرار ہوگئے ہیں، اس وقت جہاز سمندر میں لاوارث ہے۔ کیونکہ تمہیں بہترین جہاز راں ہونے کا فخر حاصل ہے اس لئے جہاز کے سینکڑوں مسافروں کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"معزز بزرگ! میں سب کی مدد کرنے کے لئے تیار ہوں، لیکن سمندر کے قانون کے مطابق اور یقیناً تم میں سے کسی نہ کسی کو سمندر کا بین الاقوامی قانون معلوم ہوگا، اگر نہیں معلوم تو عمر رسیدہ خلاصیوں سے پوچھو یا قانون کے کسی ماہر سے جو واقفی قانون داں ہو۔"

"اپنی بات کی خود وضاحت کرو مائی ڈیئر گارساں۔" برٹش مجسٹریٹ نے کہا۔

"دنیا بھر کی جہاز راں کمپنیوں اور ممالک نے اس قانون پر دستخط کئے ہیں، جنیوا میں اس کا مسودہ پیش کیا گیا اور اسے متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا۔ قانون یہ ہے کہ کھلے سمندر میں اگر کوئی جہاز کپتان کے کنٹرول میں نہ رہے اور وہ سفر جاری رکھنے سے بے بسی کا اظہار کر دے تو ہر وہ شخص جو جہاز کو بچا لینے کا دعویٰ کرے اور اسے بچا لے اس جہاز اور اس پر موجودہ ساز و سامان کا مالک بن جاتا ہے، اس پر موجود ہر شئے اس کی ملکیت ہوتی ہے، اس ملکیت کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا، اگر یہ سمندری قانون آپ لوگوں کو منظور

www.pdfbooksfree.pk

ہوتو میں پورے خلوص سے ان زندگیوں کو بچانے کی کوشش کرسکتا ہوں۔"

مسافر سناٹے میں رہ گئے تھے، ایک لمحے میں انہیں اپنے قیمتی ساز و سامان دوسرے کی ملکیت میں چلے جانے کا احساس ہوگیا تھا، ایک شخص نے برٹش مجسٹریٹ سے کہا۔

"ہاں یہ سمندروں کا بین الاقوامی قانون ہے میں جانتا ہوں۔"

"مسافروں کو خود اس کا فیصلہ کرنا پڑے گا۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ برٹش مجسٹریٹ بھی بالکل اسی انداز میں سوچ رہا تھا اس نے کہا۔

"یہ سمندر کا قانون ہے یا نہیں میں نہیں جانتا، لیکن ایک شخص جو اس وقت متوقع سمندری موت کو ٹالنے کی اہلیت رکھتا ہے یہ قیمت دینے کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔"

"میں اپنے خاندان کو بچانے کے لئے اپنا سب کچھ دینے کے لئے تیار ہوں۔" ایک معمر شخص نے کہا اور پھر بہت سے اس کے ہم آواز ہوگئے، پھر چاروں طرف سے آمادگی کا اظہار ہونے لگا اور اس کے بعد شاید ہی کوئی ایسا رہا ہو جو زندگی خریدنے کے لئے تیار نہ ہو، گارساں نے کہا۔

"سب خاموش ہوجائیں اور صرف وہ شخص بولے جسے اس بات پر اعتراض ہو۔"

کوئی نہیں بولا تھا، چالاک بحری قزاق مسکرایا اور بولا۔

"تو شرط مکمل ہوگئی، مارشل اب میری ملکیت قرار پاچکا ہے، اب دوسری بات اول تو میں جہاز کا کپتان قرار پایا، دوئم اس کا مالک، اب اس پر موجود ہر شئے ہر چیز میری ملکیت ہے اور اس پر صرف میرا تصرف ہے، کپتان کا حکم جہاز پر ایک حکمران کا حکم ہوتا ہے، اور یہ حکم ماننا ہر ایک پر فرض، آپ لوگ میرا حکم مانیں گے۔" "کیوں نہیں گارساں؟" مجسٹریٹ نے کہا۔

"تو پھر سب سے پہلے جہاز پر جتنے آتشیں ہتھیار اور غیر آتشیں ہتھیار ہیں وہ میرے حوالے کردیئے جائیں، ان میں فرانسیسی سپاہیوں کے ہتھیار بھی شامل ہیں۔" گارساں بولا اور واسکوڈی بگڑ گیا۔

"یہ بکواس ہے میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔"

"تو کیا تم مجھے بیوقوف سمجھتے ہو بوڑھے کانسٹیبل، ابھی یہ سب کچھ زبانی ہے، نہ میں نے جہاز کا انجن دیکھے ہیں اور نہ کپتان کا لباس پہنا، تم مجھے دوبارہ بیڑیاں لگا سکتے ہو، ہم تعرض نہیں کریں گے، لیکن پھر کیا کروگے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ مجھے اس جہاز پر پھانسی دے دو، ایسا کرلو اگر تمہیں یہ اختیار دے دیا جائے۔"

پیچھے سے روشاق نے چیخ کر کہا۔ "فرانسیسی افسر مسلسل مارشل پر فرانس کا قانون لاگو کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے، اگر یہ سینکڑوں انسانوں کی زندگیاں ختم کرنے پر آمادہ ہے تو اس پر حملہ کرو اور اسے بے بس کردو۔ ہم اسے دوسروں کی زندگی سے کھیلنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔"

غالباً واسکوڈی نے غصے میں آکر اپنا پستول نکالا تھا، میں صحیح طریقے سے نہیں دیکھ سکی تھی، لیکن میرے ساتھ بیشتر انسانوں نے روشاق کے کندھے سے خونخوار بلی کو چھلانگ لگا کر واسکوڈی کی جانب دوڑتے ہوئے دیکھا اور دوسرے لمحے وہ اس کے کندھے پر چڑھ گئی، اس نے واسکوڈی کا نرخرہ اپنے دانتوں میں دبالیا تھا۔ واسکوڈی پستول نکالنا بھول گیا، بلی کو اپنے نرخرے سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگا، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے بلی نے اس کا نرخرہ چبا ڈالا۔ بمشکل تمام واسکوڈی اسے اپنے گلے سے کھینچنے میں کامیاب ہوا تھا، لیکن بلی نے پھر اپنا رخ بدلا اور اس بار اس نے اس کے دائیں گال پر حملہ کیا تھا، میں نے بھی دیکھا اور دیکھنے والوں نے بھی کہ اس نے واسکوڈی کا داہنا گال بری طرح چیر کر پھینک دیا تھا اور پھر اس کے دانت واسکوڈی کی آنکھ میں گڑ گئے اور واسکوڈی کی ہیبت ناک چیخیں گونجنے لگیں۔

لوگ سکتے میں رہ گئے تھے، واسکوڈی پستول کا لاک بھی نہیں کھول سکا تھا اور اسے پھینک کر بلی کو اپنے چہرے سے ہٹانے کے لئے کوششیں کرنے لگا تھا۔ لیکن بلی اپنا کام کرچکی تھی، واسکوڈی کی آنکھ کی جگہ اب ایک خون اگلتا غار سا نظر آرہا تھا۔ کمزور دل کی عورتیں چیخیں مارنے لگیں، واسکوڈی زمین پر گر کر بری طرح تڑپنے لگا۔ ہر طرف افراتفری پھیل گئی تھی، بلی نے ایک چھلانگ لگائی ایک بلند جگہ چڑھی اور اس کے بعد مزید اوپر، اور آخر کار وہ جہاز کے سب سے اوپری حصے میں چلی گئی اور لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔

بلی جہاں جہاں سے گزری تھی وہاں نیچے موجود لوگوں کے لباس سے خون کے قطرے ٹپکے تھے، گویا واسکوڈی کی آنکھ اب بھی اس نے اپنے دانتوں میں دبائی ہوئی تھی، ایک لمحے کے لئے گارساں بھی ششدر نظر آیا تھا اور اس کے بعد اس کی نگاہیں روشاق کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ پھر چند لمحوں کے بعد شاید وہ سنبھلا اور گرجدار آواز میں بولا۔

"میں کسی کو اس شخص کی عیادت کے لئے وقت نہیں دے سکتا، فیصلہ کرو اور عمل کرو۔ وہ نوجوان جو مجھے اختیار دے کر اس کام کے لئے اجازت دینا چاہتے ہیں فوراً عمل کریں۔ پہلے مرحلے کے طور پر سارے ہتھیار ایک جگہ جمع کردیئے جائیں اور اس کے بعد میں اپنے کام کا آغاز کروں گا۔"

سمندر کے قیدی گارساں کو ناخدا مان چکے تھے، وہ سب کے سب واسکوڈی کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے۔ پورے جہاز پر یہی لوگ ہتھیاروں سے مسلح تھے، دیکھتے ہی دیکھتے ان کے ہتھیار چھین لئے گئے، میں نے عسکری کو بھی انہی لوگوں کے ساتھ مصروف دیکھا تھا، البتہ ونسکن ڈیزل کو بھی ہم نے دیکھا جو تین افراد کے ساتھ واسکوڈی کو اٹھا کر جہاز کے ایک سائیڈ پر لے جارہا تھا، یہ تینوں افراد ڈاکٹر تھے میں جانتی تھی مجمع تقریباً منتشر ہوگیا تھا اور اب جہاز پر گارساں کی حکومت قائم ہوگئی تھی، حالات بتارہے تھے کہ کچھ لوگوں کے علاوہ کوئی بھی اس کا مخالف نہیں رہا ہے، صوفیہ نے آہستہ سے کہا۔

"اسے دیکھو، روشاق کا ہرکارہ کس طرح گارساں کے لئے مصروف عمل ہے۔" صوفیہ کا اشارہ عسکری کی طرف تھا، میں تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر میں نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"پلیز سسٹر صوفیہ کیبن میں چلئے، میں تھک گئی ہوں۔" صوفیہ نے میرا کانپتا ہوا باز پکڑا اور میرے ساتھ کیبن کی جانب چل پڑی، کیبن میں داخل ہوکر میں اپنے بستر پر لیٹ گئی تھی، سسٹر صوفیہ بھی ایک گوشے میں پڑے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ ان کی نگاہیں میرا جائزہ لے رہی تھیں، پھر وہ آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھیں اور میرے قریب آکر بیٹھ گئیں، انہوں نے محبت سے میرے بالوں میں انگلیاں ڈال دیں۔

"وہی زندگی اپنائے رہتیں تو کیا ہرج تھا، کتنی پریشان ہو، چہرہ مرجھا گیا ہے۔"

"بہت عجیب لگتا ہے سسٹر بہت ہی عجیب لگتا ہے، کاش بس اتنا پتہ چلتا کہ میرے ماں باپ مرچکے ہیں یا زندہ ہیں، کوئی مجھے یہ بتادیتا۔"

"مگر تمہاری زندگی تو پرعیش تھی، آرام سے جی رہی تھیں، بہت سے لوگ یتیم خانوں میں پرورش پاتے ہیں، ان کے ماں باپ یا ماں یا باپ انہیں بہت چھوٹی سی عمر میں یتیم خانے میں داخل کرادیتے ہیں، وہاں رہ کر وہ صرف یتیم خانے کے متولی سے واقف ہوتے ہیں۔ نہ ان کے ہاں ماں کا تذکرہ ہوتا ہے نہ باپ کا۔"

"مگر میں کسی یتیم خانے میں نہیں پلی سسٹر، میرا مسئلہ تو کچھ اور ہی ہے۔"

"مگر تمہاری زندگی تو بہتر تھی۔"

"نہیں...... نہیں تھی، اتنی یکسانیت تھی میری زندگی میں کہ اعصاب چٹخنے لگے تھے، ملازم کوٹھی اور بس، نہ کوئی دوست نہ شناسا، تنہا بالکل تنہا اور سسٹر یہ بات پہلے نہیں تھی بس میں آپ کو کیا بتاؤں، کیا بتاؤں میں آپ کو، بڑے عجیب سے حالات تھے۔ میری زندگی پر نجانے کیسے کیسے واقعات چسپاں ہیں، سسٹر ماں کے

www.pdfbooksfree.pk

بارے میں پتہ چلا کہ جس عورت نے آٹھ سال تک مجھے ماں کی محبت دی وہ میری ماں نہیں تھی، پھر باپ کی شخصیت بھی مشکوک ہوگئی اور میں آپ کو صرف دو لفظوں میں یہ بتا سکتی ہوں کہ میں خود بھی اپنی شخصیت سے ناواقف ہوں، میں کون ہوں، کیا ہوں، ماضی سے میرا کیا تعلق ہے، اتنے واقعات ہیں کہ آپ سنیں گی تو دنگ رہ جائیں گی، جب بھی میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کو اپنے بارے میں وہ تفصیل بتاؤں نجانے کیوں میری زبان بند ہوجاتی ہے...... میرا خیال ہے موت بھی میری مشکل کا حل نہیں ہے۔"

"خود کو سنبھالے رکھو نشاء اپنے اعصاب پر قابو رکھو، اگر ہم زندگی بچا کر لے جانے میں کامیاب ہوگئے تو تم سے تمہارے بارے میں پوچھوں گی اور یقین کرو مجھ سے زیادہ بہتر تمہارا اور کوئی ساتھی نہیں ہوگا، کیا سمجھیں، تم دیکھو اس وقت لوگوں کی کیا حالت ہے انہیں دیکھ کر ڈھارس ہوتی ہے، مائیں ہیں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔"

"خدا کی قسم سسٹر یوں لگتا ہے جیسے یہ سب کچھ صرف میری وجہ سے ہوا ہے، اتنے سارے لوگ صرف میری وجہ سے اس عذاب کا شکار ہوئے ہیں۔" میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں یہ صرف تمہارا احساس ہے۔"

"میں آپ سے بھی شرمندہ ہوں، کاش آپ سے اپنے ساتھ رہنے کی ضد نہ کرتی۔"

"اب اس خیال کو دل سے نکال دو، ہم سب تقدیر کے محکوم ہیں، یہ سب میرے لئے بھی تھا، یوں نہ ہوتا تو کسی اور طرح ہوتا، مجھے اب کوئی احساس نہیں ہے اور تم خود کو بالکل مجرم نہ تصور کرو۔" صوفیہ نے کہا۔

بہر حال میں خاموش ہوگئی، وقت گزرتا رہا، اوپر نجانے کیا کچھ ہو رہا تھا۔ رات کو بہت سی باتیں سوچتی رہی، یہ سب کچھ جو شروع ہوا تھا اس کے بارے میں علم نہیں تھا کہ اس کا اختتام کہاں ہوگا۔ میں بہت الجھن کا شکار تھی، وسکن ڈیزل نے کہا تھا کہ الجزائر میں ایک شخص ابو حامدی سے ملاقات ہوگی، اس کے بعد کیا ہوگا اس کا کوئی علم نہیں تھا۔ بس کٹی پتنگ کی طرح ڈولتی پھر رہی تھی۔ اور اب یہ لمحات آگئے تھے، اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاز پر بڑے بڑے دلدوز مناظر بکھرے ہوئے تھے۔ بے شمار افراد ہوں گے جو بن ماں باپ کے ہوں، زندگی کے وسائل سے بھی محروم ہوں، لیکن زندگی سے بے زار رہے ہوں میں بھی اگر اپنی ان تنہائیوں کو دوسری شکل دے دیتی تو کوئی مسئلہ نہیں تھا، کوئی کمی بھی نہیں تھی زندگی میں ہر ضرورت پوری ہوجاتی تھی، لیکن بس کیا کہتی اپنے آپ کو، کارچوک میں تابوت میں میں اپنے آپ کو ملی تھی اور میں اپنے آپ کو نہیں جانتی تھی کہ میں کیا ہوں، ذہن پر منوں بوجھ آپڑا تھا۔ میں نے گردن گھما کر سسٹر صوفیہ کی طرف دیکھا وہ شاید سونے کی کوشش کر رہی تھیں، میں نے بھی آنکھیں بند کرلیں اور اس کے بعد مجھے نیند لانے میں کامیابی حاصل ہوگئی۔

گزرنے والی رات کے بعد پھر وہی صبح اور صبح کے ساتھ ساتھ ایک انوکھے ماحول ایک اجنبی کیفیت کا وہی انداز، ظاہر ہے کیبن میں وقت نہیں گزارا جاسکتا تھا، پڑے پڑے طبیعت پر شدید بوجھ آپڑتا تھا۔ صوفیہ بھی میری طرح الجھنوں کا شکار تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو بہلانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن حال اندر سے بالکل مختلف تھا۔ خیر باہر آئے، ماحول کچھ بدلا بدلا سا محسوس ہوا۔ تمام کیبن آباد ہوگئے تھے جبکہ اس دوران زیادہ تر لوگ عرشے پر ہی نظر آیا کرتے تھے۔ لیکن ایک ہی رات میں کافی باقاعدگی پیدا ہوگئی تھی، غالباً اس لئے کہ لوگوں کو زندگی کی امید بندھ گئی تھی۔

کوئی خاص بات نہیں معلوم ہوسکی، کچھ لوگ عرشے کی صفائی میں مصروف تھے، یہ سب کے سب خلاصی بھی تھے، اور جہاز کے مسافر بھی، البتہ تھوڑی دیر کے بعد دور سے انکل ڈیزل آتے ہوئے نظر آئے، وہ ہماری ہی طرف آرہے تھے، ایک لمحے کے اندر میں نے فیصلہ کیا کہ انکل ڈیزل سے خوشگوار موڈ میں بات چیت

کروں، وہ قریب آئے تو میں نے مسکرا کر کہا۔

"یوں لگتا ہے انکل جیسے آپ تو اپنے کیبن میں رہتے ہی نہ ہوں، کبھی بھی آپ مجھے اپنے کیبن میں نظر نہیں آئے۔"

میرے ان الفاظ پر انکل ڈیزل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، بولے۔

"ہاں ذمے داریاں ایک جگہ قدم نہیں ٹکانے دیتیں، میں جہاز کے پورے ماحول سے واقفیت حاصل کرتا رہتا ہوں۔"

"اس بے چارے شریف آدمی کا کیا ہوا انکل، میری مراد واسکوڈی سے ہے؟"

"بہت بری حالت ہے بے چارے کی، ایک آنکھ سے محروم ہوگیا ہے، نرخرہ بھی خاصا چبالیا گیا ہے، وہ تو اتفاق کی بات یہ ہے کہ جہاز پر چند اچھے ڈاکٹر موجود ہیں، البتہ یہ انداز ہو رہا ہے کہ بچ نہیں پائے گا، کیونکہ جہاز پر اب اتنے آلات بھی نہیں ہیں کہ اس کے نرخرے کا علاج ہوسکے، ڈاکٹروں کو جو کچھ حاصل ہوسکا ہے وہ اس کا علاج کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"کسی کی طرف سے کوئی مداخلت تو نہیں ہوئی انکل؟" میں نے سوال کیا اور ڈیزل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے تعریفی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا سوچتی ہو، نہیں کسی طرف سے کوئی مداخلت نہیں کی گئی اس کے علاج کے سلسلے میں۔"

"اور وہ خوفناک شخص میری مراد گارساں سے ہے۔"

"بڑا عجیب تاثر دیا ہے اس نے، دیکھنے میں ایک خونخوار وحشی نظر آتا ہے، لیکن ایک منتظم اور حکمران قسم کا انسان ہے، بہت ہی ذہانت سے اس نے احکامات نافذ کئے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جہاز کے تقریباً ہی نوجوان مسافر اس سے بھرپور تعاون کر رہے ہیں اور اسے اپنے کاموں میں کوئی دقت نہیں ہورہی، وہ دیکھو وہاں ناشتے کا بندوبست کیا گیا ہے، احکامات کے مطابق ناشتہ یا کھانا کیبنوں میں نہیں پہنچایا جائے گا، بلکہ یہاں آکر ہر شخص اپنے لئے کھانا حاصل کرسکتا ہے اور کھا سکتا ہے، اس طرح اس نے حکم دیا ہے کہ جو جہاں ہے اور جس جگہ ہے وہاں اپنے اپنے حصے کی صفائی ستھرائی کرانی ہوگی، ایسے ہی احکامات اس کی

"تین نصیحتیں"

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے انتقال کا جب وقت آیا تو انہوں نے فرمایا۔ "اے میرے بیٹو! میں تمہیں تین باتوں سے روکتا ہوں۔ انہیں اچھی طرح یاد رکھنا۔

ا۔ حضور اکرم ﷺ کی طرف سے حدیث صرف معتبر اور قابل اعتماد آدمی سے ہی لینا اور کسی اور سے نہ لینا۔

۲۔ قرضہ لینے کی عادت نہ بنالینا، چاہے چوغہ پہن کر گزارہ کرنا پڑے۔

۳۔ اشعار لکھنے میں نہ لگ جانا ورنہ ان میں تمہارے دل ایسے مشغول ہوجائیں گے کہ قرآن مجید سے محروم رہ جاؤ گے۔ (حیاۃ الصحابہ جلد 3 صفحہ 231)

(نوٹ: اس سے مراد فضول اور عشقیہ قسم کے اشعار ہیں، ورنہ اچھے اشعار اور حمد و نعت وغیرہ میں مشغولیت قابل تعریف کام ہے)

(ایس امتیاز احمد - کراچی)

www.pdfbooksfree.pk

جانب سے نافذ کئے گئے ہیں اور اب وہ پر اطمینان انداز میں جہاز کے انجن روم میں موجود ہے، پورے جہاز میں اسلحہ نام کی جو چیز ملی ہے اسے کپتان کے کیبن میں منتقل کر کے اس نے اپنے دو مسلح آدمیوں کی نگرانی وہاں لگا دی ہے، اس سلسلے میں اس نے کسی دوسرے پر اعتبار نہیں کیا، اس سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کس قسم کا انسان ہے۔"

"اور انکل، روشاق! وہ تو کھل کر سامنے آ گیا ہے۔"

"روشاق۔" ڈیزل نے ہونٹ بھینچ کر بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ "میں اس شخص کو بہت پہلے سے نہیں جانتا، میرا مطلب ہے کہ میرا اور اس کا شعبہ یکساں ہے، لیکن میری اس سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی، مجھے عجیب سا احساس ہو رہا ہے اور مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ بے حد شاطر اور بہت ہی تبدیل شدہ انسان ہے، ہم صرف اسے ایک آثار قدیمہ کا ماہر یا مصریات پر اتھارٹی نہیں کہہ سکتے، اس کی ذات میں کچھ ایسی انوکھی قوتیں پوشیدہ ہیں جو ناقابل یقین سی ہیں، میرا خیال ہے ابتداء ہی میں اس نے یہ بھانپ لیا تھا کہ گارساں جہاز پر برتری حاصل کر لے گا، چنانچہ وہ اپنے عمل سے گارساں کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا، خصوصاً اس بلی کا وہ عمل گارساں جیسے لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے بہت اہم تھا اور اب یہ کیفیت ہے کہ روشاق گارساں کی ناک کا بال بنا ہوا ہے۔" وسکن ڈیزل کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی اس نے پھر کہا۔

"ہمیں پورے اعتماد کے ساتھ حالات کا انتظار کرنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے انکل میں مستعد ہوں۔" میں نے کہا اور سسٹر صوفیہ نے چونک کر مجھے دیکھا، غالباً وہ میرے اس نئے موڈ سے حیران ہوئی تھیں، غرض یہ کہ جہاز کے اصولوں کے مطابق پہلے ہم نے اپنے لئے ناشتہ حاصل کیا اور ناشتے سے فارغ ہو کر اپنے کیبن کی طرف چل پڑے۔ کیبن کی صفائی کی خیر سگالی کے طور پر سوچا کہ انکل ڈیزل کے کیبن کی بھی صفائی کر دی جائے لیکن وہاں وہ خود مصروف ملے، تقریباً ان کے کیبن کی صفائی مکمل ہو چکی تھی، ہمیں دیکھ کر مسکرائے اور بولے۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مصروفیت بہت سے وسوسوں کا علاج ہوتی ہے، تم لوگ بھی مصروفیت میں خود کو بہلا سکتی ہو۔"

"اب کیا کریں انکل، آپ نے تو اپنا کیبن خود ہی صاف کر لیا۔"

"کام بہت سے ہیں، اگر کوئی کام نہ ہو تو جہاز کے اسپتال میں جا کر نرسنگ کرو، سب سے عمدہ کام ہے۔"

"ارے واہ! زبردست......" یہ مشورہ مجھے بہت اچھا لگا تھا، وسکن ڈیزل ہمیں خود اسپتال لے کر چلے گئے۔ ہم اس اسپتال کو دیکھ کر حیران رہ گئے، بہت سے بستر تھے یہاں سب کے سب بھرے ہوئے تھے، کوئی شدید بخار کے عالم میں ہذیان بک رہا تھا کوئی زخموں سے کراہ رہا تھا۔ کچھ اس طوفان کی زد میں تھے اور طوفان کے بعد پیدا ہونے والے بحران کے زخمی، ایک بستر پر ہم نے واسکوڈی کو بھی دیکھا، بے ہوش پڑا ہوا تھا، یہ بھی شکر تھا کہ گارساں نے اس کے سلسلے میں کوئی انتقامی طرز عمل نہیں اختیار کیا تھا، ڈاکٹروں کو اس کا علاج کرنے کی کھلی آزادی تھی اور وہ زیادہ تر اسی پر مصروف تھے، دوپہر کو عسکری ہمیں تلاش کرتا ہوا آ گیا۔

"دو گھنٹے سے مسلسل تلاش کر رہا ہوں تمہیں، انتہائی مجبور ہو کر انکل ڈیزل سے پوچھنا پڑا تب پتہ چلا کہ تم یہاں ہو، ویسے اچھا مشغلہ ہے جاری رکھو۔"

"تم کیا کر رہے ہو؟" میں نے طنز سے مسکرا کر پوچھا۔

"بہت سے کام ہیں ویسے مجھے روشاق کی وجہ سے خاص آدمی سمجھا جانے لگا ہے۔" "خاص آدمی تو تم ہو۔" میں نے بدستور اسی انداز میں کہا اور عسکری ہنس پڑا، پھر وہ صوفیہ سے بولا۔

"نشاء نے اس دوران بہت کچھ سیکھا ہے،

خاتون صوفیہ، دنیا داری، دنیا سے آزادی، دنیا سازی، مجھ سے نفرت کے باوجود میرے ساتھ گفتگو میں تھوڑی سی لچک اور میں یہ محسوس کرتا رہا ہوں، لیکن خاتون صوفیہ آپ گواہ رہیں جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اگر وقت آئے اور میں نشاء پر زندگی قربان کر دوں تو انہیں یہ ضرور یاد دلا دیں کہ یہ میں نے کہا تھا اور خاتون صوفیہ اس کے لئے میں جس رنگ میں نظر آؤں جس کے ساتھ نظر آؤں یہ میری مجبوری ہوگی۔" میں نے یا صوفیہ نے کوئی جواب نہیں دیا کچھ دیر کے بعد وہ پھر بولا۔

"گارساں کے ساتھ بہترین انجینئر ہیں، انجن ٹھیک ہو جائیں گے، لیکن کمپاس ٹوٹ گئے ہیں اور گارساں کا خیال ہے کہ طوفانی لہریں جہاز کو عام سمندری روٹ سے دور ہٹا لائی ہیں۔ کمپاس کی غیر موجودگی میں جہاز اپنی مرضی سے روٹ پر نہیں ڈالا جا سکتا۔ اس کا صرف یہ حل ہوگا کہ سمندر میں آگے بڑھتے ہوئے کسی اور جہاز کو تلاش کیا جائے گا، اگر ایسا ہو گیا تو کام بن جائے گا اور......" وہ خاموش ہوا تو صوفیہ نے سوال کیا۔

"اور اگر نہ ہوا تو؟"

"نہیں خاتون صوفیہ ایسا ضرور ہو جائے گا، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ سینکڑوں مسافروں کو لے کر سفر کرنے والے جہاز میں ایمرجنسی کے لئے خوراک اور ایندھن کے ذخائر بہت ہی اطمینان بخش ہیں، اس لئے کچھ وقت بے شک لگ جائے گا لیکن کچھ نہ کچھ ضرور ہو جائے گا۔" اس کے بعد سب خاموش ہو گئے تھے۔

دن گزر گیا، کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا تھا، مغرب کا وقت ہوا تھا ا، اچانک جہاز میں تھرتھراہٹ ہوئی اور ہلکی ہلکی آوازیں بلند ہونے لگیں مختلف مشاغل میں مصروف مسافر چونک چونک کر ساکت ہو گئے، سب اس تبدیلی کے بارے میں جاننا چاہتے تھے، پھر چند نوجوان خوشی سے ناچتے ہوئے اوپر آئے وہ چیخ رہے تھے۔

"انجن ٹھیک ہو گئے، جہاز روانگی کے قابل ہو گیا، گریٹ کیپٹن گارساں نے سینکڑوں انسانوں کی زندگی بچا لی۔ آپ سب کو مبارک ہو۔"

ہر طرف خوشیاں بکھر گئیں چہروں کی رونقیں لوٹ آئیں، ہر طرف زندگی بکھر گئی، عرشہ پر جگہ جگہ رقص ہونے لگے۔

"مائی گاڈ۔" صوفیہ نے ایک اطمینان بھری سانس لی۔

پھر کپتان گارساں کی طرف سے نئے احکامات صادر ہونے لگے۔ جہاز کے ہوا بان اور بیرونی حصے ٹھیک کئے جانے تھے یہ کام جہاز کے اصل خلاصی کر رہے تھے اور نوجوان ان کی بھرپور معاونت کر رہے تھے۔ رات تک یہ ہنگامی کارروائی جاری رہی پھر ڈنر کا وقت ہو گیا اور ڈنر کے بعد اعلان ہو گیا کہ عزت مآب جناب گارساں جہاز کے انجنوں کی درستگی سے مطمئن ہو گئے ہیں۔ اور جہاز اب کسی بھی وقت لنگر اٹھا دے گا۔

مسافر اس رات کیبنوں میں نہیں گئے تھے وہ زندگی کا جشن منا رہے تھے۔ ہم لوگ بھی عرشہ پر تھے۔ مگر میرے دل میں ایک خیال آیا اس وقت سب لوگ اپنی خوشیوں میں مگن ہیں کیوں نہ میں مال خانے میں موجود ان تابوتوں کو دوبارہ دیکھوں...... ممکن ہے، ممکن ہے۔"

یہ خیال اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ میں خود کو باز نہ رکھ سکی۔ لیکن میں تنہا جانا چاہتی تھی بالکل تنہا۔ سسٹر صوفیہ کو ڈاج دینے میں کوئی دقت نہیں ہوئی اور موقع ملتے ہی میں نے جہاز کے نچلے حصے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ مجھے راستہ یاد تھا پہلے جب آئی تھی تو میں نے اسے ذہن نشین کرنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن اب سب کچھ یاد آ گیا تھا۔

مال خانہ چونکہ رات میں استعمال نہیں ہوتا تھا اس لئے اس وقت یہاں روشنی نہیں ہوتی تھی البتہ وہ جگہ جہاں تابوت رکھے ہوئے تھے میں نے جگہ دیکھی تھی چونکہ اس سے جذباتی وابستگی تھی چنانچہ مجھے وہاں

www.pdfbooksfree.pk

لگے ہوئے روشنی کے بلب بھی یاد تھے اور انہیں روشن کرنے کے سوئچ بھی دیکھے تھے۔ چنانچہ اندھیرے میں ایک ایک قدم سنبھل سنبھل کر چلنے لگی، مال خانے میں نہ جانے کیا کیا بھرا ہوا تھا بار بار ٹھوکر لگ رہی تھی اس وقت اس طرف کسی کے آنے کا خطرہ نہیں تھا لوگ جشن میں مصروف تھے چنانچہ کوئی مداخلت نہیں ہوئی گھٹا ٹوپ اندھیرے کے باوجود میں بالکل صحیح جگہ پہنچ گئی گہرا سناٹا، گہری خاموشی، اتنی کہ مجھے اپنے سانسوں کی آواز تک سنائی دے رہی تھی۔ ذرا سی جنبش آواز بن جاتی تھی۔ اس وقت میری حسیات بھی تیز کام کررہی تھیں۔ اچانک ایک عجیب سے احساس سے میرے قدم رک گئے مجھے اپنے سانسوں کی آواز میں کچھ تبدیلی سی لگی۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ اس آواز میں ایک اور آواز بھی شامل ہوگئی ہے ایک غیر مانوس آواز جیسے میرے علاوہ بھی یہاں اور کوئی موجود ہے۔

تصدیق کے لئے میں نے اچانک سانس روک لی۔ اس کے باوجود مجھے سانسوں کی آواز سنائی دی ۔لیکن پھر یکدم خاموشی چھا گئی جیسے کسی کو میرے سانس روکنے کا احساس ہوگیا۔ پوری طرح غور کرنے لگی ممکن ہے یہ تنہائی کا خوف ہو جو وہم بن گیا ہے۔

میں نے یادداشت پر زور دے کر سوئچ تلاش کئے اور وہ مجھے مل گئے۔ چٹ کی آواز کے ساتھ ایک بلب روشن ہوگیا۔ روشنی وسیع وعریض مال خانے میں پھیل گئی میں نے سانس روک کر ان تابوتوں کو تلاش کیا اور وہ مجھے نظر آگئے لیکن وہ بند تھے میرا دل دھاڑ دھاڑ کرنے لگا۔ میں نے آنکھیں زور سے بھینچ کر کھولیں لیکن جو کچھ میں نے دیکھا وہی تھا۔ تابوت بند تھے، لیکن اب ان میں تالے نہیں لگے ہوئے تھے نہ ہی وہ تالے کہیں آس پاس نظر آرہے تھے۔ میں دل مضبوط کر کے آگے بڑھی اور تابوتوں کے پاس پہنچ گئی پھر میں نے کپکپاتے ہاتھوں سے ایک تابوت کا ڈھکن کھول دیا۔

ساری جان آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔ شاید اس وقت میری آنکھیں کچھ دیکھ سکیں، کیا اس کا تعین مجھے خود نہیں تھا بس ایک احساس تھا۔ لیکن، تابوت خالی تھا۔ اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔

بے اختیار دل سے ایک آہ نکل گئی۔ ایک مایوسی سی دل میں اتر گئی چند لمحے ایک حیرت کے سے عالم میں گزرے پھر کسی موہوم سی امید پر دوسرا تابوت کھولا۔ لیکن، وہ بھی خالی تھا، شاید کسی نے یہ خالی تابوت بند کردیئے تھے۔ میری آنکھیں بھر آئیں ایک جذباتی تاثر کے تحت میں ان تابوتوں میں جھانکتی رہی۔ پھر میری رندھی آواز ابھری۔

''اور آپ جانتے ہیں کہ یہ تابوت میرے لئے اجنبی نہیں ہیں، کبھی نہیں سوچا کہ آپ میرے پاپا نہیں ہیں، کارچوک کے تحقیقاتی عمل میں، میں بھی کھوگئی، آپ بھی کھوگئے، مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ اس سنہری تابوت میں کون تھی وہ جو بھی تھی، کون مجھے بتائے گا۔ ایک آپ ہی تو تھے جو مجھے میری شناخت دے سکتے تھے یہ بتاسکتے تھے کہ میری تاریخ کہاں کھوگئی ہے۔ میں کون ہوں، میری ماں کون تھی۔ تاریخ کے پردوں میں کیا چھپا ہوا ہے، نزائلہ سے میرا کیا رشتہ ہے، پاپا آج کون ہے، آپ کو احساس نہیں ہے کہ میں سب سے اجنبی ہوگئی ہوں۔ سب کچھ چھن گیا مجھ سے۔ پاپا آپ بھی مجھ سے چھن گئے۔ آپ کون ہیں، دیکھئے میں کتنی لاوارث ہوگئی ہوں، پاپا مجھے ڈر لگ رہا ہے، میں سمندر کے بیچوں بیچ زندگی کے لئے ترس رہی ہوں، پا...... پا......، پاپا۔'' میری سسکیاں ابھرنے لگیں۔

لیکن اچانک کچھ ہوا۔ کچھ عجیب۔ سامنے رکھے کارٹنوں میں سے ایک چھوٹا سا کارٹن اپنی جگہ سے لڑھک گیا۔ شاید کسی نے گرتے ہوئے کارٹن کو سنبھالا۔ لیکن وہ نہ سنبھل سکا اور کارٹنوں کی ایک قطار گرگئی اور اس کے عقب میں ایک انسانی سایہ نظر آیا جو ساکت تھا۔

میری سانس جیسے رکنے لگی وہاں تاریکی تھی

جہاں سایہ نظر آرہا تھا۔ میرے حلق سے بے اختیار رندھی ہوئی آواز نکلی۔

''پاپا۔''

کوئی جواب نہیں ملا۔ تو میرے اندر ایک عجیب سا غصہ جاگ اٹھا۔ میرے بدن میں شدید گرمی پیدا ہوگئی میں آگے بڑھ کر دوبارہ سوئچ بورڈ کے پاس پہنچی اور وہاں جتنے سوئچ لگے تھے سب آن کردیئے تاکہ خوب روشنی پھیل جائے اور میں ابو کو دیکھ سکوں میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں ہزاروں شکوے دل میں ابھر آئے تھے نہ جانے کیا کیا کہنے وہ دل چاہنے لگا تھا آنکھوں کے سامنے آنسوؤں کی دیوار آ کھڑی ہوئی تھی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ پاپا اس وقت کسی مشکل میں ہیں۔ بمشکل میں نے دیکھا کہ اس وقت وہ بے نقش نہیں ہیں نہ ہی پٹیوں کا کوئی ڈھیر ہے۔ یہ تو ایک باقاعدہ چہرہ تھا لیکن یہ چہرہ یہ چہرہ مرے پاپا کا نہیں تھا، یہ چہرہ اجنبی نہیں تھا، یہ...... یہ روشاق تھا، ہاں یہ منحوس چہرہ روشاق کا تھا۔

وہ پتھر کے مجسمے کی طرح ساکت کھڑا تھا۔

کچھ لمحے اس طرح گزر گئے۔ میرا جسم ساکت تھا۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن بصارت جیسے ختم ہوگئی تھی بس دماغ کی آنکھوں سے میں روشاق کو دیکھ رہی تھی۔ چند لمحات اس طرح گزر گئے پھر اچانک روشاق کے بدن میں تحریک ہوئی اور وہ چند قدم آگے بڑھ آیا۔ پھر اس کی آواز ابھری۔

''نشاء۔ میں تمہارے تعاقب میں یہاں تک آیا ہوں۔ تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ مجھ سے بات کرنا پسند کروگی۔''

میرے لب جیسے ایک دوسرے سے چپک گئے تھے۔ میں ابھی تک ہوش وحواس بحال نہیں کرسکی تھی ہارون دانش کے بجائے یہ منحوس چہرہ دیکھ کر میرے دل کو شدید دھچکا لگا تھا۔ روشاق خاموش کھڑا تھا۔ وہ میرے جواب کا انتظار کرتا رہا۔ پھر بولا۔

''میرے بارے میں تمہارے ذہن کو اس قدر زہر آلود کردیا گیا ہے کہ اسے صاف کرنا ایک مشکل کام ہے۔ جبکہ ابھی وہ وقت نہیں رہا کہ تم جان سکو کہ میرا تمہارا رشتہ سب سے قدیم ہے آشور کی مندر کا بڑا پجاری جو جانتا ہے وہ کوئی نہیں جانتا۔ جبکہ تاریخ کے بے شمار کردار ہمارے درمیان خلا پیدا کرنے کی سرتوڑ کوششیں کرتے رہے ہیں جن میں سب سے پیش پیش احمد جنیدی ہے سمجھیں تم۔ غور کرو احمد جنیدی پر غور کرو۔''

میرے ذہن میں چرخیاں سی چلنے لگیں۔ احمد جنیدی کے بارے میں سب کچھ سوچنے لگی۔ وقت کی کہانی وقت ہی بیان کرتا ہے۔ صد افسوس ہمیں وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔

دفعتاً جیسے میری زبان کے تالے کھل گئے۔ بے اختیار میرا دل چاہا کہ اس منحوس شخص سے باتیں کرکے کچھ اور معلوم کروں۔ چنانچہ میں نے کہا۔'' آپ کیا کہنا چاہتے ہیں مسٹر روشاق۔''

''یہ کہ وقت نے اس کہانی کو وقت سے پہلے آگے بڑھا دیا ہے جس کو وقت پر منظر عام پر آنا تھا۔''

''کہانی۔''

''ہاں۔ انا طوق کی تحریر کردہ کہانی، سبوع، نابلوس، نزائلہ کی کہانی، آشوانی مندر کی سب سے خوبصورت پجارن کی کہانی۔''

''ایک بات بتاؤ گے روشاق۔''

''ہاں۔ پوچھو! شاید تمہارا دل میری طرف سے صاف ہوجائے۔''

''تم لوگ آستوانی مذہب کی تلاش میں تیونس گئے تھے۔''

''ہاں۔''

''مائیکل جون اور امیر الحسنات بھی تمہارے ساتھ تھے۔''

''ہاں، بالکل۔''

''وہ دونوں کہاں گئے۔''

''ان کا تاریخ مصر سے کوئی تعلق نہیں تھا۔''

www.pdfbooksfree.pk

"پھر وہ کیوں وہاں گئے تھے؟"

"خزانوں کی تلاش میں۔"

"کیا کارچوک کی پہاڑیوں میں کوئی خزانہ موجود تھا۔"

"دونوں بے وقوف اسے زروجواہر کا خزانہ سمجھتے تھے لیکن وہاں جو خزانہ مدفون تھا وہ تاریخ مصر کے کچھ گمشتہ باب تھے۔"

"وہ دونوں اس بات کو نہیں جانتے تھے۔"

"نہیں۔"

"اور......اور پاپا......؟"

"ہارون دانش تو ان خزانے کی چابی تھے۔ ہم دونوں اصلیت سے واقف تھے اور بس۔"

"پھر کیا ہوا۔"

"وہی جو ہوتا ہے۔"

"یعنی؟"

"انسان کی فطری خودغرضی، ہم دو آشنا، ایک دوسرے سے منحرف ہوگئے، میں دانش ہارون کے ساتھ مل کر تاریخ کے ایک عقدے کو حل کرنا چاہتا تھا لیکن ہارون دانش کے دل میں بے ایمانی آ گئی خاص طور سے اس لاش کو دیکھ کر جو......تمہاری ہم شکل تھی۔"

"کیوں......؟"

"اس سوال کا جواب ممکن نہیں ہے بے بی۔"

"تم اس لاش کو لے کر غائب ہوگئے۔"

"مجبوری تھی۔ ہارون دانش بھی یہی کرتے، تم نے بہت سے سوالات کر لئے۔ میں جس حد تک تمہیں بتا سکتا تھا بتا دیا۔"

"مگر میں کچھ اور پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"بتا سکا تو ضرور بتاؤں گا۔"

"میں کون ہوں۔ میرے ماں باپ کون تھے۔ وہ لاش میری ہمشکل کیوں تھی، میری شخصیت ایک پراسرار سحر میں کیوں لپٹی ہوئی ہے۔"

روشاق ہنس پڑا، پھر بولا۔ "اس کے بعد اور کیا رہ جاتا ہے۔ افسوس میں ان میں سے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ ہاں تم چاہو تو میں وقت کے سفر میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔"

میں طنزیہ انداز میں ہنسی۔ پھر میں نے کہا۔ "آپ صرف میری مدد کے لئے میرا تعاقب کر رہے ہیں اس جہاز پر میری وجہ سے موجود ہیں۔"

"ان میں کوئی شک نہیں ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں، لیکن اس میں میرا مفاد بھی ہے۔"

"وہ خوفناک بلی آپ کی ملکیت ہے؟"

"بلی۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ "تم اسے بلی کہہ دو۔ لیکن وہ ایک عظیم کردار ہے جو ہمارے ساتھ تاریخ کی اہم ترین سچائیوں کی کھوج میں میرا ساتھ دے رہی ہے، وہ سچائیاں جو تاریخ کے اوراق میں گم ہوگئی ہیں۔"

"واہ! بڑے انوکھے کردار ہیں تمہارے ساتھ۔ یہ کردار کس......کا ہے جس نے احمر جنیدی کو موت سے ہمکنار کرنے میں کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

"وہ ایک وارننگ تھی اس کے لئے کیونکہ وہ بہت بلند پرواز کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"اور اسی عظیم کردار نے میرے ایک ملازم کو زخمی کر دیا تھا۔"

"وہ مجبوری تھی۔"

"اور۔ اور آخر میں آپ نے اے کے ہمدانی کو زندہ درگور کر دیا۔"

"رب آسوس کی قسم۔ ڈوبتے چاند کی راتوں کی قسم۔ سب سے آخر میں ڈوبنے والے ستارے کی قسم ہمدانی کے ساتھ یہ سلوک میں نے نہیں کیا تھا۔"

"تو پھر......"

"یہ احمر جنیدی نے کیا تھا۔ وہ تمہارا ذہن میرے خلاف کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے جبکہ تم میرے سب سے قریب ہو۔" روشاق کی آواز غضب ناک ہوگئی۔ اور میرے ذہن میں شدید سنسنی ہونے لگی۔ بڑا حیرت ناک انکشاف تھا لیکن اس سے زیادہ

سنسنی خیز وہ قسمیں تھیں جو روشاق نے کھائی تھیں میرا ذہن بھٹک گیا مجھے اپنے چاروں طرف گھنٹے اور ناقوس بجنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ان کے درمیان ایک آواز بلند ہو رہی تھی۔

"تقدیس ہو رب آسوس کی۔"

"ڈوبتے چاند کی مقدس راتوں کی۔"

"محافظ ستارے کی جو روشنی کے لئے قربانی دیتا ہے۔"

"تقدیس ہو، تقدیس ہو، تقدیس ہو۔"

ایک عجیب سی گونج پیدا ہوگئی تھی اس دوران میری نگاہیں روشاق کی طرف اٹھ گئیں جو بڑے پراسرار انداز میں مستعد ارپا تھا جسے میری کیفیت کو سمجھ رہا ہو۔ میں ایک جھٹکے سے اس سحر سے نکل آئی۔ پھر میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں نے کہا۔

"وہ کتابیں کہاں ہیں۔"

"سو فیصدی احمر جنیدی کے قبضے میں ہیں۔ میں تم سے آخری بات کہنا چاہتا ہوں بے بی۔"

"ہاں۔ کہو۔" میں اب پوری طرح سنبھل گئی تھی۔

"دیکھو، کبھی کبھی وہ سب سے بڑا دوست ثابت ہوتا ہے جسے سب سے بڑا دشمن سمجھا جاتا ہے۔ میں تمہیں پیش کش کرتا ہوں کہ مجھ پر بھروسہ کرو، مجھ سے تعاون کرو۔ میں تمہیں تمہاری منزل تک پہنچاؤں گا۔ لیکن تمہیں پورے خلوص سے مجھے تسلیم کرنا ہوگا۔"

بڑی انوکھی پیش کش تھی، سب سے بڑے دشمن کی، اس شخص نے تو ساری مشکلات پیدا کی تھیں اس کی باتوں پر یقین کیسے کیا جا سکتا ہے جبکہ یہی ساری مصیبتوں کی جڑ تھا، کیسے کیسے انوکھے انکشاف کئے تھے اس نے سب سے زیادہ سنسنی خیز یہ کہ ہمدانی صاحب کا وہ حشر احمر جنیدی نے کیا ہے، احمر جنیدی کے بارے میں خواب میں بھی یہ نہیں سوچا جا سکتا تھا۔

"یہی تو افسوس ہے بے بی۔" ان لوگوں کو تمہارے سلسلے میں مجھ پر برتری حاصل ہوگئی ہے۔ روشاق نے کہا، اور میں بھونچکی رہ گئی۔ "انہوں نے تمہیں ٹریپ کر لیا ہے، انہوں نے تمہیں یقین دلا دیا ہے کہ میں تمہارا دشمن ہوں۔"

پراسرار روشاق میری سوچوں سے واقف ہو رہا تھا۔ اس نے پھر مجھ پر بم مارا اور بولا۔

"یہ صرف چہر شناسی ہے، قوت مشاہدہ ہے، خیر میں نے تمہیں سوچنے کی دعوت دیدی ہے، فیصلہ تمہیں کرنا ہے ہاں ایک بات ضرور کہوں گا فیصلہ اپنی ذات سے کرنا ہے خاص طور سے وسکن ڈیزل کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔ میرے سلسلے میں اس سے مشورہ کرو گی تو وہ تمہارا ذہن اور بھٹکا دے گا۔ اگر فیصلہ میرے حق میں کرو تو مجھ سے میرے کیبن میں ملنا۔ نمبر تمہیں بتائے دے رہا ہوں جہاں میں دوسرے نام سے مقیم ہوں۔ اور اگر دل میری پیشکش کو قبول نہ کرے تو کوئی بات نہیں۔ وقت خود سارے فیصلے کرے گا میں چلتا ہوں اور جاتے جاتے تمہیں ایک خوشخبری سنا دوں۔"

"خوشخبری۔"

"ہاں۔ شاید تمہیں احمر جنیدی کے بارے میں معلوم ہو۔"

"کیا......!"

"یہی کہ وہ بھی جہاز پر موجود ہے۔"

"کیا......میں اچھل پڑی۔"

"ہاں۔ کیبن نمبر نو سو بیس میں وہ عدنان ثنائی کے ساتھ موجود ہے۔ چلتا ہوں۔" وہ وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ لیکن میں بری طرح چکرائی ہوئی تھی۔ میرے خدا یہ سب کیا ہے، مسٹر ڈیزل تو اچھی دانست میں بڑی رازداری سے سے یہ سفر کر رہے تھے اور اپنی سوچ کے مطابق انہوں نے سب کو ڈاج دے دیا تھا لیکن یہاں تو سب اس جہاز میں جمع ہوگئے تھے۔ اور حیرت کی بات ہے کہ اب تک سب اپنے آپ کو ایک دوسرے سے چھپائے ہوئے تھے۔ اس

www.pdfbooksfree.pk

ہنگامے میں جبکہ سب موت وزیست کی کشمکش کا شکار تھے وہ سامنے نہیں آئے تھے۔

ایک بار پھر میری نظریں ان تابوتوں کی طرف اٹھ گئیں۔اور بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔"پاپا، کیا سچ مچ آپ بھی میرے پاپا نہیں ہیں۔اگر آج میرے پاپا ہوتے تو مجھے اس طرح مشکلات میں میرا ساتھ نہ چھوڑتے۔کچھ تو بتایئے میں کیا کروں۔میں نے تو ہوش سنبھالنے کے بعد آپ کو ہی اپنا پاپا سمجھا ہے کچھ تو میری مدد کریں، اتنا ہی بتادیں کہ میں کون ہوں، آپ تو میرے ماضی کو بھی مجھ سے چھین رہے ہیں پاپا۔میرے سامنے کوئی راستہ نہیں ہے ماں باپ تو زندگی کے رہبر ہوتے ہیں ،لیکن نہ میری ماں ہے اور نہ آپ میرے پاپا۔"

میں کسی جذبات عمل کا انتظار کرتی رہی پھر مایوس ہوکر میں نے روشنیاں بجھادیں اور وہاں سے واپسی کے لئے قدم اٹھادیے،دل میں آرزو تھی کہ کوئی آواز دے، کوئی پکارے۔"رک جاؤ نشاء، رکو، میری بات سنو، تم تنہا نہیں ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

لیکن کوئی آواز نہیں سنائی دی اور میں باہر نکل آئی۔

خود کو زندگی کے جھوٹ کا احساس دلانے والے مسلسل مصروف تھے ،انہیں موت کے اندھیروں میں زندگی کا فریب نظر آرہا تھا،وہ زندگی کی خوشی سے سرشار تھے۔سارے وجود پر ایک اضمحلال ایک تھکن کا احساس طاری تھا،صوفیہ کہ جانے کہاں تھی، اس لئے سیدھی اپنے کیبن کی طرف چل پڑی، یہ خیال بھی تھا کہ شاید صوفیہ کیبن میں چلی گئی ہو لیکن وہ نہیں تھی۔

بستر پر دراز ہوگئی ،سارا کیبن ہل رہا تھا ایک عجیب سی گھبراہٹ دل پر طاری تھی۔جس وقت پاپا کے ساتھ ان کے ریسرچ ورک میں ساتھ ہوتی تھی ایک طمانیت ایک اعتماد، زندگی پر تھا، ماں نہیں تھی، آیا ندیمہ تھیں جنہوں نے کبھی ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی، لیکن اب میرا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔

روشاق نے میارے ماضی کے بارے میں ہر سوال ٹال دیا تھا۔وہ انوکھی مخلوق تھا اور انتہائی پراسرار اور عجیب۔اس کے علاوہ اس نے احمر جنیدی کے بارے میں جو انکشافات کئے تھے کیا وہ سچ تھے۔احمر جنیدی کی حرکات بھی کافی مشکوک تھیں۔وہ چوروں کی طرح پاپا کی لائبریری میں داخل ہوا تھا، میرے بارے میں اس نے کافی چھان بین کی تھی، اور کیا واقعی انکل ہمدانی کو احمر جنیدی نے اس حال کو پہنچایا تھا۔کیا احمر جنیدی یہ عمل کر سکتے ہیں، اور پھر یہ بھی کہ کیا وہ سچ مچ مارشل پر موجود ہے۔وہ بھی اور عدنان ثنائی بھی۔میرے خدا، حالات آگے پراسرار بھی ہوسکتے ہیں، انکل ڈیزل تک کو یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ ان سب کے ہاتھوں بری طرح بے وقوف بنے ہیں، اور اپنے عمل میں بری طرح ناکام رہے ہیں۔

اچانک ہی کیبن کے دروازے پر آہٹ ابھری، اور میں نے چونک کر ادھر دیکھا، صوفیہ اندر داخل ہوئی تھی۔

"اوہ! خدا کا شکر ہے، تم یہاں موجود ہو۔" انہوں نے کہا۔

"کیوں سسٹر۔"

"ارے بابا میرا تو خون خشک ہوگیا تھا۔"

"آیئے بیٹھے۔آپ واقعی پریشان نظر آرہی ہیں۔" میں نے کہا اور وہ تھکی تھکی بیٹھ گئیں۔

"بار بار کیبن کے چکر لگا چکی ہوں، عرشے کے آخری کونے تک آنکھیں پھاڑ چکی ہوں، کہاں چلی گئی تھیں تم۔"

"آپ باہر تو نہیں جائیں گی۔"

"کیوں......؟"

"ایسے ہی پوچھ رہی ہوں۔"

"کیا کروں گی باہر جاکر، لوگ شراب پی کر بدمست ہو رہے ہیں۔"

"ہاں، زندگی ایسی ہی چیز ہے۔"

"مگر تم کہاں جا چھپی تھی؟" وہ اپنے بستر پر

دراز ہوگئیں اور میں انہیں دیکھنے لگیں ،ان سے کچھ چھپانا دانشمندی نہیں تھی کیونکہ وہ میری وجہ سے خوار ہو رہی تھیں۔"

"میں جہاز کے مال خانے میں گئی تھی۔"

"کہاں؟ صوفیہ کے شاید میرے الفاظ ٹھیک نہیں سنے تھے۔

"جہاز کے تہہ خانے میں۔"

"تہہ خانے میں؟"

"ہاں۔جہاں وہ تابوت رکھے ہوئے ہیں۔"

"کیا!!" صوفیہ بے اختیار اپنی تھکن بھول کر اچھل کر بستر پر بیٹھ گئی۔

"ہاں ،میں وہاں گئی تھی، اپنے پاپا کی تلاش میں۔"

"تو پھر۔" صوفیہ کی آنکھیں پھٹی رہ گئی تھیں۔

"پاپا نہیں ملے ،لیکن۔"

"جلدی بولو۔"

"وہاں مجھے روشاق مل گیا، جبکہ دونوں تابوت خالی تھے۔"

صوفیہ کے حلق سے سسکی جیسی آواز نکلی تھی، میں نے صوفیہ کو اپنے اور روشاق کے درمیان ہونے والی باتیں صوفیہ کو بتائیں احمر جنیدی کے بارے میں بتایا تو سسٹر صوفیہ کا چہرہ کاغذ کی طرح سفید ہوگیا کچھ لمحے خاموش رہ کر اسنے سرسراتی آواز میں کہا۔

"کیا ضروری ہے کہ وہ سچ بول رہا ہو۔ اور دوسری بات یہ کہ ہم نے جہاز کے سارے مسافروں کو دیکھا ہے، وہ کیوں نہیں نظر آیا جبکہ خود روشاق بھی خود کو نہیں چھپا سکا۔"

"اس نے مجھے اس کے کیبن کا نمبر بھی بتایا ہے اور عدنان ثنائی کے بارے میں بھی جو اس کیبن میں اس کے ساتھ ہیں۔عدنان ثنائی کی تفصیل بھی آپ کو بتا چکی ہوں۔"

"میرے خدا۔" صوفیہ نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔کچھ دیر اسی طرح بیٹھی رہی پھر چونک کر بولی۔"کیا عسکری نے بھی اسے نہیں دیکھا۔"

"میں نہیں کہہ سکتی۔"

"وہ لمحے لمحے ہمیں باخبر رکھ رہا ہے، ہوسکتا ہے اسے معلوم نہ ہو۔ویسے نشاء تم بتاؤ، کیا احمر جنیدی ہمدانی صاحب کے ساتھ یہ درندگی کر سکتا ہے، کیا وہ اس طرح کا انسان ہے تم نے تو اسے دیکھا ہے۔"

"میں کیا کہوں سسٹر۔انحراف کرتی ہوں مجھے انسان شناسی نہیں آتی۔"

"میرا خیال ہے روشاق ہمیں فریب دے رہا ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔"

"مگر اب کیا کریں۔"

"میرے ذہن میں کچھ نہیں آرہا۔" میں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا اور صوفیہ سوچ میں ڈوب گئی ۔پھر بولی۔

"نیولائن کے پراسرار بنگلے میں جو کچھ ہوا اور اس کے بعد ہمیں اسپین جانے کا مشورہ دیا گیا۔اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔"

"میں بالکل مطمئن ہوں سسٹر۔"

"ایک بات پوچھو نشاء...... برا تو نہیں مانو گی۔"

"نہیں۔"

"اب تک جو کچھ ہوا ہے تمہارے خیال میں وہ سب نیک نیتی پر مبنی ہے۔"

"یعنی۔"

"تمہیں یقین ہے کہ وہ ہارون دانش ہی تھے۔"

"کون......؟"

"جو ہمیں نیولائن میں ملے تھے۔"

"وہاں سسٹر۔"

"سنو نشاء۔کبھی کبھی دل کے فیصلے عقل کے فیصلوں پر سبقت لے جاتے ہیں میں اس سے منحرف نہیں ہوں۔اگر ہارون دانش صاحب نے تمہیں اسپین بھیجا اور وسکن ڈیزل پر بھروسہ کیا تو ہمارے نئے انکل ڈیزل ہی سب سے بڑی حیثیت رکھتے ہیں۔اس کے

www.pdfbooksfree.pk

علاوہ فرض کرو اگر احمر جنیدی شاطر ہے اور کوئی گہرا کھیل، کھیل رہا ہے تو دانش صاحب تمہیں روشاق کا سہارا لینے کے لئے بھی کہہ سکتے تھے۔"

میں کچھ لمحے صوفیہ کی بات سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر ایک دم بات سمجھ میں آ گئی صوفیہ بڑے دور کی کوڑی لائی تھی۔ میرے ذہن سے ایک بوجھ ہٹ گیا واقعی ایسا ہوسکتا ہے۔

"لیکن اس کے باوجود ہمیں ایک گوشہ خالی رکھنا ضروری ہے۔"

"وہ کیا؟"

"ممکن ہے احمر جنیدی یہاں موجود ہو۔ میرے خیال میں اب ہمیں سب سے پہلا کام یہ کرنا ہے کہ یہ ساری باتیں انکل ڈیزل کو بتادیں۔"

"بات خطرناک نہ ہوجائے۔"

"ہم جن خطرات سے گھرے ہوئے ہیں وہ کم ہیں کیا، ایک اور خطرہ پیش آنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ویسے میں ایک پیش گوئی کروں۔"

"ہوں۔"

"روشاق اب تمہارے اردگرد چکرائے گا، وہ بے دھڑک تم سے ملاقاتیں کرے گا۔ تمہیں کوئی خاص بات نہیں کرنی اس سے، ہر جواب انکل کے مشورے سے دینا ہے کوئی غیر ضروری بات نہیں کرنی اس سے۔"

"ٹھیک ہے سسٹر۔ اب کیا کریں۔"

"میں انکل ڈیزل کو تلاش کرکے لاتی ہوں۔"

"اوکے......" میں نے کہا اور صوفیہ باہر چلی گئی، لیکن میرے ذہن میں شدید الجھن پیدا ہوگئی، روشاق نے کچھ باتیں ایسی کہی تھیں جن کا علم میرے سوا کسی کو نہیں تھا، آشوانی مندر کی پجارن، سبوعہ اور نزائلہ یہ باتیں روشاق جانتا اور کوئی نہیں۔ وہ سب سے زیادہ پراسرار اور واقف شخصیت ہے اگر اسے اغراض ہوا تو......"

انکل ڈیزل شاید آسانی سے صوفیہ کو مل گئے تھے، کچھ لمحوں کے بعد ہی وہ دونوں کیبن میں داخل ہوگئے۔

"ہیلو نشاء...... کیا ہنگامے ہورہے ہیں۔"

"آپ کے لئے دلچسپ کہانیاں تیار ہیں انکل۔"

"اوہ...... گڈ، کیا کہانی ہے بھئی۔"

"میں بتادوں نشاء......؟" صوفیہ نے کہا اور میں نے گردن ہلادی۔ تب صوفیہ نے پوری داستان من وعن سنادی اور خود انکل ڈیزل حیران رہ گئے۔ کچھ دیر خاموش رہ کر انہوں نے کہا۔

"میرے خدا۔ ہوشربا کہانی ہے۔ ہم نے تو بری طرح مار کھائی ہے، جہاز پر اتنا بڑا اجتماع ہے اور ہمیں خبر بھی نہیں۔ احمر جنیدی اور عدنان ثنائی پر ہے۔"

"اب ہم کیا کریں انکل۔" میں نے پوچھا۔

وسکن ڈیزل کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے پرخیال لہجے میں کہا۔ "میرے خیال میں روشاق سے غلطی ہوگئی۔"

"کیسے......؟" صوفیہ نے چونک کر پوچھا۔

"ہم اس سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔" ڈیزل پرخیال انداز میں بولے۔

"بتایئے انکل اب ہم کیا کریں۔"

"ہمیں ان حالات میں کچھ اور کرنا ہوگا، عمدہ موقع ہاتھ آیا ہے۔"

"پلیز...... کچھ بتایئے انکل۔"

"سنو نشاء، تم روشاق سے ملو، اپنے آپ کو اس کے اعتماد میں دیدو۔ اسے پوری تفصیل بتاؤ نیولائن والے گھر کے بارے میں بھی۔ البتہ چند باتیں صغیہ راز میں رہیں۔"

"وہ کیا انکل۔"

"نیولائن والے گھر میں تم نے جو تابوت دیکھے تھے ان میں دو ممیاں تھیں، لیکن بے جان، ان میں کوئی تحریک نہیں تھی۔"

"اوہ، لیکن انکل، اس عورت کی شکل میں

روشاق اور اس کی بلی۔"

"مجھے یاد ہے، لیکن تم فکر مت کرو، اور ہاں، اچین آنے کے بارے میں تم اسے بتاسکتی ہو کہ تمہیں ایک کال کے ذریعہ اس کی ہدایت ملی تھی جو ہارون دانش کی آواز میں تھی۔ مزید یہ کہ تم مجھ سے بیزاری کا اظہار بھی کرو۔"

"انکل میں اس سے خوف زدہ ہوں۔"

"نہیں میری جان، بالکل فکر مت کرو۔" میں تمہیں بتاؤں وہ بہت چالاک ہے، اس لئے گارساں کو شیشے میں اتار کر خود کو محفوظ کرلیا ہے اس بات کو خاص طور سے ذہن میں رکھنا ہے۔"

"مجھے بتایئے انکل۔"

"کیا......"

"میں کل اس سے ملوں۔"

"ہاں ضروری ہے۔"

"اور احمر جنیدی؟"

"ابھی اس پر غور نہ کرو۔ اسے میں دیکھوں گا۔"

وسکن ڈیزل تھوڑی دیر تک میرے پاس رکے پھر جانے کے لئے اٹھ گئے۔

"میں چلتا ہوں بے بی، ویسے میرا خیال ہے کہ گارساں بہت جلد جہاز کی روانگی کا اعلان کردے گا۔"

دوسری صبح میں بہت دیر تک سوتی رہی تھی۔ میں اور سسٹر صوفیہ دونوں ساتھ ہی جاگے تھے میں واش روم سے فارغ ہوئی تو صوفیہ واش روم چلی گئیں ابھی وہ باہر ہیں آئی تھیں کہ کیبن کے دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو ایک نوجوان نظر آیا۔ اس کے پیچھے کوئی اور بھی تھا۔

"ناشتہ لے لیجیے میڈم کیا آپ اس کیبن میں تنہا ہیں۔" اس نے کہا۔

"نہیں، ہم دو ہیں، میں اور میری ساتھی۔"

"وہ بھی خاتون ہیں۔"

"ہاں!"

"براہ کرم اپنا نام بتادیں، کیپٹن گارساں سروے کررہے ہیں تاکہ سفر کرنے والوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔"

میں نے اپنا اور صوفیہ کا نام بتایا جو اس نے کیبن نمبر کے ساتھ نوٹ کرلیا، پھر میں نے پوچھا۔ "آپ کون ہیں؟"

"میرا نام فلپ مورگن ہے۔ میں بھی جہاز کا مسافر ہوں، لیکن ہم رضا کارانہ طور پر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔"

"کیا خواتین کو بھی ذمہ داریاں دی گئی ہیں۔"

"کپتان گارساں کا کہنا ہے کہ یہ ان کی مرضی پر منحصر ہے۔"

"شکریہ" میں نے کہا اور ناشتہ لے کر رکھ لیا۔ ناشتہ کرتے ہوئے میں نے صوفیہ کو اس بارے میں تفصیل سنائی تو وہ پھیکے انداز میں مسکرادی، پھر بولی۔

"سب لوگ کتنے خوش ہیں نشاء زندگی کتنی عجیب ہوتی ہے۔"

"وہ تو ہے سسٹر اس وقت آپ یہ کس لئے کہہ رہی ہیں۔"

"جہاز کے انجن ٹھیک ہوتے ہیں لیکن کمپاس ٹوٹ گئے ہیں کوئی منزل، کوئی راستہ نہیں ہے جہاز کہاں جائے گا۔ آگے آگے کیا ہوگا کچھ معلوم نہیں۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، لیکن ایک اور بات ہے۔"

"وہ کیا۔"

"اس وقت کا کپتان بحری قزاق ہے، سمندروں کا کیڑا، ممکن ہے وہ راستہ تلاش کرلے۔"

"ہاں، اچھا سوچا تم نے۔ صوفیہ نے انحراف کیا۔ ناشتے سے فارغ ہوکر ہم نے فیصلہ کیا کہ عرشہ پر چلا جائے۔ مختصر تیاریوں کے بعد ہم عرشہ پر چل پڑے یہاں خوب رونق تھی، نوجوان بڑی مستعدی سے سارے کام کررہے تھے۔ برج آباد تھا۔ گارساں کے ساتھی جہاز کے افسران کی وردیاں پہنے سارے امور کی نگرانی کررہے تھے۔ ہم لوگ اسپتال کی طرف چل

www.pdfbooksfree.pk

پڑے۔ ہر جگہ شاندار کارکردگی کا مظاہرہ ہوا تھا جہاز بالکل پہلے جیسی شکل میں نظر آ رہا تھا۔

سسٹر صوفیہ نے متاثر لہجے میں کہا۔

''دیکھ رہی ہو، کیا شاندار کام ہو رہا ہے۔ جبکہ جب وہ قیدی کی شکل میں نظر آیا تھا تو ایک وحشی درندہ نظر آ رہا تھا۔

''ہاں......!'' میں نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

اور مسٹر صوفیہ چونک کر مجھے دیکھنے لگیں۔ پھر بولیں۔

''کیا بات ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے۔''

''ہاں بس ایک عجیب سا احساس ہوا ہے آخر انسان کیا ہے، میں دنیا کو کیوں نہیں سمجھ پائی سسٹر؟''

''واقعی سب کچھ بہت عجیب ہے۔'' صوفیہ نے الجھے لہجے میں کہا۔ ہم اسپتال کا جائزہ لیتے رہے۔ بلی کا شکار افسر بدستور زیر علاج تھا اس کے ساتھی اس کی نگہداشت کر رہے تھے۔ پھر ہماری نگاہ انکل ڈیزل پر پڑی وہ بھی وہیں موجود تھے ہم ان کے پاس پہنچ گئے وہ ہمیں دیکھ کر مسکرائے۔

''کیوں کیا محسوس کر رہی ہو؟''

''عجیب۔''

''ہاں، سب۔ کچھ عجیب ہے۔ واسکوڈی کو دیکھا۔''

''جی۔ کیسا ہے وہ۔''

''بہتر ہے، وہ کہتا ہے کہ اسے گارساں نے نہیں ایک کمینے مسافر نے نقصان پہنچایا ہے۔ اور اب وہ روشاق کا دشمن بن چکا ہے۔

''جہاز کب روانہ ہوگا انکل؟''

''میرا خیال ہے زیادہ دیر نہیں، گارساں واقعی اعلیٰ درجے کا کپتان اور انجینئر ہے۔ اس نے نئے لاؤڈ اسپیکر لگوائے ہیں جن پر وہ روانگی کا اعلان کرے گا۔''

''اور کوئی خاص بات انکل۔''

''ہاں ہے۔'' ڈیزل نے کہا اور ہم چونک پڑے ڈیزل نے کہا۔'' کیبن نمبر نوسوبیس میں احمر جنیدی اور عدنان ثنائی موجود ہیں۔ عدنان ثنائی لنگڑا رہے ناں۔''

''ہاں۔ میں نے آہستہ سے کہا۔''

''دونوں موجود ہیں، ہاں تم روشاق سے دوبارہ کب ملوگی۔''

''جب آپ کہیں۔''

''جلدی نہ کرو۔ انتظار کرو کہ وہ خود تم سے رجوع کرے۔ ہاں اور اگر وہ کوئی پیش کش کرے تو قبول کر لینا۔ تھوڑا سا انتظار کرو۔''

''ٹھیک ہے انکل۔''

دن کو سوا گیارہ بجے کے قریب جہاز میں ایک اجنبی آواز ابھری اور تھرتھراہٹ پیدا ہوگئی۔ اس کے انجن اسٹارٹ ہو گئے پھر لنگر اٹھائے جانے لگے۔ اس کے ساتھ ہی اسپیکروں پر گارساں کی آواز ابھری۔

''جہاز کے معزز مسافروں کو زندگی کی مبارکباد، مارشل اپنے سفر کا آغاز کر رہا ہے اپنا تعاون اسی طرح جاری رکھیں اور میرے بتائے ہوئے اصولوں پر قائم رہیں جو ذمہ داریاں آپ کو دی گئی ہیں انہیں انجام دیتے رہیں آپ کا کپتان آپ کو آپ کی منزل تک پہنچائے گا۔ شکریہ۔

مسافر خوشی سے ناچنے لگے۔ موسم خوشگوار تھا دھوپ نکلی ہوئی تھی دور سے ہمیں عسکری نظر آیا اور نہ جانے کیوں مجھے ہنسی آ گئی، صوفیہ نے چونک کر مجھے، پھر میری نظروں کا تعاقب کر کے عسکری کو دیکھا۔ پھر بولیں۔

''کیا ہوا۔ کیوں ہنسی آئی؟''

''بہت سی باتوں پر سسٹر...... مارشل پر کتنی کہانیاں بکھری ہوئی ہیں۔ صرف میں اکیلی اندھے پن میں سفر کر رہی ہوں، کچھ نہیں جانتی۔ آپ اخلاق کی قیدی ہیں اور یہ بہت سے سر پھرے، سرزمین مصر کے سرشتہ رازوں کی نقاب کشائی اور عسکری کاروباری عاشق، دولت کی ہوس کا شکار، انکل ڈیزل اور...... اور نہ جانے کیا کیا۔

(جاری ہے)

آسیب

شائستہ سحر۔ راولپنڈی

چاندنی رات میں ہر سو عجیب سرور چھایا ہوا تھا کہ اچانک غراھٹیں سنائی دیں جب نوجوان نے اس طرف دیکھا تو دہل کر رہ گیا، ایک بوڑھی عورت نے ایک نوجوان کا گلا دبوچ رکھا تھا اور پھر اس عورت نے نوجوان کا گلا بھنبھوڑنا شروع کردیا اور پھر......

دل و دماغ پر سکتہ طاری کرتی اور سطر سطر رونگٹے کھڑے کرتی دہشت ناک حقیقت

''**یار** وہ آج بھی میرے راستے میں بیٹھی تھی اور بس مجھے ہی گھورے جا رہی تھی۔'' محسن پریشانی کے عالم میں بولا۔

''کون...... وہ حسینہ؟'' میں نے مزاحیہ انداز میں بے ساختہ کہا تو وہ ناگواری سے مجھے گھورتے ہوئے بولا۔

''کچھ خوف خدا کرو! وہ اور حسین استغفار۔'' محسن نے اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگایا۔

میں اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولا۔ ''یار وہ بھی نا کبھی اپنے دور میں حسین تو ہوگی ناں! اس سے کیا فرق پڑتا ہے اب وہ ستر اسی سال کے لگ بھگ ہے اور سونے پر سہاگہ کہ وہ گنجی بھی ہے۔''

''تو اب میرا مذاق اڑا رہا ہے۔'' محسن غصے سے سیخ پا ہو کر بولا۔

میں ہنستے ہوئے بولا۔ ''اب اس کا کوئی حل بھی نہیں اس کے سوا کہ تو اس بوڑھی حسینہ کو اٹھا کر کہیں دور پھینک دے۔''

''تو اپنی بکواس بند کرے گا کہ نہیں۔'' محسن غصے سے مجھے گھورتے ہوئے بولا۔

میں کچھ سنجیدہ ہو کر بولا۔ ''مجھے غلط مت سمجھو مگر تم جس کے سامنے بھی یہ باتیں کہو گے وہی انہیں مذاق میں لے گا مگر خیر تمہاری پریشانی اپنی جگہ ہے۔

محسن اپنا سر پکڑتے ہوئے بولا۔ ''فرید! تم نہیں جانتے وہ خوف ناک بڑھیا میرے حواسوں پر سوار ہو چکی ہے اس قدر ہیبت ہے اس کے چہرے اور اس کی زرد آنکھوں میں کہ میں دیکھ کر لرز جاتا ہوں۔''

میں گہرا سانس لے کر بولا۔ ''تم نے آس پاس سے پتہ کیا اس بوڑھی عورت کا کہ وہ کون ہے اور آئی کہاں سے ہے؟''

محسن اثبات میں سر ہلا کر بولا۔ ''ہاں کیا ہے مگر کسی بھی شخص کو پتہ نہیں اس عورت کے متعلق! وہ بالکل خاموش رہتی ہے کسی سے بات نہیں کرتی بس ہر وقت سر کو جھکائے بیٹھی رہتی ہے مگر میں جب بھی اس کے پاس سے گزرتا ہوں لازمی سر اٹھا کر اپنی خوف ناک آنکھوں سے مجھے گھورتی ہے اس وقت مجھے اس بوڑھی عورت سے جس قدر خوف آتا ہے میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔''

''یہ بھی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے کہ تیرا گھر بھی اسی گلی میں ہے۔'' میں کچھ سوچتے ہوئے بولا محسن میری بات کی تائید کرتے ہوئے بولا۔ ''ہاں یار میرا گھر بھی اسی گلی میں ہے جہاں وہ منحوس بڑھیا ایک کھلے میدان میں بیٹھی ہوئی ہوتی ہے وہ جگہ کئی سالوں سے خالی اور ویران ہے اور اگر میرے بس میں ہوتا تو میں وہاں سے گزرنا ہی چھوڑ دیتا۔

www.pdfbooksfree.pk

میں محسن کو تسلی دیتے ہوئے بولا۔ ”پریشان مت ہو وہ بے چاری کوئی مصیبت کی ماری ہوگی تم خواہ مخواہ اس سے ڈر رہے ہو۔“

محسن خوف زدہ لہجے میں بولا۔

”تم نے ابھی اس عورت کو دیکھا نہیں تم بھی دیکھو گے تو میری طرح ہی اس سے ڈرنے لگو گے۔“

مجھے اس کی بات سن کر پھر ہنسی آ گئی اور میں اسے چھیڑتے ہوئے بولا۔ ”مجھے اس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ وہ پہلے ہی تم پر فریفتہ ہو چکی ہے۔“

محسن مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا ہوا اٹھا اور غصے سے میری دکان سے باہر نکل گیا۔

محسن اور میں یعنی فرید بچپن سے ہی بہت گہرے دوست تھے۔ ہم نے میٹرک تک ایک ساتھ پڑھا تھا مگر بدقسمتی سے میرے والد صاحب نے مجھے میٹرک سے آگے پڑھنے نہیں دیا اور اپنے ساتھ دکان پر کام پر لگا لیا۔ ہماری اپنی کپڑے کی دکان تھی۔ میں بھی اپنے والد صاحب کے ساتھ پوری دلجمعی سے کام کرنے میں مگن ہو گیا مگر میری اور محسن کی دوستی میں کوئی فرق نہ آیا تھا ہمارا یہ دوستی کا رشتہ کسی خونی رشتے سے کہیں زیادہ گہرا اور مضبوط تھا۔ محسن اب بی ایس سی کا طالب علم تھا اس میں کوئی شک نہیں تھا وہ خوبصورت اور وجیہہ ہونے کے علاوہ بہت ذہین بھی تھا۔ مگر چند ماہ سے وہ عجیب صورتحال کا شکار تھا، ایک بڑھیا ہر وقت اس کی گلی میں بیٹھی رہتی تھی حتیٰ کہ جب وہ رات گئے بھی گھر لوٹتا تو وہ گلی میں موجود ہوتی۔ محسن کا خیال تھا وہ بڑھیا ضرور کوئی آسیب ہے جبکہ میں اس کی باتوں کو محض اس کا وہم خیال کرتا تھا۔

کیونکہ میرا یہی خیال تھا وہ عورت کوئی مصیبت زدہ ہوگی کیا پتہ اس کی کیا مجبوری تھی جو وہ رات گئے تک لاوارثوں کی طرح گلی میں پڑی رہتی تھی۔ محسن تقریباً روز ہی آ کر اس بڑھیا کے متعلق اپنے خوف کا اظہار کرتا تھا مگر میں نے اس کی باتوں کو اتنا سنجیدہ نہیں لیا تھا۔ چند ماہ سے میرا ابھی محسن کے گھر چکر نہیں لگا تھا میں خود بھی دوستوں کی طرف اتنا جانا پسند نہیں کرتا تھا جبکہ مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی کیونکہ سب ہی مجھ سے دکان پر آ کر مل لیتے تھے محسن کی بات الگ تھی وہ میرے گھر میں بھی آ جاتا تھا میرے گھر والے اسے گھر کا ایک فرد ہی سمجھتے تھے۔ محسن کو اس بڑھیا کے حوالے سے میں خوب چھیڑا کرتا تھا اور جان بوجھ کر اسے کوئی نا کوئی فقرہ کس کر چڑایا کرتا تھا۔ وہ بے چارا اکثر غصے سے آگ بگولا ہو جایا کرتا تھا۔

میں آج تک نہیں بھولا اس رات کو جب محسن مجھ سے ملنے میرے گھر آیا تھا اس رات سردی بہت زیادہ تھی رات کا کوئی دس بجے کا وقت تھا اسے اس وقت اپنے مرکزی دروازے پر دیکھ کر میں حیران رہ گیا اس وقت پریشانی اس کے چہرے سے عیاں تھی اس کا جسم کانپ رہا تھا رنگ بالکل زرد ہو رہا تھا، میں فوراً اسے ڈرائنگ روم میں لے آیا اور صوفے پر اس کے نزدیک ہی بیٹھ گیا۔ ”کیا ہوا تم ٹھیک تو ہو؟“ میں اس کا جائزہ لے کر بولا۔ محسن کھوئے ہوئے انداز میں بولا۔ ”ہاں ...... ہاں بالکل ٹھیک ہوں۔“ میں بدستور اسے گھورتے ہوئے بولا۔ ”بالکل نہیں ہو تم ٹھیک بتاؤ کیا بات ہے؟“

وہ الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”یار چند روز سے میں عجیب کشمکش میں مبتلا ہوں اکثر سوتے مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں قبرستان میں پڑا ہوں قبر کی مٹی کی بو اپنی سانسوں میں جاتے ہوئے محسوس کرتا ہوں میں !اور...... اور میرے اردگرد قبرستان کے ہولناک سناٹے میں جھینگروں کی کان کے پردے پھاڑ دینے والی آوازیں سنائی دیتی ہیں میں تجھے کیا بتاؤں مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے۔“ وہ اپنا سر پکڑ کر بولا۔

میں اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔ ”پریشان مت ہو ایسے خوابوں سے تمہاری عمر لمبی ہوگی۔“

محسن بے چینی سے مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ ”کیسے پریشان نہ ہوں آج تمہارے پاس آنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ تمہیں ان وسوسوں کا بتا سکوں جو ہر وقت میرے دماغ پر سوار رہتے ہیں آج میں ایک

نجومی کے پاس گیا تھا اس نے میرے متعلق بہت سی ایسی باتیں بتائیں جن کو سن کر میں حیران و پریشان رہ گیا۔“

میں حیرت اور دلچسپی کے ساتھ اس کی بات سن رہا تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ”اس نے مجھے بتایا کہ میرے ہاتھ سے زندگی کی لکیر مٹ چکی ہے اور میں مر جاؤں گا، اس نے مجھے یہ بھی بتایا میرے اوپر ایک خطرناک آسیب کی نظر ہے اور یہ کہ......“ وہ گھبراہٹ کے عالم میں اپنی بات مکمل نہ کر پایا بات جیسے اس کے حلق میں ہی اٹک گئی تھی میں تحمل سے بولا۔ ”اور کیا بتایا اس نے؟“

وہ خوف زدہ لہجے میں بولا۔ ”اور یہ کہ وہ آسیب مجھے مار ڈالے گا۔“ اپنی بات مکمل کرتے ہوئے وہ خوف سے کانپ اٹھا۔

”اوہ میرے خدایا۔“ میں نے اپنا سر تھام لیا۔ ”ایک تو تم پہلے ہی وہمی ہو اور پھر تجھے لوگ بھی ایسے ملتے ہیں جو تجھے طرح طرح کے وسوسوں میں مبتلا کر دیتے ہیں میرا بس چلے تو ایسے لوگوں کا بہت برا حشر کروں۔“

”اس نے کچھ غلط نہیں کہا فرید وہ بڑھیا وہی آسیب ہے اور وہ مجھے مار ڈالے گی۔“ محسن یوں خلاؤں میں گھورتے ہوئے بولا جیسے کسی ان دیکھی آفت کو اپنی طرف بڑھتا ہوا محسوس کر رہا ہو۔

”سب بکواس ہے۔“ میں غصے سے چیخ پڑا۔ ”میرا یقین کرو یہ سب بکواس ہے۔“

محسن نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں خوف اور نمی سی تھی۔ ”میں کیا واقعی مر جاؤں گا فرید؟“

”تمہیں کچھ بھی نہیں ہوگا مت مجھے دکھی کرو ایسی باتیں کر کے۔“ میں پریشانی سے بولا۔

مگر اس نے جیسے میری بات کو سنا ہی نہیں۔ ”میں مرنا نہیں چاہتا پلیز میری مدد کرو۔“ وہ رو دینے والے انداز سے بولا میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا یہ سب نجومی فراڈ ہوتے ہیں مت یقین کرو ان کی باتوں کا۔“

میری بات سن کر محسن نے مزید کچھ نہ کہا بس چپ چاپ سر جھکائے بیٹھا رہا پھر واپس چلا گیا۔ محسن کے جانے کے بعد میں رات کافی دیر تک جاگتا رہا پھر جب مجھے نیند آئی تو میں نے خود کو ایک ویران کھلے میدان میں پایا وہاں ہر طرف خاموشی اور ویرانی کا راج تھا دور دور تک کسی ذی روح کا نام و نشان نہیں تھا رات کا پہر تھا اندھیرا میرے چاروں طرف تھا مگر اس کے باوجود میری آنکھیں ہر چیز کو واضح طور پر دیکھ رہی تھیں میں پریشانی کے عالم میں آگے بڑھنے لگا یکدم میری نظر ایک بڑی چادر میں لپٹے ہوئے وجود پر پڑی جو اپنے گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا تھا میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس وجود کے پاس پہنچا تو دفعتاً میں ٹھٹک گیا۔ ”آ گئے تم۔“ ایک خوف ناک بوڑھی آواز سنائی دی۔

”تت...... “تم کون ہو؟ میں حیرت سے اس میلی کچیلی چادر میں لپٹے ہوئے وجود کو دیکھ کر ہکلایا۔

اس نے اپنا سر اٹھایا تو میں ایک لمحے کے لئے سٹ پٹا کر رہ گیا وہ ستر اسی سال کی بوڑھی عورت تھی سر اٹھاتے ہوئے اس کی چادر سر سے کھسک گئی تھی اس کی زرد آنکھوں اور بے تحاشہ جھریوں زدہ چہرے کو دیکھ کر مجھے جھرجھری سے آ گئی اس کے چھوٹے سے سر پر ایک بال بھی نہ تھا۔

”کون ہو تم؟“ میں نے اپنا سوال پھر دہرایا اس کی ہولناک آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ”محسن کی موت“

اس کا جواب سن کر میں چونک گیا اسی ساعت مجھے چند غراہٹیں سنائی دیں میں نے فوراً پلٹ کر دیکھا تو خوف سے لرز گیا وہی بوڑھی عورت ایک نوجوان کی گردن کو دبوچے اس کا نرخرہ بھنبھوڑنے میں مصروف تھی اور وہ نوجوان کوئی اور نہیں محسن تھا میں تڑپ اٹھا ”رک جاؤ“ میں نے چیختے ہوئے اس کی طرف بڑھنا چاہا مگر میری آنکھ کھل گئی۔ آنکھ کھلتے ہی میں فوراً اٹھ بیٹھا۔ ”کیسا خوف ناک خواب تھا۔“

www.pdfbooksfree.pk

میں پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ خود کلامی کرتے ہوئے بڑبڑایا شاید رات کو محسن کی باتوں کا کچھ زیادہ ہی مجھ پر اثر ہوگیا تھا تب ہی مجھے اتنا خوف ناک خواب آیا تھا ابھی میں اس خواب کے متعلق سوچنے میں مصروف تھا کہ اچانک میرے موبائل پر محسن کے بھائی کی کال آئی۔

میں نے کال اٹینڈ کی تو دوسری طرف محسن کے بھائی کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''فردی بہت برا ہوا ہے محسن نے خودکشی کی کوشش کی ہے۔''

''کیا۔'' میں حیرت سے اچھل پڑا۔ ''مگر کیوں......اب آپ کہاں ہیں؟'' محسن کا بھائی تیزی سے بولا۔ ''اسپتال میں ہیں ہم سب تم بس جلدی سے یہاں پہنچو اسپتال کا نام نوٹ کرو۔'' اسپتال کا نام سنتے ہی میں فوراً اسپتال پہنچا میری گھبراہٹ کا یہ عالم تھا کہ میں جس حلیے میں سوکر اٹھا تھا اسی میں اسپتال چلا آیا تھا محسن کے تقریباً سب ہی گھر والے اس وقت وہاں موجود تھے اور پریشانی کے عالم میں خدا سے محسن کی زندگی کی دعا مانگ رہے تھے محسن کی حالت کافی سریس تھی اس نے اپنے تین منزلہ مکان سے کود کر خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی جس کے نتیجے میں اس کے سر پر شدید چوٹیں آئیں تھیں اور بتایا جا رہا تھا کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی پر بہت گہری اور خطرناک چوٹ آئی تھی ڈاکٹرز محسن کو بچانے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے مگر ساتھ ڈاکٹر نے یہ بھی خدشہ ظاہر کیا تھا۔ ''اگر محسن بچ گیا پھر بھی ریڑھ کی ہڈی پر چوٹ کی وجہ سے وہ معذور ہوسکتا ہے۔'' یہ خبر انتہائی افسوس ناک تھی۔ مگر ابھی ہم سب تمام اندشیوں سے بالاتر ہو کر محسن کے بچ جانے کی دعا مانگ رہے تھے۔ شام تک محسن کو کچھ ہوش آیا ہوش میں آتے ہی اس نے مجھے اپنے پاس بلایا محسن کا سارا سر پٹیوں سے لپٹا ہوا تھا اور اس کا رنگ نیلا پڑ گیا تھا میں اس کی حالت دیکھ کر رو پڑا۔

وہ بامشکل بولا۔ ''تم نے دیکھ لیا میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔'' میں اس کا ہاتھ تھامے ہوئے روتے ہوئے بولا۔ ''تم نے خودکشی کیوں کی؟'' وہ تکلیف دہ لہجے میں بولا ''میں...... میں نے خودکشی نہیں اس رات میرا دل گھبرا رہا تھا میں چھت پر تازہ ہوا میں گیا جب میں چھت سے نیچے دیکھ رہا تھا تب مجھے لگا کسی نے اچانک مجھے اٹھا کر نیچے کی طرف دھکا دے دیا اور...... جب میرا جسم زمین سے ٹکرایا تو تب میں نے بڑی مشکل سے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو مجھے ایک ہیولا سا وہاں کھڑا دکھائی دیا پھر وہ غائب ہوگیا اور پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔''

میں حیرانگی کے عالم میں محسن کے منہ سے یہ تفصیل سن رہا تھا۔ اپنی بات مکمل کر کے محسن پر پھر کچھ دیر بعد غشی طاری ہوگئی اور پھر اس کے بعد اس کی آنکھیں پھر کبھی نہ کھل سکیں اسی بے ہوشی میں ہی اس کی موت ہوگئی میں غم سے اس قدر نڈھال تھا کہ محسن کی موت کا سنتے ہی پاگلوں کی طرح محسن کی گلی کی طرف بھاگا جہاں وہ بوڑھی عورت بیٹھا کرتی تھی مگر کتنی حیرت کی بات تھی جب میں وہاں پہنچا تو اس عورت کا کہیں بھی نام ونشان نہ تھا۔

محسن کی موت کے ساتھ ہی وہ عورت بھی وہاں سے غائب ہوچکی تھی۔ آج محسن کو مرے ہوئے کئی سال بیت چکے ہیں مگر محسن کی پراسرار باتیں اور بہت سے سوالات مجھے آج بھی چین سے رہنے نہیں دیتے وہ عورت کون تھی کیا وہ واقعی آسیب تھی اور محسن کی موت کا باعث وہی تھی؟

یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب نہ میرے پاس ہے نہ ہی کسی اور کے پاس!

مگر یہ بھی حقیقت ہے محسن کی موت کے بعد میں روزانہ ایک عرصہ تک محسن کی گلی میں جاتا رہا اور اس خالی میدان کو دیکھتا رہا جہاں وہ بوڑھی عورت بیٹھا کرتی تھی مگر وہ عورت پھر کبھی دکھائی نہیں دی۔

نیلی کوٹھی

صبا رمضان - پنڈدادنخان

اچانک لڑکی کو اپنی گردن میں یک بیک ہزاروں سوئیاں چبھتی ہوئی محسوس ہوئیں اور پھر اس کی گردن بائیں سمت کو گھومی اور کڑک کی آواز کے ساتھ ہی گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی اور فضا دلخراش چیخوں سے......

لفظ لفظ خوف ودہشت میں مبتلا کرتی خوفناک ڈراؤنی دہشت ناک اور تحیر انگیز خونی کہانی

صبح کی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی ہری ہری گاس پر جمی اوس بہت خوشگوار تاثر دے رہی تھی۔ فضا میں عجیب طرح کی دلکش تھی سرسوں کے پھولوں سے ٹکرا کر ہوا اپنے ساتھ لاتی پھولوں کی خوشبو ہر سو بکھیر رہی تھی۔ مٹی کے کچے مکانوں سے بکریوں کے ریوڑ کے ریوڑ نکل کر چراگاہ کی جانب گامزن تھے۔

کسی لٹے پھٹے قافلے کی مانند وہ ہراساں نظروں سے اردگرد دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی اس کے پیر زخموں سے چور چور تھے۔ سانس بھی اپنے توازن پر نہ تھا۔ ہر قدم آگے کی طرف بڑھانے کیلئے اسے منوں ہمت کرنا پڑ رہی تھی۔ آنکھوں میں نیم مدہوشی لئے اردگرد ڈولتی ہوئی وہ آگے بڑھتی جا رہی تھی وہ چاند کو شرما دینے کی حد تک حسین تھی مگر اب اس کے چہرے

www.pdfbooksfree.pk

پر ویرانی اور یاس ومحرومی کا راج تھا وہ اپنے حواس سے بیگانہ آگے بڑھی کے دفعتاً اسے راہ میں پڑے ایک بڑے سے پتھر کی ٹھوکر لگی اور وہ چکرا کر وہیں گر گئی۔ جانے کتنی ہی دیر وہ بے سدھ پڑی رہی۔

کافی دیر بعد اس کے پاس سے ایک گڈریا اپنی بکریوں کو چراتا ہوا وہاں سے گزرا تو اس کی نظر اس اول جلول حلیئے والی زخمی لڑکی پر پڑی جس کے رستے زخموں پر اب بھوری چیونٹیاں جمع ہو رہی تھیں۔ اس کی سانس بری طرح سے لڑکھڑاہٹ کا شکار تھی جیسے اس کا آخری وقت قریب آن پہنچا ہو۔ گڈریا ایک پل کے لئے جھکا اور اس کے زندہ ہونے کا یقین کر کے، اپنے کندھے سے لگی چھاگل اتاری اور اس میں سے پانی لے کر لڑکی کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگا۔ لڑکی کی ٹوٹی سانسوں کا سلسلہ جیسے ایک دم جڑنے لگا اور اس نے دھیرے سے اپنی نیم بے جان آنکھیں کھول دیں۔ وہ کوڑا کرکٹ کے ایک بڑے سے ڈھیر پر پڑی تھی۔ ساتھ ہی ایک بڑا سا پتھر پڑا تھا جو غالباً اس کی ٹھوکر لگنے کا موجب بنا تھا۔ لوگوں کے پھینکے گئے سبزیوں اور پھلوں کے گلے سڑے چھلکے اس کے اردگرد پھیلے ہوئے تھے اور آوارہ کتے ان پر منہ مارتے پھر رہے تھے۔

وہ چاروں طرف سے بدبو کی تیز سڑانڈ میں بسی ہوئی تھی کچھ لاپرواہ لوگ، صبح کے ہلکے سرمئی اندھیرے میں، کوڑے کے ڈھیر پر پڑے اس انسانی وجود سے بالکل بے خبر، اپنی کوڑے کرکٹ کی ٹوکریاں اسی پر الٹ کر چلے گئے تھے جس کی وجہ سے اس کی آدھی ٹانگیں کوڑے کرکٹ کی غلاظت میں مکمل طور پر ڈھکی ہوئی تھیں۔

''کون ہو تم؟ تمہارا نام کیا ہے؟'' کچرے کے ڈھیر میں دھنسی لڑکی کے وجود سے اٹھتی ناقابل برداشت بدبو سے تنگ آ کر گڈریا اب ناک پر ہاتھ رکھے اس سے پوچھ رہا تھا۔

لڑکی نے اپنی نیم بے جان آنکھیں کھولیں تو اس کے چہرے پر بھنبھناتی مکھیاں ایکدم سے اڑ گئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں ویرانیت اور اجڑے پن کی وہ ہزار داستان رقم تھی، جسے گاؤں کا یہ معصوم گڈریا پڑھنے سے قاصر تھا۔

☆......☆......☆

''ارے دیکھو! یہ حیاء کا موڈ کیوں آف لگ رہا ہے؟'' ملالہ نے اپنے بالوں سے رولر نکالتے ہوئے کہا۔

''ہمیشہ کی طرح چھوٹی سی بات پر منہ بنا رکھا ہے، خیر چھوڑو! اب وہ سونے چلی گئی ہے صبح ہونے تک خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔'' افق نے کمبل سر تک تانتے ہوئے کہا اور کروٹ بدل کر سو گئی۔

اگلی صبح وہ دونوں سو کر اٹھیں تو حیران پریشان ایک دوسرے کو تکتی رہ گئیں۔ ان کے وہم وگمان تک میں یہ بات نہ تھی کہ حیاء ہاسٹل چھوڑ کر جا چکی تھی۔

اور اب یہ بات ان کے ہوش اڑ دینے کے لئے کافی تھی کہ حیاء گھر نہیں لوٹی تھی۔ ''وہ آخر گئی تو کہاں گئی؟ کیسی حالت میں ہو گی؟''

ملالہ اور افق نظروں نظروں میں ایک دوسرے کو قصوروار ٹھہرا رہی تھیں ''میرے خیال میں ہم ایک دوسرے کو مجرم گرداننا بند کر دیں ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔'' افق نے خاموشی کا سکوت توڑا تھا۔

''ہمارا قصور بلکہ ہمارا قطعی قصور نہیں ہو سکتا۔'' ملالہ بے خود ہو کر ہنسنے لگی مگر افق کے گھورنے پر اچانک ہی سنجیدہ ہو کر بولی۔ ''ہمارا فالٹ ہو بھی نہیں سکتا بس ایک رانگ نمبر سے ہی تو دوستی کرنے کا کہا تھا اسے...... اب یہ ایسی کون سی بڑی بات ہے کہ وہ ہاسٹل چھوڑ کر ہی چلتی بنے۔ جاتی ہے تو جائے۔ اسے روکتی ہے میری جوتی......'' ملالہ نے پیر میں اڑسی ہوئی پرانی چپل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو کثرت استعمال کی وجہ سے گھس گھس کر اپنی اصل رنگت کھو چکی تھی۔

حیاء کا ارادہ یہاں سے واپس گھر جانے کا تھا۔ مگر اس کے گاؤں جانے والی بس چھوٹ چکی تھی اور دوسری بس کے آنے میں ابھی کافی ٹائم تھا وہ اسٹاپ پر موجود بینچ پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگی اور ہاتھ میں پکڑے سم سے عاری موبائل کو بے بسی سے دیکھنے لگی۔ ملالہ

اور افق نے جس شخص کو اس کا نمبر دیا تھا وہ ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گیا تھا تقریباً ہزاروں کی تعداد میں ایس ایم ایس اور پھر ڈھیر ساری کالز...... یہ الگ بات تھی کہ وہ کال ریسو نہیں کرتی تھی موبائل چوبیس گھنٹے آف بھی نہیں کیا جا سکتا تھا گاؤں پہنچنے پر اس بات کا خاصا ایشو بن سکتا تھا لہٰذا اس نے سم نکال کر ضائع کی اور پھر ایک گندے نالے میں پھینک دی۔

وہ دل ہی دل میں بس کے جلدی آنے کی دعائیں کر رہی تھی کہ اچانک ہی اس نے کچھ بے ربط سی آوازیں سنی شام کے سرمئی اندھیرے آہستہ آہستہ پھیل رہے تھے پرندے آشیانوں کی جانب رواں دواں تھے جس کی وجہ سے آسمان پر خاصی رونق لگ رہی تھی اس نے بے ربط آوازوں کی سمت میں گردن اٹھا کر دیکھا تو کانپ کر رہ گئی وہ کوئی دو شرابی تھے جو نشے میں دھت لڑکھڑائے قدموں سے اسی کی طرف آ رہے تھے۔

''ابے او...... یہ لڑکا یہاں کیا کر رہا ہے؟'' ایک شرابی نے اپنی ڈولتی گردن کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا۔

''رو رہا ہو گا بے چارہ...... مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں اسے چاند پر پلاٹ دلوا دوں۔ میں نے انکار کر دیا...... چاند پر پلاٹ تو میں نے امریکہ کو نہیں بیچا...... حالانکہ وہ اور روس میری بڑی منتیں کرتے ہیں...... پھر یہ لڑکا کیا چیز ہے؟''

''ارے نہیں...... دیکھ بیچارا اکیلا بیٹھا ہے...... اداس بھی لگ رہا ہے...... تو یوں کر، جو میرا پلاٹ ہے ناں چاند پر...... وہ اس کو دے دے...... میں سورج پہ کوئی زمین خرید لوں گا۔''

نشے میں دھت ڈگمگاتے ہوئے شرابی اب اس کی طرف تیز تیز بڑھ رہے تھے۔ تیز چلنے کی کوشش میں وہ بار بار گر بھی رہے تھے۔

وہ پھرتی سے اٹھی اپنی چادر سنبھالی اور وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی ہوش مند انسان، ایک نشئی کے مقابلے میں زیادہ تیز بھاگ سکتا ہے۔ لہٰذا وہ جلد ہی ان دونوں سے آگے نکل گئی اب وہ اپنے پیچھے معدوم ہوتی آوازیں سن رہی تھی۔

''وہ تو بھاگ گیا...... چل، ہم واپس چلتے ہیں۔''

مگر وہ ایسی ڈری تھی کہ اپنے قدم روکے نہیں، اور بھاگتی رہی، شام اب رات میں تبدیل ہو رہی تھی۔ اسے راستوں کی سمت کا تعین نہ تھا بس اندھا دھند بھاگتی جا رہی تھی۔

اچانک سے اسے روشنی کے ننھے ننھے بلبیے نظر آنے لگے تھے وہ ہمت کر کے ان کی جانب بڑھتی گئی بالآخر وہ روشنیوں کے اس مسکن تک پہنچ ہی گئی۔

وہ ایک بہت بڑی عمارت تھی جس کا نقشہ اہرام مصر کی طرز پر بنایا گیا تھا تکونی سائز کی یہ عمارت روشنیوں میں نہائی ہوئی تھی۔ حیرت انگیز بات یہ کہ اس عمارت پر گہرے نیلے رنگ کا پینٹ کیا گیا تھا۔ سفید دودھیا روشنیوں میں نہائی ہوئی نیلے کانچ جیسی عمارت...... بہت پروقار منظر پیش کر رہی تھی۔ اس عمارت کے مین گیٹ کے آگے کھڑی ہوئی وہ ایک حقیر سا کیڑا لگ رہی تھی ابھی وہ اندر داخل ہونے پر غور ہی کر رہی تھی کہ ایک کان پھاڑ دینے والی چرچراہٹ کے ساتھ زنگ آلود گیٹ کھلنا شروع ہو گیا۔

اچانک کئی بھیڑیوں کی منحوس آوازوں نے فضاء میں خوف کا رس گھولنا شروع کر دیا۔

وہ گیٹ کے عین سامنے کھڑی تھی اور گیٹ بالآخر کھل گیا عمارت کا اندرونی منظر اور زیادہ سحر انگیز تھا اندر ایک بہت بڑا الو کے سائز کا فوارہ نصب تھا جس کے چونچ اور آنکھوں سے پانی کی موٹی موٹی دھاریں نکل رہی تھیں۔ عمارت میں کسی ذی روح کا وجود تک نہ تھا وہ دبے قدموں راہداریوں سے ہوتی ہوئی آخرکار عمارت کے اندرونی حصوں تک آ گئی۔ جہاں کمروں کی لمبی قطاریں تھیں تمام کمرے ویل فرنشڈ تھے زندگی کی تمام تر آسائشات ان کمروں میں موجود تھیں دبیز قالینوں پر اس کے پیر دھنستے جا رہے تھے اتنے خوبصورت گھر کے مکین آخر کہاں تھے؟

www.pdfbooksfree.pk

وہ ابھی اسی شش و پنج میں تھی کہ لائٹ ایکدم آف ہوگئی اور پوری عمارت اندھیرے میں ڈوب گئی چاروں طرف ایک ہولناک سناٹا طاری ہوچکا تھا۔

اس نے اچانک باہر نکلنے کی کوشش کی تو اندھیرے کی وجہ سے کارنر میں رکھے گلدان سے ٹکرا گئی گلدان اس کے سر سے اس زور کا ٹکرایا کہ اسے اپنے چاروں طرف تارے سے نظر آنے لگے۔ بالوں سے بہتی ہوئی نمی سے احساس ہورہا تھا کہ چوٹ گہری ہونے کی وجہ سے خون بھی بہہ رہا ہے۔ اور پھر گھٹاٹوپ اندھیرے کی وجہ سے اسے کمرے سے باہر نکلنے کا رستہ بھی نہیں مل رہا تھا خوف کی وجہ سے اس کے سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگی۔

کافی دیر بعد چاند اپنے پورے جوبن پر تھا کھڑکی سے چاندنی چھن چھن کر اندر آرہی تھی۔ باہر چلنے والی ہلکی ہوا سے مغلوب ہوکر کھڑکی پر لگے سفید باریک پردے ادھر ادھر لہرارہے تھے ہمت کرکے وہ کھڑی ہوئی اور کھڑکی تک آئی چاند کی چاندنی میں باہر کا ماحول بہت پراسرار لگ رہا تھا۔ وہ کھڑکی کی طرف پشت کرکے کھڑی ہوگئی اور لمبے لمبے سانس لینے لگی۔

معاً اسے چھن چھن کی آواز آنے لگی۔ وہ بہت بھاری آواز تھی۔ جیسے کسی نے بہت بڑے بڑے اور بھاری گھنگھرو باندھ رکھے ہو۔ ابھی وہ اسی بات پرغور کررہی تھی کہ اسے اپنے پیچھے کھڑکی کے دوسری طرف کسی اور وجود کا احساس ہوا۔ اس نے اپنا رخ کھڑکی کی طرف پھیرا تو جیسے اس کی آنکھیں پتھرا گئی وہ کوئی فربہی مائل لڑکی تھی جس نے اپنے بال کھلے چھوڑ رکھے تھے۔ اس کی گردن اکڑی ہوئی اور ضرورت سے کچھ زیادہ ہی لمبی تھی وہ میکانکی انداز میں کھڑکی سے ہوتی ہوئی گزر رہی تھی چلتے ہوئے جونہی اس کا شالہ کھڑکی کے شیشے سے مس ہوا تو شیشے میں وہیں باریک سی دراڑ پڑگئی جیسے وہ اس لڑکی کے وجود کا احساس سہہ نہ سکا ہو۔ وہ لڑکی حیاء کی موجودگی سے یکسر لاعلم تھی۔

حیاء کے تو جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں...... وہ جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتی تھی مگر اب پھر گھٹاٹوپ اندھیرا سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ وہ سمت کے اندازے لگاتی ہوئی کمرے سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوہی گئی۔ باہر بھی ہولناک اندھیرا اس کا منتظر تھا۔ ڈر کے مارے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے تھے۔ پائلوں کی آواز کا دوبارہ ظہور پذیر ہونا اس پر مزید افتاد برپا کررہا تھا۔

اب وہ آواز اس کے قریب تر ہوتی جارہی تھی ۔گھبرا کر اس نے ریلنگ پر ہاتھ رکھا اور تقریباً بھاگتے ہوئے اوپر کی سیڑھیاں چڑھنے لگی کیونکہ چھن چھن کی آواز نیچے کی جانب سے آرہی تھی۔ اس کے سیڑھیوں پرقدم رکھتے ہی آواز آنا بھی بند ہوگئی تھی سیڑھیاں ختم ہوتے ہی اس نے اس عمارت کی دوسری منزل پرقدم رکھا اور وہیں بیٹھ کر، سر جھکا کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔

کسی سرسراہٹ کی آواز پر اس نے جونہی اوپر سر اٹھا کر دیکھا تو اس کی روح فنا ہوگئی وہی پراسرار لڑکی اس کے اوپر جھکی اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ حیاء فوراً ہی کھڑی ہوئی اور پیچھے ہٹی۔

"کیو آئی ہے تو یہاں؟" لڑکی غصے سے دھاڑی حیرت انگیز طور پر اس کے صرف ہونٹ ہل رہے تھے چہرے کے تمام عضلات بالکل ساکت تھے۔

"مم...... میں...... میں یہاں۔" حیاء کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ اس کا حلق بالکل خشک ہوگیا تھا وہ الٹے قدموں چلنے لگی کہ اچانک ہی اسے اپنی گردن پر کسی شے کا احساس ہوا وہ کوئی غیر انسانی پنجہ تھا......سیاہ گھنے بالوں سے بھرا ہوا...... دیکھتے ہی دیکھتے اس غیر مرئی پنجے کی گرفت حیاء کی گردن پر سخت سے سخت تر ہوتی جارہی تھی۔

حیاء کی آنکھیں باہر کو ابلنے لگی تھی پراسرار لڑکی بے تاثر چہرہ لئے، زندگی کی آخری سانسیں لیتی حیاء کو تکے جارہی تھی عین اسی لمحے گہرے سیاہ بادل چاند پر چھا گئے اور چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا بھیڑیوں نے نیند کی وادی میں جانے سے قبل آخری بار اپنی منحوس چنگھاڑ ماری تھی۔

☆......☆......☆

"کیا......؟ بارش تیز ہوگئی ہے؟ تم فوراً کسی چیز کی اوٹ میں ہوجاؤ۔ اگر تمہیں فیور ہوگیا تو ہمارے کنسرٹ کا تو ستیاناس ہوجائے گا۔" مشہور پاپ سنگر ذوالقرنین اپنے میوزیکل گروپ کی ساتھی "آیوشی" سے بات کررہا تھا۔

"ایک منٹ رکو آیوشی! مجھے دور کہیں سے کوئی مکان سا نظر آرہا ہے شاید مجھے وہاں کوئی پناہ مل سکے۔" ذوالقرنین نے فون بند کیا اور چھتری سنبھالتا ہوا مکان کی سمت بھاگنے لگا۔ بارش بھی آج خوب جی بھر کر برس رہی تھی۔

مکان تک پہنچتے پہنچتے بارش کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ اور مکان کے اندر داخل ہونے تک بارش بالکل ہی تھم چکی تھی۔ تاہم ہر چیز ابھی بھی گیلی تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی اس کا پیر اچانک پھسلا اور وہ اوندھے منہ زمین پر جاگرا۔ لان کی گیلی مٹی نے اس کے کپڑوں کا حشر نشر کردیا تھا اس کے گلے میں موجود سونے کی چین بھی کیچڑ میں لت پت ہوگئی تھی۔ یہ چین انتہائی مہنگی تھی سونے کی زنجیر میں ہیروں سے بنا ہوا چھوٹا سا گٹار لٹک رہا تھا۔

ذوالقرنین نے بے بسی سے اپنی لاکھوں کی مالیت چین کو کیچڑ میں لت پت دیکھا اور اسے صاف کرنے کی غرض سے پانی کی تلاش میں اردگرد نگاہ دوڑائی وہ ایک تکون عمارت تھی۔ جس پر گہرے نیلے رنگ سے روغن کیا گیا تھا اس کے وسط میں ایک بہت بڑے الو کا مجسمہ فوارے کے طور پر نصب کیا گیا تھا جس کی آنکھوں اور منہ سے پانی کی موٹی موٹی دھاریں نکل رہی تھیں۔

ذوالقرنین اٹھ کر تیزی سے اس جانب آیا اور اپنی چین فوارے کے پانی سے دھونے لگا اچانک چین اس کے ہاتھوں سے پھسل کر فوارے کے پانی میں غائب ہوگئی وہ پاگلوں کی طرح پانی میں ہاتھ مارنے لگا۔

اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ فوارے کی زمین اس کے ہاتھوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے اس کے

ڈر ڈائجسٹ کا مشہور و معروف سلسلہ
نمبر 5 اور 6
رولوکا
پراسرار قوتوں کا مالک
مکمل اور طویل ترین داستانِ حیرت
کتابی شکل میں دستیاب ہے۔
قسط نمبر 47 سے قسط نمبر 58 تک
قسط نمبر 59 سے قسط نمبر 70 تک
تحریر: اے وحید
قیمت فی کتاب =/150
نادیدہ قوتوں کی زور آزمائی، کالی دنیا کی بدروحوں کی شرانگیزیاں، جنات کی دیدہ دلیریاں، خونی آتماؤں کی تحیر انگیز اور حیرت انگیز ناقابل فراموش ہاتھاپائی اور اس کے علاوہ دیگر بہت سے خونچکاں بھونچکاں معرکہ جسے پڑھ کر پڑھنے والے مبہوت اور انگشت بدنداں رہ جائیں گے اور طویل ترین عرصہ تک یہ تمام کہانیاں ذہن کے پردے پر جھلملاتی رہیں گی۔
ڈر پبلی کیشنز
کتاب مارکیٹ نیو اردو بازار کراچی
Ph:32744391

www.pdfbooksfree.pk

ساتھ ہی کسی کھلونے کی طرح اس کی ٹانگیں اوپر فضاء میں معلق ہوگئیں اور پل بھر میں چھ فٹ کا یہ انسان فوارے کی عام سی گہرائی والے پانی میں غرق ہوگیا تھا۔

فضاء میں پہلے جیسا سکون چھا گیا تھا۔ البتہ الو کے مجسمے کے منہ اور آنکھوں سے پانی کی موٹی دھاروں کی بجائے اب تازہ تازہ گاڑھا خون باریک دھاروں میں نکل رہا تھا۔

☆......☆......☆

تارکول کی سڑک پر دور تک بھیگے مسلے ہوئے پتے بکھرے پڑے تھے۔ اس کے قدم ٹھنڈی نم سڑک پر دھیمے پڑنے لگے تھے ایک بوڑھی راہگیر عورت گدھا گاڑی پہ گھاس کے گھٹر رکھے گدھے کو ہانکتی آرہی تھی کھیتوں کے کنارے ویران پڑے سفید پھولوں کے جھنڈ تھے آسمان پر گھنے بادل منڈلا رہے تھے۔ سنبل کے درختوں کا طویل سلسلہ آنکھوں کو خیرہ کررہا تھا بھیگی ہوا کی شرارت سے سنبل کے لانبے درخت ذرا سا جھکتے تو روئی کے سفید گالوں سے فضاء بھر جاتی۔

گرما گرم کافی کا مگ ہاتھ میں پکڑے وہ کوئی ہارر ڈائجسٹ پڑھنے میں مگن تھی۔ لان میں ہر سو چاندی چٹکی تھی سبک روئی سے چلتی ٹھنڈی ہوا سے گل بوٹے سرشاری بھرے انداز میں جھومتے گویا وحدہٗ لاشریک کی حمد و ثناء میں مصروف تھے دور کہیں سے لاؤڈ اسپیکر میں پڑھائی جانے والی تراویح میں کی جانے والی قرأت کی خوش الحان آواز ایک تواتر سے سماعتوں میں تقدس بھرا رس گھول رہی تھی

''بی بی جی! کھانا لگا دیا ہے۔'' ان کی خاندانی ملازمہ ''رضیہ'' نے آکر بتایا اور واپس پلٹنے ہی لگی تھی کہ اسے رکنا پڑا۔

''جی افق بی بی!'' رضیہ اب اپنے ہاتھ، میلے دوپٹے سے پونچھ رہی تھی۔

''تم نے کبھی کوئی ایسا گھر دیکھا ہے؟ جہاں بھوتوں کا بسیرا ہو اور وہ وہاں آنے والے ہر بندے کو مار دیتے ہوں۔'' افق اب ڈائجسٹ بند کرکے رضیہ سے پوچھ رہی تھی۔

''فضول باتیں ہوتی ہیں یہ ساری، کسی اور کے سامنے مت کہنا ورنہ لوگ تمہیں خبطی سمجھنے لگیں گے۔''

رضیہ کی بجائے افق کی بڑی بہن ماہین نے جواب دیا اور اٹھ کر اندر کی طرف چل دی یہ دیکھتے ہوئے افق نے بھی ڈائجسٹ میز پر رکھا اور ماہین کے پیچھے چل پڑی۔

''میں نے ایسا گھر دیکھا ہے بی بی جی۔'' رضیہ کی آواز پر افق کے چلتے قدم رک گئے

''اوہ ریئلی......؟ مجھے لے چلوگی وہاں؟'' افق نے اشتیاق سے کہا۔ جس پر رضیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

عیدالفطر سے فارغ ہوکر افق اب رضیہ کے آبائی گاؤں میں کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے نیلے رنگ میں قدیم طرز کی تکونی عمارت تھی۔ جو نیلے رنگ سے مکمل طور پر ڈھکی ہوئی تھی۔ ''یہ تو اہرام مصر کی طرز کا کوئی شاہکار لگ رہا ہے۔'' افق نے عمارت کی خوبصورتی کو سراہا۔ ''جی! یہ ہمارے گاؤں کے وڈیرے چوہدری گلزار خان کی کوٹھی ہے۔ انہوں نے بڑے چاؤ سے یہ کوٹھی بنوائی تھی نیلا رنگ ان کی لاڈلی بیگم ''زرقا'' کا پسندیدہ رنگ ہوا کرتا تھا اسی لئے انہوں نے اس کوٹھی پر بھی نیلا رنگ کروایا تھا۔ اس کے فرشوں پر تمام قالین نیلے رنگ کے ہی بچھائے گئے تھے فرنیچر بھی نیلے رنگ کا تھا غرض کہ اس کوٹھی کی ہر چیز کو نیلے رنگ میں نہلا دیا گیا تھا سوائے پردوں کے ...... پردے وڈیرا سائیں نے اپنی پسند کے رکھوائے تھے۔

تیز ہوا چلنے کے سبب جب سفید پردے نیلے فرنیچر اور نیلی دیواروں والے کمروں پر لہراتے تو یہ منظر بہت بہت خوف ناک سا لگتا مگر افسوس...... کہ خوابوں کا یہ محل وڈیرا سائیں اور ان کی بیگم کو نصیب نہ ہوسکا اور وہ دونوں اس سپنوں کے محل کے کبھی باسی نہ بن سکے۔'' رضیہ سانس لینے کو رکی۔

''کیوں......؟ آخر کیا ہوا تھا؟'' افق نے استفسار کیا۔

''وہ ایک روشن دن تھا زرقا بڑے چاؤ سے شیشے کے سامنے کھڑی تیار ہورہی تھی۔ اس نے نیلے شیفون کی بھڑکیلی ساڑھی پہن رکھی تھی جس پر سلور رنگ کا جڑاؤ کیا گیا تھا۔ سلور رنگ کے بڑے بڑے ستارے نقشی دبکی اور سلور گوٹے کناری کا کام، اس گہری نیلی ساڑھی کو ایک جلا بخش رہا تھا۔ سیاہ گھور آنکھیں اور شنگرفی لبا، دبلا پتلا نازک سراپا اور صبیح ملکوتی نقوش سے سجا چہرہ۔ وہ اتنی خوبصورت تھی، جتنی اس دنیا کی کوئی بھی لڑکی ہونا چاہتی تھی۔ اس کی جلد اتنی شفاف اور بے داغ تھی کہ لگتا تھا دودھیا موم سے اس کا سانچا ڈھالا گیا تھا۔ ذرا سا بھی کسی نے چھوا تو میلی ہوجائے۔

ایک پل کیلئے بھی جو ساکت ہوکر بیٹھتی تو اس پر کسی مصور کی حسین تصویر کا گمان ہونے لگتا۔ اس دنیا میں دلکش چہروں کی کمی نہیں ہے مگر اس میں بلاشبہ کچھ ایسا ضرور تھا جو الگ تھا......اور منفرد تھا۔

وہ......اور وڈیرا سائیں، خوابوں کے اس نیلے محل میں رہائش کی پہلی رات ہی مردہ پائے گئے تھے کوئی نہیں جانتا تھا کہ ان کے بے جان زرد جسموں کے پیچھے کیا ہوا تھا؟ اب تو بس سب لوگ اتنا ہی جانتے ہیں کہ جو کوئی بھی اس نیلی کوٹھی میں جاتا دیکھا گیا۔ دوبارہ وہ اس دنیا میں نظر نہیں آیا۔'' رضیہ نے سر جھکالیا۔

''ان بلیوایبل......'' افق ناقابل یقین انداز میں بولی۔

''زرقا بیگم کو نیلے رنگ سے عشق تھا......جنون تھا......وہ ہر وقت نیلے رنگ کو کسی نہ کسی صورت میں پاس رکھتی تھیں۔ کبھی نیلی انگوٹھی نیلے کنگن، نیلے کپڑے، نیلے پتھر کی چوڑیاں، حتیٰ کہ نیلے جوتے بھی انہیں دیوانگی کی حد تک نیلے رنگ سے عشق تھا۔ گاؤں کے کچھ لوگ تو یوں بھی کہتے تھے کہ ''زرقا جیسی حسین مورت بنی ہی نیلے رنگ کیلئے ہے۔'' انہوں نے اپنی وصیت میں کہہ رکھا تھا ''مرنے کے بعد اسے کفن بھی نیلے رنگ کا دیا جائے اور اس کی قبر پر نیلے ماربل کے پتھر لگائے جائیں۔''

میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار کسی میت کو نیلے رنگ کے کفن میں دیکھا تھا۔ خوبصورتی میں چاند کے مقابلے پر اتر آنے والی زرقا، اس وقت نیلے رنگ کے کفن میں بہت عجیب لگ رہی تھی۔ اسے ایسی بھونڈی وصیت نہیں کرنی چاہیے تھی جس کی اس نے سزا بھی پالی۔'' رضیہ کو افق کی آواز پر اچانک چپ ہونا پڑا۔

''کیسی سزا؟ کیا مرنے کے بعد زرقا کے ساتھ کچھ ہوا تھا؟'' افق کو لگ رہا تھا کہ رضیہ من گھڑت کہانی سنا رہی ہے۔

''وڈیرا سائیں کو دفنانے کے بعد جب لوگ زرقا بیگم کی میت کو قبر کی طرف لے جارہے تھے کہ نہ جانے کہاں سے بھیڑیوں کی خونخوار فوج نمودار ہوگئی۔ چونکہ قبرستان گاؤں سے کچھ فاصلے پر ہے اس لئے لوگوں کا خیال تھا کہ یہ بھیڑیئے جنگل کی طرف سے آئے ہوں گے بھیڑیوں کی اچانک افتاد سے گھبرا کر لوگوں نے زرقا بیگم کی میت کو وہیں چھوڑا اور الٹے قدموں بھاگ نکلے۔

اگلی صبح اس جگہ لوگوں نے دیکھا تو میت کی ہڈیاں تک غائب تھیں بس کفن کی نیلی چادروں کے حصے اس جگہ بکھرے پڑے تھے۔ لوگوں نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگایا اور توبہ توبہ کرنے لگے۔ وہ عذاب خداوندی تھا۔'' رضیہ دور خلاؤں میں گھورتی ہوئی بولی۔

''نہیں......وہ عذاب خداوندی نہیں تھا۔ بلکہ وہ ایک اتفاق بھی ہوسکتا ہے کفن کے لئے سفید کپڑا ہونا کوئی شرط تو نہیں......لوگ تو اپنے مردوں کیلئے یہ رنگ محض اس لئے چنتے ہیں کہ ''سفید'' پاکیزہ رنگ ہے۔ ورنہ کفن کیلئے کپڑے کا سفید ہونا کوئی شرط تو نہیں ہے۔'' افق کو رضیہ کی سنائی گئی کہانی پر ذرا برابر بھی یقین نہیں آیا تھا۔

''اگر آپ کو لگتا ہے کہ کفن کے لئے کپڑے کا سفید ہونا شرط نہیں ہے تو آپ بھی اپنے لئے نیلا کفن سلوا لیجئے گا۔ ورنہ میرے خیال میں تو پروردگار کے سامنے جانے کے لئے پاکیزہ ترین رنگ سفید کا ہی انتخاب کرنا چاہئے۔'' رضیہ نے سرد لہجے میں

www.pdfbooksfree.pk

کہا اور واپس لوٹ گئی۔

"تم ...... دو ٹکے کی نوکرانی...... تجھے تو میں چھوڑونگی نہیں...... بڑی آئی کیٹ مڈلٹن کی ہم شکل......" افق مارے غصے کے بے قابو ہوئے جارہی تھی۔ اور جو منہ میں آیا بول رہی تھی جبکہ رضیہ اس کی باتوں سے بے نیاز دور نکل گئی تھی۔

جنون خیز بے رحم تلاطم لہریں جب سمندر کے سینے پر اودھم مچاتی، شور برپا کرتی ادھر سے ادھر بھاگتی پھرتی ہیں تو یوں لگتا ہے، کوئی ان کے طوفانی تیوروں پر بند نہیں باندھ سکتا...... کسی انہونی کا پیش خیمہ بنی سرسراتی ہوائیں اور خوفناک جواد بھاٹا، پچھاڑیں کھاتے سمندر کو ہیبت ناک بنادیتا ہے۔ بپھرے ہوئے پانی کو دیکھ کر گمان ہوتا ہے جیسے دنیا ہڑپ کر جائے گا مگر کچھ دیر بعد اس طوفان کا نام ونشان تک نہیں ہوتا اور سمندر کسی مفتوح کی طرح چپ چاپ قصوروار نظر آنے لگتا ہے۔ تجسس اور خوف کا ایک ایسا ہی طوفان افق کے دل میں اٹھا اور اس نے نیلے رنگ کی اس کوٹھی میں جانے کی ٹھان لی۔

اس نے وکٹوریہ بیگم فیشن لائن کا وہ ٹاپ پہنا تھا کو جو اس کی وارڈ دوب میں سب سے زیادہ مہنگا تھا اور شان دار بھی...... ٹاپ شولڈر لیس تھا شولڈر کو کور کرنے کے لئے اس نے ٹاپ کی ہم رنگ سفید آدھی آستینوں والی جیکٹ پہنی۔ وائٹ ٹاپ کے اوپری حصے پر گولڈن نگینوں کا ستاروں جیسا چھڑکاؤ تھا اور یہی اس ٹاپ کی دلکشی تھی وہ ایک بہترین مغربی لباس تھا جو گھٹنوں تک تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے سفید ٹائٹس پہنا۔ ہائی ہیل اور گلے میں قیمتی نیکلس...... یہ ڈریس اسے اس کی کزن انوری نے برطانیہ سے بھجوایا تھا۔

نیلی کوٹھی میں جانے کے لئے وہ بالکل کسی پارٹی کی طرح تیار ہوئی تھی کچھ ہی دیر میں وہ اپنی مطلوبہ جگہ تھی گیٹ ہلکا سا زور لگانے پر کھلتا چلا گیا۔ اندر ہو کا عالم طاری تھا۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھتی گئی الو کی ساخت پر بنے فوارے سے نکلتا پانی بہت دلکش لگ رہا تھا۔

اس کوٹھی کے حسن کو دیکھ کر وہ حیران ہوئے جارہی تھی رضیہ کی بتائی گئی سب باتیں سچ معلوم ہورہی تھیں۔ اندر ہر چیز نے نیلے رنگ کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔

اتنے بیش قیمت ڈریس میں چلتی ہوئی وہ کوئی شہزادی لگ رہی تھی۔ دفعتاً اسے اپنے کندھوں پر بہت سارا بوجھ محسوس ہوا جیسے کسی نے ٹنوں کے حساب سے اس پر بوجھ لاد دیا ہو بوجھ کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ وہ وہیں بیٹھتی چلی گئی۔ اس کے بعد بھی بوجھ کم ہونے میں نہ آرہا تھا۔ سفید ٹاپ میں ملبوس، گولڈن بال کمر پر بکھرائے اس وقت وہ دنیا کی حسین ترین لڑکی معلوم ہورہی تھی۔

بوجھ کی شدت میں مزید اضافہ ہوا اور اس کے منہ سے کراہ سی نکلی بہ مشکل اس نے گردن اٹھا کر اوپر دیکھا تو اسے آسمان گھومتا ہوا محسوس ہوا اس کے کندھے پر ایک چھبیس ستائیس سالہ لڑکی بیٹھی تھی۔ اس لڑکی کی ٹانگیں لٹک کر افق کے سینے پر آرہی تھیں افق کے منہ سے چیخ سی نکلی۔ اس سے پہلے کہ وہ بے ہوش ہوتی وہ بھیانک لڑکی آناً فاناً غائب ہوگئی۔ سارا بوجھ بھی یک لخت ہٹ گیا تھا۔

افق ایک بہادر لڑکی تھی۔ اس کی یہی عادت اسے یہاں تک لائی تھی اس نے خوف زدہ ہونے کی بجائے وہاں سے بھاگنے کی ٹھانی۔ وہ فوراً وہاں سے اٹھی اور سرپٹ دوڑ لگادی۔ ابھی وہ دروازے تک ہی پہنچی تھی کہ چھت سے لکڑی کا ایک بہت بڑا شہتیر اس پر آگرا، مگر وہ خوش قسمت تھی کہ بچ نکلی۔ اور شہتیر محض اس کی کمر کی جلد کو چھیلتے ہوئے نکل گیا تھا۔ وہ سانسوں سانس تھی کمر پر شدید جلن کا احساس بھی ہورہا تھا۔ مگر اس کے باوجود اس نے اپنے قدم آگے بڑھائے اور کمرے سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوگئی۔

اب وہ ایک تنگ سی راہداری میں تھی۔ دروازے میں لگی کیلوں کی وجہ سے اس کا قیمتی سفید ٹاپ اب چیتھڑوں میں تبدیل ہوچکا تھا۔ چہرے پر بھی جگہ جگہ خراشیں تھیں اب وہ کوٹھی کے بیرونی حصے میں آگئی تھی جہاں اسے، اس کی پرانی کلاس فیلو "حیاء" نظر آئی۔ وہ بھاگ کر گئی اور حیاء سے لپٹ گئی۔

www.pdfbooksfree.pk

"حیاء تم یہاں کیسے؟ ہمیں یہاں سے فوراً نکلنا ہوگا حیا۔" وہ اب روہانسی ہوکر کہہ رہی تھی۔

"ملالہ کیسی ہے؟ کیا کرتی ہے وہ اب؟ میں بھی بھٹک کر یہاں آگئی ہوں۔ بس دونوں یہاں سے بھاگ نکلتے ہیں۔" حیاء نے افق کا ہاتھ پکڑا۔ اور دونوں تیزی سے باہر کی طرف بھاگنے لگیں۔ باہر پہنچ کر الو کی ساخت والے فوارے کے پاس پہنچ کر حیاء ایکدم رک گئی اور الو کو دیکھنے لگی۔ افق کو بھی مجبوراً رکنا پڑا تھا۔

اچانک اسے احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ میں موجود حیاء کا ہاتھ اچانک بہت سرد ہوگیا ہے اور آہستہ آہستہ اکڑتا بھی جارہا تھا۔ بالآخر افق کو یوں لگا کہ اس نے ہاتھ میں لکڑی پکڑ رکھا ہے۔

اس نے حیران ہوکر حیاء کو دیکھا۔ حیاء کے نقوش اب بگڑ چکے تھے اور اب وہ غیر انسانی آوازیں نکالتے ہوئے افق کے چہرے پر پل پڑی۔ وہ اپنے لمبے اور نوکیلے دانتوں سے افق کے چہرے کو کھرچنے لگی۔

ماند پڑتی سانسوں کے ساتھ افق نے ٹاپ کی پاکٹ سے لائٹر نکالا اور اسے فوراً آن کیا۔ لائٹر سے آگ نکلنے کی دیر تھی کہ حیاء کی روح چنگھاڑتی ہوئی غائب ہوگئی۔

افق کا چہرہ لہولہان تھا۔ اسے ٹھیک سے نظر بھی نہ آرہا تھا۔ مگر اس کے باوجود اس نے ہمت نہ ہاری اور لڑکھڑاتے قدموں سے بھاگتی ہوئی بالآخر گیٹ سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوگئی۔

افق حال سے بے حال ہوگئی تھی۔ اس کے پیر بری طرح لہولہان ہوگئے تھے۔ مگر زندگی کی چاہ اسے دوڑائے جارہی تھی۔

☆......☆......☆

گڈریا نے ہمت کر کے کوڑے کرکٹ میں دبی اس لڑکی کو باہر نکالا۔ لڑکی میں ابھی سانس باقی تھی۔ وہ گڈریا کے بازو کا سہارا لے کر بہ مشکل چل رہی تھی "تمہارا نام کیا ہے۔" گڈریا لڑکی کے بارے میں کچھ جاننا چاہ رہا تھا۔

"اف ......افق......" لڑکی بہ مشکل گویا ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ بے جان ہوکر گڈریا کے بازوؤں میں جھول گئی۔ گڈریا ایکدم گرتے گرتے سنبھلا وہ ٹکٹکی باندھے لڑکی کو دیکھے جارہا تھا۔

کافی دیر بعد افق کو ہوش آیا تھا۔ اس نے مندی مندی آنکھیں کھولیں پانی کی تیز دھاریں مسلسل اس کے اوپر گر رہی تھیں۔ وہ الو کے مجسمے کے نیچے پڑی تھی وہ مجسمہ ایک طرح کا فوارہ تھا۔ افق گھبرا کر ایکدم کھڑی ہوگئی۔ وہ ایک بار پھر موت کے دہانے تک آئی تھی اس کے چاروں طرف کوٹھی کے نیلے در و دیوار تھے۔

"اس کوٹھی کی حدود پھلانگنے والا آج تک زندہ نہیں بچ سکا، تو پھر تم زندہ کیسے بچ سکتی تھی۔" عقب سے آنے والی آواز پر افق نے مڑ کر دیکھا تو سامنے وہی گڈریا کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

"تم بہت ہوشیار ہو۔ مگر تم اب کی بار نہیں بچ سکتی۔ پہلے ہی اس چوہدری کے بچے نے ہماری جگہ پر یہ کوٹھی تعمیر کروا کر غلطی کی تھی۔ اس کی خوبصورت بیوی اور وہ خود، اس کوٹھی میں رہائش کی پہلی رات ہی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔

یہ جگہ ہماری ہے...... صرف ہماری...... وہ آواز اس لڑکی کی تھی جسے ایک بار افق نے اپنے کندھوں پر سوار دیکھا تھا۔ اس کے ساتھ ہی افق کو اپنے جسم میں ہزاروں سوئیاں چبھتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ افق کی گردن غیر ارادی طور پر بائیں طرف کو گھومی اور کڑک کی آواز کے ساتھ ہی گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی۔

کئی موسم آئے اور گزرے۔ نیلی کوٹھی آج بھی اپنے جاہ وجلال کے ساتھ اسی طرح موجود ہے۔ لوگ آج بھی وہاں جانے سے گریز کرتے ہیں اب وہاں جنگلی کبوتروں نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ اور اللہ کی بنائی پیدا کردہ آتشی مخلوق وہاں پوری شان وشوکت سے راج کرتی ہے۔

بدروحوں کا مسکن

صفدر شاہین-ملتان

رات کے سناٹے میں بدروحوں کے قہقہے قیامت ڈھانے لگے وہاں پر موجود لوگوں کی ریڑھ کی ہڈی میں سردی کی تیز لہر دوڑ گئی اور پھر ایک گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ایک پراسرار ہیبت ناک اور خوفناک آواز گونجی۔

دل ودماغ کو خوف وہراس کے شکنجے میں جکڑتی ہوئی اپنی نوعیت کی ایک ناقابل یقین کہانی

شاھدرہ پولیس اسٹیشن میں میری تعیناتی کو ابھی پندرہ سولہ دن ہی گزرے تھے کہ مجھے ایک خوفناک واقعہ سے دوچار ہونا پڑا، ہوا یوں کہ ایک دن میں پولیس ہیڈ کوارٹر لاہور کسی کام سے گیا۔ وہاں سے بارہ بجے واپس آیا تو تھانے کے احاطے میں پندرہ بیس افراد بیٹھے تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھا تو کھڑے ہوکر سلام کرنے لگے۔ میں سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیتا ہوا اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ پی کیپ اتار کر میں کرسی پر بیٹھا اور گھنٹی بجائی، فوراً ہی میرا دل اندر آ گیا۔

”گل محمد...... باہر کون لوگ ہیں۔ کیا معاملہ ہے۔“ میں نے پوچھا۔

”صاحب۔ یہ لوگ بیگم کوٹ سے آئے ہیں۔ چوری کا کیس ہے۔ تفصیل کا علم منشی صاحب کو ہوگا۔“ گل محمد نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ منشی کو بھیجو......“ میں نے اسے ہدایت کی تو گل محمد باہر نکل گیا۔

مجھے حیرت تھی کہ چوری کی رپورٹ درج کرانے کے لئے پندرہ بیس افراد کیوں آئے تھے جبکہ اس مقصد کے لئے تین چار افراد بھی کافی تھے۔ اتنے میں منشی محرر ظفر اندر آ گیا اور اس نے مجھے سلام کیا۔

”ظفر۔ تم نے ان لوگوں کی چوری کی رپورٹ درج کرلی ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

”کیسے درج کرتا سر...... یہ کوئی عام چوری نہیں ہے......“ ظفر نے کہا۔

”کیا مطلب......“ میں نے بے اختیار چونک کر کہا۔ ”کیا اب چوریاں بھی خاص اور عام ہونے لگی ہیں؟“

”جی ہاں۔ اسی لئے میں نے آپ کا انتظار کرنا مناسب سمجھا۔“ ظفر نے کہا۔ ”یہ لوگ صبح ساڑھے نو بجے سے یہاں بیٹھے ہیں۔“

”بے وقوف آدمی۔ ان بے چاروں کو اتنی دیر بٹھائے رکھنے کا کیا فائدہ تھا۔ تم رپورٹ درج کر لیتے۔“ میں نے غصے سے کہا۔

”لیکن صاحب کس کے خلاف رپورٹ درج کرتا۔ نہ وہ چور کو جانتے ہیں اور نہ کسی پر شک کا اظہار کرتے ہیں۔“ ظفر نے کہا۔

”کمال ہے۔“ میں نے اسے گھورا۔ ”کیا تم نہیں جانتے کہ ایسی رپورٹ نامعلوم افراد کے خلاف درج کی جاتی ہے؟“

www.pdfbooksfree.pk

"مجھے معلوم ہے صاحب۔ لیکن چوری کسی مکان یا دکان میں نہیں ہوئی بلکہ قبرستان میں ہوئی ہے۔" ظفر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اوہ......" میں نے چونکتے ہوئے کہا۔ "کیا قبرستان سے کسی چور نے درخت کاٹے ہیں یا کسی کا کفن چرایا ہے؟"

"نہیں صاحب۔ کفن کے بجائے پوری لاش ہی چوری کرلی گئی ہے......" ظفر نے تیزی سے کہا۔

"کیا......" میں بے ساختہ اچھل پڑا۔ "لاش چوری کرلی گئی ہے......؟"

"یس سر......! اسی لئے میں نے کہا تھا کہ یہ عام چوری نہیں ہے۔" ظفر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نے اسی لئے رپورٹ نہیں لکھی کہ ہوسکتا ہے کہ آپ مدعی سے کچھ پوچھنا پسند کریں......"

"مدعی کون ہے......" میں نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

"لاش کا بھائی...... میرا مطلب ہے مرنے والے کا بھائی۔ دوسرے لوگ اس کے رشتے دار اور پڑوسی ہیں۔" ظفر نے جواب دیا۔

"یہ کب کا واقعہ ہے......" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"گزشتہ رات کا......" ظفر بولا۔ "کل شام لاش دفنائی گئی اور رات میں کوئی اسے قبر سے نکال کر لے گیا۔"

یہ حیرت انگیز اور دلچسپ کیس معلوم ہوتا ہے۔ میں نے ظفر سے کہا۔ "مدعی اور اس کے رشتہ داروں کو بلاؤ......"

"ظفر سر کو جنبش دیتا ہوا باہر چلا گیا۔ میرے لئے یہ امر حیرت کا باعث تھا کہ چوروں نے کفن چوری کرنے کے بجائے پوری لاش چوری کرلی تھی۔ بھلا ایک بے جان لاش سے کیا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ نہ وہ کھانے کی نہ بیچنے کی۔ میں نے سوچتے ہوئے سگریٹ سلگالیا۔ چند لمحوں بعد تین افراد ظفر کے ساتھ اندر آئے۔ انہوں نے مجھے سلام کیا۔ میں نے جواب دیتے ہوئے انہیں سامنے رکھی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئے۔ ان میں دو ادھیڑ عمر تھے جبکہ تیسرا جوان آدمی تھا۔ اس کی عمر تیس اور پچیس کے درمیان معلوم ہوتی تھی۔

"صاحب جی...... یہ مدعی ہے۔" ظفر نے جوان آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ اس کا ماموں اور یہ چچا ہے۔"

"آپ کا نام......؟" میں نے مدعی سے پوچھا۔ "کیا کام کرتے ہیں......؟"

"جی میرا نام اکبر ہے......" اس نے جھجکتے ہوئے بتایا۔ "بیگم کوٹ میں میری پنسار کی دکان ہے اکبر جنرل اینڈ پنسار اسٹور۔"

"ٹھیک ہے......" میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اب آپ بتائیں کہ کیا قصہ ہے۔ بلا جھجک ہر بات مکمل اور تفصیل سے بیان کریں۔"

پھر میں نے ظفر سے کہا کہ وہ کاغذ قلم لائے اور مدعی کا بیان نوٹ کرتا جائے۔ ظفر واپس آیا تو اکبر بیان دینے لگا۔

☆......☆......☆

اکبر کے بیان کے مطابق اصغر اس سے آٹھ برس چھوٹا یعنی چوبیس برس کا خوب صورت اور صحت مند نوجوان تھا۔ لاہور میں واقع ایک پرنٹنگ پریس میں کام کرتا تھا۔ وہ روزانہ صبح کام پر جاتا اور شام سات بجے تک واپس گھر آیا کرتا تھا۔ دو دن پہلے یعنی مرنے سے ایک دن قبل وہ صبح کام پر جاتے ہوئے گھر میں بتا کر گیا تھا کہ وہ آج رات فلم دیکھے گا اس لئے دیر سے گھر واپس آئے گا۔ چنانچہ اس روز گھر والے اس کا انتظار کئے بغیر ہی سو گئے۔ لیکن ماں کو اصغر کی فکر میں نیند نہ آئی۔ اکبر نے اس رات کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

"رات کے ساڑھے بارہ بج گئے تو ماں نے مجھے جگا کر پریشان لہجے میں کہا۔ "اکبر، تمہارا بھائی ابھی تک نہیں آیا۔"

میں نے گھڑی پر وقت دیکھ کر کہا۔ "ممکن ہے اس نے آخری شو دیکھا ہو۔ اس وقت شو ختم ہو چکا ہوگا اور اصغر واپس آرہا ہوگا آپ فکر نہ کریں۔"

میری ماں اپنے کمرے میں چلی گئی۔ مجھے دوبارہ نیند نہ آئی۔ ایک گھنٹہ اور گزر گیا مگر اصغر واپس نہ آیا تو مجھے بھی فکر ہوئی اتنے میں ماں دوبارہ میرے پاس آئی۔

"اکبر بیٹے۔ اصغر ابھی تک نہیں آیا۔ خدا خیر کرے۔ تم اس کا پتا کرو۔"

"اماں۔ آپ خواہ مخواہ پریشان نہ ہوں۔ وہ کوئی بچہ تو نہیں ہے جو راستہ بھول گیا ہوگا۔" میں نے کہا۔ "ممکن ہے اسے سواری نہ ملی ہو اور وہ پیدل آرہا ہو۔ گزشتہ گرمیوں میں بھی تو اسے ایک دو مرتبہ پیدل آنا پڑا تھا......"

"مگر بیٹے وہ گرمیوں کا موسم تھا۔ لوگ گھروں سے باہر سوتے تھے۔" ماں نے کہا۔ "آج کل سردیاں ہیں۔ لوگ گھروں میں لحافوں میں دبک کر سوتے ہیں اور کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ باہر کوئی حادثہ یا واقعہ رونما ہوا ہے۔ سڑکیں گلیاں آٹھ نو بجے ہی سنسان ہو جاتی ہیں۔"

"اچھا......" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں بس اسٹاپ تک اسے دیکھنے جاتا ہوں۔"

میں نے اپنی بائیسکل لی اور باہر نکل آیا۔ ہمارا گھر بیگم کوٹ کی آبادی کے آخری سرے پر ہے۔ وہاں سے بس اسٹاپ کا فاصلہ ایک میل ہے۔ بس اسٹاپ سے دو فرلانگ آگے مین روڈ سے ایک چھوٹی سڑک ہمارے گھر کی طرف آتی ہے۔ لیکن اس راستے پر آبادی کے بجائے کھیت ہیں یا پھر قبرستان۔ اس کے علاوہ ادھر سے مین روڈ کا فاصلہ بھی زیادہ ہے۔ بہر حال میں سائیکل پر سوار ہو کر بس اسٹاپ کی طرف چل دیا۔ لیکن راستے میں مجھے کہیں بھی اصغر نظر نہ آیا۔ بس اسٹاپ بھی ویران پڑا تھا۔ رات کے اوقات میں وہاں سے لاہور یا شیخوپورہ جانے والے ٹرک ٹرالیاں گزرتے ہیں۔ ایک بجے کے بعد کوئی بس سواری ادھر نہیں آئی۔

میں چند منٹ وہاں ٹھہر کر سوچتا رہا کہ اصغر کیوں نہیں آیا۔ پھر میں واپس چل دیا۔ گھر پہنچ کر میں نے صحن میں سائیکل کھڑی کی تو میری ماں باہر نکل گئی۔ میں صحن کا دروازہ بند کر کے برآمدے میں آیا۔

"کچھ پتا چلا اصغر کا......؟" ماں نے بے قراری سے پوچھا۔

"نہیں ماں۔ بس اسٹاپ تک دیکھ آیا ہوں۔ شاید وہ آج پریس میں ہی سو گیا ہے۔ ورنہ اب تک آچکا ہوتا۔" میں نے کہا۔

"ماں کی تسلی نہ ہوئی۔ میں اس کے ساتھ کمرے میں آیا ہی تھا کہ اچانک باہر کا دروازہ زور زور سے پیٹا جانے لگا۔ میں چونک کر پلٹا۔ نہ جانے کون تھا، اصغر تو ہمیشہ آرام سے دستک دیا کرتا تھا۔

"کون ہے......؟" میں نے برآمدے میں آکر بلند آواز سے پوچھا۔

اسی لمحے باہر سے ایسی آواز آئی جیسے کوئی بھاری شے زمین پر گری ہو۔ میں نے آگے بڑھتے ہوئے دوبارہ پوچھا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے حیران ہوتے ہوئے باہر کا دروازہ کھولا تو سامنے میرا بھائی اصغر زمین پر بے سدھ پڑا تھا۔ اسے دیکھ کر میں گھبرا گیا۔

"اصغر...... اصغر...... کیا ہوا۔" میں اسے سیدھا کرتے ہوئے چلایا۔

لیکن اصغر پر بے ہوشی طاری تھی اور جسم اس کا بہت ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ میری آواز سن کر میری ماں اور بیوی دوڑتی ہوئی باہر آئیں۔ اصغر کی حالت دیکھ کر ماں کی چیخ نکل گئی۔ میں نے جلدی سے اصغر کو اٹھایا اور کمرے میں لاکر بستر پر لٹادیا۔ اصغر کی آنکھیں اس طرح پھٹی ہوئی تھیں جیسے اس نے کوئی خوفناک چیز دیکھی ہو۔ میری ماں اور بیوی رونے لگیں۔ میں نے اسے تسلی دی۔ اصغر کو کمبل اور لحاف اوڑھایا اور اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کرنے لگا۔ چند منٹ بعد اسے ہوش آیا۔ ہم نے اسے گرم دودھ پلایا۔ اسے ہوش میں

www.pdfbooksfree.pk

دیکھ کر ماں کو کچھ اطمینان ہوا۔ اصغر کو تیز بخار چڑھ گیا تھا۔ اس کے حواس کچھ بحال ہوئے تو میں نے اس سے پوچھا کہ وہ اتنی دیر کہاں رہا ہے اور بے ہوش کیوں ہوا تھا تو وہ کہنے لگا۔

''فلم کا شو ساڑھے بارہ بجے ختم ہوا۔ میں یادگار چوک پر پہنچا اور راولپنڈی جانے والی بس میں سوار ہوگیا۔ جب شاہدرہ موڑ پر بس سے اترا تو اس طرف آنے والی کوئی گاڑی وہاں موجود نہ تھی۔ کچھ دیر بعد لاہور سے ایک ٹرالر آیا جو شیخوپورہ جا رہا تھا میں نے اسے روک کر ڈرائیور کی منت سماجت کی تو اس نے مجھے پیچھے بٹھالیا۔ بیگم کوٹ کا اسٹاپ آیا تو میں نے ڈرائیور کو پکارا اور کہا کہ مجھے یہاں اتار دے۔ اس وقت ٹرالر فل رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ ہوا کے زبردست شور میں پہیل تو ڈرائیور میری آواز نہ سن سکا اور جب میں نے دروازے پر ہاتھ مار کر اسے متوجہ کیا تو میرا مطلب سمجھ کر وہ بریک لگانے لگا۔ اتنی دیر میں بس اسٹاپ کافی پیچھے رہ گیا تھا۔ میں ٹرک سے اترا اور ٹرک آگے بڑھ گیا۔

میں بس اشتاپ کی طرف جانے کے بجائے قبرستان والے راستے پر ہولیا۔ جونہی میں قبرستان کے قریب پہنچا مجھے کسی کی آواز سنائی دی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا تو خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ قبرستان میں ایک قبر کے پاس تین کفن پوش کھڑے تھے۔ ان کے کفن ہوا سے لہرا رہے تھے۔ لیکن مجھے ان کے چہرے نظر نہ آئے۔ کیونکہ ستاروں کی روشنی بہت مدھم تھی۔ میں نے خوفزدہ ہوکر اپنی رفتار بڑھادی۔ شاید وہ مردے تھے۔

''اصغر بھائی...... ادھر آؤ یار......'' اسی لمحے ان میں سے کسی نے مخاطب کر کے کہا۔

اپنا نام سن کر خوف سے میرے پسینے چھوٹنے لگے۔ میں نے جواب دینے کے بجائے اپنی رفتار بڑھادی۔

''اصغر...... یار بات تو سنو...... ہم کب سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں اور تم ہو کہ پروا نہیں کر رہے ہو۔'' مجھے دوبارہ وہی آواز سنائی دی۔

یہ سن کر میں نے ان کفن پوشوں کی طرف دیکھا۔ تو وہ تینوں میری طرف بڑھ رہے تھے۔ میں دہشت زدہ ہوکر دوڑنے لگا۔ مجھے پیچھے سے ان کے قہقہے سنائی دیئے۔

''لو...... وہ تو بھاگ رہا ہے۔ جلدی کرو...... اسے پکڑو......'' ایک کفن پوش مردے کی آواز بلند ہوئی۔

''رہنے دو۔ یہ کل رات ہمارا مہمان ہوگا۔ ہم نے اس کے ساتھ دوستی کا آغاز کردیا ہے۔'' دوسرے کفن پوش کی آواز سنائی دی۔

میں اتنا دہشت زدہ تھا کہ دوبارہ ان کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ کرسکا اور اندھا دھند دوڑتا ہوا یہاں آپہنچا۔ پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ صرف اتنا یاد ہے کہ میں نے پوری قوت سے دروازے پر ہاتھ مارے تھے۔'' اصغر نے آخر میں کہا۔

اصغر کی بات سن کر ماں فوراً اس پر آیت الکرسی دم کرنے لگی اور اصغر چند منٹ بعد سوگیا۔ لیکن صبح تک اس کا بخار بہت تیز ہوگیا۔ بخار کی غشی کے دوران وہ بڑبڑاتا رہا۔ میں اسے بیگم کوٹ کے سرکاری اسپتال لے گیا۔ لیکن ڈاکٹر کے معائنہ کرنے سے پہلے ہی اصغر مرگیا۔'' اکبر نے کہا تو اس کی آنکھیں بھر آئیں اور اس کے آنسو بہنے لگے۔ میں نے اس سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اکبر دوبارہ کہنے لگا۔

''ہم نے شام مغرب سے پہلے اسے قبرستان میں دفنادیا۔ آج صبح میں اس کی قبر دیکھنے گیا کہ کہیں کسی جانور نے کچھ قبر کو نقصان نہ پہنچایا ہو۔ میں قبرستان پہنچا تو اصغر کی قبر پوری طرح کھلی ہوئی تھی۔ لگتا تھا جیسے کسی نے کدال یا پھاوڑے کی مدد سے قبر کھودی ہو۔ میں نے قبر میں جھانکا تو اس میں اصغر کی لاش موجود نہیں تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے بڑی احتیاط سے اندرونی حصے کی اینٹیں ہٹا کر لاش نکالی تھی۔ کیونکہ اگر یہ کسی جانور کی کارروائی ہوتی تو وہ قبر میں ایک سمت سے سوراخ کرتا

www.pdfbooksfree.pk

اور قبر سے لاش کا کوئی ٹکڑا اور کفن کی دھجیاں ملتیں۔ میں نے فوراً رشتے داروں اور پڑوسیوں کو اطلاع دی۔ وہ لوگ میرے ساتھ قبرستان آئے۔ سب کی رائے تھی کہ لاش کسی انسان نے نکالی ہے۔ چنانچہ ہم وہاں سے سیدھے یہاں چلے آئے تاکہ رپورٹ درج کرائیں اور پولیس میرے بھائی کی لاش تلاش کرے۔''

اکبر خاموش ہوگیا۔ مجھے حیرت ہوئی تھی اور میں دل میں سوچنے لگا کہ پولیس اصغر کی لاش کو کہاں تلاش کرے گی۔ بہرحال میں نے ان لوگوں کو تسلی دی۔

''پولیس پوری کوشش کرے گی۔ آپ کو کسی پر شک ہے تو بتائیں تاکہ اسے پکڑ کر پوچھ گچھ کی جائے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''ہمیں صرف انہی کفن پوش بدروحوں پر شک ہے جو اصغر کو قبرستان میں نظر آئی تھیں۔'' اکبر کے ماموں نے کہا۔

''کیا پہلے بھی اس قبرستان سے کوئی لاش چوری ہوئی ہے......؟'' میں نے سوال کیا۔

''نہیں جناب۔'' اکبر کے چچا نے جلدی سے کہا۔ ''گزشتہ پچاس برسوں میں تو وہاں کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا اور نہ کسی نے سنا۔''

''ٹھیک ہے۔ آپ لوگ جائیں۔ میں تھوڑی دیر بعد قبر کا معائنہ کرنے آؤں گا۔'' میں نے ان لوگوں سے کہا۔ ''وہاں قبر کے آس پاس قدموں کے نشانات تو ہوں گے۔''

''پہلے تو ہمیں خیال بھی نہیں آیا تھا۔'' اکبر نے کہا۔ ''جب خیال آیا تو وہاں محلے داروں کے قدموں کے نشانات پڑچکے تھے۔ اتنے نشانات میں سے لاش چوری کرنے والوں کے قدموں کے نشانات کیسے معلوم کئے جاسکتے ہیں۔''

منشی ظفر اکبر کا بیان نوٹ کرچکا تھا۔ چنانچہ میں نے ان لوگوں کو رخصت کیا اور خود بھی بیگم کوٹ جانے کی تیاری کرنے لگا۔

☆......☆......☆

سہ پہر تین بجے میں اپنے ماتحتوں عادل اور نازک جو کہ بالترتیب حوالدار اور سب انسپکٹر تھے۔ اور دو سپاہیوں کے ساتھ بیگم کوٹ کے قبرستان میں پہنچا تو وہاں کچھ لوگ ایک میت کو دفنا رہے تھے۔ اصغر مرحوم کا بھائی اکبر بھی ان کے ساتھ تھا۔ میں اپنے ماتحتوں کے ساتھ جیپ سے اترا تو اکبر جلدی سے ہمارے قریب آگیا۔ ہم اس کے ساتھ اصغر کی قبر پر پہنچے۔ میں نے قبر کا جائزہ لیا۔ قبر کھدی ہوئی تھی۔ ایک طرف مٹی کا ڈھیر اور قبر سے نکالی گئی کچی اینٹیں پڑی تھیں۔ بلاشبہ وہ انسانی کارنامہ تھا۔ کسی نے بڑی احتیاط سے قبر کشائی کی تھی۔ چند منٹ بعد میں نے اکبر کو ہدایت کی وہ قبر بند کروائے تو اس نے گورکن کو بلا کر قبر بند کرنے کو کہا۔

''کسی کی میت دفنائی جارہی ہے......؟'' میں نے اکبر سے پوچھا۔

''ہمارا ایک محلّہ دار تھا۔ آج دس بجے انتقال کرگیا تھا۔'' اکبر نے کہا۔ ''بے چارہ نوجوان تھا۔ دو ماہ پہلے ہی اس کی شادی ہوئی تھی۔''

مجھے خیال آیا کہ لاشیں چرانے کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے تو ہوسکتا ہے کہ آج رات اس نئی لاش کو بھی چرایا جائے۔

''ٹھیک ہے۔ آج رات پولیس یہاں پہرا دے گی۔ لیکن یہ بات خود تک محدود رکھنا کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے اکبر سے کہا۔

''واپسی تھانے آکر میں شام تک ذہن میں پروگرام دیتا رہا۔ رات آٹھ بجے میں نے سب انسپکٹر نازک کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ وہ وردی اتار کر سادہ لباس پہن لے۔ میں نے اسے اپنا پروگرام بتایا۔ نازک کافی جی دار اور مہم جو قسم کا نوجوان تھا۔ وہ سادہ لباس پہن کر آیا تو اتنی دیر میں میں بھی سادہ کپڑے پہن چکا تھا۔ سردی سے بچنے کے لئے ہم نے جرسیاں اور مفلر لے لئے تھے۔ سرکاری ریوالور بھی ہمارے پاس تھے جبکہ میری ہدایت پر نازک نے ایک ٹارچ بھی لے لی تھی۔

نو بجے ہم بیگم کوٹ کے بس اسٹاپ پر پہنچے۔ سرکاری جیپ ہماری نشاندہی کر سکتی تھی کہ ہم پولیس والے ہیں۔ اس لئے ہم وہاں ٹیکسی میں آئے تھے۔ چائے کے تھرماس ہمارے پاس تھے۔ ہم نے وہاں ایک ہوٹل میں رات کا کھانا کھایا اور تھرماس میں چائے بھروا کر پیدل ہی سڑک کے کنارے آگے بڑھنے لگے۔ دو فرلانگ کا فاصلہ طے کر کے ہم اس جگہ پہنچے جہاں سے ایک کچی سڑک بیگم کوٹ کی آبادی کے آخری حصے کی طرف جاتی تھی۔ اس کچے راستے کے دونوں جانب سبزیوں کے کھیت تھے۔ قبرستان کا فاصلہ دو ڈھائی فرلانگ کے قریب تھا جبکہ قبرستان سے آبادی بھی اتنے ہی فاصلے پر تھی۔

سردی کل کی نسبت کچھ زیادہ ہی تھی اور اس کا سبب سہ پہر کے بعد چلنے والی تیز ہوا تھا۔ آسمان پر ہلکے ہلکے بادل بھی موجود تھے۔ میں نے نازک سے کہا کہ چادریں اوڑھ لینی چاہئیں۔ اس نے سامان کے تھیلے میں سیاہ اونی چادریں نکالیں اور ایک مجھے دے دی۔ ہم نے چادریں اوڑھیں اور چہروں کو سرد ہوا سے بچانے کے لئے چہرے پر ناک تک مفلر لپیٹ لئے۔ پھر ہم کچے راستے پر چل پڑے۔ میں آج دفنائے جانے والے نوجوان کی قبر پر پہرہ دینا چاہتا تھا۔ اصولاً تو مجھے چاہئے تھا کہ وہاں چند سپاہیوں کی ڈیوٹی لگا دیتا۔ لیکن میں ایڈونچر پسند ہوں اور مشکل کاموں میں ہاتھ ڈالنا میرا مشغلہ ہے۔ اسی لئے میں نے خود ہی اس نئی قبر کی نگرانی کا فیصلہ کیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اصغر کی لاش چرانے والے اس نئی میت پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کریں گے اور میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کون ہیں عام انسان یا بدروحیں جنہیں اصغر نے دیکھا تھا اور جنہوں نے کہا تھا کہ آئندہ رات اصغران کا مہمان ہوگا۔

چادریں اوڑھ لینے سے ہم دیہاتی باشندے لگ رہے تھے۔ اول تو اس وقت سڑک پر دور دور تک کسی ذی روح کا نام ونشان تک نہ تھا اور اگر کوئی ہوتا بھی تو یہی سمجھتا کہ ہم اس علاقے کے رہنے والے ہیں۔ سب انسپکٹر نازک نے چادر کے نیچے تھیلا بغل سے لٹکا رکھا تھا جس میں چائے کا تھرماس، دو کپ اور چھ سیل والی ٹارچ تھی۔ ہم بڑے اطمینان سے چل رہے تھے۔ تاریکی میں ہم زیادہ دور تک نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ہمیں روشنی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ کیونکہ ہمیں خود کو دوسروں کی نگاہوں سے ہر ممکن طور پر پوشیدہ رکھنا تھا۔

جب ہم قبرستان کے قریب پہنچے تو میری رسٹ واچ پر ساڑھے دس بجے رہے تھے۔ قبرستان تین اطراف سے گھنی جھاڑیوں اور درختوں میں گھرا ہوا تھا۔ صرف سڑک کی جانب سے کھلا تھا اور لوگ ادھر سے ہی قبرستان میں آتے جاتے تھے۔ قبروں کی ابتداء سڑک کے کنارے سے ہو رہی تھی۔ میں نے چند قدم پیچھے سے ہی رخ بدلا اور دائیں جانب چلنے لگا۔ اس جانب ایک کھیت تھا۔ قبرستان کا اس طرف شمال پہلو تھا اور ادھر درخت اور جھاڑیاں تھیں۔ سامنے سے قبرستان میں داخل ہونے میں یہ خطرہ تھا کہ اگر قبرستان میں کوئی موجود ہوا تو ہمیں دیکھ لے گا۔ پندرہ بیس قدم مغرب کی جانب چلنے کے بعد ہم نے قبرستان کی طرف رخ کرلیا۔

چند لمحوں بعد ہم قبرستان کے بیرونی درختوں کے پاس پہنچ گئے۔ درختوں کے ساتھ گھنی جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ بیگم کوٹ کا قبرستان دور تک پھیلا ہوا تھا۔ میری معلومات کے مطابق مغل شہنشاہ جہانگیر کے زمانے میں بیگم کوٹ آباد ہوا تھا۔ اس لحاظ سے یہ قبرستان بھی تقریباً چار سو سال پرانا تھا۔ ماضی میں یہ قبرستان کئی بار سیلاب سے پیوند زمین ہوا تھا۔ میں نازک کے ساتھ گھنی جھاڑیوں میں احتیاط سے راستہ بناتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ پندرہ سولہ قدم چلنے کے بعد ہم قبرستان میں پہنچ گئے مزید آگے بڑھنے کے بجائے ہم اس جانب کی پہلی قبروں کے پاس رک گئے۔ یہ قبریں زمین سے تین چار فٹ بلند اور پختہ تھیں۔ ہم دونوں ایک قبر کی آڑ میں رک کر قبرستان کا جائزہ لینے لگے۔

قبرستان پر موت کی سی خاموشی طاری تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

بادلوں سے چھن کر آنے والی ستاروں کی مدہم روشنی میں قبرستان کی دوسری طرف کے درخت سیاہ ہیولے معلوم ہو رہے تھے۔ کئی قبروں کے پاس جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ میں نے دن کی روشنی میں جو نئی قبر دیکھی تھی۔ وہ یہاں سے تقریباً پچاس ساٹھ گز کے فاصلے پر تھی اور میں اس کے قریب پہنچنا چاہتا تھا۔ چنانچہ چند لمحوں بعد میں نے نازک کو اپنی تقلید کرنے کا اشارہ کیا اور قبر کی اڑ سے نکل کر ہاتھ پاؤں کے بل آگے بڑھنے لگا۔ میرا رخ اس نئی قبر کی طرف تھا جس میں آج سہ پہر ایک نوجوان کو دفنایا گیا تھا اور اکبر نے اس کا نام امجد بتایا تھا۔

☆......☆......☆

نازک بھی میرے پیچھے چوپایوں کی طرح چل رہا تھا۔ امجد کی قبر کے سرہانے کی جانب دس بارہ قدم کے فاصلے پر ایک بلند چبوترے والی قبر نظر آ رہی تھی جس کا کتبہ کافی چوڑا اور بڑا تھا۔ میں نے ادھر کا رخ کیا۔ جلد ہی ہم اس قبر کے سرہانے کی جانب پہنچ گئے۔ قبر کے سرہانے چند فٹ کے فاصلے پر ایک جھاڑی تھی۔ جس کی شاخیں قبر پر جھکی ہوئی تھیں۔ یہاں ہمیں پشت کی جانب سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ جبکہ سامنے قبر کا بلند اور کشادہ کتبہ تھا۔ یہاں سے ہم بہ آسانی امجد کی قبر کی نگرانی کر سکتے تھے۔

نازک نے تھرماس والا تھیلا زمین پر رکھا اور ٹارچ نکال لی۔ میں نے اسے ہدایت کی کہ جب تک میں نہ کہوں وہ ٹارچ نہ جلائے۔ ہم دونوں کتبے کی آڑ میں کھڑے ہو کر دائیں بائیں سے امجد کی قبر اور اس کے آس پاس کی نگرانی کرنے لگے۔ گیارہ بج چکے تھے۔ قبرستان پر سناٹے اور تاریکی کا راج تھا۔ ہلکی ہلکی سرد ہوا سے ہمارے ہاتھ ٹھٹھر رہے تھے۔ ہماری آنکھیں جلد ہی تاریکی سے مانوس ہو گئیں۔ پھر آسمان بھی بادلوں سے صاف ہو گیا تھا اس لئے ہم دور تک دیکھ رہے تھے۔

"سر...... کیا یہ ضروری ہے کہ اصغر کی لاش چوری کرنے والے امجد کی لاش بھی نکالنے آئیں۔" نازک نے آہستہ سے مجھے مخاطب کیا۔ لیکن سناٹے میں مجھے اس کی آواز بھی بہت تیز محسوس ہوئی۔ میں نے اسے مزید آہستہ بولنے کی ہدایت کی اور کہا۔

"نہیں۔ ضروری نہیں۔ لیکن ہمیں اس کیس کو حل کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہے۔ آج نئی لاش نہ بھی دفنائی جاتی تب بھی میں حقیقت معلوم کرنے کے لئے یہاں آتا۔ مجھے پچھتر فیصد امید ہے کہ امجد کی لاش نکالنے کی کوشش کی جائے گی۔"

"فرض کیا کہ چور لاش نکالنے آ جائیں تو کیا ہم انہیں روکیں گے......؟" نازک نے سوال کیا۔

"نہیں......" میں نے آہستہ سے کہا۔ "پہلے ہم دیکھیں گے کہ وہ لاش نکالنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ اگر وہ لاش نکال کر لے گئے تو ہم احتیاط سے ان کا پیچھا کریں گے اور ان کے ٹھکانے تک پہنچیں گے کیونکہ ہمیں ان سے امجد اور اصغر کی لاش برآمد کرنی ہے......"

اچانک عقب سے ایک آواز ابھری اور نازک بے اختیار اچھل پڑا۔ وہ آواز ایسی ہی تھی جیسے کوئی چوہا یا کوئی جانور دوڑ کر وہاں سے گزرا تھا اور خشک پتے چرمرائے تھے، نازک پلٹ کر دیکھنے لگا۔ لیکن جھاڑی کے نیچے گہری تاریکی کے سبب کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔

"سر...... یہ کیا ہوا تھا......؟" نازک نے مجھے مخاطب کیا تو اس کے لہجے سے خوف ٹپک رہا تھا۔

"کوئی چوہا یا نیولا گزرا ہوگا۔ ایسے جانور قبرستانوں میں عام ہوتے ہیں۔" میں نے نازک کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو نازک کا جسم کانپ رہا تھا۔ وہ بزدل نہیں تھا۔ لیکن قبرستان کا ماحول ہی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی خواہ مخواہ گھبرا جاتا ہے۔

"حواس قابو میں رکھو نازک۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ چائے نکال کر پیو اور مجھے بھی پلاؤ۔" میں نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

نازک بیٹھ گیا۔ اس نے دو پیالیوں میں چائے ڈالی اور ایک مجھے دی۔ میں چائے پیتے ہوئے سامنے کی جانب دیکھنے لگا۔ امجد کی قبر کے آس پاس کئی پختہ

اور بلند تعویذوں والی قبریں تھیں لیکن دور تک کسی ذی روح کا نام ونشان تک نہ تھا۔ چائے پینے کے بعد نازک پھر کھڑا ہوگیا۔

''سر۔ آپ چند منٹ بیٹھ جائیں۔ تھک جائیں گے۔ میں نگرانی کرتا ہوں۔'' نازک نے مجھ سے کہا اور میں بیٹھ گیا۔ وہ امجد کی قبر کی نگرانی کرنے لگا۔ میں سوچنے لگا کہ کہیں میرا اندازہ غلط نہ نکلے۔ بارہ بج گئے لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا اور ہم دونوں باری باری کھڑے ہو کر اپنا فرض ادا کرتے رہے۔ چند منٹ ہی گزرے تھے کہ نازک کے حلق سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ ''سر......!''

''کیا ہوا......؟'' میں نے چونک کر تیزی سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

نازک کچھ نہ بولا۔ میں نے سامنے کی جانب دیکھا تو ایک لمحہ کے لئے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ امجد کی قبر سے دس بارہ قدم دور سفید لباس میں کوئی چل رہا تھا۔ اس کا رخ امجد کی قبر کی طرف تھا۔ وہ سفید لباس کفن معلوم ہوتا تھا۔ جس میں اس کا سر اور چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔ یہ سوچ کر میں کانپ گیا کہ وہ زندہ انسان کے بجائے کوئی بدروح یا لاش ہے۔

''سر...... سر...... یہ تو کوئی بدروح ہے......''

نازک نے کانپتی ہوئی آواز میں سرگوشی کی۔

''شاید۔ مگر تم حوصلہ رکھو...... ڈرو مت۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''اپنا ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لو۔''

اسی لمحے میری نظر بائیں جانب اٹھی اور میں چونک پڑا اس طرف سے دو کفن پوش بدروحیں امجد کی قبر کی سمت بڑھ رہی تھی۔ نازک سمٹ کر میرے قریب ہوگیا۔ اس کا کندھا میرے کندھے سے ٹکرا رہا تھا اور وہ بری طرح کانپ رہا تھا۔ اس کے منہ سے ہلکی ہلکی آواز نکل رہی تھی۔ شاید وہ آیت الکرسی پڑھ رہا تھا۔ میں نے بھی اپنے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ مگر یہ احتیاطی تدبیر تھی۔ ورنہ میرا گولی چلانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ میں نے دائیں جانب دیکھا تو ادھر سے ایک بدروح آ رہی تھی۔ چند لمحوں بعد وہ چاروں کفن پوش بدروحیں امجد کی قبر کے پاس پہنچ گئیں۔ میں انہیں دیکھ رہا تھا اور میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ تمام تر بہادری کے باوجود مجھے پسینہ آ رہا تھا۔

''کام شروع کیا جائے......؟'' اچانک ان میں سے ایک بدروح کی آواز بلند ہوئی۔ مجھے وہ آواز غیر انسانی محسوس ہوئی۔ بالکل سپاٹ اور کسی تاثر کے بغیر۔ یقیناً وہ قبر کھودنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

''ٹھہرو۔ یہاں۔ کوئی اور بھی ہے......''

دوسری بدروح کی آواز سنائی دی اور وہ چاروں ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

نازک بری طرح کپکپا رہا تھا۔ اسی لمحے ہمارے پیچھے جھاڑی سے پروں کی پھڑپھڑاہٹ بلند ہوئی اور نازک کے حلق سے دبی دبی سی خوفزدہ چیخ نکل گئی۔ میں نے جلدی سے اسے سنبھالا تو وہ میرے ہاتھوں میں جھول گیا۔ دہشت کے مارے اس پر بے ہوشی طاری ہوگئی تھی۔ میں نے سر گھما کر بدروحوں کی طرف دیکھا تو بے اختیار اچھل پڑا۔ وہ غائب ہوچکی تھیں اور دور تک ان کا نام ونشان نہ تھا۔ میں نے نازک کو زمین پر لٹا دیا۔ مجھے اس پر بے تحاشا غصہ آ رہا تھا۔ نہ جانے اس کی چیخ سن کر بدروحیں کہاں غائب ہوگئی تھیں میں دوبارہ قبر کی آڑ سے امجد کی قبر کی طرف دیکھنے لگا کہ شاید وہ کفن پوش بدروحیں دوبارہ نمودار ہوں۔

''انسپکٹر کاشف......'' دفعتاً مجھے عقب سے کسی نے پکارا اور میں بے اختیار اچھل پڑا۔ پلٹ کر دیکھا تو مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ جھاڑی کے نیچے گہری تاریکی تھی۔ میں نے جھک کر نازک کے ہاتھ میں دبی ہوئی ٹارچ نکالی اور سیدھا ہوا ہی تھا کہ مجھے وہی آواز دوبارہ سنائی دی۔

''ٹارچ روشن مت کرنا انسپکٹر۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔'' اس آواز نے کہا۔

''کون ہو تم...... سامنے آؤ......'' میں نے ہمت کر کے کہا۔

''میں سامنے آ گیا تو دہشت کے مارے تمہارا کلیجہ پھٹ جائے گا۔'' جواب میں آواز ابھری۔ ''تم اتنے بہادر نہیں ہو جتنا بننے کی کوشش کر رہے ہو۔ دیکھو تمہارے ہاتھ میں ریوالور کیسے بری طرح کانپ رہا ہے۔''

اس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ خوف کے مارے میرا ہاتھ ہی نہیں پورا جسم کانپ رہا تھا۔ میں نے ریوالور پر گرفت مضبوط کر لی۔

''انسپکٹر کاشف۔ جاؤ، یہاں سے بھاگ جاؤ۔ اپنے ساتھی کو بھی لے جاؤ، ورنہ صبح تمہیں اس کی لاش بھی نہیں ملے گی۔'' آواز پھر سنائی دی۔ ''تمہارا زندہ انسانوں پر بس چلتا ہے۔ لیکن ہم مادی جسم سے آزاد روحیں ہیں۔ نہ ہمیں گرفتار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ہم پر گولی اثر کر سکتی ہے۔ میں تمہیں یہاں سے نکلنے کے لئے پانچ منٹ کی مہلت دیتا ہوں۔ اگر اس وقفے میں تم یہاں سے دفع نہ ہوئے تو مجبوراً ہمیں امجد کے بجائے تمہارے خون پر گزارہ کرنا پڑے گا۔''

بدروح کی دھمکی سن کر دہشت کی شدت سے میرا بدن پسینے میں تر ہو رہا تھا اور میرے بدن پر لرزہ طاری تھا۔

☆......☆......☆

کئی لمحے گزر گئے مگر وہ پراسرار آواز دوبارہ نہ سنائی دی۔ میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ بدروح کے حکم کی تعمیل یا اپنے فرض کی ادائیگی؟ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں نے فورس کے بغیر وہاں آ کر غلطی کی تھی۔ اگر میں چھ سات سپاہیوں کو ہمراہ لے آتا تو شاید نازک خوف سے بے ہوش بھی نہ ہوتا اور بدروح کو بھی مجھ سے مخاطب ہونے کی جرأت نہ ہوتی۔ میں اپنے خوف پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاید بدروح وہاں سے چلی گئی تھی۔ میں نے پلٹ کر امجد کی قبر کی سمت دیکھا تو وہاں کفن پوش بدروحیں دوبارہ نمودار ہوچکی تھیں۔ لیکن اس مرتبہ ایک بدروح کے پاس ایک کدال دکھائی دے رہی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ اب وہ کدال سے امجد کی قبریں کھودیں گے۔

''چلو۔ شروع ہو جاؤ......!'' ایک بدروح کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ ''شاید انہیں اب میرا خوف نہیں رہا تھا۔ یا پھر انہیں یقین تھا کہ میں قبرستان سے جا چکا ہوں۔ حالانکہ بدروح کی طرف سے دی گئی مہلت میں سے ابھی دو منٹ ہی گزرے تھے۔ کدال بردار بدروح امجد کی قبر کے سرہانے کی جانب آئی اور پھر کدال سے قبر کھودنے لگی۔ نازک بے ہوش پڑا تھا اور میں تنہا ان کا تعاقب نہیں کر سکتا تھا کہ ان کے ٹھکانے تک جا پہنچتا۔ چنانچہ ضروری تھا کہ میں انہیں امجد کی لاش چوری کرنے سے روکتا۔ میں نے فوراً ہی ٹارچ کا رخ ان کی طرف کر کے ٹارچ روشن کر دی۔ طاقتور فلش لائٹ کا دائرہ امجد کی قبر اور بدروحوں پر پڑا تو وہ بدروحیں فوراً ہی چیختی ہوئی دائیں بائیں بھاگنے لگیں۔ ٹھیک اسی لمحے عقب سے کوئی بھاری چیز میری پشت سے آ ٹکرائی۔ میرا سر قبر کے سنگی کتبے سے ٹکرایا اور میں کراہتے ہوئے گر گیا۔ ٹارچ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر بجھ گئی اور پھر مجھے کوئی ہوش نہ رہا۔

آنکھ کھلی تو صبح کا اجالا پھیل رہا تھا۔ میرے سر میں شدید درد تھا۔ میں نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہاں گومڑا ابھرا ہوا تھا۔ میں نے تیزی سے اٹھ کر امجد کی قبر کی طرف دیکھا تو قبر کھدی ہوئی تھی۔ سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ میں نے ٹارچ اٹھائی اور دوڑتا ہوا امجد کی قبر کے پاس پہنچا۔ قبر میں تاریکی تھی۔ میں نے قبر میں ٹارچ کی روشنی ڈالی اور طویل سانس لے کر رہ گیا۔ قبر خالی پڑی تھی۔ اور اس میں سے امجد کی لاش غائب تھی۔ یقیناً میرے بے ہوشی کے دوران بدروحیں وہاں سے لاش نکال کر لے گئی تھیں۔ میں پریشان ہوگیا۔ مجھے امید تھی کہ سورج نکلتے ہی امجد کے عزیز اس کی قبر دیکھنے آئیں گے اور اگر انہوں نے مجھے دیکھ لیا تو پولیس پر سے ان کا اعتماد اٹھ جائے گا کہ پولیس کی موجودگی میں لاش چوری کر لی گئی تھی۔ چنانچہ میں جلدی سے واپسی آیا جہاں نازک بے ہوش پڑا تھا۔ میں نے اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کی تو چند لمحوں بعد ہی وہ ہوش میں آ کر بیٹھا۔

www.pdfbooksfree.pk

"کیا ہوا سر......" وہ حیرت سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا بولا۔

"فی الحال تو یہاں سے نکل چلو۔ راستے میں بتادوں گا......" میں نے تیزی سے کہا۔

چند لمحوں بعد ہم جس طرف سے قبرستان میں داخل ہوئے تھے اس طرف سے باہر آئے اور مین روڈ کی طرف بڑھنے لگے۔ میں نے راستے میں نازک کو بتایا کہ کس طرح امجد کی لاش چوری کرلی گئی ہے۔

"تمہاری بزدلی کے سبب یہ سب کچھ ہوا ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اگر تم نہ چیختے تو بدروحوں کو ہمارا پتہ نہ چلتا کہ ہم یہاں ہیں۔"

"سوری سر......" نازک نے خجالت سے کہا۔

"مگر میں کیا کرتا سر۔ بدروحوں نے ہماری بو سونگھ لی تھی۔"

"بس۔ بس۔ چپ رہو۔ تمہاری حماقت نے ساری محنت ضائع کردی۔" میں نے جل کر کہا۔

"ہم بس کے ذریعے واپس شاہدرہ پہنچے۔ تھانے پہنچ کر میں نے منشی ظفر کو ہدایت کی کہ لاش چوری کا کیس آئے تو وہ رپورٹ درج کرلے۔ پھر میں نے اپنے کوارٹر میں آکر غسل کیا اور ناشتہ کرکے کچھ دیر کے لئے سوگیا۔ گیارہ بجے میں تیار ہوکر آفس پہنچا تو منشی ظفر سے پتہ چلا کہ امجد کے لواحقین لاش چوری کی رپورٹ درج کرائے آئے تھے۔ شام کے وقت میں نے ایک سپاہی کو بیگم کوٹ بھیجا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کوئی نئی مرگ تو نہیں ہوئی۔ ایک گھنٹہ بعد اس نے آکر بتایا کہ ایک عورت کا انتقال ہوا جو دو بچوں کی ماں تھی اور چار دن پہلے ٹریفک حادثے میں شدید زخمی ہوئی تھی اس کا نام بانو اور عمر اکیس برس تھی۔ جب وہ یہاں بیگم کوٹ پہنچا تو بانو کا جنازہ قبرستان کی طرف لے جایا جارہا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کی لاش چوری ہونے کے خدشہ کے پیش نظر اس کا شوہر فیصل چند افراد کے ہمراہ آج رات بانو کی قبر پر پہرہ دے گا۔

اس اطلاع کے بعد میں نے نازک کو طلب کرکے کہا میں آج رات پھر بیگم کوٹ جارہا ہوں۔ وہ تیاری کرلے۔ اگرچہ نازک نے گزشتہ رات ہمت سے کام نہیں لیا تھا۔ لیکن میرے ماتحتوں میں اس سے زیادہ مناسب اور کوئی نہ تھا۔ رات کے گیارہ بجے ہم بیگم کوٹ کے قبرستان میں اسی جانب سے داخل ہوئے جدھر سے گزشتہ رات آئے تھے۔ قبرستان کے تقریباً وسط میں ایک قبر پر چار افراد پہرہ دے رہے تھے۔ قبر کے بائیں جانب الاؤ روشن تھا جبکہ قبر کے تعویذ پر جلتی ہوئی لالٹین رکھی تھی۔ آگ اور لالٹین کے سبب وہاں خاصی روشنی تھی۔ لیکن ہمیں ان سے چھپ کر قبر کی نگرانی کرنا تھی۔

چنانچہ ہم دبے پاؤں اور قبروں کی آڑ لیتے ہوئے بانو کی قبر کے بائیں طرف ایک اونچے تعویذ والی قبر کے پہلو میں پہنچ کر بیٹھ گئے۔ وہاں سے بانو کی قبر تقریباً پندرہ قدم کے فاصلے پر تھی۔ پہرہ دینے والے افراد قبر کی دوسری جانب الاؤ کے گرد بیٹھے باتیں کررہے تھے۔

☆......☆......☆

آسمان پر شام سے ہی گھرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ بارش کا امکان تھا، اس لئے ہم اپنی چھتریاں ساتھ لائے تھے، الاؤ کی روشنی میں پہرہ دینے والے چاروں افراد کی شکلیں واضح نظر آرہی تھیں۔ وہ صحت مند اور ہٹے کٹے نوجوان تھے اور ان کی عمریں بھی تیس برس سے کم تھیں۔ ان میں سے ایک بانو کا شوہر فیصل تھا جس کا حلیہ مجھے سپاہی نے بتایا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ چاروں وہاں سے چلے جاتے یا چھپ کر پہرہ دیتے۔ میں نے سن رکھا تھا کہ بدروحیں آگ سے ڈرتی ہیں۔ اس لئے مجھے اندیشہ تھا کہ آگ کی موجودگی میں بدروحیں آج نہیں آئیں گی۔ جبکہ میری خواہش تھی کہ وہ بدروحیں آئیں تاکہ میں ان سے اپنی گزشتہ رات کی شکست کا بدلہ لے سکوں یا ان کا تعاقب کرکے ان کے ٹھکانے تک پہنچوں۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ چاروں پہرہ دار قبر سے دور ہٹ جاتے اور آگ بھی بجھادیتے لیکن میں انہیں وہاں سے نہیں ہٹا سکتا تھا۔ کیونکہ اس طرح ان لوگوں کو ہماری موجودگی کا پتہ چل

www.pdfbooksfree.pk

جاتا اور بدروحیں آج بھی لاش نکال لے جانے میں کامیاب ہوجاتیں تو سارا الزام پولیس پر آجاتا۔

اتفاق سے ایک گھنٹہ بعد ہلکی ہلکی بونداباندی شروع ہوگئی۔ ہم نے فوراً چھتریاں کھول کرتان لیں۔ بارش سے آگ بجھنے لگی اور پھر لالٹین بھی بجھ گئی۔ لیکن وہ چاروں وہاں بیٹھے رہے۔ چند لمحوں بعد آگ پوری طرح بجھ گئی اور وہاں اندھیرا پھیل گیا۔ بارش تیز ہونے لگی۔ بارش کی بوندیں قبر کے تعویذ پر گرنے سے ہم پر بھی چھینٹے پڑ رہے تھے اور ہماری گرم چادریں گیلی ہوتی جارہی تھیں۔

''فیصل بھائی۔ بارش میں چوروں کے آنے کی امید نہیں ہے۔ ہمیں چلنا چاہئے۔'' فیصل کے ایک ساتھی کی آواز سنائی دی۔

''ہاں یار۔ چوروں نے آنا ہوتا تو اب تک آچکے ہوتے۔'' دوسرے نے کہا۔

''تم لوگ جانا چاہو تو بے شک چلے جاؤ۔'' میں تنہا پہرہ دوں گا۔'' فیصل نے کہا۔

''پاگل تو نہیں ہو یار......'' ایک اور آدمی بولا۔ ''یہاں بارش میں کب تک بھیگتے رہو گے صبح تک تو تمہیں نمونیا ہوجائے گا۔''

میں اور نازک خاموشی سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ چند لمحوں کی بحث کے بعد فیصل وہاں سے جانے پر راضی ہوگیا۔ انہوں نے بجھی ہوئی لالٹین اٹھائی اور وہاں سے رخصت ہوگئے۔ ان کے جانے کے بعد نازک اور میں تھرماس میں لائی ہوئی چائے پینے لگے۔ بارش کم ہونے لگی تھی۔ ایک بجے بونداباندی رک گئی تو ہم نے چھتریاں بند کرکے تھیلے میں ڈال لیں۔ پھر میں چادر اتارنے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ میری نگاہیں بانو کی قبر کی طرف اٹھ گئیں اور میں جلدی سے دوبارہ بیٹھ گیا۔

میں نے قبر کے تعویذ سے ذرا بلند ہوکر دوبارہ اس طرف دیکھا تو نازک نے بھی میری تقلید کی۔ بانو کی قبر کے پاس پانچ کفن پوش بدروحیں موجود تھیں۔ ایک کے پاس کدال تھی۔

''سر...... یہ تو وہی ہیں۔ کل رات والی بدروحیں......'' نازک نے سرگوشی کی۔

''ہاں۔ مگر تم کل رات والی حرکت مت کرنا۔'' میں نے اسے تنبیہ کی۔ ''ڈر لگ رہا ہو تو ان کی طرف مت دیکھو۔''

''بہت ڈھیٹ آدمی تھا بانو کا شوہر......'' اچانک بدروحوں میں سے ایک کی آواز بلند ہوئی۔

''ہاں۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ چلا گیا۔'' دوسری بدروح نے ہنس کر کہا۔ ''ورنہ ہمیں دیکھ کر اس کا دم نکل جاتا......''

''شکر ہے آج انسپکٹر کاشف نہیں آیا۔ ورنہ کافی دیر ہوجاتی......'' ایک بدروح نے کہا۔

''وہ بے چارہ ہماری دہشت سے بخار میں پھنک رہا ہوگا......'' کدال بردار کفن پوش نے کہا۔

''خیر...... تم اپنا کام کرو۔ پہلے ہی کافی دیر ہوچکی ہے......'' پہلی بدروح نے کہا تو کدال بردار بدروح قبر پر کدال چلانے لگی۔

مجھے اپنے قریب نازک کی تیز سانسیں سنائی دے رہی تھیں۔ یقیناً وہ خوفزدہ تھا۔ ایک بدروح قبر کھود رہی تھی اور تین بدروحیں اپنے ہاتھوں سے مٹی ایک طرف ہٹانے میں مصروف تھیں۔ میں بڑی بے تابی سے ان کا کام مکمل ہونے کا انتظار کررہا تھا۔ پندرہ منٹ بعد بدروحیں قبر میں اتر گئیں۔ انہوں نے قبر میں سے کفن میں لپٹی ہوئی لاش نکال کر باہر کھڑی بدروحوں کے سپرد کی اور پھر خود بھی قبر سے نکل آئیں۔ نازک اور میں دم سادھے ان کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے۔ ایک بدروح نے بانو کی لاش اپنے کندھے پر ڈالی پھر وہ پانچوں بدروحیں مغرب کی سمت چل دیں۔

''بدروحوں کو جاتے دیکھ کر میں نے نازک سے سرگوشی کی۔ ''آؤ ہمیں احتیاط سے ان بدروحوں کا پیچھا کرنا ہے۔''

ہم اپنی جگہ سے اٹھے اور قبروں کی آڑ لیتے ہوئے مغرب کی سمت میں بڑھنے لگے۔ کفن پوش

بدروحیں جلد ہی اس جانب واقع جھاڑیوں اور گھنے درختوں میں داخل ہوکر ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوگئیں۔ ہم کچی اور گیلی زمین پر احتیاط سے قدم جماتے ہوئے ان درختوں کے پاس پہنچے۔ یہ جگہ اس مقام سے تقریباً بیس قدم پر تھی جہاں بدروحیں جھاڑیوں میں داخل ہوئی تھیں۔ ہم دونوں بھی جھاڑیوں میں گھس گئے۔ جھاڑیوں سے گزر کر ہم کھلی جگہ پر آئے تو وہ بدروحیں کھیتوں کے درمیان ایک پگڈنڈی پر چل رہی تھیں۔ ہلکی ہلکی ہوا میں ان کے کفن لہرا رہے تھے۔ ہمارے سامنے قد آدم جوار کے کھیت تھے۔ ہم ان کھیتوں کے پہلو میں بدروحوں کے متوازی چلنے لگے۔ میں نازک سے ایک قدم آگے تھا۔

''سر...... وہ کہاں جارہی ہیں......؟'' نازک نے چلتے چلتے پوچھا۔

''معلوم نہیں...... لیکن جلد ہی معلوم ہوجائے گا۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

جوار کے کھیتوں کی آڑ میں چلتے ہوئے بدروحیں نظر نہیں آرہی تھیں لیکن جب کھیت ختم ہوگئے تو کچھ فاصلے پر اندھیرے میں ڈوبی کسی عمارت کا ہیولا دکھائی دینے لگا۔ بدروحیں اسی عمارت کی سمت بڑھ رہی تھیں۔ شاید وہی عمارت ان کی منزل تھی۔ عمارت تک راستے میں کوئی فصل نہیں تھی۔ اسی لئے ہم محتاط ہوکر چلنے لگے۔ دس منٹ بعد وہ بدروحیں عمارت کے گرد موجود درختوں کی آڑ میں پہنچ کر نگاہوں سے اوجھل ہوگئیں تو میں نے اپنی رفتار بڑھادی۔ نازک بھی تیزی سے قدم اٹھانے لگا۔

اس خیال سے خوشی کے مارے میرا دل بلیوں اچھل رہا تھا کہ میں نے بدروحوں کا مسکن معلوم کرلیا تھا۔ وہ بلند عمارت ان درختوں کے دوسری جانب تھی۔ جن میں بدروحیں غائب ہوئی تھیں۔ جلد ہی ہم ان درختوں کے قریب پہنچ گئے۔ میں نے احتیاطاً اپنی رفتار کم کردی تاکہ آہٹ پیدا نہ ہو۔ میں نے نازک کو ریوالور ہاتھ میں لینے کی ہدایت کی اور اپنا ریوالور بھی نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ میرے دوسرے ہاتھ میں

انسان کی حقیقت؟

Genetic Engineering کی تحقیقات انسانی جسم کے ہر خلیے میں اتنی گنجائش ثابت کرچکی ہیں، جہاں ''دس کروڑ'' صفحات کے برابر معلومات تحریر کی جاسکیں۔ بغیر خوردبین کے نظر نہ آسکنے والا معمولی خلیہ اپنے اندر اتنی وسیع دنیا لئے ہوئے ہے۔ ''روزِ آخر اللہ رب العزت کے حکم پر انسانی جسم کا ہر ہر خلیہ اپنی ساری سرنوشت زبان حال سے سنائے گا اور انسان کا سب کیا دھرا اس کی آنکھوں کے سامنے بے نقاب کردے گا۔

(ایس حبیب خان۔کراچی)

ٹارچ تھی۔ ہم دبے پاؤں درختوں سے گزر کر دوسری طرف پہنچے تو ہمارے سامنے ایک قدیم عمارت تھی۔ میرے اندازے کے مطابق وہ انگریزوں کے دور کا کوئی ریسٹ ہاؤس یا فوجی چوکی تھی۔ درختوں سے عمارت کا فاصلہ دس بارہ قدم سے زیادہ نہ تھا۔ عمارت کے آس پاس کسی ذی روح کا نام ونشان نہ تھا۔ سامنے کی جانب عمارت کا چوبی دروازہ تھا جو بند نظر آرہا تھا۔

مجھے یقین تھا کہ وہی عمارت بدروحوں کا مسکن تھی۔ میں نے نازک کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور خود دبے پاؤں عمارت کے دروازے کی طرف بڑھا۔ قریب پہنچ کر میں نے دروازے پر ہاتھ سے دباؤ ڈالا تو چرچراہٹ کی تیز آواز بلند ہوئی اور دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اندر گہری تاریکی تھی۔ میں دروازے کے پہلو میں رک کر دروازہ کھلنے کے ردعمل کا انتظار کرنے لگا۔ چند لمحے گزر گئے لیکن کچھ نہ ہوا۔ تب میں نے اللہ کا نام لے کر دروازے کے اندر قدم رکھ دیا۔ لیکن ابھی میرا دوسرا پاؤں باہر ہی تھا کہ اچانک عمارت سے تیز اور پراسرار آوازیں بلند ہونے لگیں اور میرا دل دہل گیا۔

یوں لگتا تھا جیسے عمارت کے اندر بیسیوں بدروحیں مل کر بین کررہی ہوں۔ میں اپنی جگہ ساکن ہوکر رہ گیا۔ عمارت سے ابھرنے والی پراسرار اور خوفناک چیخ

www.pdfbooksfree.pk

و پکار تیز ہوتی جارہی تھی۔ پھر ایک دم ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے بہت سے افراد دوڑتے ہوئے باہر کی جانب آرہے ہوں۔ میں بوکھلا کر پیچھے ہٹا اور دروازے کے پہلو میں دیوار سے لگ گیا۔ دوڑتے قدموں کی آہٹیں جلدی گھوڑوں کی ٹاپوں میں بدل گئیں۔ مجھے یوں لگا جیسے سنگلاخ زمین پر گھوڑے دوڑتے چلے آرہے ہوں۔ ٹھیک اسی لمحے مجھے درختوں کی طرف سے کوئی چیز گرنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے جلدی سے ٹارچ روشن کرکے ادھر روشنی ڈالی تو نازک زمین پر گرا ہوا تھا۔ شاید وہ دہشت کے مارے بے ہوش ہوگیا تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ خود میرے حوصلے بھی پست ہوتے جارہے تھے۔

میں نے ٹارچ بجھادی۔ ایک منٹ بعد وہ پراسرار آوازیں بند ہوگئیں اور ماحول پر سناٹا طاری ہوگیا۔ میں نے خود کو سنبھالا اور سوچا کہ بدروحیں ہماری آمد سے آگاہ ہوچکی ہیں تو کہیں اندھیرے میں وہ مجھ پر وار نہ کردیں۔ چنانچہ میں نے دوبارہ ٹارچ روشن کی اور دروازے سے اندر روشنی ڈالی۔ سامنے ایک راہداری تھی جس میں خودرو گھاس اگی ہوئی تھی۔ راہداری کے دونوں جانب پانچ چھ کمروں کے آثار دکھائی دے رہے تھے جن کے دروازے غائب تھے۔ البتہ راہداری کے اختتام پر ایک دروازہ موجود تھا۔ وہ دروازہ بند اور کافی پرانے ڈیزائن کا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ پھر اندر قدم رکھا لیکن اس بار کچھ نہ ہوا۔ تب میں ہمت کرکے عمارت میں داخل ہوگیا۔ راہداری میں اگی ہوئی خودرو گھاس میرے گھٹنوں تک بلند تھی۔ میں ٹارچ روشن کئے احتیاط سے آگے بڑھنے لگا۔

جوں ہی میں ایک کمرے کے دروازے کے خلا کے سامنے پہنچا۔ کوئی سیاہ رنگ کی چیز اندر سے ایک دم نکل کر مجھ سے آٹکرائی اور میرے ہاتھ سے ٹارچ گرگئی۔ میرے حلق سے بے ساختہ چیخ نکلی اور میں لڑکھڑاتا ہوا بائیں جانب کی دیوار سے جاٹکرایا۔ ٹارچ گرتے ہی بجھ گئی تھی اور وہاں مکمل اندھیرا پھیل گیا تھا۔

اسی لمحے عمارت غیر انسانی قہقہوں سے گونجنے لگی۔

بدروحوں کے قہقہے سن کر میری ریڑھ کی ہڈی میں سردی کی تیز لہر دوڑ گئی۔ میں سانس روکے دیوار سے لگا کانپ رہا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میری ٹارچ کہاں گری ہے اور مجھ سے کتنے فاصلے پر ہے۔ چند لمحوں بعد قہقہے بند ہوئے تو میں فرش پر بیٹھ کر ٹارچ کی تلاش میں ادھر ادھر ہاتھ مارنے لگا۔ چند لمحے گزر گئے لیکن میرے ہاتھ ٹارچ تک نہ پہنچ سکے۔

''انسپکٹر کاشف......!'' اچانک تاریک سناٹے میں ایک پراسرار اور خوفناک آواز بلند ہوئی۔ ''کیا کل کا سبق کافی نہیں تھا جو تم یہاں موت کی دلدل میں پھنسنے آگئے ہو؟''

میں نے کوئی جواب دینے کے بجائے دم سادھ لیا۔ میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ میں آہنی طور پر خود کو چست رکھنے کی کوشش کررہا تھا۔ میرا ذہن بار بار مجھ سے کہہ رہا تھا کہ آج تم نے ہمت ہاردی تو یہاں سے زندہ واپس نہیں جاسکو گے۔ چند لمحے خاموشی میں گزر گئے۔ اس دوران میں نے اندازہ لگایا کہ مجھ سے ٹکرانے والی سیاہ چیز کوئی جانور تھا۔ شاید کوئی جنگلی بلی یا کتا تھا۔ میں اس سلسلے میں کوئی حتمی رائے قائم نہ کرسکا اور ایک مرتبہ پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ٹارچ کی تلاش میں ادھر ادھر ہاتھ چلانے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ میں گھٹنوں کے بل آگے بڑھ رہا تھا۔

چند فٹ کا فاصلہ طے کرکے میں راہداری کی دوسری دیوار سے جالگا کیونکہ میں اندھیرے میں یہ نہ دیکھ سکا تھا کہ میرا رخ کس سمت ہے۔ کوشش کے باوجود مجھے ٹارچ نہ ملی تو میں سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔

ابھی میں کوئی فیصلہ نہ کرپایا تھا کہ مجھے اپنے قریب ہی کسی کی تیز سانسیں سنائی دیں اور اس نے دم سادھ لیا۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی جاندار وجود چندفٹ کے فاصلے پر ہانپ رہا ہو۔ سانسوں کی سمت کا اندازہ کرکے میں نے اس طرف دیکھا تو دہشت کے مارے میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ وہ دو چمک دار اور

خوفناک آنکھیں تھیں۔ شیر کی آنکھوں جتنی بڑی، ان آنکھوں سے خونخواری ٹپک رہی تھی۔ تاریکی میں اس جاندار کا وجود مجھے نظر نہیں آرہا تھا۔ شاید وہ کوئی بدروح تھی۔ اتنی خوفناک آنکھیں میں زندگی میں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ خوف سے میرے پسینے بہنے لگے اور میں ان آنکھوں کی طرف دیکھتا ہوا بے حس وحرکت بیٹھا تھا۔ ریوالور میرے ہاتھ میں تھا جس کا رخ میں نے احتیاطاً ان خونخوار آنکھوں کی طرف کررکھا تھا۔ لیکن خوف کی شدت سے میرا ہاتھ لرز رہا تھا۔

اچانک سامنے کی جانب سے چرچراہٹ سی سنائی دی جیسے دروازہ کھولا گیا ہو۔ وہ آواز سنتے ہی خوفناک آنکھیں ایک دم غائب ہوگئیں۔ اس کے ساتھ ہی سانسوں کی آواز بھی بند ہوگئی۔ ایک دو لمحوں بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی سامنے سے آرہا ہو۔ گھاس کی سرسراہٹ سے معلوم ہوتا تھا جیسے آنے والا تیزی سے قدم اٹھا رہا ہو۔ میں دیوار سے چپک گیا۔ قدموں کی آہٹیں قریب آتی چلی گئیں۔ پھر وہ میرے قریب سے گزر کر بیرونی دروازے کی طرف چلی گئیں۔ لیکن مجھے چلنے والا نہ دکھائی دیا۔ دو تین منٹ بعد بیرونی دروازہ بند ہونے کی آواز ابھری اور پھر قدموں کی آہٹیں واپس آنے لگیں۔ میں نے اپنی سانسیں روک لیں تاکہ آنے والے کو میری موجودگی کا احساس نہ ہوسکے۔ وہ میرے قریب سے گزر گیا اور اس کی آہٹیں لحہ بہ لحہ معدوم ہوتی چلی گئیں۔ میں ایک مرتبہ پھر ٹارچ تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ ٹھیک اسی لمحے کسی نے مجھ پر چھلانگ لگائی اور میرے حلق سے تیز کراہ خارج ہوگئی۔

مجھے محسوس ہوا کہ وہ کوئی جانور تھا جس کے نوکیلے پنجے میری پشت سے ٹکرائے تھے میں منہ کے بل جاپڑا۔ لیکن میں نے فوراً ہی کروٹ بدل کر سیدھے ہوتے ہوئے تیزی سے ہوا میں لات رسید کردی۔ نتیجے میں اس جانور کی غراہٹ ابھری اور اس کے گرنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے تیزی سے اٹھتے ہوئے ریوالور کا رخ اس جانب کیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں فائر کرتا۔ عمارت سے ایک دم چیخنے چلانے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ میں نے ٹرائیگر سے انگلی ہٹالی۔ چند لمحوں بعد وہ آوازیں بند ہوگئیں۔ پھر ایک غیر انسانی آواز بلند ہوئی۔

''اس بے وقوف کو پکڑ کر یہاں لے آؤ۔ اس کی رگوں میں جوش مارتا ہوا گرم اور تازہ خون بہت لذیذ ہوگا۔''

یقیناً کسی کو میرے بارے میں ہدایت کی گئی تھی۔ میں نے رخ بدلا اور سامنے کی جانب دیکھنے لگا۔ تین چار سیکنڈ ہی گزرے تھے کہ اچانک کچھ فاصلے پر ایک زندہ انسانی ڈھانچہ نمودار ہوا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ متحرک ڈھانچا تھا اور اس کی ہڈیاں اندھیرے میں چمک رہی تھیں۔ خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اس ڈھانچے نے اپنے استخوانی بازو پھیلائے اور آگے بڑھنے لگا۔ اسے اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر دہشت کے مارے میرا خون خشک ہونے لگا۔ اسی لمحے اس ڈھانچے کے عقب میں ایک اور ڈھانچہ نمودار ہوا اور وہ بھی میری طرف بڑھنے لگا۔ میں نے گھبراہٹ میں ریوالور کا رخ ان خوفناک ڈھانچوں کی طرف کیا اور فائر کردیا۔ خوف سے میرا بدن کانپ رہا تھا۔ فائر کی آواز سے راہداری گونج اٹھی لیکن ڈھانچوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ شاید میرا نشانہ خطا ہوگیا تھا۔

''ہاہاہا...... ہاہاہا......'' دفعتاً راہداری میں کسی بدروح کا قہقہہ گونجا۔ ''انسپکٹر کاشف...... تمہارا ریوالور تمہیں نہیں بچاسکتا۔''

ڈھانچے لحہ بہ لحہ میرے قریب آتے جارہے تھے۔ ان کے پھیلے ہوئے بازو مجھے دبوچنا چاہتے تھے۔ میں نے مزید گولیاں ضائع کرنے کے بجائے بہتر سمجھا کہ وہاں سے نکلنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ میں یکدم اٹھا اور بیرونی دروازے کی طرف دوڑنے لگا۔ مگر اندھیرے میں بند دروازے سے ٹکرا کر میں رکا اور دروازہ کھولتے ہوئے میں نے پلٹ کر دیکھا تو

www.pdfbooksfree.pk

ڈھانچے مسلسل آگے ہی آگے بڑھتے چلے آرہے تھے۔ میں تیزی سے باہر نکلا اور درختوں کی طرف دوڑنے لگا۔ درختوں میں پہنچ کر میں ایک درخت کی آڑ میں رکا اور ہانپتے ہوئے عمارت کے دروازے کی طرف دیکھا۔ مگر اسی لمحے دروازہ بند ہوگیا۔ میں نے چند لمحوں میں اپنے سانس پر قابو پالیا۔ میں ڈھانچوں کی گرفت میں آنے سے بچ گیا تھا۔ لیکن میں وہاں سے ناکام واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔

میں نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔ تین بج چکے تھے۔ میں نے چند منٹ انتظار کیا۔ پھر دبے پاؤں آگے بڑھا اور نازک کے پاس پہنچ گیا جو زمین پر بے ہوش پڑا تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور درختوں کی دوسری طرف لاکر زمین پر لٹا دیا۔ پھر میں دوبارہ ادھر گیا اور وہ تھیلا اٹھالیا جس میں چائے کے تھرماس کے علاوہ میرا سرکاری موبائل فون بھی تھا۔ میں نے تھیلے سے فون نکالا اور تھیلا نازک کے پاس چھوڑ کر عمارت کی مخالف سمت چلنے لگا۔ وہاں سے تقریباً سو قدم دور آکر میں رک گیا۔ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ بدروحوں سے آج ہی نمٹوں گا تاکہ وہ آئندہ کسی کی لاش چوری نہ کرسکیں۔ میں نے موبائل پر اپنے تھانہ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی اور جلد ہی رابطہ قائم ہوگیا۔

''ہیلو...... شاہدرہ پولیس اسٹیشن......'' دوسری طرف سے حوالدار منشی ظفر کی آواز سنائی دی۔

''کاشف بات کررہا ہوں ظفر......'' میں نے بتایا!

''اوہ...... السلام علیکم سر......'' ظفر کا لہجہ مودبانہ ہوگیا جس میں حیرت کی آمیزش تھی۔

میں نے اسے چند ہدایات دیں اور آخر میں کہا۔ ''تم لوگوں کی ذرا سی کوتاہی سے کام بگڑ سکتا ہے اس لئے انتہائی محتاط رہنا۔''

''آپ بے فکر رہیں سر...... آپ کی ہدایت پر حرف بہ حرف عمل کیا جائے گا......'' ظفر نے کہا۔

میں نے موبائل آف کیا اور درختوں کی طرف چل دیا۔ وہاں نازک بدستور بے ہوش پڑا تھا۔ عمارت کی طرف سے کسی قسم کی کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ میں نے تھرماس سے چائے نکال کر پی اور درختوں میں سے گزر کر عمارت کی جانب آگیا۔

☆......☆......☆

خوفناک عمارت کا صدر دروازہ بدستور بند تھا۔ میں عمارت کے ساتھ ساتھ دائیں جانب بڑھنے لگا۔ میں عمارت کا جائزہ لینا چاہتا تھا کہ اس میں داخل ہونے کا کوئی اور راستہ بھی ہے یا نہیں۔ عمارت کے گرد گھوم کر میں عقبی جانب پہنچا تو ادھر بھی ایک چھوٹا سا دروازہ تھا مگر وہ بند تھا۔ میں دروازے کے پاس آیا اور اس سے کان لگا کر سن گن لینے کی کوشش کی لیکن اندر سے کوئی آواز نہ سنائی دی میں نے احتیاط سے دروازے پر ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا لیکن دروازہ نہ کھلا۔ یقیناً وہ اندر سے بند تھا۔ دروازے کے سامنے کی جانب درختوں کا ایک جھنڈ واقع تھا۔ میں ان درختوں کی طرف بڑھا اور جھنڈ سے گزر کر میں دوسری طرف پہنچا تو بے ساختہ اچھل پڑا۔ جھنڈ کے عقب میں ایک کار کھڑی تھی اور وہاں سے ایک کچا راستہ مغرب کی سمت جارہا تھا۔

بدروحوں کے مسکن کے پاس کار کی موجودگی سے میرے دماغ کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا اور میں سوچنے لگا کہ کار کا وہاں کیا کام؟ یہ تو زندہ اور مادی جسم رکھنے والے انسانوں کے استعمال کی چیز ہے جبکہ بدروحیں مادی جسم سے آزاد تھیں۔ میں دبے پاؤں کار کے پاس پہنچا۔ آخری راتوں کا چاند طلوع ہوچکا تھا۔ جس سے تاریکی کی شدت کم ہوگئی تھی۔ میں نے کار کا جائزہ لیا۔ وہ بانوے ماڈل کی ٹیوٹا کرولا تھی۔ اس کی کھڑکیاں اور دروازے مقفل تھے۔ میں نے کچھ سوچا اور حوالدار ظفر کو دوبارہ فون کرنے کے لئے وہاں سے کچھ دور پہنچ گیا۔ میں نے تھانے کے نمبر ملائے تو فوراً ہی رابطہ قائم ہوگیا۔ میں نے ظفر کی آواز سن کر اسے پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی کی اطلاع دی پھر فون بند کیا اور اس سمت چل دیا جدھر نازک بے ہوش پڑا تھا۔

میں واپس پہنچا تو مجھے ایک بار پھر حیرت کا جھٹکا

لگا۔ سب انسپکٹر نازک اپنی جگہ سے غائب تھا۔ تھرماس والا تھیلا بھی نظر نہ آرہا تھا حالانکہ دس منٹ پہلے تک وہ یہاں موجود تھا۔ مجھے خیال آیا کہ شاید میری غیر موجودگی میں نازک کو ہوش آیا ہوگا اور وہ تھیلا اٹھا کر سڑک کی جانب روانہ ہوگیا ہوگا۔ میں نے عمارت کی مخالف سمت نظریں دوڑائیں۔ لیکن حد نگاہ تک مجھے نازک یا اس کا ہیولا نہ دکھائی دیا۔ شاید وہ اتنی دیر میں جوار کے کھیتوں کی آڑ میں پہنچ چکا ہوگا۔ میں نے سوچا مگر میرا ذہن مطمئن نہ ہوسکا۔ مجھے یقین تھا کہ نازک مجھے وہاں تنہا چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔

میں نازک کے بارے میں اندازے قائم کرنے لگا۔ میں نے سوچا کہ ممکن ہے میری غیر موجودگی میں بدروحیں باہر آئی ہوں اور نازک کو اٹھا کر اندر لے گئی ہوں۔ لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ اگر بدروحوں نے اسے لے جانا ہوتا تو اس وقت لے جاتیں جب میں عمارت میں پھنسا ہوا تھا۔ مجھے دوسرا خیال آیا کہ شاید نازک ہوش میں آنے کے بعد میری تلاش میں عمارت کی طرف گیا ہو۔ چنانچہ میں درختوں سے گزر کر دبے پاؤں عمارت کے دروازے کی طرف آیا۔ لیکن دروازہ بند تھا اور نازک اس طرف بھی موجود نہ تھا۔ میں پریشان ہوکر واپس اس جگہ آگیا جہاں سے نازک غائب ہوا تھا۔ وہاں بیٹھ کر میں نازک کے بارے میں سوچتا ہوا وقت گزارنے لگا۔

چار بجے تو میں اٹھا اور باہر ہی باہر عمارت کے عقب کی جانب بڑھنے لگا جہاں میں نے ٹیوٹا کار دیکھی تھی۔ وہاں پہنچ کر میں ایک درخت کی آڑ میں رکا اور مغربی جانب دیکھنے لگا جدھر کچی سڑک جاتی تھی۔ چند منٹ بعد اسی راستے پر چند ہیولے دکھائی دینے لگے۔ جلد ہی وہ ہیولے قریب آگئے، مجھے انہی کا انتظار تھا۔ میری ہدایت کے مطابق حوالدار ظفر بارہ مسلح سپاہیوں کے ہمراہ وہاں آپہنچا تھا۔ میں درختوں کی آڑ سے نکل کر راستے پر کھڑا ہوگیا۔ چند لمحوں بعد وہ میرے قریب آ رکے۔ میری ہدایت کے مطابق انہوں نے موبائل گاڑی وہاں سے کافی دور چھوڑی تھی اور پیدل ہی یہاں تک آئے تھے۔ میں نے حوالدار ظفر سے ٹارچ لی اور اسے ہدایات دینے لگا۔

''تم چھ آدمیوں کے ساتھ مشرقی جانب عمارت کے صدر دروازے کے سامنے درختوں کی آڑ میں پوزیشنز لے لو۔ ادھر سے جو بھی آئے، اسے بھون ڈالنا، کوئی بچ کر نہ جانے پائے۔'' میں نے کہا۔

''سر...... مجرم کون ہیں......'' حوالدار ظفر نے پوچھا۔

''میں نے سوچا کہ اگر میں بدروحوں کا نام لوں تو وہ لوگ خوف کے سبب اپنے فرائض انجام نہ دے سکیں گے۔'' چنانچہ میں نے کہا۔

''وہ اسمگلرز ہیں۔ انہوں نے پولیس سے بچنے کے لئے سفید کفن جیسے لباس پہنے ہوئے ہیں۔ ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کوشش کرنا کی فائرنگ سے ان کی صرف ٹانگیں چھلنی ہوں تاکہ وہ زندہ ہاتھ آئیں۔''

حوالدار ظفر چھ سپاہیوں کے ساتھ عمارت کے سامنے کی طرف چلا گیا۔ تو میں نے ایک سپاہی کو کار کے پاس متعین کیا اور ہدایت کی اگر مجرم کار کے ذریعے فرار ہونا چاہیں تو فائر کرکے کار کے ٹائر برسٹ کردینا۔ پھر میں نے بقیہ پانچ سپاہیوں کو ہدایت کی کہ میرے اشارے کے بغیر گولی نہیں چلائیں گے اور کسی مجرم کو فرار بھی نہ ہونے دیں گے۔ اس کے بعد میں انہیں ساتھ لے کر عمارت کے مغربی دروازے کی طرف چل دیا۔

☆......☆......☆

ہم دبے پاؤں درختوں کے جھنڈ سے گزر کر عمارت کے دروازے کے سامنے پہنچے، میرے اشارے پر سپاہی رک گئے۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازے سے کان لگایا تو اندر سے قدموں کی آہٹیں سنائی دینے لگیں۔ وہ آہٹیں دروازے کی طرف آرہی تھیں۔ آہٹیں ایک ہی افراد کی معلوم ہوتی تھیں۔ میں دروازے کے پہلو میں دیوار سے لگ گیا اور سپاہیوں کو بھی سامنے سے ہٹا کر دیوار کے ساتھ کھڑا کردیا۔ آہٹیں قریب آتی چلی گئیں۔ پھر دروازہ کھلا اور ایک کفن پوش بدروح باہر آئی۔ میں نے پھرتی سے ایک ہاتھ اس کے منہ پر جماتے ہوئے

www.pdfbooksfree.pk

دوسرے ہاتھ میں موجود ریوالور کا دستہ پوری قوت سے اس کے سر پر رسید کردیا۔ بدروح کے حلق سے نکلنے والی چیخ منہ میں ہی گھٹ گئی اور وہ لڑکھڑا کر نیچے گرگئی۔ میں نے اسے گھسیٹ کر دیوار کے برابر ڈالا اور پھر سپاہیوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا دبے پاؤں عمارت میں داخل ہوگیا۔

اندر تاریکی تھی۔ میں نے حوالدار ظفر سے لی ہوئی ٹارچ روشن کرکے اس کی محدود روشنی میں وہاں کا جائزہ لیا۔ یہ ایک چھوٹی سی راہداری تھی جس میں آمنے سامنے چار کمرے تھے۔ لیکن ان کے دروازے نہیں تھے۔ فرش پر گھاس اگی ہوئی تھی۔ میرے سپاہی بھی اندر آگئے۔ میں نے آگے بڑھ کر ایک کمرے میں روشنی ڈالی۔ وہ خالی تھا اور اندر خودرو گھاس اگی ہوئی تھی۔ میں آگے بڑھا اور اگلے دو کمرے بھی دیکھ ڈالے۔ لیکن وہ بھی پہلے کمرے کی طرح ویران تھے۔ پھر میں چوتھے کمرے کی طرف بڑھا۔ قریب آکر میں نے اندر روشنی ڈالی اور چونک پڑا۔ وہ کمرہ بھی خالی ہی تھا۔ لیکن اس کے وسط میں فرش پر ایک خلا نظر آرہا تھا۔ خلا کے آس پاس خودرو گھاس اگی ہوئی تھی۔ اس خلا کے اندر روشنی محسوس ہورہی تھی۔ شاید نیچے کوئی تہہ خانہ تھا۔

میں نے سپاہیوں کو کمرے سے باہر ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور خود کمرے میں داخل ہوا ہی تھا کہ کسی سیاہ جانور نے بائیں جانب سے مجھ پر چھلانگ لگائی اور میرے ہاتھ سے ٹارچ چھوٹ کر نہ جانے کہاں جاگری۔ میں لڑکھڑایا اور اسی لمحے اس جانور نے دروازے سے باہر چھلانگ لگادی۔ باہر سے کسی سپاہی کی خوفزدہ سی چیخ بلند ہوئی۔ میں نے جلدی سے سنبھل کر فرش کے خلا کی طرف دیکھا تو اس میں اندھیرا ہوچکا تھا۔ جس کے سبب مجھے خلا نظر نہ آیا۔ دوسرے ہی لمحے عمارت بدروحوں کی بھیانک چیخ و پکار سے گونجنے لگی۔ میں نے تیزی سے دروازے کی طرف رخ کرتے ہوئے سپاہیوں سے کہا کہ وہ ٹارچیں روشن کرلیں۔ لیکن ان میں سے صرف ایک کے پاس ٹارچ تھی۔ اور وہ بھی پنسل ٹارچ تھی۔ اس نے ٹارچ روشن کی اور میں باہر آگیا۔ میں نے اس سے ٹارچ لی۔ وہ سب خوفزدہ نظر آرہے تھے۔ بدروحوں کی چیخ و پکار دل دہلا رہی تھی۔

"گھبراؤ مت......" میں نے آہستہ سے کہا۔ "دیوار کے ساتھ پوزیشن لے لو۔ جو بھی اس کمرے سے باہر آئے اسے بھون ڈالو۔"

پھر میں نے ٹارچ بجھادی اور انتظار کرنے لگا۔ پانچ منٹ بعد بدروحوں کی چیخ و پکار بند ہوگئی اور عمارت پر موت کی سی خاموشی چھاگئی۔ میں دیوار سے لگ کر کمرے میں جھانکنے لگا۔ چند لمحوں بعد اندر خلا میں دوبارہ روشنی ہوگئی۔

"معلوم کرو۔ اوپر کون ہے۔ جو بھی ہو بچ کر نہ جانے پائے۔ شاید وہ احمق انسپکٹر پھر آگیا ہے۔" ایک آواز سنائی دی۔

وہ آواز اسی خلا سے بلند ہوئی تھی۔ چند لمحوں بعد خلا سے ایک کفن پوش بدروح باہر آئی تو میں نے جلدی سے اپنا چہرہ پیچھے ہٹالیا۔ پھر جونہی اس بدروح کے قدموں کی چاپ دروازے کے قریب آئی، میں نے ایک دم ٹارچ کا رخ اس کی جانب کرکے ٹارچ روشن کی اور ریوالور کی نال اس کے سینے سے لگادی۔

"خبردار......" میں نے تحکمانہ لہجے میں سرگوشی کی۔ "ہاتھ بلند کرلو۔ ورنہ سینے میں سوراخ ہوجائے گا۔"

اس بدروح کے حلق سے خوفزدہ سی چیخ نکلی اور اس نے ایک ہاتھ بلند کرتے ہوئے دوسرا ہاتھ میری ٹارچ پر مارا۔ میرے ہاتھ سے ٹارچ گرگئی اور میں نے بے اختیار فائر کردیا۔ بدروح کے حلق سے بھیانک چیخ نکلی اور وہ تڑپتی ہوئی گرگئی۔ ایک مرتبہ پھر عمارت کے مختلف گوشوں سے پراسرار خوفناک چیخ و پکار کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ ہمارے پاس مزید ٹارچ نہیں تھی۔ گرنے والی ٹارچ گرتے ہی بجھ گئی تھی۔ اس لئے اسے تلاش کرنا دشوار تھا۔ میں اس کمرے میں داخل ہوا اور خلا میں جھانکنے لگا۔ خلا میں نیچے جانے کے لئے زینے تھے

اور زینوں کے اختتام پر دائیں بائیں راہداریاں تھیں۔ وہاں چند کفن پوش بدروحیں کھڑی تھیں۔ وہ بھی اوپر کی سمت دیکھ رہی تھیں۔ خلا سے آنے والی ہلکی ہلکی روشنی میں انہوں نے مجھے دیکھ لیا۔

"انسپکٹر کاشف...... مرنے کے لئے تیار ہوجاؤ۔ اب تم یہاں سے بچ کر نہیں جاسکتے۔" ان میں سے ایک بدروح نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"بکواس بند کرو......" میں ریوالور کا رخ ان کی طرف کرتے ہوئے غرایا۔ "پولیس نے چاروں طرف سے اس عمارت کو گھیرے میں لے لیا ہے......"

"ہاہاہا...... ہاہاہا......" مجھ سے مخاطب بدروح نے قہقہہ لگایا۔ "پولیس ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ ہم تو صرف روحیں ہیں جنہیں نہ پکڑا جاسکتا ہے اور نہ مارا جاسکتا ہے۔"

"بدروح کے بچے۔ میں تمہاری ڈرامے بازی سمجھ چکا ہوں۔ تمہارا ایک ساتھی ہماری گرفت میں بے ہوش پڑا ہے اور دوسرا ہلاک ہوچکا ہے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "زندگی چاہتے ہو تو تم سب ہاتھ بلند کرکے اوپر آجاؤ۔ ورنہ مارے جاؤ گے۔"

میری دھمکی سن کر اس بدروح نے کوئی جواب نہ دیا۔ اتنے میں چیخ و پکار کی آوازیں بند ہوگئیں۔ میں نے سپاہیوں کی طرف منہ کرکے کہا۔ "تم لوگ اندر آجاؤ۔ جو بھی فرار ہونے یا مقابلہ کرنے کی کوشش کرے اسے چھلنی کردو۔"

یہ کہہ کر میں نے تہہ خانے میں جھانکا تو بدروحیں غائب ہوچکی تھیں۔ ٹھیک اسی لمحے باہر سے فائرنگ کی آواز بلند ہونے لگی۔ شاید بدروحوں نے صدر دروازے کی طرف سے بھاگنے کی کوشش کی تھی اور میرے ماتحتوں نے ان پر فائرنگ کردی تھی۔

☆......☆......☆

میں نے سپاہیوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور خلا میں زینے پر اترنے لگا۔ نیچے کوئی نہ تھا۔ راہداری میں چار کمرے تھے جن کے دروازے سلامت تھے۔ راہداری کے اختتام پر زینے تھے جو اوپر جارہے تھے۔ ان زینوں کے اختتام پر ایک دروازہ کھلا ہوا تھا۔ راہداری کی بائیں دیوار کے ایک طاقچے میں پیٹرومیکس لیمپ جل رہا تھا۔ کمروں میں بھی روشنی تھی۔ میں اپنے ماتحتوں کے ساتھ ایک کمرے میں داخل ہوا تو حیرت سے میرا منہ کھل گیا۔ اندر لیمپ کی روشنی میں ایک آپریشن تھیٹر کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ کمرے میں ایک میز پر ایک نوجوان عورت کی لاش رکھی تھی۔ یقیناً وہ بانو کی لاش تھی جو میرے سامنے قبر سے نکال کر یہاں لائی گئی تھی۔ دیواروں کے ساتھ ساتھ مختلف میزوں پر شیشے کے بڑے بڑے مرتبان رکھے تھے جن میں مختلف انسانی اعضا نظر آرہے تھے۔

میں نے جلدی سے دوسرے کمرے بھی دیکھ ڈالے، ان میں سے دو بیڈروم تھے جبکہ چوتھا کمرہ کچن تھا۔ ایک بیڈروم میں سب انسپکٹر نازک بستر پر بے ہوش پڑا تھا اور اس کے ہاتھ پشت کی جانب بندھے ہوئے تھے۔ تلاشی کے دوران مجھے ایک ٹارچ بھی مل گئی۔ میں نے دو سپاہیوں کو وہاں چھوڑا اور تین سپاہیوں کے ساتھ راہداری کے اختتام پر واقع زینوں کی طرف چل دیا۔ زینے طے کرکے میں کھلے دروازے سے باہر آیا تو اس جانب وہ راہداری تھی جس کے سرے پر عمارت کا صدر دروازہ تھا اور دروازہ کھلا تھا۔

"ظفر......" میں نے باہر نکلنے سے پہلے حوالدار کو آواز دی۔ "فائرنگ مت کرنا۔"

پھر ہم باہر آگئے۔ باہر چار کفن پوشوں کی لاشیں پڑی تھیں جبکہ ایک کفن پوش میرے ماتحتوں کے گھیرے میں ہاتھ اٹھائے کھڑا تھا۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ وہی بدروح تھی جس نے تہہ خانے میں مجھ سے بات کی تھی۔

اگلی صبح دس بجے شاہدرہ تھانے میں میرے سامنے لاہور کے ممتاز اخبارات کے تین رپورٹرز بیٹھے تھے۔ میں انہیں بدروحوں کا قصہ سنا رہا تھا۔ جبکہ زندہ گرفتار ہونے والی بدروح کفن میں ملبوس میرے بائیں

www.pdfbooksfree.pk

جانب کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں سرکاری زیور تھے اور دو سپاہی اس کے پیچھے کھڑے تھے۔ اس بدروح نے کفن کے نیچے انگریزی سوٹ پہنا ہوا تھا۔

''اس بدروح کا نام ڈاکٹر مارٹن ہے اور یہ دیسی عیسائی ہے۔'' میں نے رپورٹرز کو بتایا۔ ''اس کا گھر بیگم کوٹ میں ہے۔ اس نے انسانی اعضاء کی اسمگلنگ کا منصوبہ بنایا اور اس ویران ریسٹ ہاؤس کے تہہ خانے میں آپریشن تھیٹر قائم کیا۔ پھر اس نے اپنے ہم مذہب کے چھ سات آدمیوں کو ساتھ ملایا اور اپنے منصوبے پر عمل شروع کردیا۔ اس کے لئے انہوں نے قبرستان سے تازہ دفن شدہ لاشیں چوری کرنا شروع کردیں۔ یہ رات کے وقت کفن پہن کر بدروحوں کی مانند قبرستان میں جاتے اور وہاں سے تازہ لاش نکال کر قبر کو بند کردیتے۔ ریسٹ ہاؤس کی عمارت میں انہوں نے اسپیکر نصب کر رکھے تھے جن کے ذریعے ٹیپ شدہ چیخ و پکار نشر کی جاتی تھی۔ گزشتہ دنوں انہوں نے وقت بچاتے کے لئے اصغر کی لاش نکالنے کے بعد قبر کھلی چھوڑ دی تھی جس سے لوگوں کو پتہ چل گیا کہ لاش چوری کرلی گئی ہے۔ معاملہ ہم تک پہنچا تو ہمارے لئے یہ کیس ایک چیلنج بن گیا۔''

میں نے صحافیوں کو اپنی تحقیقات سے آگاہ کیا اور مجرموں کے اڈے پر جو واقعات پیش آئے تھے، وہ بھی بیان کردیئے۔ ''آپ کو کس مرحلے پر احساس ہوا کہ بدروحیں اصل نہیں ہیں یا یہ کفن پوش زندہ انسان ہیں؟'' ایک رپورٹر نے سوال کیا۔

''اس بات کا احساس مجھے اس وقت ہوا جب میں نے قبر کھودنے والے کے ہاتھ میں کدال دیکھی۔'' میں نے وضاحت کی۔ ''ہم سب جانتے ہیں اور بزرگوں سے بھی سنتے آئے ہیں کہ روح کا کوئی مادی جسم نہیں ہوتا اور جسم سے نکلنے کے بعد وہ دنیاوی ضروریات اور مسائل سے بے نیاز ہوجاتی ہیں۔ اسے کسی کا خوف نہیں ہوتا۔ قبرستان میں پہلی رات بدروحوں نے مجھے مخاطب کیا اور مجھے قبرستان سے بھاگ جانے کا حکم دیا تھا۔ دوسرے روز میں نے اس بات پر غور کیا کہ وہ بدروحیں مجھ سے کیوں خوفزدہ تھیں۔ اگر انہیں میرا ڈر نہیں تھا تو میری پرواہ کئے بغیر اپنے کام میں مصروف ہوجاتیں۔ مجھے گمان ہوا کہ وہ اصل روحیں نہیں ہیں۔

پھر دوسری رات جب انہوں نے بانو کی لاش نکالی تو انہیں میری اور سب انسپکٹر نازک کی موجودگی کا احساس نہ ہوسکا حالانکہ روحیں دور تک اور ٹھوس اشیاء کے پار تک دیکھ سکتی ہیں۔ ہم نے ان کا تعاقب کیا تب بھی انہیں ہمارا پتہ نہ چلا جس سے میرے شبہ کو تقویت ملی۔ عمارت کے دروازے میں داخل ہوتے وقت اور پھر راہداری میں یکے بعد دیگرے جو مختلف پراسرار آوازیں سنائی دی تھیں، ان سے میں خوفزدہ تو ضرور ہوا تھا لیکن بعد میں غور کرنے پر مجھے احساس ہوا کہ آوازیں اس طرح بلند ہوتی یا بند ہوتی تھیں جیسے کسی ٹیپ ریکارڈ کا بٹن آن کرنے سے یکدم آواز آنا شروع ہوجاتی ہے اور بٹن آف کرنے سے فوراً بند ہوجاتی ہے۔

بس انہی محسوسات نے میرا شبہ یقین میں بدل دیا کہ بدروحیں اصلی نہیں ہیں اور میں نے آپریشن کے لئے تھانے سے فورس طلب کرلی۔ تلاشی کے دوران وہاں سے بانو کی لاش سلامت ملی۔ میری طرف متوجہ ہونے کے سبب انہیں لاش کو چیرنے پھاڑنے اور دل گردے کلیجہ وغیرہ نکالنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ اصغر اور امجد کی لاشوں سے نازک اعضاء نکالنے کے بعد انہیں عمارت کے اندر ہی دفنا دیا گیا تھا۔''

پھر میرے اشارے پر سپاہیوں نے ڈاکٹر مارٹن کے سر اور چہرے سے کفن ہٹایا اور اخباری فوٹو گرافرز اس کی تصویریں بنانے لگے۔ اگلے دن اخبارات کی ہیڈ لائن اس واقعہ کے متعلق تھی۔ اس آپریشن کا ہیرو مجھے یعنی انسپکٹر کاشف لکھا گیا تھا۔ ڈاکٹر مارٹن کو عدالت میں پیش کیا گیا اور عدالت نے اسے پھانسی کی سزا سنادی۔

قومِ جنات

حافظ محمد ہاشم ہوت۔میر پور خاص

دیکھتے ہی دیکھتے اچانک ہوا نے جھکڑ کی شکل اختیار کرلی اور پھر ہوا سمٹتے سمٹتے ایک جگہ ٹھہر گئی پھر ہوا میں ایک عجیب و غریب ہیولہ ظاہر ہونے لگا، جب وہ ہیولہ مکمل ہوا تو اسے دیکھ کر......

کیا یہ حقیقت ہے کہ قوم جنات کی عمریں ہزاروں سال ہوتی ہیں۔ثبوت کہانی میں موجود ہے

اس کا مطلب ہے کہ ''نعوذ باللہ'' تو قرآن پاک کا منکر ہے۔ کیونکہ قرآن پاک نے تو واضح طور سے یہ بتا دیا ہے کہ انسان کے علاوہ بھی اللہ نے ایک ایسی مخلوق پیدا کی ہے جس کا انسانوں کی طرح آخرت میں حساب کتاب ہوگا اور جیسے انسانوں میں قوم اور قبیلے اچھے برے ہیں۔ اس طرح اس مخلوق میں یعنی اس مخلوق میں بھی قوم اور قبیلے ہیں اور وہ مخلوق ہمارے آس پاس رہتی ہے۔ لیکن وہ ہمیں دکھتی نہیں۔ اور وہ مخلوق ہے۔ ''قوم جنات'' ......

ویسے تو اللہ نے بے شمار مخلوقات پیدا کی ہیں جس کا شمار اس ذات الٰہی کے علاوہ کسی کے علم میں نہیں ہے۔ رات کے دس بج رہے تھے رضوان، کاشف اور کاشف کا چھوٹا بھائی آصف یہ تینوں دوست آج گاؤں سے تھوڑا دور ایک پیپل کا درخت تھا۔ اس کے نیچے بیٹھے

www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ اور یہ لیکچر آج رضوان کاشف کو دے رہا تھا۔ جو اس بات کو مانتا ہی نہ تھا کہ اس ترقی یافتہ دور میں بھی یہ جن بھوت یا چڑیلیں وغیرہ ہیں۔ بلکہ کاشف تو جن بھوت کے وجود سے ہی منکر تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ جن بھوت قصے کہانیوں میں ٹھیک لگتے ہیں۔ ان چیزوں کا اس دور میں وجود ہے ہی نہیں۔

کاشف رضوان کی بات پوری ہونے کے بعد بولا۔ ''یہ بات نہیں کہ میں قرآن پاک کا منکر ہوں۔ لیکن یہ تو تو بھی سوچ کہ اس زمانے میں جبکہ انسان نے اتنی ترقی کی ہے کہ اب تو ماشاء اللہ سائنس دان چاند پر پہنچ رہے ہیں۔ اور اتنے ترقی یافتہ دور میں کون پاگل کا بچہ ایسی بات اپنے منہ سے نکالے گا کہ میں نے جن بھوت یا چڑیل کو دیکھا ہے۔ اور ہاں تجھے تو پتا بھی ہے کہ میں تقریباً روزانہ رات کو ویرانوں میں پھرتا رہتا ہوں۔ کیونکہ میرا کام ہی کچھ ایسا ہے کہ کبھی کھیتوں میں پانی لگانا، کبھی پہرا دینا۔ تو بھائی میں نے آج تک ایسی کوئی بات محسوس نہیں کی۔ اس سے یہ اندازہ لگاؤں کہ یہاں جنوں بھوتوں یا چڑیلوں) کا بسیرا ہے۔'' یہ بات کاشف کہہ رہا تھا۔ جس سے تقریباً دو گھنٹوں سے رضوان مغز ماری کرر ہا تھا۔

اور اس کا مطلب ہے کہ تو اس بات کو بالکل نہیں مانے گا کہ قوم جنات کا وجود آج بھی ہے۔ لیکن بھئی بات تو یہ ہے کہ میں اس قوم کو مانتا ہوں۔ کیونکہ ایک مشہور واقعہ جو میں نے......''

''ہاں ہاں پتا ہے! اب تو یہ کہے گا کہ یہ واقعہ مجھے میرے ماموں یا میرے دوست نے سنایا ہے۔ بھئی اگر سچ مانے تو تیری کوئی بھی جھوٹی کہانی نہیں سنوں گا، اور اگر یہ سنائے گا تو پھر بھی میں اعتبار نہیں کروں گا......'' کاشف نے رضوان کی بات کو بیچ میں کاٹ کر کہا۔

کاشف کا بھائی آصف جو ابھی تک ان دونوں کی گفتگو کے درمیان بت بنا بیٹھا تھا۔ ایکدم بول پڑا۔ اور کہنے لگا۔ ''یار! رضوان تو مجھے سنا اگر کوئی واقعہ تیرے ذہن میں ہو۔ اور رضوان تجھے پتا بھی ہے کہ بڑے بھائی کبھی بھی تیری بات کا اعتبار نہیں کریں گے۔ بلکہ یہ کہنا درست ہے کہ بھائی کاشف جب بھی اپنی ضد پر آ جاتا ہے تو پھر اس پر کسی کی بات کا اثر نہیں پڑتا۔ حالانکہ قرآن پاک میں تو اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ......میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اتنے بڑے ثبوت کے بعد جب کہ قرآن پاک میں اور بھی اللہ تعالیٰ کے کافی ارشاد اس کی گواہی دے رہے ہیں کہ اس زمین پر قوم جنات کا وجود ہے اور سورۃ جن میں دیکھو کیا بتایا گیا ہے۔ اگر اب بھی کوئی اور نہ مانے تو بھی سوائے اس کے ایمان پر شک کے اور کیا کر سکتے ہیں۔ اور اتنے بڑے ثبوتوں کے بعد بھی کوئی نہ مانے تو اس کا اللہ حافظ ہے۔''

''تو سنا میں سنوں گا۔ سچ مجھے بڑا مزہ آتا ہے۔ ایسے پراسرار قصے اور کہانیاں سن کر......''

کاشف نے کہا۔ ''بھئی میں تو چلا۔ تم جانو تمہارا کام جانے۔ مجھے نہیں سننی ایسی الٹی سیدھی باتیں۔ اور ہاں رضوان صاحب اگر ہو سکے تو آخر میں بھائی آصف کو ایک پری بھی دکھا دینا۔'' اتنا کہہ کر کاشف جیسے ہی اٹھنے لگا تو آصف نے کاشف سے کہا۔ ''کاشف بھائی اگر آپ کو یقین نہیں تو نا سہی کم از کم میری خاطر ہی بیٹھیں ساتھ چلیں گے۔ مجھے ڈر لگے گا۔ اکیلے جاتے ہوئے......'' اور پھر کاشف نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے چھوٹے بھائی آصف کی خواہش پر بیٹھ گیا۔ اور رضوان سے کہنے لگا رضوان ذرا جلدی لیلیٰ مجنوں کی داستان ختم کرنا کیونکہ ابھی مجھے کھیتوں میں بھی جانا ہے۔''

رضوان نے کہا۔ ''کاشف مجھے پتا ہے۔ بلکہ یقین ہے کہ تو میری باتوں پر اعتبار نہیں کرے گا۔ پھر بھی ایک بات میں بتاؤں کہ یہ مخلوق جو ہمارے آس پاس ہی موجود ہے وہ پہلے تو ہمارے سامنے نہیں آتی۔ ہاں اگر کوئی ان کو تنگ کرتا ہے، تو پھر یہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی اس کا ایسا حشر کرتی ہے کہ آدمی قیامت تک اس کا عذاب یاد کرتا ہے۔ اور یہاں تک کہ دیکھا اور سنا گیا ہے کہ جو بھی ان کو تنگ کرتا ہے یہ مخلوق اس کے خاندان

تک کو ختم کر دیتی ہے۔ یہ ایسی ضدی مخلوق ہے کہ کیا بتاؤں......لیکن ان میں کچھ اس قسم کے جن موجود ہیں جو امن پسند ہیں......''

''چھوڑ بھئی! مجھے معاف ہی کر! تو بھائی آصف کو سنا جو بھی جھوٹ تیرے پاس ہے۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ۔ اور ویسے بھی میں آصف کی ضد کی وجہ سے بیٹھ گیا ہوں۔ ورنہ میں تو کب کا جا چکا ہوتا۔'' کاشف نے رضوان کو ٹوکتے ہوئے کہا۔

''بھائی رضوان آپ بڑے بھائی کی باتوں کا برا مت مانو۔ آپ مجھے سنائیں میں سن رہا ہوں۔'' آصف نے اپنے بڑے بھائی کی بات پوری ہونے کے بعد کاشف کی طرف سے معذرت بھی کی اور ایک مرتبہ پھر رضوان سے فرمائش کر دی۔ لیکن رضوان بھی آج اپنی ضد منوانے کے موڈ میں تھا اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ تو کاشف کو جن دکھانے کے چکر میں تھا۔ اور اس لئے وہ کاشف کی کسی بھی بات کا برا نہیں مان رہا تھا۔ اور وہ کاشف کی بات کو نہایت سکون کے ساتھ سنتا اور پھر کوئی نہ کوئی دلیل اس کے سامنے رکھ دیتا، جس کو کاشف کا ذہن پتا نہیں کیوں تسلیم ہی نہیں کرر ہا تھا۔ وہ رضوان کی بات کو پوری ہونے سے پہلے ہی کاٹ دیتا۔ اور اپنی طرف سے تو اس کی یہی کوشش تھی کہ کسی طرح رضوان تنگ آ کر کوئی واقعہ نہ سنائے اور ان دونوں بھائیوں کو جانے دے۔

لیکن رضوان اس کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیتا۔ اور وہ اس میں پوری طرح کامیاب بھی تھا۔ کیونکہ رضوان کے ساتھ آصف بھی تو تھا۔ اور پھر رضوان نے ایک واقعہ سنانا شروع کر دیا۔ جو کچھ اس طرح تھا کہ ......''عثمان نامی ایک شخص جو ہمارے گاؤں کا ہی رہنے والا تھا۔ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ تیری ہی طرح کاشف صاحب رات کو کھیتوں میں پہرہ دیتا تھا اور کبھی پانی لگانا ہوتا تھا۔ وہ بے چارہ اکیلا آدمی تھا۔ اس کا ایک بھائی بھی تھا لیکن وہ بچپن کی عمر میں ہی انتقال کر گیا تھا۔ اس لئے عثمان بے چارہ اکیلا رات کو اپنے کھیتوں میں پہرہ دیتا تھا۔ کیونکہ اس کے کھیت گاؤں سے کافی دور تھے۔ اور ان کھیتوں کے قریب ہی ایک جنگل چھوٹا سا تھا۔ جس میں جانور وغیرہ تھے جو ظاہر ہے رات کو رزق کی تلاش میں نکلتے تھے۔ اور پھر عثمان کے کھیتوں کی حالت ابتر کر دیتے تھے اس لئے وہ بے چارہ ساری رات چاہے سردی ہو، برسات ہو یا کچھ بھی ہو لیکن وہ بندہ خدا کھیتوں میں پھر رہا ہوتا تھا۔

جس علاقے میں عثمان کے کھیت تھے وہ علاقہ صدیوں سے غیر آباد پڑا تھا۔ یعنی انسانوں کی آبادی سے کافی دور تھا۔ اور وہاں کچھ کھنڈرات بھی تھے۔ اور ایک پرانی مسجد کے آثار بھی تھے جو آباد نہ ہونے کی وجہ سے بالکل کھنڈر بن گئی تھی۔

اس مسجد کے بارے میں بلکہ اس پورے علاقے کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ علاقہ آسیب زدہ ہے اس لئے ہر وقت یہاں ویرانی کا راج تھا اور بالکل سنسان وغیرہ آباد علاقہ تھا۔ لوگ یہاں رات تو دور کی بات دن کو بھی کم ہی جاتے تھے۔ وجہ وہ آسیب حالانکہ اتنی ویرانی ہونے کے باوجود عثمان بے چارہ مجبوراً اس پراسرار اور ویران کھنڈروں کے پاس ساری رات پہرہ دیتا تھا۔ اور لوگ اس بات پر حیران بھی تھے کہ اتنے پراسرار اور خوفناک علاقے سے عثمان زندہ واپس کیسے آتا ہے۔ اور کچھ لوگوں نے از راہ ہمدردی عثمان کو کہا بھی کہ ان کھیتوں کو چھوڑ کوئی اور کاروبار کرلو، ورنہ خوفناک اور پراسرار کھنڈرات سے تمہاری لاش بھی نہیں ملے گی۔ اور کون جائے گا تمہاری لاش لینے ان جنوں سے۔

عثمان کہتا۔ ''آخر میں کون سا کاروبار کروں مجھے تو کسی اور کاروبار کا تجربہ ہی نہیں ہے۔ اور موت اگر میری ان کھنڈروں میں لکھی ہوئی ہے تو وہ ضرور آئے گی۔ ویسے بھی مجھے ان کھنڈروں کے بارے میں تحقیق کرنے کا کوئی شوق بھی تو نہیں میں تو اپنے کھیتوں میں ساری رات کام میں لگا رہتا ہوں۔ مجھے کیوں جن یا بھوت تنگ کریں گے۔''

اور ہاں کاشف صاحب! اب بھی وہ علاقہ ایسے

www.pdfbooksfree.pk

ہی غیر آباد پڑا ہے۔ کسی کو پتا نہیں وہاں کون آباد تھے اور کب سے وہ علاقہ غیر آباد ہوا کسی کو پتا نہیں! ہاں البتہ اتنا پتہ ضرور ہے کہ وہ جو کوئی بھی تھے لیکن تھے مسلمان کیونکہ اس علاقہ میں جو مسجد تھی اس سے تو یہی لگتا تھا کہ وہ لوگ تھے مسلمان۔ اور ہاں ایک چھوٹا سا قبرستان بھی ہے۔ جس میں مشکل سے آٹھ یا دس قبریں آج بھی موجود زیادہ پتا نہیں وہاں اور کتنی قبریں تھی ایک مرتبہ میں بھی اس قبرستان کے پاس سے گزرا تھا۔"

"چھوڑ یار تو سنا کیوں مجھے تنگ کرنے کے چکر میں ہے۔" کاشف۔ رضوان کی بات پوری ہونے کے بعد بولا۔ اور رضوان پھر شروع ہو گیا۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ عثمان وہاں پر پہرہ دیتا تھا۔ عثمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ جب بھی اکیلا ہوتا تو اس کی زبان پر قرآنی آیتوں اور سورتوں کا ورد ضرور ہوتا تھا۔ چاہے دن ہو یا رات لیکن اس کی یہ عادت پکی تھی اور اسی وجہ سے لوگ اس کی عزت بھی کرتے تھے۔ شاید اسی لئے وہ اپنے کھیتوں میں سے زندہ واپس آتا تھا۔

ایک رات حسب معمول وہ اپنے کھیت میں پانی لگا رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ کلام پاک کا بلند آواز میں ورد بھی اس کی زبان پر جاری تھا۔ کہ عثمان کو، اپنے قریب سے آوازیں آنے لگیں ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے قریب میں کچھ لوگ آپس میں باتیں کر رہے ہوں ان کی آوازیں سن کر عثمان کو تو پسینہ آ گیا کیونکہ آوازیں بالکل قریب سے آ رہی تھیں اور دیکھنے میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔

وہ بیچارا ایک تو اکیلا اور دوسری بات یہ کہ جس کھیت میں وہ پانی لگا رہا تھا اس کے بارے میں وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ یہ آسیب زدہ علاقہ ہے۔ اس لئے اس بے چارے کا ڈرنا جائز تھا۔ اور مزے کی بات یہ تھی کہ رات کا وقت اور وہ بھی اندھیری رات آبادی سے کافی دور کون اس وقت اس بے چارے کی مدد کرنے کو آتا۔ سوائے اللہ کے۔

سو وہ بے چارہ لگا ادھر ادھر دیکھنے۔ لیکن کچھ ہوتا تو دکھتا، وہ بے چارہ خاموش بت بنا کھڑا رہا اور متلاشی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اور پڑھنا بھی بند کر دیا تھا ڈر کی وجہ سے اسے کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اس مصیبت سے تو آج پہلی مرتبہ اس کا سامنا ہوا تھا، ابھی وہ ڈری ہوئی نظروں سے چاروں طرف گھور رہا تھا کہ خدانخواستہ اگر کچھ ہو تو نظر آ جائے۔ لیکن وہاں اندھیری رات، سنسان علاقہ اور جنگل کے علاوہ کچھ بھی دکھائی نہ دے رہا تھا۔

ابھی وہ خاموشی سے سوچ رہا تھا کہ کیا کرے اتنے میں آواز آئی جو بالکل سامنے کی طرف سے آئی، کوئی کہہ رہا تھا کہ "آپ کی آواز سن کر آئے ہیں بڑی پیاری آواز ہے آپ کی، بڑا ہی اچھا انداز ہے آپ کے پڑھنے کا۔"

آواز تو آ رہی تھی لیکن آواز والی ہستی کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ اور عثمان بے چارہ اپنے سامنے کسی کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن سوائے اندھیرے کے اس کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اچانک آواز ایک مرتبہ پھر سنائی دی آواز والی ہستی عثمان سے کہہ رہی تھی کہ "بھائی کیا دیکھنے کی کوشش کر رہے ہم آپ کو نظر نہیں آئیں گے کیونکہ ہمارا تعلق قوم جنات سے ہے۔"

اچھا تو تو اس وقت عثمان کے ساتھ تھا یا عثمان نے تجھے خواب میں یہ داستان سنائی ہے، تو تو ایسے بتا رہا ہے جیسے یہ سارا واقعہ تیرے سامنے ہوا ہو۔" کاشف جو ابھی تک رضوان کو تنگ کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ یہ بات کاشف نے رضوان کی بات پوری ہونے کے بعد کی۔

تو رضوان نے کہا۔ "نہیں میں ساتھ تو نہ تھا اور نا ہی عثمان نے خواب میں مجھے بتایا۔ بلکہ یہ بات تو سارے گاؤں والوں کے علم میں ہے کہ اس ویران علاقے میں عثمان کے ساتھ کیا واقعات پیش آئے تھے یہ باتیں جن لوگوں نے کی تھیں ان میں کچھ تو بے چارے مر گئے ہیں اور کچھ اپنی زندگی کی گاڑی کو دھکیل رہے ہیں۔"

کاشف کہنے لگا، "چل چھوڑ! تو تو جان ہی نہیں چھوڑ رہا، خیر اپنی داستان غم سنا۔"

یہ الفاظ کاشف نے ٹوکنے کے انداز میں کہے۔ اور رضوان پھر سوچوں میں گم ہو گیا تو کاشف کہنے لگا۔ "کیوں بھائی آگے جھوٹ نہیں بن رہا جو خاموش" ہو گیا۔

رضوان نے کہا۔ "نہیں یہ بات نہیں، میں تو سوچ رہا ہوں کہ بات کہاں چھوڑی تھی۔"

تو کاشف جھٹ سے بولا۔ "تو تم نے کہا کہ اس جن نے کہا کہ ہم قوم جنات سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"ہاں یاد آیا۔" تو جن نے مزید کہا کہ۔

"اللہ کے فضل و کرم سے ہم مسلمان جن ہیں۔ بالکل ایسے جیسے آپ اللہ کو ایک مانتے ہیں، ویسے ہی ہم بھی اللہ کو ایک مانتے ہیں اور ہاں! یہ الگ بات ہے کہ تم انسانوں کی طرح ہماری قوم میں بھی فتنے فساد والے کچھ قبیلے موجود ہیں جو شیطان کی اور آگ! سورج کی پوجا کرتے ہیں لیکن ہم الحمدللہ۔ اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اللہ کی ذات سے ڈرتے بھی ہیں اور یوم حساب پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہوں گے۔ اور نبی آخر الزماں ﷺ پر بھی ایمان رکھتے ہیں آپؐ پر درود بھی پڑھتے ہیں۔ یہ باتیں میں اس لئے بتا رہا ہوں کہ پھر سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کی آواز بہت ہی اچھی اور پیاری ہے اس لئے مجبور ہو کر ہم یہاں ٹھہر گئے۔ ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ڈرنا تو اس اللہ سے چاہیے جس نے انسانوں کو مٹی سے اور جنوں کو آگ سے پیدا کیا ہے پھر آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

جب اس جن نے یہ آخری الفاظ کہے تو عثمان کو کچھ سکون ملا۔ اور ڈرتے ڈرتے اس جن سے پوچھا کہ۔ "آپ کا نام کیا ہے؟"

تو اس جن نے جواب دیا۔ "میرا نام اسماعیل ہے اور اللہ کے فضل سے میں نے چار حج بھی کئے ہیں۔ ہم تقریباً دو سو سال سے اس علاقے میں رہ رہے ہیں۔ ہم جب سے اس علاقے میں آباد ہوئے ہیں یہ علاقہ اسی طرح ویران اور سنسان پڑا ہے۔ حالانکہ ہماری نظر میں یہ علاقہ آباد ہے لیکن انسانوں کی نظر میں یہ علاقہ خوفناک کھنڈرات میں شامل ہے۔ بہر حال ہم جب سے اس علاقے میں آئے یہ علاقہ ویرانی میں ڈوبا ہوا ہے۔

میرے قبیلے والوں کو یہ علاقہ بہت ہی مناسب لگا کیونکہ اس جگہ دو خاص چیزیں ایسی تھیں جن کی وجہ سے ہم یہاں رہنے پر مجبور ہو گئے۔ ان دونوں میں سے ایک تو یہ ویرانی تھی۔ یعنی انسانوں کی آبادی کافی دور چونکہ ہمیں ویرانوں میں رہنے کا حکم ہے۔ اسی لئے ہی یہاں پر آباد ہو گئے۔ اور دوسری خاص چیز ہماری توجہ کا مرکز بنی۔ وہ تھی یہ سامنے والی مسجد، یہ مسجد پتا نہیں کتنے سالوں سے غیر آباد اور ویران پڑی تھی۔ ہم نے سوچا کہ چلو خدا کا گھر ہے۔ اس کو بنانے والے ختم ہو چکے ہیں۔ یا کہیں اور جا چکے ہیں۔ تو کیوں نہ ہم خدا کے اس گھر کو آباد کریں۔ اور پھر ہم اس مقصد کے لئے یہاں آباد ہو گئے۔ اللہ ہمارے مقصد کو قبول فرمائے۔"

عثمان کی آمین کے ساتھ ان کی آوازیں بھی بلند ہوئیں، یعنی ان جنوں نے جو اسماعیل کے ساتھ تھے

آپ کے نام

مالک نوکر سے: "یہ خط کس بے وقوف نے لکھا ہے؟"

نوکر: "جناب آپ کے بیٹے نے۔"

مالک: "کس بے وقوف کے نام لکھا ہے؟"

نوکر: "جناب آپ کے نام پر۔"

(شمائلہ حماد۔ سرائے سدھو)

www.pdfbooksfree.pk

آمین کہا۔

عثمان نے کہا۔ ”آپ کتنے لوگ اس وقت آئے ہیں۔“

تو اسماعیل نے کہا کہ اس وقت میرے ساتھ میرے قبیلے کے پانچ جن اور موجود ہیں۔ ہم ساتھ والے قبیلے کے پاس سے آرہے ہیں۔ کچھ ضروری مذاکرات کرنے گئے تھے۔ کیونکہ یہ جن ہماری برادری کے جنوں کو تنگ کرتے ہیں۔ اور اس قبیلے کے ساتھ ایک بڑا جادوگر بھی ہے۔ اس لئے ایک سردار ہونے کے ناطے میرا یہ فرض بنتا ہے کہ اپنے قبیلے کی حفاظت کرنا، اور ہم واپس جارہے تھے کہ آپ کی آواز ہمارے کانوں میں پڑی اس لئے ہم رک گئے۔ ہم امن پسند جن ہیں۔ ہمیں جو بھی تنگ کرتا ہے تو پہلے اس کو درگزر کرتے ہیں۔ لیکن جب دیکھتے ہیں کہ تنگ کرنے والا اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا۔ تو میں اپنے قبیلے میں سے ایک دو جوان بھیجتا ہوں اور اس کے ساتھ خاص کر یہ تاکید بھی کرتا ہوں کہ کسی کو جانی و مالی نقصان نہ پہنچائیں۔ اور تھوڑا سا ڈرا دھمکا کر واپس آجائیں۔ تاکہ آئندہ وہ ایسی کوئی حرکت کرنے سے دور رہے۔ لیکن آج تک میرے قبیلے والوں کو آپ کے گاؤں یا آپ کے آس پاس گاؤں والوں سے کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ ہاں باقی جو قبیلے ہیں۔ ان میں شرانگیز جن موجود ہیں۔ اور سب سے بڑی بات کہ ان کے ساتھ شیطانی طاقت بھی ہوتی ہے۔ ان کا کام ہے کہ اس دنیا میں شیطان کی حکومت ہو۔ اور وہ اسی ارادے سے اس دنیا یعنی تم انسانوں کی دنیا میں آتے ہیں اور ان کا ارادہ ہوتا ہے کہ اصل دنیا میں ان کی حکومت ہو اور اسی غرور اور تکبر کی وجہ سے وہ اکثر انسانوں کی آبادیوں میں نکل جاتے ہیں اور ان کا ارادہ ہوتو یہ ہوتا ہے کہ کوئی انسان ان کو تنگ کرے اور وہ اس کو ایسا سبق سکھائیں کہ اس کی آنے والی نسلیں تک یاد کریں، اور پھر وہ انسانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے رہتے ہیں۔ اور پریشان کرتے رہتے ہیں۔ جس میں کبھی تو بے چارے انسان کام میں آجاتے ہیں۔ اور کبھی یہ شیطان پھنس جاتے ہیں۔ اور وہ بھی انسانوں کی طرح جیسے انسان بے چارے ان شیطانوں سے تنگ آکر ان سے معافی مانگتے ہیں۔ ویسے ہی وہ جن بھی اس عامل سے جس کے یہ قبضے میں ہوتے ہیں۔ اس سے زندگی کی بھیک مانگتے ہیں۔

اور کوئی عامل اس سے قول واقرار کرا کے ان کو آزاد کردیتا ہے۔ لیکن اکثر ضدی جن جو غرور کی وجہ سے اس عامل سے معافی نہیں مانگتے وہ تڑپ تڑپ کر اور سسک سسک کر دم دوڑ دیتے ہیں۔

اور سچی بات یہ ہے کہ مجھے جب یہ علم ہوتا ہے کہ فلاں قبیلے کا جن انسانوں کو تنگ کرتے کرتے اپنے انجام کو پہنچ گیا ہے۔ تو مجھے ایک قسم کا سکون محسوس ہوتا ہے لیکن خوشی کے ساتھ ساتھ یہ خوف بھی رہتا ہے کہ جس عامل نے اس شیطان کو اپنے انجام تک پہنچایا ہے۔ اس شیطان کے دوست یا رشتے داروں میں سے کوئی بھی اس عامل کو یا اس کے خاندان والوں میں سے کسی سے بدلہ لینے کی کوشش کرتے ہیں اس میں کچھ کامیاب بھی ہوجاتے ہیں لیکن بعض کا انجام بہت ہی برا ہوتا ہے۔“

”ارے! پتا نہیں میں کیا کیا باتیں لے کر بیٹھ گیا۔ اسماعیل نے بات پوری کرنے کے بعد یہ جملہ کہا اور عثمان سے کہا۔ ”آپ اپنا نام تو بتائیں۔“

تو عثمان نے کہا۔ ”میرا نام محمد عثمان ہے۔ ادھر میرے کھیت ہیں۔ میں روزانہ رات کو اپنے کھیتوں میں پہرہ دیتا ہوں۔ اور کبھی پانی لگاتا ہوں۔ اور میری یہ عادت ہے کہ جب بھی میں اکیلا ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت کرتا ہوں۔ میں نے قرآن پاک حفظ کیا ہوا ہے...... اور اللہ کے کلام کی برکت سے میرے کھیتوں میں برکت بھی ہوجاتی ہے۔ کیونکہ میرے کھیت اس خوفناک جنگل میں ہیں۔ لیکن فصلیں تمام اچھی اگتی ہیں۔ یہ سب میرے مالک کے کلام کی وجہ سے ہے۔ میرا اس میں کوئی کمال نہیں ہے، میرا کام

ہے اچھا بیج اور اچھی کھاد زمین میں ڈالنا، باقی کام تو میرے پروردگار کا ہے...... اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ خالق کائنات نے کبھی بھی مجھے مایوس نہیں کیا۔ الحمدللہ ہر سال میری فصل اس سارے علاقے یعنی میرے گاؤں والوں کی فصل سے اچھی ہوتی ہے۔ آج بھی میں اپنی فصل کو پانی لگا رہا تھا کہ آپ کی آواز سن کر میں خاموش ہوگیا۔

اسماعیل جن نے عثمان کی بات سن کر بولا۔ ”عثمان صاحب اگر ناراض نہ ہوں تو ایک عرض کروں۔“

عثمان بے چارہ جو کافی دیر سے ان جنوں کے رحم وکرم پر تھا وہ بے چارہ کیا جواب دیتا۔ وہ کہنے لگا۔ ”اسماعیل صاحب میں بھلا آپ کی بات سے کیوں ناراض ہوں گا۔“

تو اسماعیل جن نے کہا۔ ”آپ کے کھیت میں میرے قبیلے کے کچھ جوان پہرا دیں گے اور آپ ہمارے بچوں کو قرآن پاک پڑھانا۔ جو بھی ہم سے ہوا ہم آپ کی مدد کریں گے۔ باقی حقیقی معاوضہ تو اللہ ہی دے گا۔“

عثمان نے کہا۔ ”ٹھیک ہے، میں آپ کو آپ کے بچوں کو قرآن پاک پڑھاؤں گا اور وہ بھی خالص اللہ کی رضا کی خاطر پڑھاؤں گا۔ اور اس کا معاوضہ میں طلب نہیں کروں گا۔ باقی میری شرط ہے۔ اگر آپ میری شرط پر پوری طرح اترتے ہیں تو میں انشاء اللہ تعالیٰ بچوں کو قرآن پڑھاؤں گا۔“

اسماعیل نے کہا۔ ”ویسے تو اسلام نے شرط پر پابندی لگادی ہے لیکن آپ بتائیں آپ کی کیا شرط ہے؟“

عثمان نے کہا۔ ”میری شرط یہ ہے کہ آپ یا آپ کے قبیلے والوں میں سے کوئی بھی میرے سامنے ڈراؤنی شکل میں نہ آئے۔“

اسماعیل نے جواب دیا۔ ”ٹھیک ہے یہ شکایت نہیں ہوگی ہمیں آپ کی یہ شرط منظور ہے۔ اور اس دن کے بعد عثمان روزانہ رات کو کھنڈروں میں جنوں کے بچوں کو قرآن شریف پڑھانے جاتا تھا۔ اور یہ بات تو تقریباً ہر کسی کے علم میں ہے اور اسماعیل کے قبیلے کے جن عثمان کے کھیتوں میں پہرہ دیتے تھے اور جن لوگوں نے یہ پہرہ دیکھا ان میں سرفہرست وہ بوڑھا شاکر جو کاشف صاحب تمہارے دادا کا دوست ہے۔“

وہ کہتا ہے کہ ”ایک مرتبہ جب میری عمر مشکل سے سولہ یا سترہ برس کی تھی میں دن کے وقت تقریباً سوا بارہ کا ٹائم تھا۔ عثمان کے کھیتوں میں سے گزرا تو میں نے کچھ گھڑسواروں کو دیکھا جو پورے کھیت کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لئے ہوئے کبھی ادھر تو کبھی ادھر پورے کھیت میں چکر لگا رہے تھے۔

دور ہونے کی وجہ سے ان کے چہروں کو پہچان نہ سکا۔ میں سمجھا کہ کوئی چور یا ڈاکو ہیں جو ان کھنڈروں میں چھپے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ دن کے وقت کھنڈر سے باہر کیا کررہے ہیں۔ میں چھپتا چھپاتا اس جنگل سے نکلا اور انہی سوچوں میں گھرا ہوا تھا کہ یہ کون ہیں؟ اور پھر میں نے سوچا کہ یہ تو چچا عثمان کے کھیت کے پاس ہی چکر لگا رہے تھے۔ مجھے چچا عثمان کو ابھی سے بتادینا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ چچا عثمان رات کو کھیتوں میں جا پہنچے اور یہ ڈاکو ان کو مار ڈالیں۔“ اور پھر میرا رخ چچا عثمان کے گھر کی طرف تھا۔ میں دوڑتا ہوا چچا عثمان کے گھر پہنچ گیا۔ دیکھا تو چچا سو رہے تھے۔ میں نے آواز دی۔ ”چچا عثمان...... چچا عثمان......“ جلدی جلدی ان کو اٹھانے لگا۔ میں بھاگتا ہوا آیا تھا اس لئے میری سانسیں پھولی ہوئی تھیں۔ چچا عثمان ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور پوچھا۔ ”شاکر بیٹا! خیر تو ہے۔ تو پریشان کیوں ہے؟“

اور پھر میں نے چچا عثمان کو سارا واقعہ سنا دیا اور آخر میں کہا۔ ”چچا مہربانی کرکے آج آپ کھیتوں پر نہ جانا کہیں وہ ڈاکو آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ کیونکہ وہ سارے گھوڑوں پر سوار تھے اور وہ آپ کے کھیتوں کے چاروں طرف دن دہاڑے بے خوف وخطر چکر لگا

www.pdfbooksfree.pk

رہے ہیں۔"

تو چچا عثمان منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگے۔ جس کا مطلب میں نے یہ نکالا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ ...... "اچھا تو اب یہ دن کو بھی پہرہ دینے لگے ہیں۔" اور پھر جیسے میری موجودگی کا احساس ہوگیا اور چچا عثمان یکدم خاموش ہوگئے۔

میں نے پوچھا۔ "چچا کون سا پہرا؟"

تو چچا جو پتا نہیں کس سوچ میں گم تھے۔ چونک کر میری طرف دیکھا اور کہا۔ "میں نے تم سے کچھ کہا ہے کیا؟"

میں نے کہا۔ "ہاں آپ نے کہا کہ اچھا اب یہ دن کو بھی پہرا دینے لگے ہیں۔ چچا یہ کون سا پہرا ہے۔ جس نے آپ کو اتنا پریشان کردیا ہے۔"

پہلے تو چچا عثمان ٹال مٹول سے کام لینے لگے۔ لیکن شاکر کہتا ہے کہ "میرے بار بار اصرار پر چچا عثمان نے ساری بات بتا دی۔ اور آخر میں کہا۔ "شاکر بیٹا آئندہ تم بھول کر بھی وہاں نہ جانا۔"

تو شاکر نے کہا۔ "چچا تو میں ساتھ والا گاؤں جو جنگل کی پرلی طرف ہے اس گاؤں کام سے گیا تھا اس لئے واپسی پر یہ واقعہ میرے ساتھ پیش آیا۔ لیکن اب تو میری باپ کی بھی توبہ جو آئندہ میں آپ کے کھیتوں میں گیا۔ اور شاکر اٹھ کر اپنے گھر چلا آیا۔

لیکن بقول شاکر کے پھر کبھی وہ عثمان کے کھیتوں میں نہ گیا، اور ایک دو اور آدمی بھی ہیں جن کے ساتھ ایسے عجیب وغریب واقعات پیش آئے، جن میں کچھ تو بے چارے مر گئے اور ایک دو زندہ ہیں۔

کاشف صاحب اگر میری بات کسی بات کا بھی تمہیں اعتبار نہ ہو تو کسی سے بھی پوچھ لینا۔ اور شاکر کی مثال جو میں نے تمہیں سنائی ہے وہ تو تیرے سامنے ہے۔"

کاشف نے کہا۔ "کوئی ضرورت نہیں مجھے کسی سے پوچھنے کی اور ہاں جیسا کہ تو کہہ رہا تھا کہ ہمارے آس پاس یہ قوم رہتی ہے تو میں اس قوم سے درخواست کرتا ہوں کہ کوئی جن یا بھوت یا چڑیل آئے اور وہ مجھے اپنی شکل دکھائے تا کہ مجھے بھی یقین ہو جائے کہ اس دنیا میں اس مخلوق کا وجود ہے۔"

"ضرور! ضرور! اے نوجوان تیری خواہش پوری ہوگی، اور میں حاضر خدمت ہوں، میں تیری کیا خدمت کروں؟" اس آواز نے تینوں کے ہوش اڑا دیئے۔ اور اس آواز کی وجہ سے تینوں خاموش ہوگئے۔ اور لگے ایک دوسرے کا منہ تکنے......

"کاشف اگر ہم اپنی ضد پر آجائیں تو ضرور شکل دکھاتے ہیں۔ اور اب تو تمہاری فرمائش کو مدنظر رکھتے ہوئے میں تمہارے سامنے حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہوں، اور ہاں اگر تم اجازت نہ بھی دو تب بھی میں حاضر ہونے کی بڑی غلطی کروں گا۔ تا کہ تمہیں یقین آجائے۔" اس آواز نے پھر ایک بار ان تینوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اور اس کا خاص نشانہ کاشف ہی تھا۔ آواز ایک بار پھر آنے لگی۔

کاشف میں یہاں سے گزر رہا تھا کہ میں نے اپنا نام سنا اور پھر اپنا نام سن کر میں ٹھہر گیا اور تمہیں پتا چلے کہ تمہارے علاوہ بھی اس دنیا میں بہت کچھ ہے۔"

اور ان تینوں کے سامنے ایک ہیولا ظاہر ہونے لگا۔ اس ہیولے نے خوفناک شکل اختیار کرلی اور پھر ان تینوں کے سامنے ایک خوفناک شکل والا جن کھڑا تھا۔ جس کا ٹارگٹ خاص کر کاشف ہی تھا، اور وہ جن کاشف کو کہہ رہا تھا۔

"کاشف یہ حقیقت ہے، اس دنیا میں قوم جنات موجود ہے۔ جس کا جیتا جاگتا ثبوت اس وقت تمہارے سامنے موجود ہے۔ اور ہاں ایک بات اور کہ اسماعیل میرا ہی نام ہے۔"

لیکن کاشف تو اس کی شکل دیکھ کر بے ہوش ہوگیا۔ اور آصف رضوان کے ساتھ چپکا بیٹھا تھا اور رضوان مسکرا رہا تھا۔ کیونکہ کاشف کو ثبوت مل چکا تھا۔

ڈیتھ ہاؤس

احسان سحر۔ راولپنڈی

اچانک کئی ڈھانچے نمودار ہوگئے اور نوجوان سے مخاطب ہوئے جلد ہی تم بھی ہم سے آن ملو گے ہم تمہیں اپنی دنیا میں خوش آمدید کہیں گے، غم نہ کرو ایسے غم سے کیا فائدہ جس سے تمہاری جان آزاد نہ ہوسکے اور پھر تمہیں......

خوف ودہشت کے شکنجے میں جکڑنے والی ایک ماورائی مخلوق کی لرزہ خیز داستان حیرت

یہ ان ایام کا قصہ ہے جب میں جوان تھا اور مرچنٹ نیوی میں سیلر تھا اور "سی کنگ" نامی ایک مال بردار جہاز پر کام کرتا تھا جو ایک برطانوی نژاد فلپائنی مسٹر الیف نیگروس کی ملکیت تھا۔ یہ ایک پرانا اور سال خوردہ جہاز تھا جسے اب کباڑیئے کے ہاتھ بیچ دینے کی ضرورت تھی، مگر ماسٹر الیف نیگروس اسے اس وقت تک سمندر کے سینے پر بوجھ بنائے رکھنا چاہتا تھا جب تک سمندر خود تنگ آکر اسے غرقاب نہ کردے، سارا عملہ جہاز کی خستہ حالی اور اس کے آلات کی خرابی پر نالاں رہتا تھا۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ ان حالات میں ہمارا بحری سفر کسی معرکے سے کم کیا ہوتا ہوگا۔ ایک بار پھر ہم فلپائن سے مال لے کر فجی جا رہے تھے۔ ہم نے وہاں پہنچنے کے لئے ایک ایسے سمندری راستے کا انتخاب کیا جو عام طور پر ملاحوں میں خاصا غیر مقبول ہے۔ زیادہ تر جہاں فلپائن

www.pdfbooksfree.pk

سے فجی جانے کے لئے پہلے مشرقی تیمور کا رخ کرتے ہیں وہاں سے بحیرہ کورال سے گزرتے ہوئے فجی کی طرف سفر کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ہم نے فلپائن سے نیوگنی کا رخ کیا تھا اور بحرالکاہل سے گزرتے ہوئے جزائر سلیمان اور وہاں سے فجی کا قصد کیا تھا۔ یہ راستہ نسبتاً مختصر تھا اور اسے منتخب کرنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ ہمارا جہاز لمبا سفر کرنے کا متحمل نہ ہوسکتا تھا۔

مگر تقدیر کے آگے تدبیر کیا معنی رکھتی ہے؟ ہم نے اپنے تئیں سہل اور محفوظ راستہ چنا تھا مگر وہی ہمارے لئے نہایت پرخطر اور ہلاکت خیز ثابت ہوا، ہوا یوں کہ ہمارے سفر کے دوسرے روز شام کے وقت جب ہم جزائر سلیمان کے قریب پہنچنے والے تھے، یکایک پرسکون سمندر کے تیور بدلنے لگے۔ مشرق کی طرف تیز ہواؤں کے جکڑ چلنے لگے۔ جن کے اثر سے سمندر کے تلاطم میں خوفناک اضافہ ہوگیا، اور ہمارا جہاز چنگھاڑتی ہوئی موجوں کے تھپیڑوں سے کسی کھلونے کی طرح ڈولنے لگا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے نہ جانے کہاں سے سیاہ مہیب بادلوں کے لشکر اٹھے اور آناً فاناً پورے آسمان کو ڈھک دیا۔ بادل سطح سمندر پر اس طرح جھک آئے کہ عملاً ہر طرف اندھیرا چھا گیا اور افق ہمیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اگلے ہی لمحے بادلوں کی گرج اور بجلی کی ہیبت ناک کڑک کے ساتھ موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ یہ میری بحری زندگی کا سب سے خوفناک طوفان تھا۔ عملے کے باقی افراد بھی کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بار بار توبہ کرتے اور اعتراف کرتے تھے کہ انہوں نے ایسا طوفان اپنی زندگی میں اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ طوفان کی شدت کا اندازہ اس امر سے لگایئے کہ چار چار پانچ پانچ منزلہ بلڈنگ کی بلندی کے برابر چنگھاڑتی ہوئی موجیں جہاز کی طرف بڑھ رہی تھیں اور جہاز ان کے تھپیڑوں سے پھرکی کی طرح گھومنے لگا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ جہاز اب ڈوبا کہ تب ڈوبا۔ جہاز کے آلات جو کہ پہلے سے ہی خستہ حالت میں تھے اس طوفان میں جواب دے گئے۔ ہمیں سمت کا بھی تعین نہ رہا اور ہم سب اپنے اپنے انداز میں خدا سے گڑگڑا کر معافی مانگنے لگے۔ کیونکہ جہاز کو مشینوں سے کنٹرول کرنے کی ہر کوشش ناکام ہوچکی تھی۔ پھر ایک بہت بڑا سمندری ریلہ آیا جس نے ہمارے جہاز کو عقبی سمت سے توڑ ڈالا اور پھر الٹا دیا۔ ہم سب اچھل کر دیواروں سے ٹکرائے۔ ہر طرف چیخ و پکار اور شور مچ گیا۔

جہاز الٹنے سے میز، کرسیاں، اوزار اور آلات اور اسی نوع کی دوسری چیزیں ہمارے اوپر گرنے لگیں۔ تھوڑی ہی دیر میں سمندر کا پانی کیبنوں میں داخل ہونے لگا۔ ہم گشتم پشتم ایک دوسرے کو مدد کے لئے پکارتے کیبنوں سے باہر نکلے۔ لائف بوٹ جہاز کے دونوں طرف بندھی ہوئی تھیں۔ ایک طرف کی کشتیاں تو اب سمندر کے اندر اور جہاز کے نیچے چلی گئی تھیں۔ جبکہ دوسری طرف کی کشتیاں اوپر کی طرف تھیں جہاں پہنچنا اس طوفانی بارش میں ناممکن تو نہیں مشکل ضرور تھا۔

جہاز آہستہ آہستہ ڈوب رہا تھا۔ عملے کے کئی افراد لاپتہ ہوگئے تھے۔ جو بچ گئے تھے وہ جیسے تیسے کشتیوں تک پہنچے اور بپھرے ہوئے سمندر کے سینے میں اتر گئے۔ لیکن جو سمندر اتنے بڑے جہاز کو خاطر میں نہ لا رہا تھا اس کے سامنے ان کشتیوں کی کیا حیثیت تھی۔ بہت سی کشتیاں سمندری لہروں کا ایک تھپیڑا نہ سہہ سکیں اور غرق ہوگئیں۔

میں جس کشتی میں سوار ہوا اس میں ہم کل چار آدمی تھے، میں، گوا کا رہنے والا ایک ادھیڑ عمر ہندو ملاح تلسی داس، ایک فلپائنی ملاح کوہان جت اور جہاز کا فرسٹ میٹ مسٹر سومارنو جو انڈونیشیا کا رہنے والا ایک مسلمان آدمی تھا، ہم سب خاصے تجربہ کار لوگ تھے۔ علاوہ ازیں ہم اس جذبے سے بھی سرشار تھے کہ اس قدرتی آفت کے سامنے آسانی سے ہتھیار نہیں ڈالیں گے بلکہ حتیٰ الامکان کوشش کریں گے کہ اپنی مکان جان بچا کر کسی جزیرے تک پہنچ جائیں۔ بحرالکاہل میں اس جگہ لاتعداد جزائر تھے۔ قسمت یاوری کرتی تو کسی ایک

www.pdfbooksfree.pk

جزیرے تک پہنچا جاسکتا تھا۔ المختصر ہم نے سیٹ بیلٹ باندھ لئے اور ربڑ کی ایک لائف بوٹ میں انجانی منزلوں کا رخ کیا۔

طوفان کی شدت پہلے سے سوا تھی۔ اوپر سے سورج بھی غروب ہوگیا تھا۔ جس کی وجہ سے ہمارے لئے چند گز دور دیکھنا بھی محال ہوگیا۔ لہریں ہماری کشتی کو کسی تنکے کی طرح اپنے جلو میں اوپر نیچے اور دائیں بائیں لے جانے لگی۔ ہم موجوں کے تھپیڑے کھاتے بارش اور سمندر کے پانی میں شرابور آنکھیں میچ کر اور ہونٹ بھینچ کر لہروں کے رحموں وکرم پر محو سفر رہے۔

ہم سب کے دل اپنے اپنے خدا کے سامنے گڑگڑانے لگے۔ کوہان جت بدھا کو یاد کررہا تھا۔ تلسی داس کے ہاتھوں میں ایک چھوٹی سی مورتی تھی جن کے سامنے وہ نہ جانے کیا کیا بڑبڑا رہا تھا۔ رہے ہم دونوں یعنی میں اور فرسٹ میٹ سومارنو، تو مسلمان ہونے کے ناطے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے دعا کررہے تھے کہ وہ ہمیں اپنے حبیبؐ کے صدقے موت کے منہ سے نکال دے۔

ساری رات ہم مہیب سمندر سے لڑتے رہے۔ حتیٰ کہ سپیدہ سحر نمودار ہونے لگا اور اس کے ساتھ ہی طوفان کا زور ٹوٹنے لگا۔ بادل نئی منزلوں کا رخ کررہے تھے اور ہوائیں بھی اب ہم سے آب گریز پا تھیں۔

آہستہ آہستہ موجوں کا شور بھی ٹھنڈا پڑ گیا اور سورج طلوع ہونے تک سمندر یوں پرسکون ہوگیا جیسے اس نے کبھی طوفان کا چہرہ بھی نہ دیکھا تھا۔ ہم خدا کا شکر بجا لارہے تھے جس نے ہمیں ہلاکت سے بچالیا تھا۔ اگرچہ ہم کسی جزیرے پر نہیں پہنچے تھے مگر طوفان ختم ہونے سے یہ امید پیدا ہوگئی تھی کہ جلد یا دیر پھر کسی جزیرے پر پہنچ جائیں گے۔ ہماری کشتی کو معجزانہ طور پر کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا اور ہم اس پر اب بھی کئی روز سفر کرسکتے تھے۔ اگر مسئلہ تھا تو صرف یہ تھا کہ ہمارے پاس سامان خورد ونوش نہ ہونے کے برابر تھا۔

افراتفری میں ہم گوشت، مچھلی اور پھلوں، سبزیوں کے چند ڈبے ہی اٹھا سکے تھے۔ اسی طرح پانی کی تین چار بوتلیں بھی ہمارے ہاتھ لگی تھیں۔ یہ سامان زیادہ سے زیادہ دو دن نکال سکتا تھا اور......!!!

ہم ایک دن اور ایک رات مشرق کی طرف محو سفر رہے۔ ہمارا اندازہ تھا کہ ہم ایک آدھ دن میں جزائر سلیمان پہنچ جائیں گے مگر ایسا نہیں ہوا۔ ہم نہ جانے کدھر نکل گئے۔ حد نظر ہی پانی تھا اور خشکی کا کہیں نشان تک نہ تھا۔ اوپر سے دھوپ کی تمازت، ہمارا برا حال ہوگیا۔

ایک دن اور گزرا تو راشن پانی ختم ہوگیا۔ کوہان جت کو قے اور اسہال شروع ہوگئے۔ خود میں بخار میں پھنکنے لگا۔ ہمارے پاس کوئی دوا نہ تھی۔ بخار تو پھر بھی قابل برداشت تھا مگر کوہان جت کا عارضہ دوا کا متقاضی تھا۔ اسے دوا نہ ملی تو اس کی حالت غیر ہوگئی اور بالآخر شام کے وقت اس نے ہمارے سامنے دم توڑ دیا......!!!

کوہان جت کی موت نے ہمیں سراسیمہ بھی کیا اور افسردہ بھی۔ بھوک سے انتڑیاں جل رہی ہوں تو انسان کے ذہن میں عجیب اور اچھوتے خیال آتے ہیں۔ جب میں نے اور مسٹر سامارنو نے کوہان جت کی لاش سمندر کے حوالے کرنے کا ارادہ کیا تو تلسی داس نے ہمیں روکتے ہوئے کہا۔ ’’اس کی موت ہمارے لئے بھگوان کی کرپا ہے۔ اسے جل میں مت ڈالو ہم اس کا ماس کھائیں گے۔‘‘

’’تلسی داس تو تو ہندو ہے۔ تمہارے دھرم میں ماس کھانا پاپ سمجھا جاتا ہے......؟‘‘

میں نے حیرت سے کہا۔ اس پر تلسی داس نے جواب دیا اور ’’انسان یا مردار کا ماس تم مسلے (مسلمان) بھی نہیں کھاتے ہو، مگر مجبوری میں تمہارے دھرم نے بھی اس کی آگیا دی ہے۔ دیکھو دین دھرم تو زندگی کے ساتھ ہے۔ زندگی ہی نہ رہے تو کیسا دین اور کون سا دھرم میں جو کہہ رہا ہوں وہی کرو۔‘‘ تلسی داس کی بات میں وزن تھا۔ دوسرے خالی پیٹ کو تو بہانہ چاہئے تھا۔ ہم تینوں اپنے ساتھی کی لاش پر پل پڑے اور اس کے بازوؤں اور رانوں سے گوشت کاٹ کاٹ کر کچا ہی

کھانے لگے۔ پیاس بجھانے کے لئے ہمارے پاس پانی کا کوئی متبادل نہ تھا۔ سمندر کا پانی سخت کھارا تھا جسے پینے سے انتڑیوں میں زخم ہونا یقینی بات تھی۔ پیاس کی شدت زیادہ مجبور کرتی تو ہم سمندر کے پانی میں کپڑے بھگو کر تھوڑا تھوڑا چوس لیتے اس طرح ہم موت سے لڑتے رہے۔

دو دن مزید گزر گئے۔ کوہان جت کی لاش پنجر میں بدل گئی مگر ہمیں خشکی کا کوئی سراغ نہ ملا۔ ہم بری طرح مایوس اور نڈھال ہو گئے تھے۔ میری طبیعت سب سے زیادہ خراب تھی۔ مجھے بادی سے بخار چڑھنے لگا تھا جس نے مجھے توڑ کر رکھ دیا میں سوچتا تھا کہ موت کا اگلا نشانہ میں بھی ہوں گا۔ مجھے تو اب اپنے دوسرے ساتھیوں سے بھی خوف آنے لگا تھا۔ اونگھتے اونگھتے اچانک میں چونک پڑتا تھا کہ کہیں وہ میرا گلہ گھونٹ کر مجھے مار ہی نہ دیں۔ کیونکہ اب انہیں خوراک کی ضرورت تھی۔ ویسے تلسی داس ہم دونوں سے ڈرتا تھا اور ہمہ وقت مورتی کو سامنے رکھ کر پرارتھنا کرتا رہتا تھا۔ اسے یہ خدشہ تھا کہ یہ دونوں مسلے اسے مار ہی نہ ڈالیں۔ اور پھر وہی ہوا۔ دوپہر کے وقت جب ہمارا بھوک سے برا حال تھا اور تلسی داس کو ذرہ دیر کے لئے آنکھ لگی تھی، مسٹر سومارنو نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔ ”مسٹر احسان. خوراک کی عدم موجودگی میں ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا۔ ہم تینوں میں کسی ایک کو باقی دو کے لئے قربانی دینا ہوگی اپنی زندگی کی۔ ہم دونوں جوان ہیں اور تلسی داس بوڑھا آدمی ہے۔ اس نے اپنی پوری زندگی گزار لی ہے۔ میرا خیال ہے کہ قربانی اسے دینی چاہئے۔ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے اور؟“

اس نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں اس کی بات سن کر لرز اٹھا میں نے کہا۔ ”تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ ہم لوگ اسے قتل کر دیں......؟“

”ہاں کیا حرج ہے۔ ویسے بھی سالا ہندو ہے۔ ثواب بھی ملے گا ہمیں......“

اس نے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ سجا کر کہا اور پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا، اس نے آگے بڑھ کر بڑے پھل کا ایک چاقو عین اس کے دل کے مقام پر ٹھونک دیا۔

”آہ“ اور تلسی داس کے گلے سے ایک ہڑبڑائی ہوئی چیخ بلند ہوئی۔ اس کی پھٹی پھٹی نگاہوں میں دنیا جہاں کی حیرت سمٹ آئی اور اس کے منہ سے مرتے مرتے یہ الفاظ ادا ہوئے اور ”تم دونوں نے مجھے مار ڈالا اور آہ کالکا دیوی کا اور تم پر آ کروش اور۔“ اور اس کے ساتھ ہی اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی، مورتی جو غالباً کالکا دیوی کی تھی اس کی گود سے نیچے گری اور اس کے سینے سے ابلنے والے خون سے آلودہ ہونے لگی۔ مگر اس پر زیادہ خون نہ گر سکا کیونکہ سومارنو نے عالم وحشت میں آگے بڑھ کر اس جگہ منہ لگا دیا جہاں سے تازہ خون ابل رہا تھا۔ شاید وہ پاگل ہو گیا تھا۔

یہ منظر دیکھ کر میرا وجود خوف سے تھر تھر کانپنے لگا تھا۔ میری بھوک ہوا ہو گئی تھی بلکہ طبیعت متلانے لگی تھی اور میں نے اس نظارے سے بچنے کے لئے رخ پھیر لیا تھا اور پہلو کے بل لیٹ گیا تھا۔ لیکن میرے کانوں میں سومارنو کے کچر کچر گوشت کھانے کی آوازیں آ رہی تھیں جو بیچ بیچ میں مجھے بھی دعوت دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا ”حرامی تلسی داس تھا بوڑھا مگر گوشت اس کا بہت مزیدار ہے جیسے کسی جوان مینڈھے کا ہو۔“

وہ بے خوف تھا مگر میرے دل پر ایک انجانا سا خوف چھا رہا تھا۔ تلسی داس کی بددعا کا خوف، اس نے مرتے وقت کالکا دیوی کا قہر نازل ہونے کی ہمیں بددعا دی تھی۔ وہ ایک مسکین و مظلوم آدمی تھا اور خاصا آچاری (دیندار) ہندو تھا۔ اس کے ساتھ کئی سال سے اکٹھے رہنے کی بدولت مجھے معلوم تھا کہ وہ پراسرار علوم سے شفقت رکھتا ہے اور کئی شکتیوں کا مالک ہے۔ ٹھیک ہے وہ شیطانی شکتیاں تھیں مگر ہم جیسوں کو ٹھکانے لگانے کے لئے وہ پوری طرح کارگر ہو سکتی تھیں۔ ہم اتنے دیندار اور اچھے لوگ نہ تھے اور نہ اچھے مسلمان کہ رحمانی

www.pdfbooksfree.pk

قوتیں ہمیں ان شیطانی قوتوں سے بچانے کے لئے میدان میں اتریں اور کچھ دیر گزری تھی کہ میرے اندر کا خوف حقیقت بنتا دکھائی دینے لگا۔ ہوا یوں کہ دور افق پر کچھ ایسے آثار نظر آتے جیسے چھوٹے چھوٹے جزیروں کا مجموعہ ہو۔ میں نے خوشی سے مغلوب آواز میں مسٹر سومارنو کو اس طرف متوجہ کیا تو وہ بھی اچھل پڑا۔ ہم نے جلدی جلدی کشتی کو اس طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ مگر جب آدھے گھنٹے کے بعد اس جگہ پہنچے تو جو کچھ ہم نے دیکھا اسے دیکھ کر حیرت سے ہماری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

جسے ہم جزیروں کا مجموعہ سمجھ رہے تھے وہ دراصل سمندر کے اندر سے ابھر کر باہر نکلتی ہوئی پتھر کی درجنوں سیڑھیاں تھیں جن کے آخری سروں پر انسانی کھوپڑی کی شکل کے کمرے بنے ہوئے تھے۔ یہ سیڑھیاں سمندر میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر باہر ابھری ہوئی تھیں اور ہر کھوپڑی نما کمرے کے دروازے میں ایک انسانی ہیولہ نظر آ رہا تھا۔

یکا یک سیڑھیوں اور کھوپڑی نما کمروں کے مجموعے کے عقب سے ایک حسین نسوانی چہرہ کچھ ایسے نمودار ہوا جیسے سینما کی بڑی اسکرین پر کسی ماڈل کی بڑی سی کلوپ تصویر نظر آتی ہے۔ اس کے خوب صورت بالوں نے اس کا آدھا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ ابھی میرا ذہن اس نسوانی چہرے کی دلکشی کے سحر سے آزاد نہیں ہوا تھا کہ میری نگاہ اس کے ہاتھ پر پڑی اور میں خوف سے لرز اٹھا۔

اس خوب صورت عورت کے ہاتھ میں انسانی بازو کی ایک ہڈی تھی جس کے ساتھ لگے ہوئے گوشت کو اس نے کھا لیا تھا۔ جونہی کھوپڑی نما کمروں کے دروازے میں کھڑے ان انسانی ہیولوں کو اس عورت کے نمودار ہونے کا احساس ہوا وہ یکدم ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے اور ہم آواز ہو کر کہنے لگے۔

”کالکا تو مہان ہے۔ ساگر تیرا استھان ہے۔ جس پہ تیرا آ کروش ہے۔ وہ کبار بھٹے دان ہے، جونہی ان کے منہ سے یہ الفاظ ادا ہوئے اس حسین عورت نے

عالمی ریکارڈ

پاکستان سے سیریز ہارنے کے بعد دھونی صاحب کو بخار ہو گیا۔

ڈاکٹر نے ٹمپریچر چیک کیا تو خاصا حیران ہوا اور کہا۔

”آپ کا ٹمپریچر تو 105 درجے تک پہنچ چکا ہے۔“

دھونی نے خوش ہو کر پوچھا۔ ”ڈاکٹر صاحب! کیا یہ عالمی ریکارڈ ہے؟“

(رانا محمد ہاشم نون۔ کراچی)

جو کالکا دیوی تھی۔ غضبناک نگاہوں سے ہمیں دیکھا۔ ایک کوندا سا لپکا اور ہماری کشتی میں آگ بھڑک اٹھی اور ہم دونوں شعلوں میں گھر گئے۔ ہم سمندر میں چھلانگ نہ لگاتے تو جل کر بھسم ہو جاتے۔ ارے احسان بھائی یہ کیا حقیقت نازل ہو گئی ہے۔“

مسٹر سورمانو نے خوف سے لرزتے ہوئے کہا اور ڈوبنے سے بچنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ ”یہ سب تلسی داس کی بددعا کا اثر ہے۔ اب تو اس کی دیوی کا غضب بھگتنا پڑے گا۔“ میں نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

اب ہم دونوں کھلے سمندر میں تیر رہے تھے اور ہمارے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا نہ ان سیڑھیوں کی طرف لپکیں جو سمندر سے ابھری ہوئی تھیں۔ ان کے سروں پر بنے ہوئے کھوپڑی نما کمروں میں ابھی تک وہ انسانی ہیولے کھڑے تھے۔ جنہوں نے کالکا دیوی کی مداح سرائی کی تھی۔ البتہ کالکا دیوی خود غائب تھی۔ ہم دونوں جیسے تیسے ان سیڑھیوں تک پہنچ گئے اور پہلی سیڑھی پر بیٹھ کر سانس استوار کرنے لگے۔

ہم دونوں نے علیحدہ علیحدہ سیڑھی کا انتخاب کیا تھا۔ اسی لمحے ہماری نگاہیں سمندر کی موجوں پر پڑی تو یہ دیکھ کر ہماری سٹی گم ہو گئی کہ سیڑھیوں کے اردگرد کئی

خونخوار شارک مچھلیاں نمودار ہوگئیں۔ ہم دونوں بدحواس ہوکر کئی سیڑھیاں اوپر چڑھ گئے۔ لیکن اوپر بھی کہا جاتے۔ وہاں ڈراؤنے انسانی ہیولے کھوپڑی نما کمروں کے دروازوں میں کھڑے ہمیں گھور رہے تھے۔

''آؤ...... آؤ موت کے زینے پر چڑھ کر آؤ، ہم تمہارے منتظر ہیں۔'' ڈراؤنے ہیولے بھیانک انداز میں قہقہے لگاتے ہوئے کورس میں گانے لگے۔

''یا اللہ رحم۔'' میں نے دل ہی دل میں دعا کی۔

''اوپر آؤ۔'' اب اس ہیولے نے تحکم آمیز لہجے میں کہا جو میرے والی زینے کی آخری سیڑھی پر کھڑا تھا۔ میں نے سہم کر اس کی طرف دیکھا اور پھر سمندر کی طرف جہاں ایک بڑی سی شارک مچھلی بار بار منہ کھول کر میری طرف آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ نہ جانے رفشن نہ پاتے ماندن والی کیفیت تھی میری۔

دیکھو اگر تم نے میرا حکم نہ مانا تو میں تمہیں سمندر میں دھکا دے دوں گا۔'' ہیولے نے مجھے دھمکایا۔ اس کی آواز میں ایسی سفاکی تھی کہ مجھے یقین ہوگیا کہ وہ حکم عدولی کی صورت میں اپنی کہی ہوئی بات پر فوراً عمل کرے گا اور چنانچہ میں چار و ناچار آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگا۔ میں نے اس وقت مسٹر سور مانو کی طرف دیکھا وہ بھی میری طرح اوپر چڑھ رہا تھا۔ غالباً اسے بھی یہی دھمکی دی گئی تھی۔

میں اس ہیولے کے مقابل پہنچا تو ڈر کے مارے میری جان نکلی جارہی تھی۔ اگرچہ وہ ایک ہیولہ ہی تھا اور اس کی شکل واضح نہیں تھی مگر اپنے سامنے ایک غیر انسانی مخلوق دیکھ کر خوفزدہ ہونا فطری امر ہے۔ میں جونہی اس کے قریب پہنچا ہیولے نے ایک طرف ہٹ کر مجھے راستہ دیا اور حکمیہ لہجے میں کہا۔ ''چلو اندر اور موت کے گھر میں۔''

مجھے اندر جانے میں قدرے تامل ہوا تو اس نے عقب سے مجھے دھکا دیا اور اس میں اس کوٹھڑی نما اندھیرے کمرے کے وسط میں منہ کے بل جا گرا۔

جب میں سنبھلا اور آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو کمرے کا ماحول دیکھ کر میرا دل ہل گیا۔ وہ کوئی انسانی مذبح خانہ تھا جس میں ایک طرف ٹوکے، کلہاڑیاں، چھریاں اور بوٹیاں کرنے کے لئے لکڑی کی لاٹھیاں پڑی ہوئی تھیں۔ چھت سے کئی رسیاں لٹک رہی تھیں۔ جن کے ساتھ لوہے کے ہک تھے۔ ان پر یقیناً ذبح کرنے کے بعد انسانی لاشیں لٹکائی جاتی ہوں گی۔ میں نے اس کا اندازہ اس طرح لگایا کہ ایک ہک کے ساتھ آپ بھی آدھی کٹی ہوئی ایک برہنہ انسانی لاش لٹک رہی تھی اور پھر میں نے اس کا کٹا ہوا سر اور ہاتھوں کے پنجے بھی ایک اونچے میز پر پڑے ہوئے دیکھ لئے تھے۔ وہ کون تھا میں پہچان نہیں سکا۔ کوئی بدنصیب ملاح ہی ہوگا۔ کمرے میں ناقابل برداشت تعفن سے میرا سر پھٹا جارہا تھا۔

میں اٹھ کر تھوڑا پیچھے ہوا تو کسی شے سے ٹکرا گیا۔ اور پھر اگلے ہی لمحے کئی انسانی ڈھانچے جو پچھلی دیوار کے ساتھ ٹکے ہوئے تھے۔ مجھ سے ٹکراتے ہی فرش پر جاگرے۔ میں خوف سے اچھل پڑا۔ ''او جاہل آدمی،'' ایک ڈھانچے نے کراہ کر کہا۔ ''میری ہڈی توڑ دی تو نے'' دوسرے ڈھانچے نے بھی یہی کہا۔

''یا الٰہی میں کس وحشت کدے میں آگیا ہوں۔'' میں نے کانپتے ہوئے کہا۔

''یہ وحشت کدہ نہیں کالکا دیوی کی رسوائی ہے۔'' ہیولے نے عقب سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا کالکا دیوی ہر اماوس کی رات انسانی گوشت کا بھوجن کرتی ہے۔ سات روز بعد پھر وہی رات آنے والی ہے، اس بار تمہارا اور تمہارے اس ساتھی کا گوشت پیش کیا جائے گا۔'' یہ کہہ کر اس نے مجھے دبوچ لیا اور دیوار کے ساتھ ایستادہ ایک لوہے کی زنجیر سے باندھ دیا۔

میں نے بہت چیخ پکار کی ہاتھ پاؤں مارے مگر اس کی گرفت بہت ہی مضبوط تھی۔ اس نے مجھے پوری طرح جکڑ لیا اور مجھے بے بس کر دیا...... ''اماوس کی رات تک تم اس طرح قید رہو گے پھر میں آکر تمہیں ذبح کروں گا۔'' اس نے ایک بھیانک قہقہہ لگا کر کہا اور

غائب ہوگیا۔

''سنو...... سنو اور خدا کے لئے میری بات سنو۔ یقین کرو میں بے قصور ہوں۔ کالکا کے پجاری تلسی داس کو میں نے نہیں مسٹر سارمانو نے قتل کیا تھا۔ مجھے ناکردہ گناہ کی سزا نہ دو۔''

میں نے چیختے ہوئے کہا۔ مگر میری التجائیں صدا بصحرا ثابت ہوئیں۔ ''صبر کرو سر......'' کئی ڈھانچے سرسراتی ہوئی آواز میں سرگوشیاں کرنے لگے۔

''جلد ہی تم ہم سے آن ملو گے ہم تمہیں اپنی دنیا میں خوش آمدید کہیں گے غم کیسا۔'' اور پھر وہ بھی سسکتے اور کبھی ہنسنے لگے۔

شام تک میں اس کال کوٹھڑی میں زنجیر سے بندھا آنسو بہاتا رہا۔ موت مجھے سامنے نظر آرہی تھی۔ اپنی گناہ آلود زندگی کسی فلم کی طرح میرے پردہ ذہن پر متحرک تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر میں مر گیا تو میری بخشش ہرگز نہ ہوگی۔ میں گڑگڑاتے ہوئے خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگا اور پھر کسی لمحے میری آنکھ لگ گئی۔

عالم خواب میں، میں نے ایک باریش بزرگ کو دیکھا۔ بزرگ نے سفید لباس پہن رکھا تھا۔ سر پر سبز عمامہ تھا اور ہاتھ میں تسبیح۔ انہوں نے مجھ سے کہا۔ ''احسان بیٹا تم نماز نہیں پڑھتے تھے اور گناہ آلود زندگی بسر کرتے تھے۔ اس لئے تم پر یہ مصیبت نازل ہوئی۔ یاد رکھنا جو انسان نماز کی پابندی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کی ذمہ داری لے لیتے ہیں۔ مگر جو دانستہ نماز کو چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ذمہ داری سے بری ہوجاتے ہیں۔''

میں نے روتے ہوئے کہا۔ ''بابا اللہ پاک سے دعا کریں کہ وہ مجھے اس بار معاف کردے اور اس موت کے گھر سے بچا کر نئی زندگی دے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ نیک انسان بنوں گا اور ہمیشہ پنجگانہ نماز ادا کروں گا۔'' بزرگ نے کہا۔ ''اچھی بات ہے میں بھی دعا کرتا ہوں اور خود تم بھی اپنے رب سے معافی مانگو اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ کا ورد بکثرت کرو اور اللہ تعالیٰ کرم فرمائیں گے۔''

بزرگ نے جونہی یہ بات ختم کی میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اسی وقت گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی شروع کردی اور دیوانہ وار لاحول ولاقوۃ الا باللہ کا ورد کرنے لگا۔ میری آنکھیں بند تھیں اور میں زاروقطار روتے ہوئے یہ ورد کر رہا تھا۔ ابھی مجھے ورد کرتے ہوئے گھنٹہ گزرا ہوگا کہ اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے گرد بندھی ہوئی زنجیر ٹوٹ گئی ہے۔

میں نے چونک کر آنکھیں کھولیں تو حیران رہ گیا۔ نہ صرف یہ کہ میں زنجیروں سے آزاد ہوگیا تھا بلکہ اس موت کے گھر سے بھی میری گلوخلاصی ہوچکی تھی اور میں کسی جزیرے کے ساحل پر پڑا تھا۔ میں نے خوشی سے مغلوب ہوکر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور سجدے میں گر گیا۔ میں رو رہا تھا اور بار بار اپنے خدا کا شکر ادا کر رہا تھا جس نے مجھے نئی زندگی عطا کی۔

مسٹر سومانو کے ساتھ کیا ہوا مجھے اس کی کچھ خبر نہیں تھی بہرحال میں اٹھ کر کھڑا ہوا اور ایک طرف چلنے لگا دور اندھیرے میں مجھے روشنیاں چمکتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

جلد ہی میں اس بستی میں پہنچ گیا۔

وہاں جاکر مجھے پتہ چلا کہ وہ جزیرہ مارشل ہے جو جزائر سلیمان سے شمال کی طرف چھ سات کلومیٹر دور ہے۔ وہاں میں نے کوسٹ گارڈ کے دفتر میں جاکر ڈیوٹی آفیسر کو رپورٹ کی اور سارا ماجرا سنایا تو اسے یقین ہی نہ آیا۔ بہرحال بعدازاں اس نے مجھے ایک بحری جہاز پر فلپائن واپس بھجوادیا۔

اب اس واقعے کو عرصہ بیت گیا ہے اور میں ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہا ہوں مگر جب بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور ہاں اس روز سے آج تک میں باقاعدگی سے نماز ادا کر رہا ہوں۔ اپنی اولاد کو بھی میں نے ہمیشہ یہ نصیحت کی ہے کہ وہ نماز پنجگانہ کی پابندی کریں کیونکہ شیطانی قوتیں انہی لوگوں پر غلبہ پالیتی ہیں جو بے نمازی اور گناہ گار ہوتے ہیں۔

www.pdfbooksfree.pk

بلیک ٹائیگر

ایم الیاس

قسط نمبر 9

دہشت اور خوف کے افق پر جھلمل کرتی زیر زمین کے عجیب و غریب قانون کے لبادے میں لپٹی ہوئی، ناقابل یقین اور ناقابل فراموش، رگ و پے میں خون کو منجمد کرتی، لرزیدہ لرزیدہ تھرا دینے والی، خوف کا دریا بہاتی، دل میں کسک پیدا کرتی، اپنی نوعیت کی انوکھی اور شاہکار کہانی۔

تجسس اور سسپنس سے بھرپور واقعات جو پڑھنے والوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیں گے

ٹائیگر نے سوچا کہ الزام تو راکھی پر ہے اور سب انسپکٹر کو اس پر شک ہے اور پھر مسروقہ مال جس کے پاس سے برآمد ہوگا وہ چور اور مجرم ہوگا۔ سب انسپکٹر جانتا ہے کہ وہ پرائیویٹ سراغ رساں ہے لہٰذا اس پر شک اور تعاون کا الزام نہیں ہوگا۔ اس لئے وہ بے فکر سا ہوگیا۔

"انسپکٹر رام دیال......!" وہ بولی تو اس کی آواز پوری طرح قابو میں تھی۔ "آپ نے مجھ پر بڑا گھٹیا الزام لگایا ہے۔"

"مس راکھی ایک دولت مند خاتون ہیں......ان کے پاس زیورات کی کوئی کمی نہیں......ایسے دس ہار ہوں گے......وہ کسی کا ہار کیوں چرانے لگیں......؟" ٹائیگر نے اس کی حمایت میں کہا۔

"تو پھر...... یہ رتن کمار سے کیوں ملیں ......؟" سب انسپکٹر نے راکھی کو گہری اور مشکوک بھری نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ وضاحت میں کئے دیتی ہوں۔" راکھی نے پرسکون لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "کہتے ہیں کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے...... میں کچھ روز پہلے ایک تقریب میں رتن کمار سے ملی تھی لیکن میں نے اس کے کاروباری معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ حالاں کہ اس نے مجھے اپنے کاروبار میں پھانسنے کی بہت کوشش کی۔ میں کوئی بچی تو تھی نہیں کہ جو، ان معاملات کی تہہ میں نہیں پہنچتی۔ کیوں کہ مجھے نظر آگیا تھا کہ اس کی ذریعہ آمدنی جائز نہیں...... گورکھ دھندا ہے۔ میں جب دشواری میں پھنسی تو اس نے مجھے مخلصانہ مدد کی پیش کش کی۔ اس لئے اس نے آج رات مجھے سلور بار میں ملنے کے لئے کہا۔ وہ مجھے کچھ بتانا اور مشورہ دینا چاہتا تھا۔ بس اتنی سی بات ہے۔"

"اور اس نے تمہیں کیا بتایا؟"

"یہی کہ اب مجھے پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ اس نے ان بدمعاشوں کا بندوبست کردیا ہے۔ جو تنگ اور ہراساں کررہے تھے۔"

"یہ تو رتن کمار نے آپ پر بڑی مہربانی کی...... لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ کبھی کسی پر بے سبب اور بے غرض مہربان نہیں ہوتا۔"

ٹائیگر جانتا تھا کہ انسپکٹر چوں کہ بڑا گھاگ اور تجربہ کار ہے اور روز نجانے اس کا کتنے بدمعاشوں اور ٹھگوں سے واسطہ پڑتا تھا اس لئے اس نے تاڑ لیا تھا کہ راکھی جھوٹ بول رہی ہے۔ وہ اس سلسلے میں راکھی کے لئے کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کے پاس ثبوت کوئی نہیں تھا۔ اس پر ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ چنانچہ سب انسپکٹر نے اپنا

www.pdfbooksfree.pk

آخری پتا کھیلنے کا فیصلہ کرلیا اور اس نے راکھی کا بیگ اٹھالیا۔

"اگر یہ سب کچھ درست ہے تو مس راکھی......! تو میرے خیال میں آپ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا کہ میں اس بیگ کو ایک نظر دیکھ لوں...... اجازت......" اس نے بیگ کو تھپ تھپایا۔

راکھی کا چہرہ بے لہو ہوگیا اور ہوائیاں اڑنے لگیں...... وہ ہچکچائی تو ٹائیگر نے فوراً ہی مداخلت کی۔

انسپکٹر رام دیال......! یہ زیادتی ہے۔ آپ کو اس بات کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔"

"انکار کی صورت میں انہیں ہمارے ساتھ ہیڈ کوارٹر چلنا ہوگا اور یوں ان کی ٹرین نکل جائے گی۔"

ٹائیگر نے راکھی کی طرف دیکھتے ہوئے سر ہلادیا اور اس نے کہا۔

"تمہارے ہاتھ صاف ہیں اور تم نے کوئی واردات نہیں کی اور تم چور نہیں ہو تو چابی انسپکٹر کو دے دو اور پھر تمہارے پاس زیادہ وقت بھی نہیں ہے۔ یہی دانش مندی کا تقاضا ہے۔ ضد نہ کرو۔"

راکھی نے میکانکی انداز میں ٹائیگر کی ہدایت پر عمل کیا۔

انسپکٹر نے ماہرانہ انداز میں بیگ کی تلاشی لی۔ بیگ میں دو جوڑے نسوانی ملبوسات اور استعمال کی دیگر چیزوں کے ساتھ کچھ بھی نہیں تھا۔ ٹائیگر راکھی کی طرف بہ غور دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں انسپکٹر کے ہاتھوں پر جمی ہوئی تھیں۔ بظاہر وہ بے تعلق نظر آنے کی کوشش کررہی تھی لیکن انسپکٹر کی تلاشی مکمل ہوتے ہی وہ اپنی حیرت چھپا نہ سکی۔ انسپکٹر کو مطلوبہ چیز نہیں ملی تھی۔

راکھی نے ٹائیگر کو معنی خیز نظروں سے دیکھا اور پھر وہ سب انسپکٹر کی طرف متوجہ ہوگئی۔ وہ سرد لہجے میں بولی۔

"انسپکٹر اب تم مطمئن ہوگئے...... اگر جامہ تلاشی لینا چاہتے ہو تو کہو لباس کی قید سے آزاد ہو جاؤں؟"

انسپکٹر کا ماتھا عرق آلود ہوگیا۔ اس نے اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر مسز رتنا دیوی کو اس کے کمرے سے بلا کر مختصر طور پر بتایا کہ وہ کس لئے راکھی کی تلاشی لینا چاہتا ہے...... راکھی اس کے ہمراہ ایک ملحق کمرے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد آئی۔ مسز رتنا دیوی بولی۔

"سر......! ہار تو دور کی بات ہے۔ انگوٹھی تک نہیں ملی۔"

راکھی جس طرح پراعتماد گئی تھی اس طرح واپس بھی آگئی۔ سب انسپکٹر پھر اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے اپنی جیکٹ نکال کر کرسی پر ڈال دی۔ انسپکٹر نے جیکٹ اور اس کے کپڑوں کی تلاشی لی۔ ٹائیگر نے اپنے ہاتھ اور پیر اٹھا کر رکھے تھے۔

"آپ اچھی طرح سے میری تلاشی لیں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "آپ کے بشرے سے ایسا لگ رہا ہے کہ آپ اب بھی پوری طرح مطمئن نہیں نظر آرہے ہیں؟"

انسپکٹر نے دوبارہ اس کی سرسری طور پر تلاشی لی اور پھر غرایا۔ "تم جاسکتی ہو...... تمہارا پتا میرے پاس موجود ہے۔ ضرورت پڑی تو پھر تم سے رابطہ کریں گے۔"

"بڑی خوشی سے......" وہ بولی۔ "تم بنگلور پولیس سے رابطہ کرکے گھر پر چھاپہ بھی مار سکتے ہو۔"

سب انسپکٹر رام دیال منہ بناتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اور ٹائیگر بیگ میں سامان قرینے سے رکھنے میں راکھی کی مدد کرنے لگا۔

راکھی نے بیگ مقفل کرنے سے پہلے اس میں سے ایک چھوٹا بٹوا نکالا۔ پھر وہ باہر نکل آئے۔ باہر نکلتے ہوئے اس نے ڈسٹ بن میں سے اپنے اخبارات کا رول نکالا اور جیکٹ کی اندرونی جیب میں ٹھونس دیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ دونوں پلیٹ فارم پر چلے آئے جس پر کے کے ایکسپریس روانگی کے لئے تیار تھی۔

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا کہوں......!" راکھی عجیب سی کش مکش کے لہجے میں بولی۔

"کچھ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں......" ٹائیگر نے اسے سہارا دے کر ٹرین پر چڑھا دیا۔ وہ دروازے کے پاس کھڑا رہا۔

اس نے اچانک ٹائیگر کا کندھا مضبوطی سے پکڑلیا۔ "تم نے اس کا کیا کیا......؟"

"کس کا......؟"

"ہیروں کے ہار کا؟"

"وہ تو میں نے ڈسٹ بن میں ڈال دیا تھا۔"

"کیا کہہ رہے ہو۔" راکھی کو ایسا لگا جیسے اس کی سانس رک جائے گی۔

"اب تم سکون سے گھر جاؤ اور اچھی بچی بن کر رہو...... اب تمہیں اس ہار کی فکر کرنے کی قطعی ضرورت نہیں...... میں یہاں کے معاملات سنبھال لوں گا۔ تم پر کوئی آنچ اور مصیبت نہیں آئے گی۔" ٹائیگر نے جیسے دلاسا دیا۔

"تم کیا کروگے اس کا......"

"میں اس کی مالکہ کو واپس کردوں گا۔ شام کے اخبارات اور ریڈیو کی مقامی خبروں میں اس کا اتا پتا بتانے والوں کو دس فیصد کے انعام کا اعلان کیا گیا...... میں اسے تمہاری خدمات کا معاملہ سمجھ لوں گا۔"

ٹائیگر کو ایسا لگا کہ راکھی پر ہسٹریا کا دورہ پڑنے والا ہے۔

"تم...... تم...... انتہائی ذلیل...... نیچ اور گھٹیا آدمی ہو...... کمینے تم نے مجھے ڈبل کراس کیا...... اگر...... میرے پاس ریوالور ہوتا تو اس وقت......" وہ ٹائیگر پر پھنکاری۔ ٹائیگر نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ ریوالور راکھی کے پاس نہیں ہے۔ "میں نے تمہیں درست سمجھا...... تمہیں قابل اعتبار جانا...... لیکن تم گھٹیا، لفنگے، دوغلے ثابت ہوئے۔"

"میری بات سنو۔" ٹائیگر نے خشونت سے کہا۔ "تم مجھے بے وقوف سمجھتی ہو...... تم نے مجھے الو بنانا چاہا...... تم اور رتن کمار نے مل کر...... تم میں کوئی بھی ڈریم لینڈ ہوٹل کا رخ نہیں کرسکتا تھا...... سو تم نے مجھے اپنی ضرورت کے لئے استعمال کیا...... کیا میں اتنا بے وقوف تھا کہ سوچے سمجھے بغیر کچھ کر گزرتا۔ میں نے تمہیں رتن کمار سے ملتے دیکھا تو تمہارا سارا کھیل میری سمجھ میں آگیا...... میرا احسان مانو...... میں نہ ہوتا تو تم اس وقت جیل کے راستے پر ہوتی۔ اب اس سے ہی کوئی سبق لے لو...... گھر جاؤ راکھی......! اچھی بننے کی کوشش کرو...... تم میں ایک اچھی عورت بننے کی خوبیاں ہیں۔"

اسی وقت ٹرین چل پڑی۔ ٹائیگر نے اسے کاریڈور میں دھکیلا اور خود ٹرین سے اتر گیا۔ "میرا یہ احسان ہمیشہ ماننا......"

اس نے چیخ کر کہا۔ "لیکن میرا خیال......!" ٹائیگر کا خیال تھا کہ چلتی ٹرین کے شور میں وہ اس کی آواز سن نہ سکی ہوگی۔"

ٹائیگر اس خیال سے کینٹین میں بیٹھا رہا کہ وہ کسی قریبی اسٹیشن پر زنجیر کھینچ کر اتر جائے اور لوکل ٹرین سے آجائے۔ کیوں کہ دس بیس ہزار کی مالیت کے ہار کی بات نہ تھی...... پورے پچاس لاکھ کی مالیت کا تھا۔ آج جو سونے اور زیورات کا بھاؤ چل رہا تھا وہ تیز تر ہوتا جارہا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق تر اسی لاکھ کا بھی ہوسکتا تھا۔ وہ اس کے حصول کے لئے مہربان ہوکر پانے کی کوشش بھی کرسکتی تھی...... اگر وہ اس انداز سے سوچ رہی ہوگی تو یہ اس کی بھول تھی۔ بلاشک وشبہ وہ توبہ شکن تھی۔ رتن کمار نے شاید ففٹی ففٹی کی پارٹنر شپ کی ہوگی۔

وہ ایک گھنٹہ بیٹھا رہا۔ تین لوکل ٹرینیں آئی تھیں اس میں راکھی نہیں آئی تھی...... وہ سمجھ گئی ہوگی کہ میں اس کے ہاتھ آنے سے رہا۔ اب اسے واپس جا کر تلاش کرنا لاحاصل ہے۔ صبر کرکے گھر میں بیٹھ جائے۔

ٹائیگر نے سوچا اس اداکارہ اور سابق ملکہ حسن نے اس ہار کی بازیابی کا انعام دس فیصد دینے کا اعلان کیا ہے...... دس فیصد یعنی پانچ لاکھ روپے نقد...... مفت ہاتھ آئیں تو برے کیا ہیں؟ یوں بھی یہ ایک بڑی رقم ہے۔ اسے زیادہ محنت نہ کرنی پڑے گی۔ یہ انعام اس کی تدبیر اور ذہانت کا ہے...... اور پھر اس قیمتی ہار کا پاس رکھنا خطرے سے خالی نہیں۔ جتنا جلد ہوسکے یہ بوجھ سر سے اتار پھینکنا چاہئے۔

کوئی ایک گھنٹے کے بعد ٹائیگر ملکہ حسن کی کوٹھی کی اطلاعی گھنٹی بجا رہا تھا۔ گیٹ دربان نے کھولا۔ اس نے

www.pdfbooksfree.pk

اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ گیٹ پر جو ایک چھوٹا سا کمرا بنا ہوا تھا جس میں فون، انٹر کوم اور موبائل کے علاوہ چھت پر پنکھا...... ایک کرسی اور میز پر ایش ٹرے اور سگریٹ کا پیکٹ اور ماچس بھی تھی۔

دربان نے انٹر کوم پر ملکہ حسن سے بات کی تو تھوڑی دیر بعد سترہ برس کی لڑکی اندر سے تھرکتی، لچکتی اور بڑے ادائے ناز سے آئی۔ اس نے آ کر نمسکار کیا۔

''آپ مسٹر دیو کمار ہیں......؟ اندر تشریف لے چلیں۔ بیگم صاحبہ آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔''

ٹائیگر اس کی طرف دیکھا تو وہ لجا سی گئی۔ ٹائیگر نے برآمدے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''رانی......! اس نے جواب دیا۔ ''آپ نام کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''اس لئے کہ تم نہایت حسین ہو...... دل چاہ رہا ہے کہ ایک سندر سا مشورہ دوں۔''

''کیسا مشورہ......؟'' اس نے حیرت اور سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو......؟'' وہ بولا۔ ''کیا تم یہاں ملازمہ ہو......؟''

''جی ہاں...... میں یہاں ملازمہ ہوں اور کام کر رہی ہوں۔'' رانی نے بتایا۔

''تم نہ صرف نہایت حسین بلکہ ہر لحاظ سے فلمی ہیروئن بننے کے قابل ہو...... تم یہاں نہ صرف اپنا وقت، حسن، عمر اور جوانی ضائع کر رہی ہو...... ایسا جسم جو کسی قیامت سے کم نہیں فلم سازوں کی ضرورت ہے۔ تم کسی اچھے فلم ساز سے ملو۔ تمہارے نصیب جاگ جائیں گے......'' ٹائیگر نے مشورہ دیا۔

''مجھے کون چانس دے گا...... ایک سے ایک حسین اور نوجوان لڑکیاں خوار ہو رہی ہیں۔'' اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔

''سنو......'' ٹائیگر نے کہا۔ ''تم کسی فلم ساز سے ملو تو اس سے کہنا کہ میں ہر قسم کے بولڈ سین کر سکتی ہوں۔ تمہارا جسم بہت ہی بولڈ کرنے والا ہے...... آج کل فلموں میں کہانی کم عورت کو بولڈ ہی بولڈ دکھایا جا رہا ہے...... تم ایک کام کرو۔ کسی فوٹو گرافر سے اپنی کچھ عدد بولڈ تصویریں کھنچوا کر البم بناؤ...... وہ فوراً تمہیں لے لے۔''

''آپ نے بہت اچھا مشورہ دیا ہے...... میرے والدین بھی یہی کہتے ہیں کہ میں فلموں میں بولڈ مناظر کے لئے نہایت فٹ ہوں...... میری ماں تو مجھے آئینے کے سامنے کھڑا کر کے دیکھتی رہتی ہے۔ آپ کتنے اچھے ہیں۔''

ٹائیگر نے اسے کوئی غلط مشورہ نہیں دیا اور نہ ہی بے وقوف بنایا تھا...... اسے اس لئے بھی اس ملازمہ سے ہمدردی ہوئی تھی کہ اس کی مالکہ کے بارے میں اس نے سنا تھا کہ بہت ہی مغرور، تنگ مزاج ہے۔ ملازماؤں سے اس کا سلوک انتہائی توہین آمیز ہوتا ہے۔

رانی اسے نشست گاہ میں بٹھا کر اطلاع دینے اندر چلی گئی۔ چند لمحوں کے بعد وہ بڑے غرور سے آئی۔ ٹائیگر اس کے استقبال کے لئے اٹھ کر کھڑا نہیں ہوا۔ اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ اس ملکہ حسن کو بڑا ناگوار سا لگا۔

''کون ہو تم......؟ کس لئے آئے ہو......'' وہ قدرے تلخی سے بولی۔ ''دربان نے بتایا تھا کہ تم ہار کے بارے میں بتانے آئے ہو؟''

''تم نے یہ اعلان کیا تھا کہ الماس ہار بازیاب کرنے والے کو اس کا دس فیصد دیا جائے گا......'' ٹائیگر نے بھی اسے تم سے مخاطب کیا۔ ''میں اس سلسلے میں بتانے آیا ہوں کہ......''

''تم میں بات کرنے کی ذرا بھی تمیز نہیں...... میں آئی تو احتراماً کھڑے بھی نہیں ہوئے...... اور پھر تم کے تخاطب سے بات کر رہے ہو...... کیا عورتوں سے ایسے ملا جاتا ہے؟''

''میں تمہارا نوکر نہیں ہوں جو تمہیں دیکھتے ہی کھڑا ہو جاؤں...... تم نے مجھ سے تم سے مخاطب کیا...... میں اس لئے آیا ہوں کہ تمہارا ہار جس کی مالیت تم نے پچاس لاکھ بتائی ہے اس وقت مارکیٹ میں پچاس لاکھ کا ہے......

میں اس کا دس فیصد لوں گا۔''

''کیا...... وہ ہار تمہارے پاس ہے......؟'' وہ حیرت سے بولی۔ ''تم سے کس نے کہہ دیا کہ اس کی مالیت پچاس لاکھ ہے۔''

ٹائیگر نے جیب سے تین وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

''یہ شہر کے تین سب سے بڑے جیولرز شاپس ہیں۔ میں نے انہیں باری باری دکھایا۔ وہ پچاس لاکھ قیمت دینے کو تیار ہیں۔ اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے تو فون کر کے ابھی پوچھ لو...... فون سامنے ہی تو رکھا ہے۔''

''تم بڑے کائیاں ہو......'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تم میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہو......؟ ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو۔''

''شریمتی جی...... یہ ہار کون سا تمہارے پتا جی کا مال ہے...... اسے تو ایک رئیس زادے نے ایک رات کے عوض تمہیں پیش کیا تھا۔ لہٰذا پانچ لاکھ دیتے ہوئے دل کیوں دکھ رہا ہے۔'' ٹائیگر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''شٹ اپ......'' وہ غصے سے بولی۔ ''یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ مجھے ایک رات کے عوض ملا، میں نے اسے دبئی میں خریدا تھا۔ یہ میرا مال ہے۔ میری ملکیت ہے۔''

''اگر تم نے اسے خریدا ہوا ہے تو یقیناً اس کی رسید تو ہوگی......؟ کیا میری تسلی کے لئے دکھانا پسند کرو گی؟''

''تم کون ہوتے ہو رسید طلب کرنے والے......'' وہ بگڑ گئی۔ ''کام کی بات کرو۔ تم الماس ہار کے بارے میں بات کرنے آئے تھے؟''

''بات ہار کی مالیت کی ہو رہی تھی...... تم کیوں نہیں...... فون کر کے ان سے میری بات کی تصدیق کر لیتی...... سچ کیا ہے جھوٹ کیا ہے؟ تاکہ کمیشن کا معاملہ طے ہو۔'' ٹائیگر نے کہا۔

''اس نے بادل نخواستہ تینوں جیولرز کو باری باری فون کیا۔ پھر کریڈل پر ریسیور رکھ کر بولی۔ ''میرا ہار تمہیں کہاں اور کس سے ملا؟''

''تمہیں آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ گننے سے......'' ٹائیگر نے کہا۔ ''میری ایمانداری اور شرافت دیکھو کہ میں چاہتا تو ہار فروخت کر کے رقم جیب میں رکھ لیتا...... ادھر کا رخ نہ کرتا۔ لیکن تم میری شرافت کی قدر کرنے کے بجائے کمیشن دینے میں بخل اور تکرار سے کام لے رہی ہو...... میں جا رہا ہوں۔ تم لڑو...... میں ہار نہیں دیتا۔''

ٹائیگر ایک جھٹکے سے جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ وہ دروازے کی طرف تیزی سے بڑھا تو ملکہ حسن اس کے راستے میں حائل ہو گئی۔ پھر اس کے قریب آ کر اس کے گلے میں عریاں بانہیں حمائل کر دیں اور اس کے چہرے پر جھکنے لگی تو ٹائیگر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''تم بہت ناراض ہو...... مجھے بوسہ لینے نہیں دے رہے جب کہ ساری دنیا ترستی ہے۔'' وہ اسے خود سپردگی کی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں جنہیں میں خوش کرتی ہوں۔''

''میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں......'' ٹائیگر نے کہا۔ ''میں ان ہونٹوں کا کیا بوسہ لوں جو غلیظ ہے اور جانے کیسے کیسے ہونٹوں نے اس میں پیوست کیا۔ ''میں یہ بات جانتا ہوں ہار کے حصول اور کمیشن بچانے کی خاطر مجھ پر مہربان ہو جاؤ...... میں بدنصیب ہی بہتر ہوں۔ تم کمیشن دے رہی ہو یا نہیں...... میں پانچ لاکھ سے ایک کوڑی کم نہ لوں گا۔''

''تھوڑی دیر انتظار کرو...... چائے پیئو...... میری سیکریٹری بینک تک گئی ہوئی ہے۔ بس وہ آتی ہوگی۔'' اس نے کہا۔ ''تجوری کی چابیاں اس کے پاس ہوتی ہیں۔ میں ابھی آتی ہوں۔''

وہ اندر چلی گئی۔ رانی ملازمہ تھوڑی دیر بعد اس کے لئے ٹرے میں چائے اور سینڈوچز لیتی آئی۔ پھر وہ ٹرے رکھ کر چلی گئی۔ اندر ملکہ حسن آئی۔ چائے پیتے ہوئے اس نے پھر سابقہ سوال دہرایا۔

www.pdfbooksfree.pk

"آپ نے بتایا نہیں کہ یہ ہار کہاں سے ملا ہے......؟ کس کے پاس تھا...... کیا رتن کمار نے چرایا تھا یا راکھی نے......؟"

"آئی ایم ساری......" وہ راستہ پر آ گئی تھی۔ آپ سے مخاطب کرنے لگی۔

"میں نے کہا نا کہ آم کھانے سے مطلب رکھیں...... کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں ہار کہاں سے ملا......؟ ورنہ قانونی جھنجھٹوں میں پھنس جائیں گی۔ کیوں کہ اس کی رسید بھی آپ کے پاس نہیں ہے...... انکم ٹیکس والے بھی رسید طلب کریں گے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" وہ بولی۔ "آپ جیسا کہتے ہیں ویسا ہی کروں گی۔"

تھوڑی دیر بعد اس کی سیکریٹری آئی تو اس کے ساتھ پولیس بھی تھی۔ ٹائیگر نے اس کی سیکریٹری مالنی کو پہچان لیا۔ مالنی بھی بڑی مشہور اور مقبول اور بدنام زمانہ ہیروئن اور کال گرل تھی۔ بڑی حسین تھی۔ اب پچاس برس کی ہو گئی تھی۔ وہ ساہوکاروں اور سرمایہ داروں سے ملکہ حسن کے کالی راتوں کے سودے کرتی تھی۔

پولیس جو آئی تھی اس کے ساتھ سب انسپکٹر رام دیال تھا۔ اس نے ٹائیگر کو حیرت سے دیکھا۔ ملکہ حسن ہذیانی لہجے میں بولی۔

"انسپکٹر...... یہی چور ہے...... اس نے رتن کمار کے ساتھ مل کر پارٹی میں میرا ہار چرایا تھا۔ اندھیرا کر کے...... اس کی تلاشی لیں۔ اس کے پاس میرا ہار ہے۔"

"میں انہیں جانتا ہوں۔" سب انسپکٹر رام دیال نے کہا۔ "آپ مسٹر دیو کمار ہیں۔ پرائیویٹ سراغ رساں...... آپ نے مجھے اس روز کے مہمانوں کی جو فہرست دی تھی اس میں ان کا نام نہیں تھا...... ان کا رتن کمار سے دور کا تعلق بھی نہیں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی......" ملکہ حسن نے تکرار کی۔ "یہ میرا ہار مجھے تیس لاکھ میں بیچنے لایا ہے۔ آپ تلاشی لے کر دیکھ لیں...... اس کی جیب میں ہار رکھا ہوا ہے......"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" رام دیال نے حیرت سے کہا۔ "مسٹر دیو کمار کیا یہ صحیح کہہ رہی ہیں......؟"

"جھوٹ...... میرے پاس ہار کہاں سے آ سکتا ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"پھر تم یہاں آئے کس لئے......؟ کیا میری شکل دیکھنے......؟" ملکہ حسن پھنکاری۔

"میں یہ پوچھنے آیا تھا کہ اگر میں نے ہار کا پتا چلا لیا اور برآمد کر لیا تو کیا مجھے بھی دس فیصد کمیشن مل سکتا ہے؟" ٹائیگر بولا۔

"یہ جھوٹ پر جھوٹ بولے جا رہا ہے۔ اس کا پارہ چڑھ گیا۔ "آپ اس کی تلاشی کیوں نہیں لے رہے ہیں؟"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں...... میں تلاشی دیئے دیتا ہوں۔"

ٹائیگر نے ایک ایک کر کے سارے کپڑے اتار کر صوفے پر ڈال دیئے۔ اب وہ صرف انڈر ویئر میں تھا۔ اس نے ملکہ حسن سے کہا۔

"شریمتی جی......! کہیں تو انڈر ویئر بھی اتار دوں......"

ملکہ حسن کی سیکریٹری مالنی برہم ہو کر بولی۔ "تمہیں شرم نہیں آتی عورتوں کے سامنے اس حالت میں آتے ہوئے......"

"شرم کس بات کی......" ٹائیگر نے کہا۔ "شرم کی ماں کا دیہانت ہوئے ساٹھ برس ہو گئے۔ جب عورتوں کو برہنہ ہوئے شرم نہیں آتی ہے تو مردوں کو بھلا کیوں آنے لگی...... تم بھی تو اپنی فلموں میں بے حجاب ہوتی رہی ہو...... تمہاری باس کی خواہش تھی کہ میری تلاشی لی جائے۔ میں نے اس کی ضد پوری کی ہے...... تم میرے کپڑوں کی تلاشی لے لو۔"

مالنی نے فوراً ہی ٹائیگر کے کپڑوں کی تلاشی لے لی۔ دور دور تک ہار کا پتا نہیں تھا۔ پھر اس نے کپڑے پہن لئے۔ پھر وہ رام دیال سے بولا۔

"اچھا اب مجھے اجازت دیں...... آپ گواہ رہیں کہ میرے پاس ہار نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔"

www.pdfbooksfree.pk

پھر وہ رام دیال سے گرم جوشی سے مصافحہ کر کے باہر آیا۔ پھر اس نے دربان کو کوٹھری کے پاس پہنچ کر کہا۔

"میرے اخبار کا رول تو دے دو کپور بابا......!"

دربان نے میز پر رکھا ہوا اخبار کا رول اٹھا کر اسے دے دیا۔ وہ شکریہ ادا کر کے چلا آیا۔

ٹائیگر رات سونے کے لئے بستر پر دراز ہوا تو اسے اپنی قسمت کی خوش نصیبی پر یقین نہیں آیا۔ اس نے خواب وخیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ الماس کا ہار اس کی دولت میں اضافہ کر دے گا۔ وہ تو بڑی نیک نیتی سے ہار لوٹانے گیا تھا۔ اس کے ساتھ جو سلوک ہوا تھا اس نے ملکہ حسن کو بہت بڑی چوٹ دے دی تھی...... کفران نعمت تھی۔ وہ ٹھکرانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا...... یہ ہار ملکہ حسن کے باپ کا نہیں تھا بلکہ اس کی کالی رات کا معاوضہ تھا۔ پھر اس نے اس ہار کو بیچنے میں دیر نہیں کی۔ سندھی مارکیٹ میں گولڈن جیولری شاپ کا مالک چوری کا مال خریدتا تھا۔ مول تول کے بعد اس نے اسی لاکھ کی رقم ادا کر دی۔ جب کہ ٹائیگر کے ایک اندازے کے مطابق اس کی قیمت ایک کروڑ سے زیادہ تھی۔

☆......☆......☆

ٹائیگر بنگلور جا رہا تھا۔ اسے ہندوستان کے تمام شہروں میں بنگلور سب سے زیادہ پسند اس لئے تھا کہ اس جیسا خوب صورت شہر کوئی اور نہ تھا۔ آب و ہوا معتدل تھی۔ جون اور جولائی میں رات کو کمبل اوڑھ کر سونا پڑتا تھا۔ اس نے وہاں ایک مکان خرید کر رکھا تھا۔ اس کی ڈپلی کیٹ چابی پڑوس میں جو برکت اللہ صاحب رہتے تھے ان کے پاس ہوتی تھی تا کہ صاف صفائی کر سکیں۔

اسے ریل گاڑی کا سفر بہت زیادہ پسند تھا۔ ابھی گاڑی کی روانگی میں خاصی دیر تھی۔ اس لئے بھی کہ وہ ابھی بھری نہیں تھی۔ مسافر ایک ایک کر کے بڑے سکون و اطمینان سے آ رہے تھے۔ وہ کھڑکی کے پاس بیٹھا باہر جھانک رہا تھا۔ ہندو، مسلم، مسیحی اور سکھ مرد اور عورتیں پلیٹ فارم پر آ جا رہے تھے۔ مسلمان عورتوں میں پردے کا رواج تھا۔ برقع بھی تھا۔ چادر بھی تھی۔ وقت گزاری کے لئے وہ پلیٹ فارم کی چہل پہل سے محظوظ ہو رہا تھا۔ وقت گزاری کے لئے اس کے پاس کوئی اور ذریعہ نہ تھا۔

کچھ دیر بعد ایک جوان جوڑا بوگی میں داخل ہوا اور ٹائیگر کی سامنے والی سیٹ پر آ بیٹھا۔ انہوں نے قلی کی مٹھی گرم کر کے ٹکٹ حاصل کئے تھے۔ ٹائیگر کو اس بات کا اندازہ ان کی بات چیت سے ہوا تھا۔

لڑکی سیاہ رنگ کے برقع میں تھی۔ اس نے ہاتھوں میں سیاہ دستانے پہن رکھے تھے اور اس کے موزے اور سینڈل بھی سیاہ تھے۔ نقاب میں اس کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔ صرف آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ چوں کہ وہ برقعے میں ملبوس تھی اور ہاتھوں میں دستانے کے باعث ٹائیگر اس کی عمر کا اندازہ نہیں کر سکا تھا۔

ٹائیگر نے لمحے بھر کے لئے سوچا کہ وہ کب تک برقعے میں اس طرح ملبوس رہے گی۔ اس جوڑے کو رخصت کرنے کوئی نہیں آیا تھا۔ ٹائیگر نے ان کے سامان کا جائزہ لیا۔ ان کے پاس صرف ایک اٹیچی، دستی بیگ اور بریف کیس تھا۔ ایک پلاسٹک باسکٹ بھی جس سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ لمبے سفر پر جا رہے ہیں۔ یہ بوگی صرف مخصوص تھی لمبے سفر والوں کے لئے۔

جب گاڑی چل پڑی اور اس نے بیس منٹ کی مسافت طے کر لی تب اس لڑکی نے برقع اتارا اور بڑے سلیقے سے تہہ کر کے دستی بیگ میں رکھ دیا۔ ٹائیگر کو حیرت ہوئی۔ وہ بیٹھنے کے بعد بھی برقع اتار سکتی تھی یا گاڑی کے روانہ ہوتے ہی...... بیس منٹ بعد اتارنا یہ اسرار اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ تب اس نے اس جوان جوڑے کو ناقدانہ نظروں سے دیکھا وہ اس کے سامنے والی سیٹ پر تھے۔ گو کہ یہ جوان جوڑا تو تھا۔ لیکن کچھ بے جوڑ سا تھا۔

اس میں حیرت کی کوئی بات نہ تھی۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ ہندوستان کے معاشرے میں یہ کوئی انہونی بات نہیں تھی۔ آئے دن بے جوڑ شادیاں ہوتی رہتی تھیں اور ایسے بہت سارے جوڑے سر عام نظر آتے تھے۔ اسے نہ صرف حیرت بلکہ دکھ بھی ہوتا تھا۔ پھر وہ یہ سوچتا تھا کہ بنانے والے نے ان کا جوڑ کسی مصلحت کے تحت بنایا

ہے۔ جوڑے تو آسمان پر ہی بنتے ہیں...... ایسی ناانصافیوں میں ایک جانب گھر والوں کی پسماندگی ہوتی ہے تو دوسری طرف کچھ ایسی مجبوریاں ہوتی ہیں کہ آدمی بندھ کر رہ جاتا ہے۔ ایک ازدواجی زندگی کا طویل سفر طے کرنا پڑتا ہے۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہوتا ہے۔

اسے درحقیقت اس بے جوڑ جوڑے کی شادی کا پس منظر کچھ ایسا ہی محسوس ہوا۔ اسے لڑکے پر نہ جانے کیوں بے حد ترس آیا اور دکھ سا محسوس ہوا۔ ایسا لگا کہ وہ کسی مجبوری کے باعث قربانی کی بھینٹ چڑھ گیا ہے اس کی اس لڑکی سے شادی میں اس کی مرضی اور پسند کا دخل کسی صورت اسے محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

لڑکے کی عمر ستائیس اٹھائیس برس یا اس سے ایک دو برس زیادہ ہوگی۔ لیکن وہ زیادہ عمر کا کسی بھی لحاظ سے معلوم نہیں دیتا تھا۔ وہ نہ صرف خوب رو بلکہ ایسا وجیہہ جوان تھا جو ہزاروں میں ایک دکھائی دیتے ہیں۔ دراز قامت نے اس کی وجاہت میں بے پناہ اضافہ کردیا تھا۔

اس جوان لڑکے کی بیوی کی عمر ٹائیگر کے ایک اندازے کے مطابق پچیس چھبیس برس ہوگی۔ اس کے چھریرے اور متناسب جسم اور درمیانہ قد کی وجہ سے اس کی عمر کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہو رہا تھا۔ ویسے اس کے اندازے غلط ہی ثابت ہوتے تھے۔ لڑکی کی رنگت گہری سانولی تھی...... اس کی بڑی بڑی بے حد سیاہ آنکھیں روشن اور متجسس سی تھیں لیکن چہرے کے نقش و نگار میں تیکھا پن یا ایسی کوئی جاذبیت بھی نہیں تھی جو دیکھنے والے کو اپنی طرف متوجہ کر سکے۔

ایک بات جو ٹائیگر کو بہت عجیب اور پراسراری لگی تھی۔ وہ یہ کہ اسٹیشن سے ڈبے میں اس وقت سوار ہوئے تھے جب گاڑی کی روانگی کی دوسری وسل بجی تھی۔ وہ دونوں ویٹنگ روم سے اس طرح باہر آئے تھے جیسے قید خانے سے نکلے ہوں۔ انہوں نے قلی کو صرف اٹیچی کیس اور دستی بیگ تھما دیا تھا۔ لڑکے کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا بالکل نیا اور بڑا سا بریف کیس تھا جسے اس نے بڑی مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا جیسے کوئی چھین نہ لے اور اس میں خزانہ بھرا ہوا ہو۔ لڑکی نے ایک بڑا سا پیکٹ اٹھا رکھا تھا۔ وہ یہ سامان بڑی آسانی سے خود بھی اٹھا کر لا سکتے تھے۔ چوں کہ وہ کھڑکی کے پاس بیٹھا باہر جھانک رہا تھا۔ اس لئے ان کی ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ ان کی نشستیں اس کی نشست کے مقابل اور کھڑکی کے ساتھ تھیں۔

اس کے دوسرے ہم سفروں کے پاس اس قدر ساز و سامان تھا کہ وہ رستے میں بے ترتیبی سے نہ صرف بکھرا ہوا پڑا تھا بلکہ آمد و رفت میں رکاوٹ بن گیا تھا بلکہ بیٹھے ہوئے لوگوں کے لئے بھی تکلیف دہ اور پریشانی کا باعث ہو رہا تھا۔ اس کے لئے جگہ بنانے اور ترتیب سے رکھنے کے لئے ایک انفرادی اور بدنظمی سی مچی ہوئی تھی۔ بڑی دیر میں بہ دقت تمام سامان ترتیب سے رکھا جا سکا۔

گاڑی تیز رفتاری سے سفر کر رہی تھی۔ وقت گزاری کے لئے ضروری تھا کہ آپس میں گفتگو کی جائے۔ اور ایک دوسرے سے متعارف ہویا جائے۔ اس لئے کہ یہ بس کا نہیں بلکہ ریل گاڑی کا سفر تھا۔ موضوعات کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اسے بنگلور جانا تھا۔ کسی قریبی اسٹیشن پر اترنا بھی نہیں تھا۔ اس نے ہی سکوت کو توڑنے میں پہل کی۔

''آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں......؟''

لڑکے کو شاید اس بات کی توقع نہیں تھی کہ وہ اس سے کچھ پوچھے گا۔ وہ یک لخت اس طرح سے گھبرا گیا تھا جیسے وہ کوئی مجرم ہو اور کسی پولیس افسر نے سوال کرلیا ہو۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آیا اور گیا اور پیشانی عرق آلود ہوگئی۔ اس کی آنکھوں میں شک کی پرچھائیاں پھیل گئیں۔ اسے جواب دینے میں جھجک سی ہو رہی تھی۔ تاہم اس نے خود کو سنبھلا کر قدرے تامل کے بعد جواب دیا۔

''جی...... ہم بنگلور جا رہے ہیں۔''

اس نے اپنے بشرے یا اپنے کسی ردعمل سے یہ ظاہر ہونے نہیں دیا کہ وہ لڑکے کی بات سن کر چونک گیا ہے۔ جب لڑکے کے عمل اور اس کی اضطراری کیفیت نے ٹائیگر کو چونکا دیا تھا۔ اور پھر وہ شک و شبہے میں مبتلا ہوگیا۔

اس کے چونکنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی زندگی میں واسطہ جرم پیشہ لوگوں سے پڑتا چلا آ رہا تھا۔ ایک طویل عرصہ سے ہر بات کو نہ صرف شکی مزاج سے دیکھنا بلکہ چونکنا اس کی فطرت سی بن گئی تھی جس سے وہ باز نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ ایک پرائیویٹ سراغ رساں تھا۔ ایک طرح سے اس کے اندر جیسے کوئی خفیہ پولیس افسر تھا۔ اس لئے جب کسی کی حرکات و سکنات عجیب اور پراسراری لگتی تو اسے ایک عجیب سی بے چینی ہونے لگتی تھی۔ اس لئے وہ بے چینی کی لہر کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔

اور پھر یکایک اس کی چھٹی حس بیدار ہوگئی تھی۔

ٹائیگر کا قیاس بتا رہا تھا کہ یہ جوڑا ہرگز شادی شدہ نہیں ہے بلکہ وہ دونوں اپنے اپنے گھروں سے بھاگ کر بنگلور جا رہے ہیں...... اس بریف کیس میں وہ نقدی اور زیورات ہوں گے جو لڑکی اپنے گھر سے لے کر آئی ہے۔ عموماً اس طرح کی لڑکیاں بری بے رحمی سے اپنے گھروں میں جھاڑو پھیرتی ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ عشق کے جنون میں اندھی ہو جاتی ہیں۔ وہ نہ صرف سوچنے سمجھنے سے قاصر ہو جاتی ہیں اور انہیں کچھ بھائی نہیں دیتا ہے۔ لڑکیوں میں عقل تو ہوتی ہے نہیں...... عشق کی راہ میں قدم قدم پر فریب کھاتی رہتی ہیں۔

ٹائیگر کے ذہن میں ایک بات اور آئی تھی کہ لڑکے نے لڑکی کو بے وقوف بنانے کے لئے اس کے حسن کی خوب تعریف کی ہوگی...... اس حسن کا دور دور کوئی پتا اور نام و نشان نہیں تھا جو ایک لڑکی محسوس کرتی ہے۔ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوگی۔ اس کی اس کمزوری سے لڑکے نے فائدہ اٹھایا ہوگا...... اس نے نہ صرف اس کی تعریف کے پل باندھ دیئے ہوں گے۔ لڑکی نے بڑے خواب دیکھے ہوں گے۔ پھر وہ اپنے آپ کو واقعی خوب صورت سمجھی ہوگی اور اس لڑکے کی جھولی میں کسی پکے پھل کی طرح گر پڑی ہوگی۔ لڑکے نے تجویز دی ہوگی۔ بنگلور جا کر شادی کرلیں گے۔ شادی اور مستقبل کے خیال سے وہ گھر سے رقم اور زیورات لے کر فرار ہو رہی ہوگی۔ یقیناً لڑکی نے اونچا ہاتھ ہی مارا ہوگا۔ اس کے گھر والے یقیناً خوش حال اور دولت مند بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ لاکھوں ہی لے جا رہی ہوگی۔

جب ٹائیگر نے خیالات کے گرداب سے نکل کر تھوڑی دیر بعد کسی بہانے سے لڑکی کی طرف دیکھا۔ اسے نظروں کی گرفت میں لے کر لڑکی کے چہرے پر نظریں مرکوز کیں تو اس کا قیاس درست ثابت ہوا اور وہ ریت کے تودے کی طرح ڈھے گیا۔ گو کہ لڑکی عام شکل و صورت کی تھی۔ لیکن اپنی صورت سے اس قماش کی دکھائی نہیں دیتی تھی کہ وہ عشق کے جنون میں اپنے آپ کو لڑکے کو سب کچھ سونپ دے اور اس کی جھولی میں پکے پھل کی طرح ٹپک پڑے...... اور اپنا گھر بار ایک لڑکے کی خاطر چھوڑ دے اور اس کے ساتھ آنکھیں بند کر کے بھاگ نکلے۔ ایسی لڑکیاں اور ہوتی تھیں۔

وہ اپنے چہرے مہرے اور وضع قطع سے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نفیس مزاج کی لڑکی اسے لگی تھی۔ اس کے لب و لہجے کی نفاست اور شائستگی اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ لڑکی کا تعلق کسی اچھے اور اعلیٰ گھرانے سے ہے۔ وہ یوں ہی ہر طرح سے پرسکون نظر آ رہی تھی۔ اس کے بشرے سے کسی بے چینی اور ذرہ برابر اضطراب ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ جو عموماً گھروں سے فرار ہونے والی اکثر لڑکیوں کی حرکات و سکنات اور چہروں پر دکھائی دے جاتا ہے...... اگر وہ واقعی اپنے گھر اور ضمیر کی مجرم ہوتی تو ندی کی طرح پرسکون نہیں ہوتی اور اس کا وجود ہر لحہ مرتعش رہتا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی شوخی نہیں بلکہ انجانے خوف کی لرزیدگی ہوتی......

اس لڑکی کی برعکس اس کے ساتھی لڑکے کی ظاہری حالت قدرے مختلف تھی۔ وہ اپنی اندرونی اضطرابی کیفیت کو بہ وقت تمام دبائے ہوئے تھا۔ وہ مضطرب سا ہو کر بار بار بریف کیس کو کسی نہ کسی بہانے دیکھتا جو اس کے پاس ہی رکھا تھا...... جسے اس کا بس چلے تو اسے سینے سے لگا لے یا اپنی آغوش میں بھر لے۔ جب کسی کی نگاہیں غیر ارادی طور پر اس خوب صورت سے بریف کیس کی طرف اٹھ جاتیں تو وہ ایک دم سے چوکنا ہو جاتا اور اس

www.pdfbooksfree.pk

شخص کی طرف مشکوک نظروں سے دیکھنے لگتا۔ چہرہ متغیر سا ہونے لگتا۔

ٹائیگر کا تجسس بر برابر بڑھتا رہا جو ایک قدرتی اور فطری امر تھا۔ اس کا شک اس یقین میں تبدیل ہو چکا تھا کہ اس بریف کیس میں ہزاروں کے نہیں بلکہ لاکھوں کے زیورات موجود ہیں۔ اس لئے وہ ہر نگاہ پر کسی سہمی ہوئی ہرنی کی طرح چوکنا ہو جاتا ہے اور اس بریف کیس سے ایک لمحے کے لئے غافل نہیں ہو رہا ہے۔ ایک اسٹیشن پر جب گاڑی سگنل نہ ملنے کی وجہ سے چند لمحوں کے لئے رکی اور ایک گشتی سپاہی نہ جانے کسی کی تلاش میں بوگی میں جھانکا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ لرزے کا مریض بن گیا۔ سوائے ٹائیگر کے کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی...... اگر کوئی ہم سفر اس کا بے لہو چہرہ دیکھتا تو شک میں پڑ جاتا یا پھر اس سے پوچھتا کہ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا......؟

لیکن دوسری طرف لڑکی کی طمانیت شکوک کو رفع کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ اس بریف کیس میں لڑکی کے اپنے زیورات ہوتے تو وہ زیادہ پریشان اور محتاط ہوتی...... ٹائیگر کے خیال میں لڑکا ایسی حماقت کرنے سے رہا کہ وہ اپنے ہی گھر پر ڈاکا مارے یا پھر اس بریف کیس میں کوئی ایسی چیز تھی جس نے لڑکے کو ہوشیار اور چوکنا رکھا ہوا تھا۔ وہ ایک ایسی عجیب سی الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا کہ جب کہ کبھی اور کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور پھر اسے اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

جب شام کے گہرے سائے رات کی تاریکی میں ہم آغوش ہونے لگے جب پوری بوگی میں ایک ہلچل سی پیدا ہو گئی۔ چوں کہ رات کے کھانے کا وقت ہو رہا تھا اس لئے مسافر اپنے ناشتے دان کھولنے اور دستر خوان بچھا کر کھانا چننے لگے۔ ٹائیگر کو بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے اسٹیشن پر صرف ایک پیالی چائے پی تھی۔ ہم سفروں میں صرف وہ ایک ایسا شخص تھا جس کے پاس کھانا نہیں تھا۔ اسے پچھتاوا سا ہو رہا تھا کہ اس نے اسٹیشن پر کسی مسلم ریسٹورنٹ سے بریانی پارسل کیوں نہیں کروائی تھی۔ ٹرین میں ڈائننگ کار تھی جس میں ویجیٹیرین کھانے دستیاب تھے لیکن ممبئی اسٹیشن کے مسلم ریسٹورنٹ کی بریانی بڑی لذیذ اور ذائقہ دار ہوتی تھی۔ اسے دو ایک مرتبہ کھانے کا اتفاق ہو چکا تھا۔ گاڑی پلیٹ فارم پر خاصی دیر کھڑی رہی تھی۔ اس ہوٹل کے باوردی ویٹر بھی گزرے تھے۔ تب اسے دھیان نہیں آیا تھا کہ رات کے کھانے کا وہ کیا کرے گا۔ اب اسے ویجیٹیرین کھانے پر انحصار کرنا تھا۔

اس نے سوچا کہ کسی اسٹیشن پر گاڑی رکی یا ڈائننگ کار کا کوئی ویٹر اندر سے گزرا تو لے لے گا۔ ایک ویٹر آیا تو اس نے معذرت کی اور کہا کہ صرف چائے یا کافی یا کولڈ ڈرنکس مل سکتی ہے۔ اس نے بتایا کہ اب جو اسٹیشن آنے والا ہے وہ پینتالیس منٹ بعد...... شاید وہاں کھانا مل جائے۔ ٹائیگر کے پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے تھے۔ لیکن اب صبر کے سوا چارہ نہیں تھا۔

لڑکی نے اوپر والی برتھ سے اپنا پرس اٹھایا اور اسے برتھ پر رکھ کر کھولا۔ ٹائیگر نے نہ چاہتے ہوئے بھی ادھر دیکھا۔ شامی کباب، فرائی قیمہ اور روغنی پراٹھوں کے ساتھ سلاد اور پودینے کی چٹنی بھی تھی۔ گتے کی رکابیاں بھی تھیں۔ لڑکی نے ایک رکابی میں دو پراٹھے رکھے۔ پھر دوسری رکابی میں اس نے بڑے سلیقے اور قرینے سے دو ابلے ہوئے انڈے، دو شامی کباب، قیمہ چٹنی اور سلاد رکھا۔ پھر اس نے اپنے سر اور سینے پر دوپٹا درست کیا۔ پھر ان دونوں رکابیوں کو اپنے دونوں ہاتھ میں اٹھا کر یک لخت ٹائیگر کی طرف گھومی۔ پھر اس نے ٹائیگر کو اپنائیت بھرے لہجے میں مخاطب کر کے کہا۔

"یہ لیجئے انکل......! آپ بھی کھانا کھالیں۔"

ٹائیگر کو اس لڑکی سے اس قسم کے سلوک کی توقع نہیں تھی۔ وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک اجنبی لڑکی گھر کے فرد کی طرح پیش آئے گی۔ لڑکی نے اسے رسمی طور پر دعوت دینے کے بجائے عملی طور پر ایک انجانے خلوص اور جذبے کا اظہار کیا تھا۔ اس لڑکی کی مہمان نوازی اور اپنائیت نے اسے بے حد متاثر کیا تھا۔ ٹائیگر نے چونک کر رسمی طور پر نیم دلی سے انکار کیا اور کہا۔

"آپ لوگ بسم اللہ کریں...... تھوڑی دیر میں اسٹیشن آنے والا ہے۔ میں اسٹیشن سے لے لوں گا۔"

"انکل......! پلیز......! اس نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ اس میں لجاجت بھی تھی۔ وہ ٹائیگر سے اس طرح پیش آرہی تھی جیسے وہ واقعی اس کا انکل ہو۔" امی نے ہم دونوں کے لئے کتنا سارا کھانا تیار کر کے دے دیا ہے...... اتنا سارا کون کھائے گا...... ہم سفر غیر مذہب ہیں وہ کباب اور قیمہ کا گوشت کہاں کھاتے ہیں۔ ورنہ میں انہیں بھی پیش کر دیتی...... اور پھر ریلوے کے کھانے پر پیسے کیوں برباد کرتے ہیں...... ان کے کھانے کھا کر آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔"

آخری جملہ ادا کرتے وقت اس لڑکی کا لہجہ قدرے شوخ ہو گیا تھا۔ وہ بڑی خوش مزاج اور زندہ دل واقع ہوئی تھی۔ ٹائیگر نے مجبوراً اس پرخلوص لڑکی کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

امی تو قورمہ، چکن کڑائی اور مرغ بریانی اور نہ جانے کیا کیا پکا کر دینا چاہ رہی تھیں جیسے ہم تین چار دن کے سفر پر جا رہے ہیں۔"

لڑکی نے لڑکے کی طرف شوخ نظروں سے دیکھا تو لڑکا معنی خیز انداز سے مسکرا کر رہ گیا۔ "جہاں ہم جا رہے ہیں وہاں شاید کھانا نہیں ملے گا......" وہ ہنس پڑی۔

اب ٹائیگر کے لئے کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں رہی تھی اور اس کا قیاس بھی غلط ثابت ہوا تھا۔ گھر سے بھاگنے والی لڑکی کو اس کی ماں سفر میں کھانے کے لئے پرتکلف کھانا بنا کر دینے سے رہی۔ ان چیزوں کا ذائقہ اور شکل بتا رہی تھی کہ یہ گھر کے پکے ہوئے کھانے کسی عورت کے ہاتھ کے تیار کردہ ہیں۔ بہت مزیدار اور لذیذ چیزیں تھیں۔ ٹائیگر نے بڑی رغبت سے کھایا اس لئے بھی اسے کبھی کبھی اور عرصہ بعد کسی عورت کے کھانے اتفاقیہ نصیب ہوتے تھے۔

کھانے کے دوران وہ لوگ ایک دوسرے سے متعارف ہوئے۔ لڑکی کا نام عطیہ اور لڑکے کا نام فراز...... کوئی ایک ماہ پیشتر ان دونوں کی شادی ہوئی تھی۔ لڑکی کے والد کی بھنڈی بازار میں جیولری کی ایک چھوٹی سی دکان تھی جو خوب چلتی تھی۔

لڑکے کے والدین بھائی، بہن اور کوئی بھی قریبی رشتہ دار نہیں تھا۔ اس کے کچھ رشتہ دار احمد آباد میں رہتے تھے۔ اس نے دو برس سے ایم بی اے کیا ہوا تھا۔ وہ شادی کے بعد اپنی بیوی کو ساتھ لے کر بنگلور جا رہا تھا کیوں کہ بنگلور میں ملازمت ممبئی شہر کی نسبت آسانی سے مل جاتی تھی۔ اس نے کمپیوٹر کے دو ایک ایسے پروگرام کورس کئے ہوئے تھے جس کی بڑی مانگ تھی۔ عطیہ کا کسی کالج میں لیکچرر کے لئے اپلائی کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ اس نے ڈبل ایم اے انگلش میں کیا ہوا تھا اور ممبئی میں ایڈن گرلز کالج میں ایک برس سے پڑھا رہی تھی۔ وہ دونوں اپنی نئی زندگی کا آغاز بنگلور جیسے خوب صورت شہر سے کرنا چاہتے تھے۔ ممبئی کے مقابلے میں یہ شہر ہر لحاظ سے پرسکون ماحول کا تھا۔ یہاں وہ مسائل نہیں تھے جو ممبئی میں تھے۔

اب ٹائیگر تجسس کی دنیا سے نکل آیا تھا۔ کیوں کہ اب اس کے لئے کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ اس کے دل و دماغ پر شکوک کے جو گہرے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے وہ ایک ایک کر کے چھٹ گئے تھے۔ اب اس کی نظروں کے سامنے صاف وشفاف اور نکھرا ہوا آسمان تھا۔ اس نے اپنے بارے میں بتایا ہوگا کہ بنگلور میں اس نے ایک مکان خرید کر رکھا ہوا ہے۔ اس کا چھوٹا موٹا پلاسٹک کا کاروبار ہے۔ وہ مکان میں کچھ دن رہنے جا رہا ہے۔ جو خالی پڑا ہو۔

وہ سمجھ گیا کہ اس بریف کیس میں نہ صرف کچھ نقد ہے بلکہ شادی کے زیورات موجود ہیں۔ جو ان کی اپنی ملکیت ہے۔ ظاہر ہے ایک جوہری نے اپنی بیٹی کو جہیز میں قیمتی زیورات دیئے ہوں گے۔ ان زیورات کے عوض لڑکا بک گیا تھا جب کہ اس لڑکے کو فروخت ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنی خوب صورتی اور وجاہت سے فائدہ اٹھا کر کسی بھی بڑے گھر کا داماد بن سکتا تھا اور اسے بیوی بھی حسین و جمیل مل جاتی۔ یہ شاید عجلت پسند تھا یا پھر اس نے

www.pdfbooksfree.pk

کسی خاص مقصد سے اس لڑکی سے شادی کرلی تھی۔

زندگی کے اس سفر میں لڑکا واقعی بڑا ہی خوش نصیب تھا کہ اسے عطیہ جیسی بیوی ملی تھی جو ہر لحاظ سے ایک مکمل عورت تھی...... ایک روایتی عورت جو لگی بندھی ڈگر پر چل کر گھر کو جنت کا نمونہ بناتی ہے اور شوہر پرست ہوتی ہے۔ ایک مرد ایسی بیوی پر بجا طور پر ناز اور فخر کرسکتا تھا۔ ایسی مثالی لڑکیاں خال خال ہی مظاہرے میں نظر آتی تھیں۔

پونا اسٹیشن پر گاڑی رکی تو اس نے ٹائیگر اپنے اور سرفراز کے لئے بھی چائے منگوائی۔ اس نے ٹائیگر کو چائے کے پیسے دینے نہیں دیئے تھے۔ اس نے اپنا پرس جو اٹیچی سے نکالا تھا اس میں سے چائے کے پیسے نکال کر دیئے تھے۔ جب ٹائیگر نے خوانچے والے کو بلا کر اپنی پسند کے سگریٹ کے بارے میں پوچھا تو اس نے ٹائیگر کو دو پیکٹ کے بھی پیسے دیئے تھے۔ جب اس نے احتجاج کیا اور پیسے دینے لگے تو وہ بہن کی طرح روٹھنے لگی۔ ٹائیگر کو ایسا لگا کہ جیسے وہ اپنی بہن کو اس کی سسرال چھوڑے جارہا ہو۔ اس میں اور عطیہ میں بہت ساری باتیں مشترک تھیں۔ عطیہ کے خلوص...... اپنائیت کے جذبے اور محبت آمیز برتاؤ نے اس کے اندر سر یہ جذبہ بیدار کیا تھا وہ اس کی زندگی کے لئے دعا کرے۔

مارچ کا مہینہ تھا۔ باہر کا موسم بڑا خوشگوار اور دلکش سا ہوگیا۔ بہار کا موسم عجب بہار دے رہا تھا...... اور پھر عطیہ کی باتوں اور بے حد مخلصانہ برتاؤ سے فرحت بخش ہو کر دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر گیا تھا۔ عطیہ نے سفر کو بڑا سہانا بنا دیا تھا۔ اور اسے بالکل بھی محسوس نہیں ہورہا تھا کہ وہ اکیلا سفر کررہا ہے۔ اس نے سوچا کہ اگر عطیہ سے سفر میں ملاقات نہ ہوتی تو وہ نہ صرف تنہائی محسوس کرتا بلکہ بڑی بوریت بھی محسوس کرتا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ عطیہ کو اس کی سسرال چھوڑ کر لوٹ رہا ہے۔ اس سے اس کی طبیعت پر ایک گہری یاسیت اور اداسی چھا گئی تھی۔ جس کا اس نے دل پر گہرا اثر لیا تھا۔ ٹائیگر لڑکیوں کے بارے میں بہت جذباتی ہوتا تھا۔ اسے ایسا بھی لگ رہا تھا کہ عطیہ سے جیسے کوئی انجانا رشتہ ہو۔

سرفراز ایک طرح سے اس سے الگ تھلگ ہی رہا۔ ٹائیگر نے اندازہ کیا کہ وہ شاید بریف کیس میں موجود دولت کے باعث اس سے اور دوسرے ہم سفروں سے میل جول بڑھانے میں احتیاط برت رہا ہے۔

جب اس نے ٹائیگر کو زیادہ لفٹ نہیں دی تو وہ بھلا اس کی کیا پرواہ کرتا۔ اور سمجھاتا کہ تم جو اس قدر محتاط اور چوکنا ہورہے ہو اس سے ہم صرف شک کرسکتے ہیں کہ بریف کیس میں یقیناً مال بھرا ہوا ہے۔ وہ عطیہ سے بہت گھل مل گیا۔ کیوں کہ آخر وہ ایک سونا جیسی لڑکی تھی۔ اس سے اس طرح پیش آرہی تھی وہ جیسے اس کے خاندان کا کوئی فرد ہو۔

جب مسافر سونے کی تیاری کرنے لگے تو اوپر والی برتھوں پر سرفراز اور ٹائیگر آمنے سامنے لیٹ گئے تھے۔

درمیان والی برتھوں پر عطیہ اور ایک برقع پوش عورت اپنے نوزائیدہ بچے کے ساتھ لیٹ گئی۔ برقع پوش عورت کے سخت گیر شوہر نے جو ایک کشمیری پٹھان تھا سیٹوں کے درمیان چادر لگا کر پردہ تان دیا تھا تا کہ اس کی بیوی سکون و اطمینان اور آزادی سے سوسکے۔ وہ سب سے نیچے برتھ پر دراز ہوگیا۔ ٹائیگر کو اس لئے دراز ہوتے ہی نیند آگئی اور جلد ہی نیند کی آغوش میں چلا گیا تھا کہ موسم اور خوش گوار اور حسین ہوگیا تھا۔ خنک ہوا نے جیسے لوریاں دے کر سلا دیا ہو۔

کسی اور اسٹیشن پر گاڑی رکی تو پلیٹ فارم پر مسافروں اور قلیوں کے شور سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ شاید کوئی جنکشن تھا۔ اس نے آنکھیں بند کرکے سونے کی کوشش کی لیکن تھی کہ کسی ہرجائی محبوبہ کی طرح روٹھی ہوئی تھی۔ اس نے سرفراز کی طرف دیکھا۔ وہ سو نہیں جاگ رہا تھا۔ شاید اس کی آنکھ بھی شور کی وجہ سے کھل گئی تھی۔ اس نے بریف کیس کو سرہانے رکھ کر تکیہ بنایا ہوا تھا۔ اگر کوئی بریف کیس کو اس کے سر کے نیچے سے بریف کیس کھینچتا تو اس کی آنکھ ضرور کھل جاتی۔

عطیہ درمیانی برتھ پر لیٹی ہوئی تھی وہ نکل کر فرش پر

www.pdfbooksfree.pk

کھڑی ہوگئی۔ اس نے اس کی طرف مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور کہا۔

''انکل......! کیا آپ بھی جاگ رہے ہیں......؟ آپ تو لیٹتے ہی سو گئے تھے؟''

''میں شور سے بیدار ہوا ہوں...... ورنہ گہری نیند سوتا ہوتا......''

''آپ جاگ ہی گئے ہیں تو چائے پی لیں...... آپ کے لئے میں چائے منگواتی ہوں۔'' اس نے کہا۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''بھئی...... مجھے چائے نہیں بلکہ نیند پیاری ہے...... چائے تو نیند کی دشمن ہوتی ہے...... اب میں نے دو گھونٹ چائے پی بھی لی تو ساری رات سو نہیں سکوں گا...... لہٰذا مجھے معاف ہی رکھو......''

عطیہ اس کی باتیں سن کر مسکرا اٹھی۔ پھر اس نے کھڑکی میں سے سر باہر نکال کر چائے والے کو آواز دی۔ جب وہ کھڑکی کے پاس آیا تو اس نے چائے والے کو چائے کے لئے کہا...... ٹائیگر نے سونے کی کوشش کی۔ آنکھیں موند لیں۔ لیکن وہ اس حالت میں کسی کی بھی حرکات وسکنات دیکھ سکتا تھا۔ عطیہ نے اپنا پرس کھول کر اس میں سے بیس روپے کا نوٹ نکالا تو اس نے ایک چھوٹی سی پڑیا کو پرس سے نکل کر فرش پر گرتے ہوئے دیکھا۔ عطیہ نے فوراً ہی بجلی کی سی سرعت سے جھک کر اس پڑیا کو اس طرح سے اٹھایا جیسے وہ کوئی قیمتی ہیرا ہو...... پھر اس نے اس پڑیا کو بائیں ہاتھ کی مٹھی میں اس طرح سے دبالیا کہ جیسے اسے کسی کی نظروں میں لانا نہ چاہتی ہو۔

عطیہ کی اس حرکت نے اسے بری طرح چونکا دیا۔

اسی لمحے وہ ٹائیگر کو بری پراسرار اور عجیب سی لگی۔ اس کے دل کے کسی کونے میں شک کی لہر اٹھی...... نہیں...... کہیں یہ زہر کی پڑیا نہ ہو۔ لیکن زہر کا اس کے پاس کیا کام......؟ بالفرض محال وہ زہر ہے تو اس نے کیوں اور کس لئے اپنے پرس میں رکھا ہوا ہے...... کیا وہ اپنے شوہر کو زہر دینا چاہتی ہے......؟

جب چائے والا چائے لے کر آیا تو اس نے دونوں پیالیاں لے کر مڑنے سے پہلے ٹائیگر کی طرف دیکھا...... وہ سوتا بن گیا اور لمبی لمبی سانسیں لے کر یہ تاثر دینے لگا کہ وہ گہری نیند سو گیا ہے۔

دوسرے لمحے عطیہ نے اسے دھیمی آواز میں مخاطب کیا۔ ''انکل......! آپ چائے پئیں گے؟''

جب ٹائیگر نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تو اس نے دونوں پیالیاں لے لیں۔ پھر اس نے سرفراز کی طرف دیکھا...... سرفراز آنکھیں بند کئے انجانے تصور میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کا خوب صورت چہرہ جانے کن خیالوں سے دمک رہا تھا اور اس کے رخ پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ بھی کھیل رہی تھی جیسے سکندر کی طرح ساری دنیا کو فتح کرلیا ہو۔

عطیہ نے بڑی سرعت سے پلٹ کر چائے کی دونوں پیالیاں اپنی برتھ کے بستر کے قریب رکھ دیں۔ پھر اس نے گریبان سے پڑیا نکال لی۔ اس نے وہ پڑیا گریبان میں رکھ لی تھی وہ دیکھ نہیں سکا تھا۔ جب اس نے بغیر کسی تاخیر کے وہ پڑیا کھولی تو اس کے ہاتھ میں کپکپاہٹ پیدا ہوگئی تھی جس پر اس نے جلد ہی قابو پالیا تھا۔

چند لمحوں کے بعد اس نے گرد و پیش کا جائزہ لے کر اپنا اچھی طرح سے اطمینان کرکے پڑیا کا سارا سفوف ایک پیالی میں ڈال دیا۔ وہ اس قدر محتاط ہوگئی تھی کہ خالی پڑیا کو کھڑکی کے راستے باہر پھینکنے میں پل بھر کی بھی دیر نہیں کی تھی۔ اس کی پیشانی عرق آلود ہوگئی تھی۔ اس نے دوپٹے کے پہلو سے پیشانی کے پسینے کو جذب کیا اور ایک گہرا سانس لیا۔

پھر اس نے فوراً ہی طشتری میں سے چمچ اٹھا کر اس سفوف کو چائے میں گھولنے لگی۔ وہ چند لمحے تیزی سے چمچ چلاتی رہی۔ جب اسے اچھی طرح اس بات کا اطمینان ہوگیا کہ سفوف چائے میں اچھی طرح سے حل ہوگیا ہے تو اس نے چمچ نکال کر طشتری میں رکھا۔ اس دوران اس کے چہرے پر پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔ اس نے اسے دوپٹے میں جذب کیا۔ اچھی طرح سے چہرہ پونچھا۔ پھر اس نے سر پر

دوپٹا رکھ کر درست کیا۔ پھر چائے کی پیالی دائیں ہاتھ میں اٹھالی۔ پھر اس نے بائیں ہاتھ سے سرفراز کا بازو ہلایا جو گہری نیند میں غرق تھا۔

چند ثانیوں کے بعد سرفراز نے بیدا ہوکر اس کی طرف دیکھا۔ ''کیابات ہے؟''

عطیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا...... اس کے شوخ لہجے میں ہلکا سا طنز تھا جو صاف طور پر محسوس ہوتا تھا۔

''سرتاج چائے لیجئے......! کنیز نے آپ کے لئے چائے منگوائی ہے۔''

سرفراز نے چونک کر پہلے تو بریف کیس کی جانب نگاہ کی۔ پھر اس نے اپنی دونوں آنکھیں ملیں۔ پھر اس نے اپنی پوری آنکھیں کھول کر اس کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے ترنگ کے عالم میں پوچھا۔

''کون سی جناب......؟''

''ریلوے اسٹیشن کی......'' عطیہ گنگنائی۔

سرفراز اٹھا اور بریف کیس سے پشت لگا کر بیٹھ گیا۔ وہ عطیہ کے ہاتھ سے چھائے کی پیالی لیتے ہوئے مسکرایا۔

''آپ کی اس نوازش کا بہت بہت شکریہ...... آپ میری ہر بات کا کتنا خیال رکھتی ہیں۔''

''آپ بہت ہی ہوشیار...... بادشاہ سلامت......'' عطیہ نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔

''اس میں ہوشیاری کی کیا بات ہے......؟''

سرفراز نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''بادشاہ سلامت......! اس میں ہوشیاری کی کیا بات ہے نہیں ہے تو پھر کیا ہے......؟ آپ میری ہر نوازش کو شکریے پر ٹال دیتے ہیں...... کوئی انعام و اکرام سے نوازتے نہیں ہیں۔'' وہ شرارت کے انداز میں آہستگی سے بولی۔

''وقت آنے پر ہم اپنی ملکہ عالیہ کو ایسی فیاضی سے نوازیں گے کہ...... آپ زندگی بھر فراموش نہیں کرسکیں گی...... آپ نے ہمارا دل کہاں دیکھا ہے......؟'' سرفراز نے متکبرانہ لہجے میں کہا۔

''کنیز...... اس روز کا بے تابی سے انتظار کرتی رہے گی......'' عطیہ نے کورنس بجالاتے ہوئے کہا۔

''آپ فکرمند نہ ہوں...... وہ دن بہت جلد آپ کی زندگی میں طلوع ہونے والا ہے......'' سرفراز نے کہا۔

''ہم اس دن کا انتظار کریں گے بادشاہ سلامت......!'' عطیہ نے کہا۔

''بس...... وہ دن...... دو ایک دن میں ہی آجائے گا...... آپ ہم پر بھروسا رکھیں۔''

عطیہ جانے کس خیال میں لجا سی گئی اور وہ اس لمحے ٹائیگر کو بہت اچھی لگی۔ اس لمحے اس کے چہرے پر حیا سے ایک نکھار آگیا تھا۔ جس نے عجیب سی جاذبیت پیدا کردی تھی۔ لیکن وہ سمجھ گیا کہ عطیہ اپنی اداکاری اور عیاری کا جوہر دکھا رہی ہے۔ وہ بڑے بھولپن اور سادگی سے سرفراز کو بے وقوف بنا رہی ہے۔ اس بات کا ٹائیگر کو اندازہ نہ تھا کہ وہ اس قدر تیز لڑکی ہے۔ کسی دودھاری تلوار کی طرح۔

صاحب زادے عطیہ کو لجاتے دیکھ کر کھل اٹھے۔ انہوں نے ایک ہاتھ میں چائے کی پیالی پکڑ رکھی تھی...... دوسرے ہاتھ سے عطیہ کی کلائی پکڑلی تو وہ سرخ ہوگئی......

''کچھ تو خیال کیجئے...... یہ ریل گاڑی ہے...... بیڈروم نہیں......'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

''تم اس قدر حسین دکھائی دے رہی ہو کہ دل قابو میں نہیں آرہا ہے۔'' سرفراز نے شاعرانہ انداز میں کہا۔

عطیہ نے فوراً ہی اپنے آپ کو اس خول سے باہر نکالا اور غیرمحسوس انداز سے اپنی کلائی چھڑالی اور بولی۔

''عالی جاہ......! چائے ویسے ہی ٹھنڈی ہوئی جارہی ہے۔ اگر آپ کا فرمان شاہی جاری رہا تو برف بن جائے گی۔''

''ٹھنڈی ہورہی ہے تو اسے پھینک دو اور دوسری گرم چائے منگوالو......'' سرفراز نے کہا۔

''اب اتنا وقت نہیں رہا کہ چائے کا انتظار کیا جائے...... یوں بھی چائے کے اسٹال پر بہت رش

ہے...... چائے پوری طرح ٹھنڈی نہیں ہوئی ہے...... نیم گرم تو ہے۔'' عطیہ نے فوراً ہی کہا۔

''اگر ایسی بات ہے تو زہر مار کرلیتے ہیں......'' سرفراز نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سرفراز نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر کڑوا سا منہ بنایا۔ ''کیا واہیات چائے ہے۔ میں نے کبھی ایسی چائے نہیں پی۔''

''یہ چائے ریلوے پلیٹ فارم کی ہے۔ آپ کے شاہی باورچی خانے کی نہیں ہے۔'' عطیہ نے جھٹ سے جواب دیا۔ پھر وہ چائے کا گھونٹ لے کر بولی۔ ''آخر میں بھی تو پی رہی ہوں...... ایسی خراب بھی تو نہیں ہے۔''

''میں نہیں پیوں گا یہ کڑوی کسیلی چائے۔'' اس نے چائے کی پیالی عطیہ کی طرف بڑھائی۔

''چائے نہیں پیو گے تو اپنی نیند کیسے بھگاؤ گے......؟'' عطیہ نے سراسیمہ ہوکر اس کے قریب ہوکر سرگوشی کی۔

''کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں رات بھر نہیں سوؤں......'' سرفراز نے الجھ کر کہا۔ ''جاگتا رہوں...... تمہیں دیکھتا رہوں۔''

''اگر تمہیں نیند آگئی تو سمجھو کہ......'' عطیہ نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''اوہ...... مجھے تو اس بات کا دھیان ہی نہیں رہا۔''

سرفراز نے چونک کر بریف کیس کی طرف دیکھا۔

''عالی جاہ......! گھوڑے بیچ کر نہیں بلکہ تخت و تاج بیچ کر سو رہے تھے...... میں نہیں جگاتی اور چائے نہیں منگواتی تو...... عالی جاہ کی آنکھ شاید بنگلور جاکر کھلتی...... چائے پیتے نیند بھاگ جائے گی۔'' وہ شوخی سے بولی۔

''نیند کیا...... شیطان بھی بھاگ جائے گا۔''

سرفراز نے ایک ہی سانس میں چائے حلق سے اتارلی۔ پھر اس نے برا سا منہ بنایا۔ اس چائے سے تو کسی بھی سرکاری اسپتال اور ڈسپنسری کی مکسچر لاکھ درجے بہتر ہوگا...... کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی اور سے چائے لے لو۔''

''وہ کس لئے......؟'' عطیہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''اس چائے سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔''

''منہ کا ذائقہ بہت خراب ہوگیا ہے...... اچھی چائے کی بڑی طلب ہورہی ہے۔'' سرفراز نے کہا۔

''گاڑی چلنے والی ہے۔'' عطیہ نے اس کے ہاتھ سے چائے کی پیالی لے لی۔ ''تم جاگتے رہو گے...... کسی اور اسٹیشن سے تمہیں اچھی چائے پلادوں گی۔ پہلے میں پی کر دیکھوں گی...... اچھی لگی تو عالی جاہ کی خدمت میں پیش کروں گی۔''

ٹائیگر نے عطیہ کے چہرے پر ایک فاتح جرنیل کی سی مسکراہٹ دیکھی...... اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں کڑکڑاتی بجلیوں کی لپک دکھائی دے رہی تھی...... سرفراز نے جو پوری چائے پی لی تو اس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ جیسے اس کے سر سے منوں بوجھ اتر گیا ہو۔ اور اعصاب پھول کی طرح ہلکے ہوگئے ہوں۔ جب چائے والا اپنی پیالیاں لینے آیا تو اس نے نہ صرف دس روپے بخشش اور چائے کے پیسے دیئے اور اس پر اپنی کامیابی پر سرشاری سی تھی۔

ٹائیگر تو کب سے اپنی جگہ پر لیٹا ہوا عطیہ کی حرکات وسکنات دیکھتا رہا تھا۔ لحہ بہ لحہ اس کی حیرت دوچند ہوئی جارہی تھی...... ایک سیدھی سادی لڑکی نے یکایک اپنا چولا بدل کر اسے جیسے اوپر برتھ سے نیچے گرادیا تھا۔ اس کے ذہن پر ہتھوڑے پڑنے لگے...... اس کے ذہن میں خیالات گڈمڈ ہونے لگے اور وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہ رہ سکا کہ درحقیقت وہ دونوں میاں بیوی نہیں ہیں بلکہ میاں بیوی کا ڈرامہ رچا کر دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔ ورنہ وہ کچھ دیر پہلے ایک میاں بیوی کئی مسافروں کی موجودگی میں وہ گہری نیند سو ہی کیوں نہ رہے ہوں ایسے شوخ اور محبت بھرے انداز میں بات نہیں کرسکتے...... میاں بیوی یوں بھی صاف پہچانے جاتے ہیں۔ یہ دونوں تو فلمی رومانی جوڑا بنے ہوئے تھے۔

لیکن دوسری طرف اس کی بدصورت محبوبہ نے اس کی بچھائی ہوئی ساری بساط الٹ دی تھی...... شہ مات کے اس مات کھیل میں عطیہ کا پلہ بھاری تھا۔ اس کے دل

www.pdfbooksfree.pk

میں شاید لالچ آ گیا تھا۔ وہ ایک خطرناک اور طرح دیتی ہوئی...... گہری اور سنبھلی ہوئی عورت دکھائی دے رہی تھی...... اس نے سرفراز کی چائے میں نیند یا بے ہوشی کی دوا ملا دی تھی کہ جیسے ہی سرفراز پر بے ہوشی طاری ہو جائے تو وہ بریف کیس لے کر کسی اسٹیشن پر اتر جائے گی...... ٹائیگر کو زیادہ اس بات کا امکان ہے کہ عطیہ کا کوئی ساتھی اس گاڑی میں موجود ہو اور اس کی موجودگی کے باعث ہی اس نے اتنا بڑا اقدم اٹھایا ہو۔

یہ بچوں کا کھیل نہیں تھا اور ایک عام قسم کی لڑکی اتنی ہمت سے یہ کام کر سکتی تھی۔ لیکن ٹائیگر نے بھی دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ...... وہ عطیہ کو اپنے ارادوں میں کسی قیمت پر کامیاب نہیں ہونے دے گا۔

عطیہ اب اس کے لئے بہت ہی پراسرار اور شاطر قسم کی لڑکی بن گئی تھی...... اب اس کے دل کے کسی کونے میں عطیہ کے لئے ہمدردی کی رمق بھی نہیں رہی تھی۔ اس کی پیشہ ورانہ زندگی اور سراغ رسانی کے کاموں میں اسے بہت ساری ایسی نوجوان اور شادی شدہ لڑکیوں سے واسطہ پڑا اور پڑتا رہتا تھا کہ جو مجرم ہوتی تھیں۔ لیکن ان میں کوئی عطیہ کی طرح ہوشیار...... ذہین اور خطرناک نہیں تھی جس سے اس کا واسطہ پڑا ہو۔ ایک بھولی بھالی لڑکی سے وہ اس طرح کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔

جب عطیہ اپنی برتھ پر جا کر لیٹ گئی اور جلد ہی گہری نیند میں ڈوب گئی تو اسے نہ صرف اپنے خیالات جھٹک دینا بلکہ بدل دینا بھی پڑے تھے۔ عطیہ نے اسے بری طرح چکرا دیا تھا۔ بلکہ بھونچکا بھی کر دیا تھا۔ بہت کچھ سوچنے کے بعد بھی اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا کہ...... آخر اس نے پڑیا چائے میں گھول کر کیوں پلائی تھی......؟ آخر اس پڑیا میں کون سی دوا تھی......؟ وہ اس کے متعلق جتنا سوچ رہا تھا اتنا ہی الجھتا جا رہا تھا۔

اس کے دماغ میں ایک کھلبلی سی مچی ہوئی تھی۔ کیوں کہ اس کے اندر جو سراغ رساں وہ پوری بیدار ہو کر اس پراسرار معاملے کی تہہ میں پہنچنے کے لئے میدان میں آ گیا تھا۔ یہ عجیب کیس تھا جو اس کے لئے فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ سونے کی کوشش کے باوجود سو نہیں سکا تھا اور اس معاملے کو صبح تک کے لئے موقوف کر دیا تھا...... اور پھر وہ سوتا بھی کیسے......؟ کیوں کہ زندگی میں پہلے اسے ایک ایسی لڑکی سے واسطہ پڑتا تھا جس نے اس کے برسوں کے تجربے کو چیلنج کر دیا تھا اور پھر اس کی تمام صلاحیتوں کو ناکارہ بنا دیا تھا...... اب اس کی قابلیت کا ایک کڑا امتحان تھا...... آزمائش تھی...... اس کے اندر تجسس کا ایک طوفان بپھرا ہوا تھا...... ایک نادیدہ آواز جیسے چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی...... اس کے کانوں میں گرم گرم سیسہ انڈیل رہی تھی...... ٹائیگر تم ایک عام قسم کی لڑکی سے ہار گئے...... تمہارے سارے اندازے غلط نکلے......

وہ لیٹا لیٹا...... آنکھوں پر بازو رکھے عطیہ پر نگاہیں مرکوز کیے ہوئے تھا۔ عطیہ مکمل طور پر اس کی نظروں کی گرفت میں تھی۔ وہ بڑے سکون و اطمینان سے گہری نیند سو رہی تھی...... اور وہ ایک احمق کی طرح اسے دیکھ رہا تھا اور جاگ رہا تھا...... آخر کیوں اور کس لئے......؟ اس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

کوئی بیس پچیس منٹ کے بعد وہ یک لخت بیدار ہو گئی۔ اس کے خیال میں وہ سو نہیں رہی تھی۔ اس لئے کہ اگر وہ سو رہی ہوتی تو اس طرح بیدار نہیں ہوتی۔ اس نے بیدار ہونے کے بعد ایک لمبی سی انگڑائی لی۔ دوپٹا سینے اور شانے پر درست کرنے کے بعد اپنی لمبی چوٹی کو پشت پر ڈال دیا۔ پھر اس نے دستی گھڑی میں وقت دیکھا۔ پھر وہ اپنا سراپا سمیٹ کر اور غیر محسوس انداز سے برتھ سے اتر آئی۔

اس کی یہ حرکت بھی بڑی پراسرار اور چونکا دینے والی تھی۔ اس نے فرش پر پیر رکھے۔ آہٹ بالکل پیدا نہیں ہوئی...... جب وہ چاروں طرف کا جائزہ لینے کے بعد اس کی طرف گھومی تو اس نے فوراً ہی اپنی آنکھیں بند کر لیں اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

چند ثانیوں کے بعد اس نے عطیہ کی طرف نیم وا آنکھوں سے دیکھا تو وہ سرفراز کا شانہ ہلا رہی تھی۔ سرفراز نہیں جاگا۔ کیوں کہ اس پر بے ہوشی طاری

تھی...... یکبارگی عطیہ نے اسے بری طرح جھن جھوڑ کر رکھ دیا۔ وہ تب بھی نہیں جاگا...... عطیہ نے اس کی چائے میں جو بے ہوشی کی دوا گھول دی تھی اس نے اپنا اثر دکھایا تھا...... جب عطیہ کو سرفراز کی بے ہوشی کا پورا یقین ہو گیا تو اس کے لبوں پر ایک زہر خند مسکراہٹ ابھر آئی اور چہرے پر سفاکی چھا گئی...... جب اس نے اپنے دونوں ہاتھ سرفراز کی طرف بڑھائے تو وہ سمجھا کہ سرفراز کو برتھ سے فرش پر گرا دے گی اور اسے کھڑکی سے باہر پھینک دے گی لیکن اس کا یہ قیاس غلط ثابت ہوا۔ اس نے فوراً ہی سرفراز کے سر کے نیچے سے بریف کیس کھینچ لیا۔

وہ چوکنا ہو گیا۔ اب اس بریف کیس اور واردات کا کلائمکس آ گیا تھا۔ اس بات کا قوی امکان تھا کہ گاڑی کے اسٹیشن پر رکتے ہی وہ بریف کیس لے کر اتر جائے گی۔ گاڑی تیز رفتاری سے اپنا سفر طے کر رہی تھی۔ جو بھی اسٹیشن آنے والا تھا اس میں خاصی دیر تھی۔ وہ بریف کیس اپنی گود میں لئے بیٹھی تھی۔ بڑے سکون اور اطمینان سے کہ سرفراز اب بیدار ہونے سے رہا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس میں نہ تو کوئی اضطراب تھا اور نہ ہی کوئی بے چینی...... بشرے اور آنکھوں سے کوئی ڈر اور خوف کا اظہار تھا۔

چند لمحوں کے بعد وہ اپنی برتھ سے اتری۔ پھر اس نے بریف کیس برتھ پر رکھا۔ جب وہ تالے کا نمبر سیٹ کرنے لگی تو اس کی انگلیوں میں ہلکا سا ارتعاش تھا...... وہ چوکس ہو کر اس کی حرکات و سکنات کو دیکھنے لگا۔ چند ثانیوں کی دیر بھی نہیں لگی۔ ایک ہلکی سی کھٹاک ہوئی۔ بریف کیس کھل گیا۔ اسی لمحے اس کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں اور اس طرح خیرہ ہو گئیں کہ اس کی نظروں کے سامنے اندھیرا سا پھیل گیا۔ جب اس کی آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو اس نے دیکھا کہ بریف کیس میں ہیرے جواہرات کے اچھے خاصے زیورات بھرے ہوئے تھے۔ ان کی مالیت کسی بھی طرح ساٹھ ستر لاکھ سے کم نہیں ہو گی۔ اس کا قیاس درست ثابت ہوا تھا کہ بریف کیس میں زیورات ہوں گے۔ لیکن وہ یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ بریف کیس میں اس قدر زیورات بھی ہو سکتے ہیں۔

اب اس بات میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں رہی تھی کہ سرفراز نے یہ سارے زیورات ڈکیتی کی واردات حاصل کر کے کیے ہیں۔ اس نے بہت ہی اونچا ہاتھ مارا تھا...... کہیں ایسا تو نہیں کہ سرفراز نے عطیہ کے والد کی دکان پر ڈاکہ مار کر جھاڑو پھیر دی ہو اور عطیہ نے محبت کے اندھے جنون میں اس سے تعاون کیا ہو...... سرفراز ایک ایسا خوب صورت، وجیہہ اور دراز قد مرد تھا کہ اس کے حصول کے لئے ایک عورت بہت دور تک جا سکتی تھی...... عطیہ نے منزل پانے کے لئے اپنے باپ کو بھی نہیں بخشا تھا۔ وہ بڑی خود غرض بن گئی تھی جو حیرت سے زیادہ دکھ کی بات تھی...... اب کس پر بھروسا کیا جائے...... ایک بیٹی نے اپنے ماں باپ پر رحم نہیں کھایا تھا ان کی پشت میں شقی القلبی سے چھرا گھونپ دیا تھا۔

عطیہ نے ان زیورات پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی اور اپنا ہاتھ بڑھا کر بریف کیس کے اس حصے کی تلاشی لی جہاں کاغذات رکھے جاتے ہیں۔ جب اس کا ہاتھ اس حصے سے باہر آیا تو اس میں ایک بڑا لفافہ دبا ہوا تھا۔ عطیہ نے لفافہ باہر نکال کر بریف کیس کو بند کر دیا۔ پھر اس نے عجلت اور اضطراری کیفیت میں لفافے کے اندر سے کاغذات نکال کر بریف کیس پر پھیلا دیئے...... ان میں پاسپورٹ کے علاوہ غیر ملکی کرنسی بھی تھی۔ پھر ان تمام کاغذات، پاسپورٹ اور کرنسی کو لفافے میں واپس ڈال دیئے۔ پھر اس نے اپنی اٹیچی اوپر والی برتھ سے اٹھائی جو سرفراز کی پائنتی رکھی ہوئی تھی۔ اس اٹیچی کو کھول کر اپنے کپڑوں کی تہہ میں اس لفافے کو چھپا دیا۔ پھر اس نے اٹیچی کو اچھی طرح سے مقفل کر کے دوبارہ اسی جگہ رکھ دیا اور اس کی چابی پرس میں رکھ کر ایک گہری سانس لی۔

نہ صرف اس کا چہرہ دمک رہا تھا بلکہ اس کی آنکھیں بھی چمک اٹھی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں جیسے ہزاروں طاقت ور برقی قمقمے جل اٹھے ہوں۔ پھر اس نے بڑی عجلت سے بریف کیس کو مقفل کیا۔ پھر اس کے بعد اس نے ایک بار پھر اپنے ہم سفروں کا جائزہ لیا اور انہیں گہری نیند میں ڈوبا پا کر اس طرح کھل اٹھی کہ جیسے اس

www.pdfbooksfree.pk

نے بہت کچھ پالیا ہو...... مگر دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے پر تناؤ کی سی کیفیت پیدا ہوگئی اور اس کی آنکھوں سے ایک پیشہ ور قاتل کی سی سفا کی جھانکنے لگی...... اگر سرفراز یا کوئی بھی اس لمحے اس کا چہرہ دیکھ لیتا تو وہ یقیناً ڈر جاتا عطیہ کے چہرے کے تاثرات اس قدر بھیانک تھے کہ وہ دنگ رہ گیا تھا۔

عطیہ نے بریف کیس اٹھایا تو اس کا خیال تھا کہ اسے واپس اپنی جگہ رکھ دے گی...... کیوں کہ اسے لفافے کی ضرورت تھی جو اس نے ایک چور کی طرح بریف کیس سے چرا کر اٹیچی میں رکھ لیا تھا...... اس نے بریف کیس کو سرفراز کے سرہانے رکھنے کے بجائے کھڑکی سے باہر پھینک دیا...... گہرے سناٹے میں ریل کے پہیوں کی جو گڑگڑاہٹ گونج رہی تھی اس کے شور میں بریف کیس کے کسی چیز سے ٹکرانے کی آواز آئی اور پھر ڈوب گئی۔

عطیہ کی اس غیر متوقع حرکت سے وہ سناٹے میں آ گیا اور اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

وہ اس لمحے ایسا مبہوت ہوا جیسے اس کی نظروں کے سامنے موت کا فرشتہ آ گیا ہو۔ اس کی نظروں کو بالکل یقین نہیں آیا کہ ایک لڑکی ہیرے جواہرات کے زیورات سے بھرا ہوا بریف کیس اس سنگ دلی سے باہر پھینک سکتی ہے......؟ اس بریف کیس میں جیسے ہیرے جواہرات نہیں کوڑا کرکٹ بھرا ہوا ہے۔

اس لمحے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ عطیہ نے یہ حرکت کیوں کی......؟ کس لئے کی......؟ آخر وہ چاہتی کیا ہے......؟ وہ سرفراز سے کسی بات کا انتقام لینے پر تلی ہوئی ہے...... یا اپنی ذات اور سرفراز کو قانون کے لمبے ہاتھوں سے بچانے کے لئے اس نے زہریلے سانپوں سے بھرا ہوا بریف کیس باہر پھینک دیا تاکہ دونوں ڈس لئے نہ جائیں...... ان کی زندگی اجڑ کر ویران نہ ہوجائے۔ جو ان زیورات سے کہیں قیمتی اور عزیز تھی...... ایک عورت جو ایثار و قربانی کا پیکر ہوتی ہے۔

شاید عطیہ نے اس بریف کیس سے وہ لفافہ نکال لیا تھا جس میں ایسے کاغذات تھے جن کی مدد سے پولیس انہیں گرفتار کرسکتی تھی۔ اس نے ایسا کوئی ثبوت اور نام و نشان رہنے نہیں دیا جو پولیس کے ہاتھ لگ سکے۔

اس کے دل میں فوری طور پر خیال آیا کہ کیوں نہ وہ زنجیر کھینچ کر گاڑی رکوالے تاکہ معاملے کی تفتیش ہوسکے۔ جہاں بریف کیس پھینکا گیا وہاں سے گاڑی نے زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا تھا۔ بریف کیس کو باآسانی تھوڑی ہی دیر میں تلاش کیا جاسکتا تھا۔ ورنہ دن کے اجالے مین اگر وہ کسی کے ہاتھ لگ جاتا ہے تو ایسی صورت میں زیورات کی بازیابی مشکل بلکہ ناممکن ہوجائے گی۔ جسے یہ زیورات ملیں گے وہ اتنا احمق نہیں ہوگا کہ پولیس کے حوالے کردے اور پھر اس دنیا میں اب ایمانداری اور فرض شناسی کہاں رہی تھی...... اور پھر ان زیورات کو پانے اپنا مستقبل تابناک بناسکتا تھا۔ ان زیورات کو پولیس کے حوالے کرنے کا مطلب اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف تھا۔

اس نے اٹھنا چاہا تو اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکا...... اس پر نیند اور کمزوری کا سا غلبہ کچھ ایسا تھا کہ وہ بے بس سا ہو کر رہ گیا تھا...... اس نے اپنی پوری قوت جمع کی لیکن بے سود...... مرغن کھانوں کا نشہ ایسا تھا کہ وہ اسے توڑ نہ سکا...... اس کے بس کا روگ نہیں لگ رہا تھا کہ وہ کوئی کارروائی کرسکے...... اس لئے اس نے خود کو حالات کے سپرد کردیا تھا لیکن ایک خیال آیا کہ عطیہ نے مجھے پونا اسٹیشن پر چائے پلائی تھی۔ اس میں کوئی نیند کی گولی تو نہیں تھی......؟ ایسا لگا کہ اس کے باعث اس کی یہ حالت ہورہی تھی...... اس نے کبھی ایسی کیفیت محسوس نہیں کی تھی...... یہ شرارت عطیہ کی ہی تھی۔

وہ غنودگی کے عالم میں عطیہ اور سرفراز کو باری باری دیکھ لیتا تھا۔ عطیہ تو واقعی گھوڑے بیچ کر سوگئی تھی۔ جب کہ سرفراز پر بے ہوشی طاری تھی۔ اب اسے صبح سے پہلے ہوش نہیں آسکتا تھا۔ بے ہوشی کی دوا نے اپنا کام کر دکھایا تھا۔

اس کی نظروں کے سامنے ایک سنسنی خیز ڈرامے کا آغاز ہوا وہ بھی اس کا ایک کردار بن گیا تھا...... اس کے ذمے جو فرض تھا اس کے پیش نظر اسے اپنا دامن آلودگی

سے بچا کر ان دونوں کو جو واقعی کسی ڈکیتی کے مرتکب ہوئے تھے۔ انہیں کیفر کردار تک پہنچانا تھا...... وہ اپنی ذمے داری سے غافل نہیں رہ سکتا تھا۔ اس لئے وہ اپنی نیند سے نبرد آزما تھا اور اس کے خلاف متواتر جدوجہد کئے جارہا تھا...... لیکن نیند سے لڑنا آسان نہیں تھا۔ وہ تختہ دار پر بھی آجاتی تھی۔

وہ دوسرے ایکٹ کا بے چینی سے منتظر تھا کہ جب سرفراز بیدار ہوگا اور اپنا بریف کیس نہیں پائے گا تو اس کا ردعمل کیا ہوگا......؟ اس دوسرے ایکٹ کے آغاز کے لئے مجھے دو گھنٹے شدید کرب اور اذیت سے گزارنا تھے۔ جان لیوا انتظار کرنا تھا......

سرفراز کی آنکھ رات کے پچھلے پہر کھلی۔

وہ اس وقت جاگ رہا تھا۔ اس وقت اس کی حالت قدرے بہتر تھی۔ وہ اس قدر نارمل ہوچکا تھا کہ آسانی سے کروٹیں لے سکتا تھا اور اٹھ بیٹھ سکتا تھا۔ توانائی بھی جیسے لوٹ آئی تھی۔ اب کمزوری نہیں رہی تھی۔ عطیہ نے اس کی چائے میں کچھ نہیں ملایا تھا۔ اسے عطیہ پر اس لئے شک ہوا تھا کہ اس نے سرفراز کی چائے میں بے ہوشی کا سفوف ملایا تھا۔ وہ کمزوری اور تھکن کے باعث نیند کے شدید غلبے میں آ گیا تھا۔ اس لئے بھی کہ دو دنوں سے جاگا ہوا تھا اور ایک کیس کے سلسلے میں بھاگ دوڑ کررہا تھا۔

سرفراز بیدار ہونے کے بعد بڑی دیر تک خلا میں گھورتا رہا اور نجانے کیا سوچتا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک مرتبہ معنی خیز مسکراہٹ ابھری تھی۔ اس کا چہرہ تھوڑی دیر تک سپاٹ اور ہر قسم کے جذبات سے عاری رہا تھا جیسے اس کا ذہن بالکل ہی خالی ہوگیا ہو...... اس کی آنکھیں ایک عجیب سی چمک لئے ہوئے تھیں۔

یک لخت وہ اس طرح سے چونکا جیسے اس نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو...... اس نے اپنا دایاں بازو کسی سانپ کی طرح سرہانے لہرایا۔ پھر اس کے ہاتھ نے ادھر ادھر بریف کیس کو ڈھونڈا...... اس کا وجود ہوتا تو اس کے ہاتھ سے ٹکراتا...... جب اس کے ہاتھ نے بریف کیس کو نہیں پایا تو وہ بدحواس ہو کر ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا......

ٹائیگر نے اپنی آنکھیں ایک خیال کے زیر اثر بند کرلیں اور سوتا بن گیا...... وہ سرفراز پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا کہ وہ رات پیش آنے والا ڈرامہ دیکھتا چلا آرہا تھا۔ جو نہایت دلچسپ اور سنسنی خیز تھا۔

اس نے چند لمحوں کے بعد کھسر پھسر کی آوازیں سن کر آنکھیں کھول دیں...... سرفراز...... عطیہ کو جگا کر بریف کیس کے بارے میں پوچھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ ہلدی کی مانند زرد ہورہا تھا...... اس عالم میں سرفراز کا چہرہ بڑا ہی خوف ناک دکھائی دے رہا تھا۔ اگر اس نے برتھ کا سہارا نہ لیا ہوتا تو تیورا کھا کر فرش پر گر پڑتا۔

ٹائیگر دل ہی دل میں عطیہ کی بے مثال اداکاری پر اش اش کر اٹھا۔ وہ پھٹی پھٹی وحشت زدہ آنکھوں سے سرفراز کو دیکھ رہی تھی...... اس کا چہرہ متوحش تھا...... اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے موتی بن کر دمک رہے تھے...... اس نے سرفراز کا بازو بڑی مضبوطی سے تھام رکھا تھا جیسے وہ سرفراز کا سہارا نہ لیتی تو پیروں پر کھڑا ہونا دشوار ہوجاتا اور گر پڑتی۔

یہ دوسرا ایکٹ بڑا بھرپور تھا اور کامیابی سے جاری تھا۔ عطیہ نے جیسے اداکاری میں ساری دنیا کی اداکاروں کو مات دے دی تھی۔

عورت واقعی بہت بڑی اداکارہ ہوتی ہے۔ اس سے کوئی جیت نہیں سکتا...... ساتھ ہی دو دھاری تلوار بھی...... جب اس نے کھنکار کر اپنی بیداری کا احساس دلایا تو ان دونوں نے ایک ساتھ گھوم کر اس کی طرف دیکھا۔

”کیا بات ہے......؟ خیریت تو ہے......!“

ٹائیگر نے باری باری ان کے چہرے دیکھ کر پوچھا۔

سرفراز اس کی برتھ کی طرف آیا۔ اس نے اپنا جھکا ہوا حیران چہرہ اوپر اٹھایا...... وہ ٹائیگر سے کچھ کہنا چاہتا تھا...... اس کے کپکپاتے ہونٹوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا تو اس نے اپنا سر برتھ کے کنارے ٹیک دیا اور سسک پڑا۔

www.pdfbooksfree.pk

ٹائیگر نے عطیہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ سرفراز کے پاس سے ہٹ کر آئی اور پھر اس نے کہا۔

"وسیم انکل...... خیریت نہیں ہے...... ہم پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے......ہم تباہ ہوگئے ہیں۔"

"آخر بات کیا ہے......؟" ٹائیگر نے اس کے چہرے پر نظریں مرکوز کرکے پوچھا۔

"انکل......! انکل......! ہمارا بریف کیس چوری ہوگیا ہے......؟" عطیہ نے دکھ بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"بریف کیس چوری ہوگیا ہے......؟"

وہ انجان بن گیا...... اس نے حیرت اور دکھ کا اظہار کیا......اس نے دانستہ اپنی نگاہیں عطیہ کے چہرے پر مرکوز رکھیں۔ پھر اس نے پوچھا۔"وہ کیسے......؟"

"سوتے میں کوئی چرا کرلے گیا......" عطیہ نے جواب دیا۔"سرفراز اور میں گہری نیند سو گئے تھے...... چور نے ہماری گہری نیند اور غفلت سے فائدہ اٹھایا......" اس کی آواز بھرا سی گئی۔

"لیکن سرفراز نے اسے سر کے نیچے رکھ کر تکیہ بنایا ہوا تھا......؟" ٹائیگر نے متعجب ہونے کی اداکاری کی......

"چور نے اتنا بڑا بریف کیس سر کے نیچے سے نکال لیا اور یہ بیدار بھی نہیں ہوئے۔"

"معلوم نہیں رات مجھے کیسے اس قدر گہری نیند آ گئی تھی کہ...... چور کے میرے سر کے نیچے سے بریف کیس نکالتے وقت میری آنکھ نہیں کھل سکی۔"

سرفراز بہ دقت تمام لرزیدگی سے بول پایا۔"اس وقت بھی مجھ پر نیند کا سا غلبہ ہے جیسے میں نے خواب آور گولیاں کھالی ہوں۔ ایک نشہ سا محسوس ہورہا ہے۔" اس نے سر کو جھٹکا دیا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ تم نے سونے سے قبل نیند کی گولی کھائی ہو......؟" اس نے دانستہ عجیب سا سوال کیا تھا۔

"نہیں......" سرفراز نے سر ہلایا۔"مجھے اس کی کیا ضرورت ہے کہ جو میں نیند کی گولیاں کھاؤں۔"

"شاید کسی ذہنی دباؤ کے باعث......!" اس نے کہا۔"آج ہر شخص کسی نہ کسی ٹینشن کا شکار ہے...... چاہے وہ جوان ہو یا بوڑھا...... امیر ہو یا غریب...... اس لئے آج کل نفسیاتی مریضوں اور نفسیاتی اسپتالوں میں اضافہ ہورہا ہے۔"

"نہیں...... مجھے کوئی ٹینشن نہیں ہے اور نہ ہی میں نے آج تک نیند کی گولی کھائی ہے اور نہ ہی اس کی شکل دیکھی ہے...... اور اس کا نام بھی معلوم نہیں ہے۔" سرفراز نے جواب دیا۔"مجھے ریل گاڑی میں نیند نہیں آتی۔ آج نہ جانے کیسے آ گئی تھی۔"

"آخر اس بریف کیس میں تھا کیا جو تم دونوں اس قدر پریشان نظر آرہے ہو......" اس نے چبھتی ہوئی نظروں سے سرفراز کی آنکھوں میں جھانکا۔ عطیہ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔

سرفراز ٹائیگر کی نگاہوں کی تاب نہ لاسکا۔ اس نے نظریں نیچی کرلیں اور اس کا چہرہ متغیر ہوگیا اور وہ اس کی بات کا جواب دینے میں ہچکچایا۔ سرفراز اسے اعتماد میں نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ تفصیل بتانے سے کس لئے گریز کررہا ہے۔ وہ اس کی وجہ سمجھتا تھا۔

چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس نے سرفراز کی خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بے پرواہی سے اندھیرے میں تیر چلایا۔

"اگر اس بریف کیس میں کوئی خاص اور قیمتی چیزیں نہیں ہیں تو یہ سمجھو کہ جان و مال کا صدقہ گیا...... بہت بڑی افتاد ٹل گئی ہے۔ لہٰذا دکھ نہ کرو...... اللہ نے چاہا تو تم لوگوں کی ہر مصیبت ٹل جائے گی۔"

"کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ کسی ریلوے اسٹیشن پر چوری کی واردات کی رپورٹ درج کرادیں؟" عطیہ نے کہا۔

"رپورٹ درج کرانا ہے تو کرادیں...... لیکن میری ایک بات نوٹ کرلیں کہ اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔" ٹائیگر نے مشورہ دیا۔

"وہ کس لئے انکل......!" عطیہ نے غم زدہ لہجے میں پوچھا۔"کیا پولیس اس بریف کو تلاش یا بازیاب نہیں

www.pdfbooksfree.pk

کرسکے گی؟ اس لئے کہ رپورٹ درج کراتے ہی وہ فوراً اس کی تلاش شروع کردے گی۔ صبح ہونے تک وہ مل جائے گا؟"

"اس لئے کہ پولیس کی کارکردگی بڑی سفر ہوتی ہے...... کسی نوجوان لڑکی یا کوئی فائدہ مند چیز ہو جس سے ان کی جیبیں بھر جائیں تو وہ اس کی تلاش میں نکل پڑتی ہیں اور پھر وہ بڑی رقم کی طلب گار ہوتی ہیں۔" ٹائیگر نے کہا۔

"اور پھر تمہارا بریف کیس عام بریف کیس کے مقابلے میں بڑا اور بے حد قیمتی دکھائی دیتا تھا...... اگر محض اس بریف کیس کی بازیابی کا مقصد ہے تو ریلوے پولیس میں اس کی رپورٹ کرانا فضول ثابت ہوگا۔ کیوں کہ جب تک بریف کیس تمہارے ہاتھ لگے گا تم اس کی صورت بھی پہچان نہ سکو گے۔ اس کا حشر نشر ہوچکا ہوگا۔"

"اس بریف کیس کے اندر جو کچھ بھی تھا کیا وہ پورا نہیں مل سکے گا......؟" عطیہ نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

"اس نے اثباتی انداز میں سر ہلا کر تائید کی......"تم ٹھیک کہتی ہو۔ عموماً چوری ہونے والی چیزیں پوری طرح ہاتھ نہیں لگتی ہیں...... کالی بھیڑیں اس پر ڈاکہ مارتی ہیں...... ان سے مال برآمد کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے۔"

"اب ہم صبر کرکے بیٹھ جائیں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا......؟" عطیہ کی آواز اس کے گلے میں رندھ گئی۔

"میرے خیال میں اب اس کے سوا چارہ بھی نہیں۔" اس نے عطیہ کو دلاسا دیا۔

"انکل آپ بجا فرماتے ہیں۔" عطیہ نے گہری سانس لی اور اس کے چہرے پر کرب سا چھا گیا۔"جب کوئی چیز ہمارے مقدر میں نہیں ہے تو ہم کربھی کیا سکتے ہیں...... جو چیز جانا تھی وہ چلی گئی۔"

"تم سٹھیا گئی ہو......" سرفراز نے بگڑ کر برہمی سے کہا۔"اس بریف کیس میں نہ صرف ہمارے زیورات ہیں بلکہ بے حد اہم کاغذات بھی تھے۔ وہ کاغذات نہ ملے تو میں لٹ جاؤں گا...... برباد ہوجاؤں گا۔ میں زندگی بھر کہیں ملازمت نہیں کرسکوں گا۔"

"کیا تم یہ بات نہیں جانتے ہو کہ چوری ہونے والی چیزیں آسانی سے دوبارہ ہاتھ نہیں لگتی ہیں...... یہ ہندوستانی پولیس ہے۔ امریکہ یا یورپ کی نہیں......" عطیہ کہنے لگی۔"ڈکیتی کی بڑی بڑی وارداتیں آئے دن ہوتی رہتی ہیں...... بینک اور بڑے بڑے ادارے لٹ جاتے ہیں...... کیا کبھی چور یا ڈاکو پکڑا گیا...... جو یہ پکڑا جائے گا؟"

"تو کیا ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر خاموش بیٹھ جائیں۔" سرفراز نے تیز لہجے میں کہا۔

"تمہیں شاید اس پر بہت غم ہورہا ہے کہ میرے زیورات چوری ہوگئے...... میرے زیورات گئے تو یہ سمجھو کہ سر سے کوئی بڑی بلا ٹل گئی...... زیورات کا کیا ہے۔ جب تم کمانے لگو گے تو اور بن جائیں گے۔"

"تم کیسی عورت ہو جو تمہیں اپنے زیورات کے چوری ہونے کا کوئی صدمہ نہیں ہورہا ہے؟" سرفراز تیز لہجے میں بول اٹھا۔"میں اتنی آسانی سے زیورات اور کاغذات کو ہاتھ سے جانے نہیں دوں گا۔ میں پورے ملک کی پولیس کو ہلا کر رکھ دوں گا۔ تم مجھے کیا سمجھتی ہو۔ مجھے پولیس سے نمٹنا آتا ہے۔"

عطیہ نے اس کی نظریں بچا کر سرفراز کی پسلی میں ایک ہلکا سا ٹہوکا دیا تھا۔ وہ شاید یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ اس بریف کیس کو چوری کا کیس مت بناؤ۔ ٹائیگر نے اس کا ٹہوکا دیکھ لیا تھا۔ ویسے اس نے جو بھی کہا اس کی باتیں سمجھ داری کی تھیں۔

سرفراز اپنے آپ میں کہاں تھا۔ وہ بریف کیس کی وجہ سے غم و غصے سے پاگل ہورہا تھا۔ اگر اس کے علم میں یہ بات آجاتی کہ عطیہ نے بریف کیس کو باہر پھینکا تھا وہ شاید اس کا گلا دبا کر اسے چلتی گاڑی سے باہر پھینک دیتا۔ اس نے عطیہ کے ٹہوکے کی کوئی پروا نہیں کی۔ اسے نظر انداز کرکے ہذیانی لہجے میں کہا۔

"گاڑی روکو......زنجیر کھینچو......"

"سرفراز اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ خود کو قابو میں رکھو...... معلوم نہیں بریف کیس کس اسٹیشن پر چوری ہوا۔" عطیہ نے اسے سمجھایا۔

”تمہیں مشورہ دینے اور سمجھانے کی ضرورت نہیں...... تم ایک بے وقوف عورت ہو۔“ اس کی آواز اونچی ہوگئی۔

”تم ہوش سے کام لو غصے سے نہیں......“ عطیہ نے تکرار کی۔ ”غصہ ہمیشہ پشیمانی پر ختم ہوتا ہے۔“

سرفراز سے غم و غصے کی کیفیت اور بوکھلاہٹ میں ایسی حرکتیں سرزد ہوئیں کہ ڈبے میں سوئے ہوئے سارے مسافر نیند سے بیدار ہوگئے۔ ایک بھونچال سا آگیا تھا۔ وہ دونوں ایک تماشا بن گئے۔ لیکن عطیہ خود کو قابو میں کیے رہی تھی۔

گھنگل جنکشن آنے والا تھا۔

مسافروں نے سرفراز اور عطیہ سے ہمدردی کا اظہار کیا اور ساتھ ہی سوالات کی بوچھاڑ بھی کردی تھی کہ اس بریف کیس میں کیا تھا۔ عطیہ ان کے سوالات کا جواب دیتی رہی تھی کہ اس میں سونے کا ایک لاکٹ اور سیٹ......رقم اور ضروری کاغذات بھی تھے۔ مسافر عورتوں نے عطیہ کی بڑی دل جوئی کی۔ ایک عورت نے ان دونوں کے لئے تھرماس میں سے چائے نکال کر پیش کی۔ عطیہ نے چائے پی لی تھی۔ سرفراز نے نہیں پی۔ لیکن اس کی چائے ٹائیگر کو پینا پڑی۔ اس لئے کہ سرفراز کے انکار پر چائے اسے دے دی گئی۔

سرفراز کی حالت بڑی غیر تھی۔ ٹائیگر کے سمجھانے کا بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ کوئی آدھے گھنٹے کے بعد مسافر اپنی اپنی نشستوں پر چلے گئے۔ جب گھنگل جنکشن پر گاڑی رکی تو ریلوے پولیس اسٹیشن کے سپاہیوں کو بلا کر رپورٹ درج کرائی گئی۔ جب رپورٹ درج کرائی جارہی تھی تو عطیہ کا چہرہ فق ہورہا تھا۔ اس پر سراسیمگی کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس کے بشرے سے اس کے دل کا خوف عیاں تھا۔ وہ اس کے پس منظر سے بخوبی واقف تھا۔ اس لئے اس نے آخری وقت تک مخالفت کی تھی اور سرفراز کو بہت سمجھایا تھا کہ وہ رپورٹ کرانے کی حماقت نہ کرے۔ لیکن وہ باز نہیں آیا تھا اور اپنی ضد پر اڑا رہا تھا......لیکن عطیہ جانتی تھی کہ اگر بریف کیس پولیس کے ہاتھ لگ گیا تو لینے کے دینے پڑجائیں گے۔

سرفراز کی الٹی کھوپڑی تھی۔ اس لئے اس کی سمجھ میں عطیہ کی بات نہیں آئی تھی اور ہٹ دھرمی دکھاتا رہا۔ اس نے ان کے معاملے میں زیادہ دخل نہیں دیا۔ عطیہ کے کہنے پر اس نے صرف ایک مرتبہ سرفراز کو سمجھایا تھا۔ وہ ایک خاموش تماشائی کی حقیقت سے ڈرامہ دیکھ رہا تھا جو بے حد دلچسپ، تحیر انگیز اور سنسنی خیز اور قدم قدم پر چونکا دینے والا تھا اور اس کے اشتیاق اور تجسس میں لحہ بہ لحہ بے پناہ اضافہ ہورہا تھا۔

جب پولیس نے رپورٹ درج کرتے وقت زیورات کی تفصیل پوچھی تو تب کہیں جاکر سرفراز کو ہوش آیا۔ عقل ٹھکانے لگی۔ وہ چکرایا اور گڑبڑا سا گیا۔ پھر اس نے نے سنبھل کر عطیہ سے کہا۔ ”تمہی بتادو۔“

”اس بریف کیس میں میرا ایک سات تولے کا سونے کا سیٹ اور تین سونے کی جڑاؤ انگوٹھیاں تھیں۔“ عطیہ نے بتایا۔

”آپ کو اس کی مالیت کا کچھ اندازہ ہے......؟“ پولیس افسر نے دریافت کیا۔

”جی نہیں......“ عطیہ نے نفی کے انداز میں سر ہلایا۔ ”میرے والد نے جہیز میں دیا تھا۔ والدین مالیت نہیں بتاتے ہیں۔“

”اس بریف کیس میں اور کیا کیا چیزیں تھیں......! رقم کتنی تھی......؟“

”ان کے میرے تعلیمی اسناد...... رقم پانچ ہزار تھی۔“ عطیہ بولی۔

عطیہ نے بڑی غلط بیانی سے کام لیا تھا تاکہ پولیس کو غلط راہ پر ڈالا جاسکے۔ پولیس کے اس بریف کیس کو پانے کی صورت پر ان پر آنچ نہیں آسکتی تھی...... جب کہ بریف کیس میں موجود زیورات کی مالیت لاکھوں کی تھی۔ جب اس میں ہندوستانی کرنسی نہیں بلکہ امریکن ڈالر تھے۔ اس نے کاغذات، ڈالر اپنے اٹیچی میں رکھ لئے تھے۔ اس نے پولیس کو بڑی خوب صورتی سے بے وقوف بنایا تھا۔

اس نے چپ سادھ لی۔ کیوں کہ ابھی اس

www.pdfbooksfree.pk

ڈرامے کا ڈراپ سین کا وقت نہیں آیا تھا اور نہ ہی اس کا کوئی موقع تھا۔ اس نے واقعات پر کڑی نظر رکھی ہوئی تھی اور عجلت پسندی کا مظاہرہ کرکے حالات کو بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ماحول بڑا پراسرار ہوگیا تھا۔ جس نے اسے بری طرح الجھادیا تھا۔

جیسے گاڑی روانہ ہوئی عطیہ کی جان میں جان آئی......اس نے فوراً ہی اپنی گھبراہٹ اور سراسیمگی پر قابو پالیا تھا اور وہ پہلے کی طرح نارمل ہوگئی تھی...... کسی خیال کے تحت اس کے ہونٹوں پر ایک دل آویز تبسم ابھرنے لگا تو اسے دبانے اور اس کی نظروں سے چھپانے کے لئے وہ کھڑکی سے گردن نکال کر باہر جھانکنے لگی اور دل ہی دل میں بہت خوش ہورہی تھی۔

عطیہ کی اس حرکت نے ایک بار پھر سے اسے چونکادیا۔

جب وہ اس کے معنی خیز تبسم کے بارے میں سوچنے لگا تو اس کے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح کوندا بن کر لپکا۔

اب اسے پوری طرح یہ اندازہ ہوگیا کہ عطیہ کوئی معمولی لڑکی نہیں ہے......وہ کسی بھی جرم پیشہ سے دو ہاتھ آگے ہے۔ وہ اس عیار لڑکی کی سازش اور گہری چال کو بہت اچھی طرح سے سمجھ چکا تھا۔ اب اس کی نظروں کے سامنے اندھیرا اور پردہ نہیں رہا تھا۔ سارے پردے ایک ایک کرکے اٹھتے جارہے تھے۔ اب اس کا اصل چہرہ سامنے آگیا تھا۔

عطیہ نے جو بریف کیس چلتی ریل گاڑی سے باہر پھینکا تھا وہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہی تھا۔ اس نے جس جگہ بریف کیس پھینکا تھا وہ طے شدہ پروگرام کے مطابق پہلے ہی سے اس کا کوئی ساتھی موجود ہوگا۔ ورنہ اس قدر قیمتی ہیرے جواہرات کے زیورات کو اتنی بے دردی سے باہر کون پھینک سکتا ہے۔

سرفراز کے یہ سارے زیورات تھے۔ ظاہر ہے کہ اس نے کسی جیولر شاپ میں ڈاکہ مار کر حاصل کئے ہوں گے۔ ایک گھر سے اتنے سارے زیورات مل نہیں سکتے...... چاہے وہ کروڑ پتی ہی کیوں نہ ہوں...... یہ بھی ممکن تھا کہ سرفراز نے دو تین جگہ ڈکیتی کی واردات کی ہو۔ لیکن اس بریف کیس میں صرف زیورات تھے۔ رقم نہیں تھی...... جو تھی وہ ڈالر کی صورت میں جسے عطیہ نے اپنے اٹیچی میں رکھ لی تھی۔ اگر مزید رقم ہوتی تو وہ یقیناً اسے اپنی اٹیچی میں رکھ لیتی۔

دوسری جانب عطیہ نے سرفراز کے اہم ضروری کاغذات، پاسپورٹ اور ہوائی جہاز کا ٹکٹ اپنے قبضے میں کرلئے تھے شاید اس لئے کہ سرفراز اسے بیچ منجدھار میں چھوڑ کر ملک سے فرار نہ ہوجائے۔ اب وہ آسانی سے باہر نہیں جاسکتا تھا۔

سرفراز کی ذہنی حالت بڑی ابتر تھی۔ ٹائیگر نے اس سے کہا۔

”تم اپنا دل خراب نہ کرو...... جو کچھ بھی ہوا تمہاری غفلت سے ہوا۔“

”انکل......! میں یہ کہتی ہوں کہ آدمی کو حوصلہ نہیں ہارنا چاہئے۔“ عطیہ نے کہا۔ ”اللہ نے چاہا تو سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا......فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں...... اس میں اس کی یقیناً کوئی مصلحت ہوگی...... وہ اس سے دگنا بھی دے سکتا ہے......شرط یہ ہے کہ اس کی ذات پر توکل اور صبر کیا جائے۔“

ایک عمر رسیدہ مسافروں میں جو دوسری طرف بیٹھے تھے۔ وہ سرفراز کی دل جوئی کی غرض سے آگئے تھے۔ ان میں سے ایک نے عطیہ کی بات سن کر کہا۔ ”جزاک اللہ بیٹے...... آفرین ہے تمہاری بیوی پر یہ کس قدر حوصلہ مند اور صابر ہے۔“

ان بزرگ کی اہلیہ نے سرفراز کے سر پر مشفقانہ انداز سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”تمہاری بیوی ٹھیک کہتی ہے...... اللہ تم دونوں کی جوڑی سلامت رکھے...... زیادہ غم زدہ اسے ہونا چاہئے تھا...... اس نے اتنا اثر اور صدمہ نہیں لیا جتنا تم لے رہے ہو......“

(جاری ہے)

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

بہت بے کیف لمحے ہیں عجب بوجھل سا جیون ہے
نہ غم سے دل بہلتا ہے، نہ خوشیاں راس آتی ہیں
(بلقیس خان......پشاور)

میں کھلونا ہوں مجھے ہاتھ مت لگاؤ تم
کسی شوکیس میں رکھ کر مجھے سجالو تم
میری آنکھوں میں کبھی دیکھو بھی
میرے چہرے پر کبھی پیاری سی نظر ڈالو تم
(عثمان غنی ......پشاور)

نہ ستاؤ ہمیں ہم ستائے ہوئے ہیں
جدائی کا تیری ہم غم اٹھائے ہوئے ہیں
کھلونا سمجھ کر ہم سے یوں نہ کھیلو دوست
ہم بھی تو اسی خدا کے بنائے ہوئے ہیں
(نوشیں خان......کوٹ مظفر میلسی)

بے ربط خیالات کی دنیا سے نکل جا
تو ساتھ زمانے کے کسی روز بدل جا
بے نام امنگوں کا سہارا نہ لیا کر
کر دفن تمناؤں کو اس طور سنبھل جا
(محمد وارث آصف......واں بھچراں)

ہم ہر شب تمہارے ہجر میں تڑپا کرتے ہیں
ہر پل تمہارے ملنے کی فریاد کرتے ہیں
چلے آنا جب کبھی کسی شب خیال آئے ہمارا
ہم ہر روز، ہر سانس سے پہلے تمہارا انتظار کرتے ہیں
(راجہ باسط مظہر......گوجر خان حامد جھنگی)

زندگی کے حسین سفر میں انسان بدل جاتے ہیں
ساتھی دامن چھڑا کے کہیں دور نکل جاتے ہیں
پہلے دل جیتے ہیں تو باتوں باتوں میں
بے دردی سے چھوڑتے ہیں جب دل بہل جاتے ہیں
نفرت کی آندھیاں آتی ہیں قدم قدم پہ محسن حلیم
پھر بار بار محبت کے کنارے دہل جاتے ہیں
(محسن عزیز اینڈ حلیم......کوٹھا کلاں)

کچھ ایسے حادثے زندگی میں ہوتے ہیں فراز
کہ انسان بچ تو جاتا ہے مگر زندہ نہیں رہتا
(افشاں رمضان......سرگودھا)

جس طرف نظر کروں اسی کا پر تو ہے
وہ میرے دھیان کے سب راستوں میں رہتا ہے
بچھڑ کر اس سے پریشان بہت ہوں میں بھی
سنا ہے وہ بھی بڑی الجھنوں میں رہتا ہے
(شرف الدین جیلانی......ٹنڈو الہ یار)

اب تو اس راہ سے وہ شخص گزرتا ہی نہیں
اب کس امید پہ دروازے سے جھانکے کوئی
(نسیم انجم......کنگن پور)

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی
(مس فوزیہ کنول......کنگن پور)

اظہار ہم کریں کہ ادھر سے ہو ابتدا
برسوں گزر گئے ہیں یہی سوچتے ہوئے
(محمد اسحاق انجم......کنگن پور)

رب تجھے عروج ایسا نصیب کرے
کہ ہر شخص تیرے نصیب پر فخر کرے
ہر موڑ پر ہوں فرشتے ساتھ تیرے
ہر غم میں حفاظت تیری خدا کرے
(نورین اعظم......راولپنڈی)

یہ چاہتیں یہ پذیرائیاں بھی جھوٹی ہیں
یہ عمر بھر کی شناسائیاں بھی جھوٹی ہیں
تمام الفاظ و معانی بھی جھوٹی ہیں
ہمارے عہد کی سچائیاں بھی جھوٹی ہیں
(انتخاب آستر)

دل پرشوق کو پہلو میں دبائے رکھا
تجھ سے بھی ہم نے تیرا چھپائے رکھا
جانے کس حال میں ہیں کون سے شہروں میں ہیں وہ
زندگی اپنی جنہیں ہم نے بنائے رکھا
(انتخاب: محمد نوید انجم......سوہاوہ، چکوال)

www.pdfbooksfree.pk

غزل

کرتے ہیں بات گرمئی بازار دیکھ کر
ہم بیچتے بھی ہیں خریدار دیکھ کر
اپنے کیے پہ آج پشیماں ہوں مگر
دل دے دیا تھا اس کو طلبگار دیکھ کر
اس دیس کا تو ہی نگہباں اے خدا!
دل ڈر رہا ہے وقت کے آثار دیکھ کر
بھٹکے ہوئے ہیں آج بھی منزل سے اپنی وہ
جو رک گئے تھے سایہ دیوار دیکھ کر
لب کھولنے سے پہلے ہی خاموش ہوگئے
آنکھوں میں اس کی صورت انکار دیکھ کر
دنیا سمجھ رہی تھی جسے بے وفا حکیم
وہ رو پڑا تھا مجھ کو سردار دیکھ کر
(حکیم خان حکیم......کامل پور موسیٰ)

ساتھ دے نہ سکے میرے غمگسار کبھی
تجھ سے کیا کرتے تھے ہم پیار کبھی
ٹوٹتی ہے تیرے وعدوں کی زنجیر اب
سکون کی لہر آتی نہیں پس دیوار کبھی
پلٹ کے لی نہ خبر تو پھر میری کبھی
پائے نہ ہم نے خوشی کے آثار کبھی
خموش ہیں ہم بھی گزرے دنوں کی طرح
وفا کرتے نہیں ہیں آج کل کے یار کبھی
جان کے ساتھ رہتی ہے غم کی مجبوری جاوید
اثر دیکھا نہیں ہم نے پھولوں کے پار کبھی
(محمد اسلم جاوید......فیصل آباد)

چلو یونہی سہی، چلو تو سہی کچھ پل ساتھ ہمارے
پھر بھول جانا بے شک کہ کبھی ہم تھے تمہارے
زندگی میں اکثر راہبر بن جاتے ہیں راہزن
ہم ایسے سادہ کے پھر ڈھونڈتے پھرتے ہیں سہارے
اپنے اعمال ہی ملتے ہیں سدا مصیبت کی صورت
اور ہم کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم مصیبت کے مارے
ہم کو تاہ نظر، کم ہمت، ہم بے شعور
چھوڑ دیا خود کو ہم نے ہر موج کے دھارے
حوصلہ کہاں ہم میں طوفانوں سے ٹکرائیں
بس چلتے رہتے ہیں ہم تو کنارے کنارے
(اقصیٰ رباب......فیصل آباد)

تیری یاد جو سینے سے لگا رکھی ہے
ہم نے دنیا میں الگ دنیا بسا رکھی ہے
ہم کو معلوم نہیں چاہت کے تقاضے لیکن
ہم نے تیری باتوں کے سوا ہر بات بھلا رکھی ہے
سفر مشکل ہے معلوم ہے لیکن
تو ہمارا ہے تو ہر فکر مٹا رکھی ہے
تو بھلا دے تو بھلا دے لیکن ہم نے
تیری خوشبو بھی تعویذ بنا رکھی ہے
تو الگ ہو تو ہر بار یوں لگتا ہے
زندگی موت کے پہلو میں بٹھا رکھی ہے
تیری باتیں تیرا لہجہ تیرا چہرہ ہم دم
تجھ میں خالق نے ہر چیز جدا رکھی ہے
(پیر نوید شاہ ہاشمی......ٹنڈو جام)

آج بھی تپتی دھوپ کا صحرا......
تیرے نرم لبوں کی شبنم......
سائے سے محروم رہا......
آج بھی پتھر ہجر کا لمحہ صدیوں سے بے خواب رتوں کی
آنکھوں کا مفہوم رہا......
آج بھی اپنے وصل کا تارا......
راکھ اڑاتی شوخ شفق کی منزل سے معدوم رہا......
آج بھی شہر میں پاگل دل کو......
تیری دید کی آس رہی......
مدت سے گم صم تنہائی، آج بھی میرے پاس رہی

آج بھی شام اداس رہی......
آج بھی شام اداس رہی......
(انتخاب: راجہ باسط مظہر......گوجر خان، حامد جھنگی)

وقت رخصت میں تیرا مجھ سے لپٹ جانا
لیکن پھر وہ ارادہ سا بدل جانا
میرا کہنا کہ کیسے گزریں گے پل
تیرا کہنا کہ مجھے بھول جانا
وہ میرا پھر سے ملنے کی تمنا کرنا
روتے روتے تیرا اچانک سنبھل جانا
کیسے بھولوں گا میں وہ گزرے ہوئے پل
کبھی لڑنا جھگڑنا محبت سے اور وہ تیرا مجھے منانا
تیری آغوش میں سر رکھ کر سوجانا
اور تیری آنکھوں کے سمندر میں کھوجانا
میں نہ کہتا تھا کہ محبت دکھ دے گی نوری
تیرا کہنا کہ محبت ہی تو ہے جنت جاناں
(غلام نبی نوری......کھڈیاں خاص)

کیوں آنکھ بھری بھری ہے ہوا تو کچھ ضرور ہے؟
نہ لبوں پہ ہنسی ہے ہوا تو کچھ ضرور ہے
کہیں دل پریشاں تو نہیں؟
کہیں لبوں پہ کوئی صدا تو نہیں؟
کہیں بجھا کوئی دیا تو نہیں؟
شامیں لٹی لٹی ہیں ہوا تو کچھ خیر ہے؟
کہیں ہوا کوئی خفا تو نہیں؟
کہیں ادھوری کوئی دعا تو نہیں؟
کہیں پھول کوئی لٹا تو نہیں؟
نہ موسم میں تازگی ہے ہوا تو کچھ خیر ہے؟
کیوں آنکھ بھری بھری ہے ہوا تو کچھ ضرور ہے؟
(مس فوزیہ کنول......منڈی کنگن پور)

وہ حسن مجسم کمال اس کی آنکھیں
سراپا محبت جمال اس کی آنکھیں
جھکائے تو لگتی ہیں زیور حیا کا
اٹھیں تو کریں پھر سوال اس کی آنکھیں
ملیں تو میں دو جہاں دے کے لے لوں
وہ چہرہ وہ آنکھیں وہ زلفیں
اگر کوئی پوچھے کہ دنیا میں کیا ہے
دنیا دیوانہ کہے گا مثال اس کی آنکھیں
(افشاں رمضان......سرگودھا)

یہ کیسی ہجرتیں ہیں موسموں میں
پرندے بھی نہیں ہیں گھونسلوں میں
بھڑک اٹھیں گے شعلے جنگلوں میں
اگر جگنوں بھی چمکے جھاڑیوں میں
بہت تنہا ہے وہ اونچی حویلی
میرے گاؤں کے کچے گھروں میں
(عروج ماہین طہٰ......سرگودھا)

یہی سوچا ہے اب میں نے اس سے پہلے کہ میں مرجاؤں
سما جاؤں نگاہوں میں ترے دل میں اتر جاؤں
میں کھوئی کھوئی سی رہتی تھی آئینے سے خفا ہو کر
تیرے آنے کی آہٹ ہے کہ شاید اب سنور جاؤں
میں درد لا دوا پاکر مسیحا بن گئی سب کی
دشمن بھی نہ بھولے گا کچھ ایسے کام کرجاؤں
عجب یہ معاملہ ہے جو دھڑکن بن گیا میری
لو دیتی نگاہوں میں جو دیکھوں رنگ اپنا تو ڈر جاؤں
تو سر بلند ہو کر وفاؤں کا ہنر پا کر اوج گام تک پہنچے
میں بن کر اب دعا تیری فلک تک بے بال و پر جاؤں
کہ ذلتوں کی مسافت نے تھکا ڈالا شفیق مجھ کو
سب تاریک ہے لیکن پلٹ کر کس کے گھر جاؤں
(شرف الدین جیلانی......ٹنڈو الہ یار)

ہم خون تمنا کرتے رہے معصوم اشارہ ہو نہ سکا
چلمن تو اٹھی ہمدم لیکن افسوں نظارہ ہو نہ سکا
تکمیل تمنا کی خاطر ہم ذوق پرستش بھول گئے
یہ وحشت دل یہ جوش جنوں، افسوں گوارا ہو نہ سکا

یہ حسن مکمل کیا کم تھا، پھر دل کے بھی مالک بن بیٹھے
دل ہی نہ رہا تھا کہنے میں یوں ان سے کنارا ہو نہ سکا
یوں جام پلائے ساقی نے ہر رند نے پی خوش ہو ہو کر
کل بزم میں میری جانب ہی ساقی کا اشارہ ہو نہ سکا
اف ہجر کی تنہا راتوں میں یہ ساتھ بھی اپنا دے نہ سکا
غم مجھ کو پیارا ہو تو گیا میں غم کو پیارا ہو نہ سکا
ساحل پہ کھڑے کچھ کہتے رہے یہاں کشتی منجدھار میں تھی
موجوں نے لپیٹا ہنس ہنس کر لفظوں کا سہارا ہو نہ سکا
آ آ کے تڑپتی ہے بجلی امتیاز بہار گلشن پر
ہم چھوڑ کے ایسی حالت میں جائیں یہ گوارا ہو نہ سکا
(ایس امتیاز احمد......کراچی)

یہ شب فراق، یہ بے بسی ہے قدم قدم اور یہ اداسیاں
میرا ساتھ کوئی نہ دے سکا میری حسرتیں ہیں دھواں دھواں
میں جو تڑپ تڑپ کے جیا تو میرے خواب مجھ سے بچھڑ گئے
میں اداس گھر کی صدا سہی مجھے نہ دے کوئی بھی تسلیاں
یہ فضا جو گرد و غبار لئے میری بے کسی کا مزار ہے
میں وہ پھول ہوں نہ جو کھل سکا میری زندگی میں وفائیاں
چلی ایسی درد کی آندھیاں میرے دل کی بستی اجڑ گئی
یہ راکھ ہے بجھی بجھی اس میں ہیں میری نشانیاں
(محمد وارث آصف......واں بھچراں میانوالی)

سوچوں کا اک عجب سا نشہ دے گیا مجھے
جاتے ہوئے وہ کیسی سزا دے گیا مجھے
لے کر وہ مجھ سے چاہتوں کے ان گنت چراغ
پلکوں پہ اک مچلتا دیا دے گیا مجھے
کس بات پہ خفا ہوا درویش آج صبح
جینے کی جاتے جاتے دعا دے گیا مجھے
سپنوں کی راکھ دل کا دھواں آرزو کی لاش
تحفے وہ کیسے کیسے بیش بہا دے گیا مجھے
راہوں میں جس کی پھول بچھاتا رہا ہوں میں
آیا جو وقت وہ بھی دغا دے گیا مجھے
اعجاز بندگی تو فقط اک خدا کی تھی
لیکن زمانہ کتنے خدا دے گیا مجھے
(بشیر اعجاز......جگہ نامعلوم)

مجھے تلاش ہے اس کی جو صرف میرا ہو
میرا نصیب بنے میرے دل کے پاس رہے
میرے قریب ہو اتنا کہ سانس رک جائے
مجھی کو چاہے ہنسائے ستائے...... پیار کرے
وہ میری مانگ سجائے مجھ ہی کو وہ بہلائے
میں سوچتی ہوں کہ میری وفا کا شہزادہ
کہیں تو ہوگا زمانے کی بھیڑ میں کھویا
کبھی تو میرے لئے اس کا دل تڑپے گا
کبھی تو پیار کا شعلہ لہو میں بھڑکے گا
(نوشین خان......کوٹ مظفر میلسی)

سمندروں کے موتی ہو تم ساحلوں پر رہتی ہو باجی
دل میں بستی ہو تم، دعاؤں میں رہتی ہو باجی
خوشبو کی طرح ہواؤں میں رہتی ہو تم
دھوپ ہو تم مگر چھاؤں میں رہتی ہو تم
جسم میں رہتی ہو، روحوں میں رہتی ہوں تم
بھگوان بن کر دیوتاؤں میں رہتی ہوں تم
قسمت کی دھنی ہو اس قدر تم
ہماری ہی نہیں ہاشم بھائی کے دل کی بھی رانی ہو
(عاصمہ رمضان......پنڈ دادنخان)

جانے کس سمت ہے نگرا میرا
ختم ہوتا نہیں سفر میرا
ہر طرف وحشتوں کے سائے ہیں
جانے کون سا ہے گھر میرا
اک بے نام سی اذیت میں
زندگی کھوگئی مسافت میں
کیسا کردار ہے کہانی میں
زندگی جل رہی ہے پانی میں
(سنبل ماہین طہٰ......سرگودھا)

☆☆

www.pdfbooksfree.pk

کچھ کہتے کہتے رہ جانا
اور رکتے رکتے کہہ جانا
یہ پیار تو ایسا ہوتا ہے
جو دل میں درد سموتا ہے
اب بھیگی بھیگی شاموں میں
اک چہرہ ہر پل آنکھوں میں
ہنستا بھی ہے، روتا بھی ہے
دل میں درد ڈبوتا بھی ہے
پھر نظروں سے کھوجاتا ہے
اور خوابوں کو مہکاتا ہے
کہ اک احساس مٹانے کو
کہ دل میں درد بسانے کو
ہر دھڑکن میں، ہر آنگن میں
کہ چھنکے ہاتھ کے کنگن میں
یہ رنگ نظر بس آتا ہے
ایسا اکثر ہوجاتا ہے
دل کا داغ انوکھا ہے
خانم یہ سب تو دھوکا ہے
(فریدہ خانم......لاہور)

جب ملاقات بے ارادہ تھی
اس میں آسودگی زیادہ تھی
نہ توقع، نہ انتظار نہ رنج
صبح ہجراں نہ شام وعدہ تھی
نہ تکلف نہ احتیاط، نہ غم
دوستی کی زبان سادہ تھی
لعل سے لب چراغ سی آنکھیں
ناک ستواں، جبیں کشادہ تھی
حدت جاں سے رنگ تانبا سا
ساغر افروز، موج بادہ تھی
زلف کو ہمسری کا دعویٰ تھا
پھر بھی خوش، قامتی زیادہ تھی
اپسرا تھی نہ خود تھی نہ پری
دلبری میں مگر زیادہ تھی
جتنی بے مہر، مہربان اتنی واجد
میرے شانے پر سر نہادہ تھی
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی......کراچی)

جب بھی محبوب نے لی انگڑائی
زندگی دار ہر نظر آئی!
آدمی زندگی کے میلے میں
خود تماشا ہے خود تماشائی
گرچہ بیٹھا ہوں بزم یاراں میں
دل کو کیوں ڈس رہی ہے تنہائی
سنگ اٹھاتے ہو اپنے عاشق پر
کنو کرتا ہے یوں پذیرائی
اسک جب ہنس رہے تھے آنکھوں میں
درد سے رو رہی تھی شہنائی
وہ تو آنکھوں سے دور جا بیٹھے
اب ہے کس کام کی یہ بینائی
جس کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو
اس کو حاصل کہاں ہے دانائی
ان کی تشہیر ہوگئی قمر
میں نے شعروں سے پائی رسوائی
(چوہدری قمر جہاں علی پوری......ملتان)

جس کی صورت ہے دوستوں والی
اس کی ہر بات دشمنوں والی
ہم برا سوچتے نہیں یارو
ہے طبیعت قلندروں والی
ایک صحرا ہے خانہ دل میں
تشنگی ہے سمندر والی
اس کے لہجے میں ایک مستی ہے
اس کی باتیں سخنوروں والی
آپ اپنا خیال کر رانا
گفتگو کر نہ پاگلوں والی
(قدیر رانا......راولپنڈی)

گیسو چمک رہے ہیں
جگنو چمک رہے ہیں
پلکوں کے یہ ستارے
ہر سو چمک رہے ہیں
غمگین ہے رقاصہ
گھنگھرو چمک رہے ہیں
سب زخم بن کے میرے
خوشبو، چمک رہے ہیں
آنکھوں میں کب سے عاطر
آنسو چھلک رہے ہیں
(رانا حنیف عاطر......)

کوئی ہار گیا کوئی جیت گیا
سال بھی آخر بیت گیا
کبھی سپنے سجائے آنکھوں میں
کبھی بیت گئے پل باتوں میں
کچھ تلخ لمحات بھی تھے
کچھ حادثے اور صدمات بھی تھے
پر اب کے برس اے دوست میرے
میں نے رب سے دعا یہ مانگی ہے
کوئی پل نہ تیرا اداس گزرے
کوئی روگ نہ تجھے راس گزرے
تو پھولوں کی طرح کھلا کرے
کوئی شخص نہ تجھ سے گلا کرے
تو خوش رہے آباد رہے
تیرا خواب نگر آباد رہے
تو جو چاہے وہ ہوجائے
تو جو مانگے وہ مل جائے
(بلقیس خان......پشاور)
☆☆

www.pdfbooksfree.pk

بددعا

راجندر سنگھ بیدی

نوجوان پر اچانک ایک اذیت ناک بیماری کا غلبہ ہوا اور وہ بیماری نوجوان کے تصور میں بھی نہیں تھی کہ اس بیماری سے اس کا پالا پڑسکتا ھے اور کوئی اور بھی یقین نہیں کرسکتا تھا لیکن جو ہونا تھا وہ ہوچکا تھا......

معاشرتی حقیقت کو اجاگر کرنے والے معروف رائٹر کے قلم سے ایک دلگداز اور حساس تحریر

ابھی میں نے اپنے کمرے میں قدم رکھا ہی تھا کہ اوپر تلے تین آوازیں سنائی دیں:

''آج پھر پتیلی گیر دیا الو کہیں کے!''

''ارے چولہا ہی سلگا لیا ہوتا۔''

''اور نہیں تو بھوسی ہی نکال لی ہوتی۔''

اور تینوں آوازیں ایک ہی آدمی کے منہ سے نکلی ہوئی معلوم ہوتی تھیں جن کا جواب خاموشی کے سوا اور کچھ بھی نہ سنائی دیا۔ سننے والا یا تو کہنے والے کا دبیل تھا' اور نہیں تو وہ کہنے والے کو بالکل جاہل سمجھتا تھا۔ تیسری وجہ اس خاموشی کی کوئی دکھائی نہیں دیتی۔ بہر حال میں یہ بات محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ سننے والا ایک فاش غلطی کررہا ہے۔ خاموشی اور شرافت کی فی زمانہ قدر ہی کیا ہے' سوائے اس کے کہ اس کا ناجائز فائدہ اٹھایا جائے۔ یہ آوازیں میانی کوٹھڑی سے آرہی تھیں۔ زمین

اور پہلی چھت کے درمیان ایندھن اور فروعات رکھنے کے لئے جو جگہ تھی وہاں میں نے لکڑی کے پشتوں اور چند ٹوٹے ہوئے کواڑوں کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا تھا۔ واللہ اعلم وہ پتھر اور کواڑ ہی بولنے لگے تھے۔ ان دنوں میں کسی خاص مقصد کے پیش نظر پریوں کی کہانیاں پڑھ رہا تھا اور پھر آپ جانتے ہیں کہ دیو پری کے قصے پڑھنے کے بعد کیا کیا دنیائے ممکنات ہے جو آپ کے سامنے کھلتی ہی چلی جاتی ہے۔

پہلی چھت پر ہم کالج کے چند چھوکرے اکٹھے رہتے تھے۔ باقی کے کم بخت یا تو گرینڈ کیرے کے پیچھے پڑے ہوئے تھے اور یا پھر بین الصوبائی میچ وبیچ دیکھنے گئے ہوں گے۔ اس وقت ان میں سے وہاں ایک بھی نہیں تھا۔ میں نے ہمت جمع کی اور قدم آگے بڑھایا۔ روشنی واقعی میانی کوٹھڑی سے آ رہی تھی۔ ایک عارضی سا دیا جرمن سلور کی ایک کٹوری میں سرسوں کا تیل اور بتی ڈال کر اور اسے اکڑوں رکھ کر جلا دیا تھا جس میں سے ایک کالی لاٹ اٹھ کر اوپر کی دیوداری تختی کو سیاہ کر رہی تھی۔ کالے کالے پھول تختی کے ساتھ چمٹ رہے تھے اور کچھ دیر کے بعد کٹوری کے اندر یا بتی پر گرتے۔ بتی مدھم ہو کر ٹمٹمانے لگتی، لیکن پھول پھر بتی کا حصہ ہو کر جلنے لگتے۔ قریب ایک شخص چار پائی پر لیٹا ہوا ایک میلے کچیلے چیتھڑوں لپیٹے پیچوان کے کش پر کش لگا رہا تھا۔ بڑا پسند تھا اسے اپنا پیچوان:

''ہم کو اپنی گڑگڑی اور پیچوان پر ناز ہے۔''

''خدا کی قسم! یہ تو اپنا نورا ای ہے۔'' میں نے اک لمبی سی ''اوہو'' کے بعد کہا۔ اور اس کے ساتھ جماں ..... نورے کا سایہ، اس کے وجود کا نتیجہ صریح، جس کی مونچھیں متواتر تیل لگانے اور کھینچنے سے اور بڑی ہو گئی تھیں۔ اس کے غبغب اور چاہ زنخداں والے سیاہ چہرے پر ایک عجب لعنت سی برس رہی تھی، جسے خوبانی اور آلو بخارے کے بیجوں سے نکالے ہوئے سستے، بدبو دار اور بے حد چکنے تیل نے اور بھی چمکا دیا تھا، اور اس کے سامنے نورا بیٹھا تھا۔ کھلے کھلے ہاتھ پاؤں، چار چار سیڑھیاں پھلانگنے والا خوبرو اور ڈرپوک جو چند ایک لقمے زہر مار کر رہا تھا۔

جمال ایک پیر تسمہ پا تھا جو ہر وقت نورے کی گردن پر سوار رہتا۔ مثلاً: چولہا سلگائے تو نورا، آٹے میں سے بھوسی نکالے تو نورا، برتن مانجھے تو وہی اور جو کھنگالے تو وہی۔ میاں جماں بچھی بچھائی پر آ لیٹے اور پکی پکائی کھائے تو وہ بھی گویا نورے پر احسان کرے۔ میں اور میرا ساتھی اسنین ان کی قبر تک سے واقف تھے۔ اس سے پہلے یہ برادر تعلیم الفرقان والوں کے پیچھے رہتے تھے جہاں ایک سفلی بنگالن ہمیشہ اوپر کی چھت سے گوبھی کے ڈنٹھل، پیاز کے چھلکے، پھلیاں یا بچا کھچا بھات ان کی منڈھیا پر پھینک دیتی تھی اور یہ ہمیشہ موٹی موٹی گالیاں دیا کرتے تھے۔ وہاں بھی نورا ویسے ہی جماں کا دبیل تھا۔

آخر ایسا کیوں تھا؟ یہ بھی اسنین اور میرے دوسرے ساتھی کئی بار سوچتے لیکن ہمیں آخر دم تک پتا نہ چل سکا۔ البتہ نورے کی حرکات کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم اکثر خط اٹھایا کرتے۔ نورا سخت جذباتی آدمی تھا۔ اس کے جذبات کا خزینہ کانوں اور آنکھوں کے اس قدر قریب تھا کہ ادھر کانوں سے بات سنی اور ادھر ساون بھادوں کی جھڑی ہے کہ لگ رہی ہے، چھما چھم، چھما چھم، اور ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی، تاوقتیکہ زمین میں کوڑیاں نہ دبائی جائیں یا کوٹھے کے منڈیر پر چیتھڑوں کا ایک بڈھانہ کھڑا کیا جائے۔ بس اس کے جذبات کے خزینے کو ذرا چھیڑنے کی ضرورت تھی۔ یا پھر اس کے ماضی کی راکھ میں چند اور کوئلے تھے جنہیں وہ اکثر موقع بے موقع اتھلتا پتھلتا رہتا اور جنہیں سرد کرنے کے لئے وہ آنسوؤں کا سیلاب بہا دیتا۔ ہمیں اس لم دھڑنگے، چھ فٹ لمبے، منڈھیا میں ہمیشہ کمر کمان کر کے چلنے والے انسان کو رلا کر مزا آتا تھا۔

میں تین چار سیڑھیاں اتر کر عین نیم کے چھتے کے مقابل کھڑا ہو گیا اور کہا: ''ابے نورے!''

میاں جماں اٹھ کر چار پائی پر بیٹھ گیا 'تعظیماً!' اور

www.pdfbooksfree.pk

اپنے پیچوان کی نے کو چار پائی کے نیچے پھنسا دیا۔ نورے نے روٹی کا لقمہ سالن ہی میں رہنے دیا اور ہاتھ ماتھے پر لے جاتے ہوئے بولا: ''بابو جی! ساہ سلام (صاحب سلامت)۔''

''سلام!'' میں نے جواب دیتے ہوئے کہا، ''ارے یار تم لوگ بالکل چوروں کی طرح یہاں آ ٹپکے۔''

''اور کیا' دف تھوڑے ہی بجاتے۔'' جماں نے خلاف توقع مسکراتے ہوئے کہا۔ دراصل ہونٹوں بلکہ مونچھوں کا یہ خوشگوار پھیلاؤ اور ماتھے کے ناگوار شکن مل جل کر ظاہر کرتے تھے کہ اس مسکراہٹ میں مسکراہٹ کم ہے اور رشوت زیادہ ...... تاکہ اس کے اجڈ سے جواب کا برا نہ مناؤں۔

''شاید میں تمہاری کچھ مدد کر دیتا''۔ میں نے کہا اور میانی کوٹھڑی کے چاروں ابرو سوالیہ نشان بن کر مجھے گھورنے لگے۔ میری نے ان شرمندۂ نطق سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کہا: ''مثلاً میں چوہدری کو کہہ کر یہاں سپیدی ہی کروا دیتا، اور نہیں تو کرائے میں ہی رعایت ہو جاتی۔''

اب یہ بات واقعی قابل غور تھی۔ جماں اور نورا سوچنے لگے۔ سادہ لوح نورا اپنے چہرے سے واقعی ممنون سا نظر آ رہا تھا لیکن جماں ابھی تک دل میں کہہ رہا تھا: ''امیر لوگ کتنے چالاک ہوتے ہیں۔ یہ ''مجھے ہی بتا دیا ہوتا'' انداز اسی وقت اختیار کرتے ہیں جب کسی کی بیل اپنے آپ منڈھے چڑھ جاتی ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ اسنین تو ان لوگوں کا یہاں آنا کبھی بھی برداشت نہ کرتا۔ وہ فلسفے کا طالب علم تھا۔ دماغ کا خطبی تھا۔ بالوں میں تیل کم لگاتا جس کی وجہ سے بال ہمیشہ سیاہ گوش کے کانٹوں کی طرح کھڑے کے کھڑے رہتے اور دوسرے کو اتفاقاً چھو جانے سے اس کی سزا دیتے۔ کچھ ان کے خشخشے اور گھنگریالے پن سے پتا چلتا کہ ملکہ سبا کی نسل سے ہیں۔ وہ فلسفے کے طالب علم ہونے کی وجہ سے دوسروں کے لئے مجسم شر

میک اپ کی اہمیت کیا ہے؟۔

جب میک اپ اچھا ہو تو حسن میں نکھار، دلکشی نظر آتی ہے اور پھر میک اپ کرنے میں ہر خواتین کا اپنا ہنر، سلیقہ اور نفاست بھی ظاہر ہوتا ہے۔

پیاری بہنیں! ایک بیوٹیشن ہونے کے ناطے، میں کہہ سکتی ہوں کہ میک اپ بھی ایک فن ہے۔ ہر کام میں ماہر ہونے کی لئے تربیت اور پریکٹس ضروری ہے اور بغیر کسی ماہر کے سہارے کے کسی بھی کام میں ماہر ہونا مشکل ہے اور میک اپ کے فن میں ماہر ہونے کے لئے پیاری بہنوں کے لئے یہ کتاب بڑی تگ ودو اور محنت شاقہ سے تیار کی گئی ہے۔ بڑی حد تک یہ کتاب خواتین کے لئے میک اپ میں معاون و مددگار ثابت ہوگی اس کتاب میں میک اپ کے علاوہ جلد کی حفاظت ہاتھ پیروں کی حفاظت، بناؤ سنگھار، اور جدید دور کی میک اپ کی اشیاء کے متعلق بھی اہم معلومات فراہم کی گئی ہیں اور سب سے اہم بات یہ کہ صحت مند رہنے کے راز بھی اس کتاب میں درج ہیں۔

صابری دار لکتب

قذافی مارکیٹ اردو بازار لاہور

ہوتے اور اپنے لئے مجسم سکون مانگتے ۔ اسنین کو بھلا جماں اور نورا کا یہاں آنا کیسے بھاتا ۔ لیکن وہ خاموش محض اس خیال سے ہو رہا کہ شاید جماں اور نورا میرے کوئی عزیز ہیں۔

اکثر نیچے سے گالیوں کی آوازیں، پیچوان کی گڑ گڑ، تنے ہوئے پیٹ کے خراٹے اور کھنکار کی شاق سنائی دیتی اور اسنین اپنے سلو جزم گنگناتا ہوا پکار اٹھتا: ''وہ نورے کو پڑ رہی ہیں بے بھاؤ کی۔'' اور پھر وہی سلو جزم۔ کچھ دیر کے بعد: ''ارے بچاؤ یار خدا کی قسم مار ڈالے گا بے چارے کو وہ مونچھل۔'' لیکن افسانہ نگار داؤد اور وہی رفیق کو مجھ سے اس بات میں اتفاق تھا کہ ان لوگوں کے یہاں آنے سے ہماری زندگی میں رومان کی جگہ مسئلہ حیات نے لی تھی۔ داؤد سوچتا تھا کہ جنہیں مار پڑتی ہے وہ ہمیشہ مار کھانے کے لائق ہوتے ہیں ۔ اسنین اور داؤد اس بات پر جھگڑنے لگتے اور میری حالت اس جنگ میں ایسی ہی ہوتی جیسے دو بڑے ملکوں کی جنگ میں کسی غیر جانبدار یا Buffer ریاست کی ہو سکتی ہے۔

ایک بات پر ہم چاروں متفق تھے کہ ماں باپ سے دور، نظم و نسق سے کوسوں پرے، رات کے ایک ایک بجے جب ہم گلیوں میں جھانکتے، ہانپتے کانپتے مکان کی طرف آتے تو ہماری سیڑھیاں ان لوگوں کی وجہ سے آخری تنکا ثابت ہوتیں ۔ میانی کوٹھڑی کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہوتا اور دیے کی روشنی نور ہدایت کی طرح ہمیں ازلی گھر کی راہ دکھاتی جہاں ہمیشہ دنیائے بازار کے ڈھول ڈھپے، گالی گلوچ، سردی اور گرمی کے خلاف دوستوں کی محبت، والدہ کا پیار سے بھرا ہوا خط، لحاف اور بجلی کا پنکھا میسر آتے ہیں ۔ جماں اور نورا خدا جانے کوئی مغ بچے تھے جو ساری رات آتش پرستی کرتے تھے ۔ لیکن کچھ بھی ہو ہمیں رات کو سیڑھیوں میں دیئے کی روشنی چاہئے تھی اور اس سلسلے میں ہم مغ پرستی تک کے لئے تیار تھے ۔ اور خلاف اس کے نو کروڑ صلواتیں اس چوہدری کو سنواتے جو ہمیں سیڑھیوں میں ایک بجلی کا ہنڈا تک لگوا کر نہیں دیتا تھا ۔ خدا جانے میرے کہنے پر چوہدری جماں اور نورے کی میانی کوٹھڑی میں سپیدی اور کرائے میں تخفیف کیسے کر دیتا۔

ایک دن میں اور اسنین رات کے دو بجے گھر لوٹے ۔ ان دنوں شہر میں ایک صنعتی نمائش آئی ہوئی تھی۔ بس اس کارنیوال میں ہم ''تیرو تفنگ'' کا ایک کھیل کھیلتے رہے۔ گھر لوٹے تو نہ صرف نیم چھتے کا دیا جل رہا تھا بلکہ مغ بچے جاگ بھی رہے تھے۔ جرمن سلور کی کٹوری کے عین اوپر دیوارداری تختی پر ایک سیاہ سٹیلک ٹائپ یعنی شولنگ سانچے کی طرف اٹھ رہا تھا اور نورا جماں کی ٹانگیں دبا رہا تھا۔ اسنین ایک اشتراکی بھی تھا، اور آپ جانتے ہیں کہ اشتراکی، خواہ وہ عملی ہوں یا ''کرسی نشین'' ڈبیل ہونے یا لفظ Exploitation سے کتنی نفرت کرتے ہیں۔ ''تیرا زہر بند ہو جائے۔'' اسنین نے آنکھیں نکالتے ہوئے زیر لب کہا ''سارا دن بے چارہ روڑی کوٹتے کوٹتے تھک گیا ہوگا۔ پھر گھر کا دھندا کیا کم ہے اور اب ہے کہ دو بجے تک اس کے پاؤں داب رہا ہے۔''

شاید اسنین بول پڑتا لیکن جماں نے اس کے کانوں میں ایک خوش خبری ٹھونس کر بات آئی گئی کر دی۔ اور وہ خوش خبری یہ تھی کہ ڈاکیہ اسنین کا منی آرڈر لے کر آیا تھا، اگرچہ اسے نہ پا کر لوٹ گیا۔ اسنین پیسوں کے متعلق سوچنے لگا۔ اشتراکی کو بھی ڈبیل نہ ہونے سے جو تسکین ہوتی ہے، اس سے کہیں زیادہ باعث راحت اس کے گھر سے آیا ہوا منی آرڈر ہوتا ہے۔

''کتنے کا تھا؟'' اسنین نے اس امید پر سوال کیا کہ شاید مغ بچوں میں سے کسی کو پتا ہو۔ دراصل ہم دونوں کو امید نہ تھی کہ منی آرڈر کی مالیت کے متعلق یہ لوگ جانتے ہوں گے، لیکن ''پچاس کا ہے اور میر پور خیر پور سے آیا ہے'' نورے نے قدرے اونچی آواز سے کہا۔ ''واہ رے نورے!'' ہم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنس دیا۔ ''ارے بڑا بدمعاش ہے تو تو۔''

اس کے بعد ہم رات کے سناٹے میں چیختے، جوتوں سے شور مچاتے ہوئے اوپر چلے گئے ۔ کمرے کا دروازہ رفیق اور داؤد نے کھولا تھا ۔ اندر گھستے ہوئے اسنین کے دماغ میں پھر نورے اور اس کے پاؤں دبانے کی تصویر گھوم گئی ۔ اس نے اپنی گزی کی موٹی قمیض کا بٹن کھولتے اور اسی گزی کی ٹائی کی گرہ کو ڈھیلا کرتے ہوئے کہا: ''میرے بس کی بات ہو تو جماں کو اسی مکان کی کنگنی پر کھڑا کر کے نیچے دھکا دے دوں اور صبح سب سے پہلے اس کی موت پر آنسو بہاتے ہوئے زندگی کی صحیح تصویر پیش کر دوں ...... ہے نا؟ اور دیکھو کم بخت نورے کو مالیت کس طرح یاد ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کہاں سے آئے ہیں۔'' میں نے کہا: ''کون جانے اسے یہ بھی پتا ہو کہ کہاں پیسے رکھے جاتے ہیں۔''

اسنین نے اپنے سیاہ گوش سے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: ''ارے یار سچ مچ ...... کہیں ہم پر ہی ہاتھ صاف نہ کر جائیں۔''

اس کے بعد میں داؤد کے بستر میں گھس گیا۔ میری چارپائی کی پائنتی ٹوٹ گئی تھی اور چارپائی اچھا خاصا کنواں بن گئی تھی۔ صبح اٹھتے ہی بے تحاشا گالیوں اور مار دھاڑ کی آواز سنائی دی، اور پھر وہی: ''ارے تو نے اتنی کنگنی ضائع کر دی ہے۔ کھچڑی کے لئے تو اتے سے ہی چاول کافی تھے۔ ابے او کتے کے بچے!''

اسنین بولا: ''بھئی اب مجھ سے نہیں رہا جاتا۔'' داؤد کا نظریہ بدستور رجعت پسندانہ تھا: ''جو مار کھانے کے لائق ہوتے ہیں انہیں مار ہی پڑنی چاہئے۔'' لیکن آج وہ بھی میرے اور اسنین کے ساتھ متفق ہو رہا تھا کہ بے چارے نورے کے ساتھ صریحاً زیادتی ہو رہی ہے۔ داؤد نے ایک افسانے کو میز پر رکھا اور دوسرا افسانہ چھیڑ دیا۔

''ارے یار بلاؤ تو اس نورے کو۔'' اس نے مجھے تحکمانہ انداز سے کہا۔

لحاف کا اندرونی حصہ باہر کی برفانی سردی کے مقابلے پر کم تکلیف دہ تھا لیکن اس تحکمانہ انداز اور نورے کے پس جانے کے خیال نے اس میں وہ گرمی پیدا کر دی کہ میں لحاف کو پھینکے بغیر نہ رہ سکا اور میں نے نورے کو بلایا۔ نورا منہ میں کچھ بڑبڑا رہا تھا لیکن داؤد کے سامنے آ کر وہ یوں کھڑا ہو گیا جیسے اردلی اپنے صاحب کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔

داؤد نے بات شروع کی: ''ابے نورے! تمہارے کتنے ہاتھ ہیں؟''

داؤد ہمیشہ ایسی بات سے سلسلہ گفتگو شروع کرتا تھا جس میں حیرت کا عنصر موجود ہو۔ نورا اس سوال پر قدرے حیران ہوا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے ادھر ادھر دیکھا، جیسے کتا زمین پر بیٹھنے سے پہلے اسے سونگھ لیتا ہے۔ اور پھر وجدانی طور پر ایک موافق ماحول کی بو پا کر سکون سے بولا: ''دو۔''

''جماں کے کتنے کان ہیں؟''

''دو!''

''تمہاری کتنی آنکھیں ہیں؟''

''دو۔''

''تم کیا کماتے ہو؟''

''یہی بیس ساڑھے بیس کے قریب بنا لیتا ہوں مہینے میں۔''

''اور جماں کیا بناتا ہے؟''

''سولہ سترہ روپے۔''

''تو بھاگ جاؤ یہاں سے احمق کہیں کے ۔ تمہاری قسمت میں یہی لکھا ہے کہ مار کھاتے رہو، راستے میں پڑے ہوئے روڑے کی طرح راہ گیروں کی ٹھوکریں کھاؤ...... جاؤ''

نورے نے چادر کو اپنے گرد لپیٹا اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے چلا گیا۔ اسنین اور میں نے داؤد کی طرف دیکھتے ہوئے ایک بلند اور ناشائستہ سا قہقہہ لگایا۔ اسنین بولا: ''ارے داؤد! تم بھی عجیب آدمی ہو۔ باتیں کرتے میں بھی تمہارا اپنے افسانے کا ہی انداز ہے۔ ایک نفسیاتی اختتام پر آ کر بس کر دیا۔ ارے نورے کے سے آدمی کو ہیمرنگ چاہئے۔ ہیمرنگ...... سمجھے؟ عوام

www.pdfbooksfree.pk

ہیمر نگ چاہتے ہیں۔ بات ان پر واضح اور دہرا دہرا کر ٹھونسنی چاہیے۔ ان کی نفسیات یہی ہے کہ زیادہ نفسیات سے کام نہ لیا جائے۔ صاف کہو: بھئی اس طرح کے ہاتھ، کان اور کمائی ہوتے ہوئے بھی جماں سے کیوں دب رہے ہو؟"

اس پر ایک اور فرمائشی قہقہہ پڑا۔ رفیق ہنستے ہوئے اس مرغے کی مانند اچھلا جس کی گردن ایک ہی ضرب میں بدن سے علیحدہ کردی گئی ہو۔ ہم نے پھر نورے کو بلایا اور جماں کے خلاف اس کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ نورے میں ایک حیرت انگیز تبدیلی واقع ہوگئی۔ اس کے جسم کے پٹھے پھڑکنے لگے۔ چادر میں سے اس نے اپنے لمبے لمبے بازو نکال لئے اور جماں کے ساتھ لڑائی کا تصور ذہن میں لاتے ہوئے بولا: "سچ مچ اس نے مجھے نامرد سمجھ رکھا ہے۔ ایک دفعہ وہ چکری دوں کہ......" اور نورے پر حقیقت کا انکشاف ہونے لگا اور آج وہ جان سکا کہ اسے مار پڑ رہی ہے۔ اس کے منہ کے ایک طرف کف کی ایک نفرت انگیز مگر متبرک، تخریبی مگر تعمیری سی تحریر دکھائی دینے لگی۔ اسٹین نے بالکل لینن کا سا کام کیا۔ ایک عام آدمی کے ذہن و لاشعور میں یہ احساس بھر دیا کہ اسے دبایا جارہا ہے۔

نورے کے جانے کے بعد رفیق، نلیشہ کی طرح پوچھنے لگا: "تمہارا کیا خیال ہے، پھنسی تو نمودار نہیں ہوگی؟ ڈاکٹر بالی نے کہا تھا کہ تین ہفتے سے چھ ہفتے تک میعاد ہوتی ہے، اور اب چوتھا ہفتہ جارہا ہے اور کوئی نشان نہیں۔ اور میں کل کی نسبت آج کمزور نہیں دکھائی دیتا کیا؟" میں نے رفیق کو یقین دلاتے ہوئے کہا: "بھئی پھنسی نہیں ہوگی۔" لیکن وہ کہنے لگا: "تم میرا جی رکھنے کے لئے کہہ رہے ہو۔ خدا کی قسم کھاؤ" میں نے تنگ آکر ہمدردی سے عاری، اتنی اونچی آواز میں قسم کھائی کہ رفیق نے مغموم و مایوس ہوکر اس کا ذکر بند کردیا۔ لیکن صرف اسی وقت کے لئے!

بڑے مزے کی بات ہوئی۔ نورا ہمارے یہاں تو سیخ پا ہوا لیکن جماں کے پاس گیا تو بولا: "دیکھو بھیا' یہ بابو لوگ مجھے تمہارے خلاف اکساتے ہیں۔ کہتے ہیں تم اس کے دبیل ہو۔ اب بھلا میں کہاں ہوں تمہارا دبیل؟" اور بدستور اٹھاؤ چولہا صبح کی، ٹاپوں، کے لئے سلگانے لگا۔

داؤد کہنے لگا کہ اس میں سارا قصور لینن یا سٹین کا ہے۔ اگر میرا افسانوی طریقہ برتا ہوتا تو بات پھر لوٹ کر اس کے ذہن میں آتی، چوٹیں لگاتی اور بس جاتی، اور جماں کا نام لینے کی ضرورت بھی نہ پڑتی۔ یہ فرق تھا لینن اور گورکی میں، اسٹین اور داؤد میں۔

رفیق نے یاس آلود نگاہیں اوپر اٹھائیں اور موضوع کو ٹانگ سے پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹتے ہوئے بولا: "تہذیب حاضر جسم اور روح کی بیماریاں پیدا کرنا جانتی ہے۔ اس کے پاس پھٹکار ہے لیکن علاج اور تشفی نہیں۔ مریض کے دوسرے سوال کا جواب دینے کا صبر و حوصلہ بھی نہیں۔ اور یہ آئینہ کہاں تک مددگار ہے۔ دیکھ اس میں مجھے اپنا رنگ زرد دکھائی دیتا ہے۔ میں اسے توڑ دوں گا۔" اور نیورستھینک رفیق نے آئینے کو باہر پھینک کر اس کے ٹکڑے کردیئے۔

اب ہم جماں سے جھینپنے لگے لیکن جماں "بیٹا باہر تو نکل" کی انداز کے باتیں کرنے لگا۔ ہم نے بھی ڈنڑ پیلے، مالش کی، موگر اٹھا کر پٹھوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کہا: "لے نکلتے ہیں، کرلے جو کرنا ہے۔" اور جماں مرعوب ہوگیا۔ نورے کے متعلق ہم نے سوچا "نورا جائے جہنم میں۔ ہمیں اس سے کیا غرض؟ داؤد کا نقطہ نگاہ درست ہے، بلکہ اسے جتنی بھی پڑیں تھوڑی ہیں!"

ہمیں نورے کی اس بیماری کے متعلق ابھی تک حیرت تھی لیکن ہم نے اسے کمتری کے احساس کا سارا سوائے عام نام دے کر کمال بے صبری اور بے حوصلگی سے اپنے ذہن کو فارغ کردیا۔ ایکا ایکی ایک دن جماں نورے کو اپنی دوستی اور رفاقت کے قابل نہ سمجھ کر علیحدہ ہوگیا۔ اس وقت نورے نے جماں کی منتیں کیں، آنسو بہائے لیکن جماں تھا کہ برابر کہے جارہا تھا کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہارے ساتھ کوئی رہے۔

داؤد چیخا، اسٹین نے نفسیات کی ایک کتاب جلائی اور ہم دونوں نے مل کر ایک بے ربط اور بے سری آواز میں ہند کا قومی ترانہ: "سلامت رہے ہمیشہ فرمانروا ہمارا" گایا۔ گانے کے بعد رفیق نے کہا کہ دیکھو بھئی سستی ہی جان چھوٹتی ہے اور نورا ہے کہ مانتا ہی نہیں۔ "ابے نورے!" پھر آہستہ آواز اور دانت پیس کر "ابے نورے!" اور نورا ہے کہ صدیوں سے غلام چلے آنے والوں کی طرح اپنی غلامی میں ہی نجات سمجھنے لگا ہے' اپنے پاؤں کی بیڑی کو ہی اپنا زیور سمجھتا ہے۔

لیکن جماں چلا گیا اور ایک شخص فرد کا فاروق نے جماں کی جگہ لے لی۔ وائے قسمت! اب نورا فرو کے کا غلام تھا۔ لیکن تعجب کی بات تھی کہ ایک دن نورے نے احتجاج کیا۔ بات یوں ہوئی کہ فرو کے نے کسی بات سے دکھی ہوکر نورے سے کہا: "جا تیرا خانہ خراب ہو۔"

نورے کو کچھ یاد آگیا۔ آنسو تھے کہ بے تحاشا اُمڈ رہے تھے۔ ایک بات کا اضافہ ہوا۔ روتے روتے گھگھی بندھ گئی۔ نورا بار بار یہی کہتا تھا کہ تو نے مجھے مار لیا ہوتا، پیٹ لیا ہوتا لیکن یہ الفاظ مجھے نہ کہے ہوتے۔ فرو کے نے نورے کو دلاسا دیا لیکن نورا تھا کہ برابر روئے جارہا تھا: "ہائے! تو نے مجھے یہ نہ کہا ہوتا۔"

اسے منانے کے لئے فرد کا گھر بیٹھ رہا اور گیرج شاپ، جہاں کہ وہ کام کیا کرتا تھا، نہ گیا۔ ہم نے بھی کالج سے چھٹی کی اور نورے کو کریدنے لگے۔ جب نورا بولنے کے قابل ہوا تو کہنے لگا: "چھوٹے ہوتے میرے ماں باپ مر گئے۔ بھائی نے پالا پوسا اور نوجوان کیا۔" اور نورا پھر رونے لگا۔ اس کی آنکھیں میانی کمرے کے ایک پشتے پر جمی ہوئی تھیں، لیکن گردش ایام پیچھے کی طرف دوڑ گئی تھی اور نورا تصور میں اپنے بھائی کے پاس کھڑا تھا۔ کچھ دیر کے بعد خود ہی نورے نے بات مکمل کرنے کی اک ہٹ محسوس کی اور بولا: "مجھے مرغ پالنے کا بڑا شوق تھا تو بڑے بھیا نے مرغ مہیا کئے۔ میں انڈا بوسکی کی پھانٹ دار قمیض پسند کرتا تھا تو اس نے بہت سی قمیضیں سلا دیں۔ گھر میں بھاوج کو زیادہ باجرے کی روٹی پکانے کا حکم تھا کیونکہ وہی روٹی مجھے پسند تھی۔ لیکن میں اس کے پاس نہ رہا اور بھاگ گیا۔ ایک آٹے کی چکی پر چھ ماہ کاٹ کر گھر لوٹ آیا۔ پھر بھاگا، پھر لوٹ آیا، اور آخر میں نے بھائی کو اس حالت میں چھوڑا جب کہ اس پر فالج گرا تھا۔ اس نے تنگ آکر مجھے ایک بد دعا دی جو کہ مجھے آج یاد آرہی ہے۔ اس نے کہا: "نوری! وہ مجھے ہمیشہ لاڈ سے نوری ہی کہا کرتا تھا۔" یہاں کچھ دیر رکنے کے بعد فوراً بولا "اس نے کہا: "نوری! تو زندگی میں کسی کا سگا نہیں بنا' جا تیرا سگا بھی کوئی نہیں بنے گا۔"

اس کے بعد کچھ دیر خموشی رہی جس کے بعد نورے نے کہا: "وہ دن اور آج کا دن، میرا تو کوئی سگا نہیں بنتا۔ اور آج فرد کا کہہ رہا ہے جا تیرا خانہ خراب ہو! میں اپنے دوست کے لئے کیا نہیں کرتا۔ کمینے سے کمینہ کام بھی کرتا ہوں اور جب کوئی میرا دوست مجھے چھوڑتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ یہ سب بھیا بلاقی کی بددعا کا اثر ہے!"

رفیق، داؤد، اسٹین اور میں...... چاروں نے یہ بات سنی اور دم بخود رہ گئے۔ "اسے نورا کہتے ہیں۔" داؤد بولا۔ اسٹین نے گہری سوچ سے سر اٹھایا اور بولا: "اپنی دق سے مرتی ہوئی ماں کی میں نے خدمت کی اور مرنے سے پہلے اس نے کہا: جا بچہ! تو زندگی میں بڑا سکھ پائے گا۔" اور اسٹین نورے کے ہی انداز میں بولا: "وہ دن اور آج کا دن' جب کوئی پر مسرت لمحہ میری زندگی میں آتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری ماں کی دعائے خیر کا اثر ہے!"

رفیق بولا: "لوگوں کو منہ سے بات نکالتے ہوئے کچھ سوچ لینا چاہئے۔ تم نہیں جانتے مجھ سے نیورستھینک کے لئے ایک معمول سا فقرہ کیا معنی رکھتا ہے۔" اس وقت داؤد اور میں خاموش تھے۔ شاید ہم بھی اپنی ماضی کی راکھ میں چند سلگتے ہوئے کوئلوں کو اتھل پتھل کر رہے تھے۔

www.pdfbooksfree.pk

بے چین روح

شہزادہ چاندزیب عباسی-کراچی

پورے کمرے میں ہولناک تاریکی کا راج تھا نوجوان محوِ خواب تھا کہ کسی نے اسے اچانک جھنجھوڑ کر اٹھادیا۔ اس نے اپنی آنکھیں مسلیں اور سامنے دیکھا تو اس پر جیسے کپکپی طاری ہوگئی۔ سامنے ایک مجسم روح کھڑی……

سنسان اور پرہول اندھیرے میں خراماں خراماں دل ودماغ پرخوف کا سکہ بیٹھاتی کہانی

صالح محمد دریا کے کنارے بیٹھا وضو کررہا تھا۔رات آدھی سے زائد بیت چکی تھی۔صالح محمد پانچ وقت کا نمازی اور تہجد گزار تھا اس وقت بھی وہ تہجد کی نماز کے لئے وضو کررہا تھا اچانک موسم تبدیل ہوگیا۔بادل گرجنے لگے ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہوگئی اس نے ہاتھوں کے چلو میں پانی لے کر جیسے ہی چہرے کے قریب لایا۔اس کے چہرے پرخوف وہراس چھا گیا۔کیونکہ اس کے خوف زدہ ہونے کی وجہ اس کے ہاتھوں کے چلو میں موجود پانی تھا۔ جوخون کی طرح سرخ ہورہا تھا اس نے لرزتے کانپتے ہاتھوں کے چلو میں موجود پانی کوسونگھا تواس کے شبہے کی تصدیق ہوگئی پانی سے انسانی خون کی بوآرہی تھی۔اس نے چلو میں موجود پانی کوگرادیا اور لرزتی کانپتی ٹانگوں کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کی نظریں دریا پر جمی ہوئی تھیں۔انسانی خون پیچھے کہیں سے دریا کے پانی میں بہتا ہوا آرہا تھا۔اسی وقت اس کی نظریں پانی میں بہتی ہوئی کسی چیز پر پڑیں جو کنارے کی طرف آرہی تھی۔وہ کنارے پرکھڑا بغور اس چیز کودیکھتا رہا۔قریب آنے پر ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑلیا خوف اور ڈر سے اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے کیونکہ وہ کسی نومولود بچے کی لاش تھی جواس کے ہاتھوں میں موجود تھی۔ بچے کی گردن کسی تیز دھار ہتھیار سے کاٹی گئی تھی۔ بچے کی لاش اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر دوبارہ دریا کے پانی میں جاگری۔

''یااللہ خیر۔'' وہ زیرلب بڑبڑایا۔ چند بچوں کی مزید گردن کٹی لاشیں بہتی ہوئی کنارے پرآ پہنچی تھیں وہ لرزتی کانپتی ٹانگوں سے اپنے گھر کی طرف بھاگنے لگا جواس دریا سے کچھ فاصلے پرواقع تھا۔

☆……☆……☆

گرجتے بادلوں کی دل دہلادینے والی آواز میں پوجا اپنے نومولود بیٹے کواٹھائے بھاگ رہی تھی اس کا پتی راکیش دس سالہ بیٹا دیپک دوسرا بیٹا پانچ سالہ پردیپ اورسات سالہ بیٹی مالنی بھی اس کے ساتھ دوڑ رہے تھے۔

تیز بھاگنے سے ان کا سانس پھول رہا تھا وہ دوڑتے ہوئے بری طرح ہانپ رہے تھے گرجتے بادلوں کے ساتھ ساتھ برستی بارش میں وہ بھیگ چکے تھے سردی انہیں اپنی ہڈیوں میں اترتی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔

رات آدھی سے زائد بیت چکی تھی، اس پرموسلادھار برستی بارش میں بھاگنا ان کی مجبوری تھی۔

مہاراج پرکاش کے مسلح سپاہی موت کی طرح ان کے تعاقب میں تھے۔ہندوستان میں واقع اس ریاست

www.pdfbooksfree.pk

کا مالک مہاراج پرکاش انتہائی ظالم اور سنگدل انسان تھا۔ چندہ ماہ قبل اس کے دست راست علم نجوم کے ماہر نارائن نے انکشاف کیا کہ اس اماوس کی رات اس ریاست میں ایک بچہ ایسا پیدا ہوگا جو مہاراج کی موت کا سبب بنے گا۔

چنانچہ مہاراج پرکاش نے حکم دے دیا کہ اماوس کی آنے والی رات میں ریاست کی کوئی عورت لڑکا نہ جنے اور جس کے گھر بھی اس اماوس کی رات لڑکا پیدا ہوگا اس بچے کو اور بچے کے والدین کو مہاراج کے سپاہی قتل کردیں گے۔

اس اماوس کی رات کو ریاست میں درجنوں بچوں نے جنم لیا جنہیں مہاراج اور نارائن نے نہایت بے رحمی سے قتل کروا کر دریا میں پھینکوادیا۔

راکیش اور پوجا اپنے نومولود بچے کی زندگی بچانے کے لئے اپنے پریوار کے ساتھ رات کو گھر سے بھاگ گئے، مہاراج کو ان کے فرار کی خبر مل گئی چنانچہ مہاراج کے سپاہی گھوڑوں پر سوار ان کا پیچھا کررہے تھے۔ بھاگتے بھاگتے وہ جنگل میں داخل ہوگئے۔

اچانک انہیں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ موت ان کے سر پر پہنچنے والی تھی۔ اب ان میں مزید دوڑنے کی ہمت نہ تھی۔

اچانک دس سالہ دیپک بھاگتے بھاگتے ایک چھوٹے کھائی نما گڑھے میں چیختا ہوا گر گیا۔

اسی وقت گھوڑوں پر سوار نصف درجن مسلح سپاہیوں نے انہیں گھیر لیا۔ ان میں مہاراج کا دست راست نارائن بھی تھا۔ ”خبردار اب بھاگنے کی کوشش مت کرنا ورنہ ہم گولی چلادیں گے۔“ نارائن غصے سے چلایا۔

وہ ٹھٹک کر اپنی جگہ پر رک گئے، نارائن کے اشارے پر ایک رائفل بردار نے زبردستی نومولود بچے کو پوجا سے چھین لیا۔

”سردار یہ بچہ تو سردی اور بارش کی شدت سے مرچکا ہے۔“ پوجا سے بچہ چھیننے والا رائفل بردار جیسے چیخا۔

پوجا نے چیختے ہوئے اپنے نومولود بچے کی لاش اس سے جھپٹ لی بچے پر نظر پڑتے ہی وہ رونے لگی۔ بچہ واقعی دنیا سے گزر چکا تھا وہ معصوم گھنٹوں بارش میں بھیگنے کی وجہ سے سردی سے مرچکا تھا شاید اسے مرے ہوئے کافی دیر ہوچکی تھی پوجا کو بھاگنے کے دوران اپنے نومودل بچے کی موت کی خبر بھی نہ ہوسکی تھی۔

”انہیں حویلی لے چلو، ان کا فیصلہ مہاراج کریں گے۔“ نارائن نے حکم دیا۔

انہیں بے دست و پا کر کے حویلی کی طرف لے جایا جانے لگا۔ بچے کی لاش پوجا سے چھین کر جنگل میں پھینک دی گئی تھی۔

”تم لوگوں نے مجھ سے غداری کی ہے جس کی سزا بہت بھیانک ہے۔“ مہاراج کے حکم سے راکیش اور پوجا کو خنجر کے پے در پے وار کر کے قتل کردیا گیا۔ پانچ سالہ پردیپ اور مالنی کو اگرچہ زندہ رکھا گیا پر انہیں غلاموں میں شامل کردیا گیا۔

رات نصف سے زائد بیت چکی تھی نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسے نیند نہیں آرہی تھی بلکہ اس کی وجہ وہ خواب تھے جو مسلسل کئی روز سے اسے خوف زدہ کررہا تھا وہ اکثر خواب میں دیکھتا۔

ایک عورت کفن پہنے اس کے سامنے کھڑی ہے اور کہہ رہی ہے ”دیپک میں کب سے بے چین ہوں۔ تمہاری راہ تک رہی ہوں جلدی آؤ۔“ وہ اکثر یہی بات دہراتی۔

کبھی وہ خواب دیکھتا، ایک جنگل سے جس میں ایک عورت اور مرد تین بچوں کے ساتھ بھاگ رہے ہیں۔ عورت نے ایک نومولود بچہ اٹھا رکھا ہے اسے نہ جانے کیوں ایسا لگتا تھا جیسے اس نے اس جنگل کو دیکھا ہے آج بھی وہ یہ خواب دیکھ کر آدھی رات کو بیدار ہوچکا تھا شدید سردی کے موسم میں بھی اسے خوف سے پسینے آرہے تھے پوری رات اس نے کروٹیں بدل بدل کر جاگ کر گزاری۔ صبح پانچ بجے کے قریب وہ گہری نیند سوگیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو دن کے بارہ بج رہے تھے اس

وقت وہ ناشتہ کررہا تھا اس کے قریب ہی اس کی والدہ بلقیس موجود تھیں اس کے والد زبیر احمد ایڈووکیٹ کورٹ جاچکے تھے۔ ”کیا بات ہے بیٹا! آج تم اتنی دیر سے اٹھے ہو اس کے باوجود بھی تمہاری آنکھیں سرخ ہورہی ہیں لگتا ہے تم رات بھر سوئے نہیں۔“

امی! آج پھر میں نے وہی خواب دیکھا ہے، خواب میں وہی عورت ہمیشہ کی طرح مجھے دیپک کہہ کر پکارتی ہے دوسرے خواب میں ہمیشہ کی طرح ایک جنگل دیکھتا ہوں جو مجھے دیکھا بھالا لگتا ہے اس جنگل میں ایک عورت اور مرد بچوں کے ہمراہ بھاگ رہے ہیں نہ جانے کیوں مجھے وہ بچے بھی جانے پہچانے لگتے ہیں۔ وہ بے چین روح نہ جانے مجھ سے کیا چاہتی ہے۔ ان پراسرار خوابوں نے میرا چین سکون چھین لیا ہے۔“

”تم کسی ماہر نفسیات کے پاس کیوں نہیں چلے جاتے۔“

”امی میں کوئی نفسیاتی مریض نہیں۔ جو ماہر نفسیات سے رجوع کروں۔“ عثمان تڑپ اٹھا۔

”خیر چلو ناشتہ کر کے گھوم پھر آؤ دل بہل جائے گا۔“ والدہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا عثمان سر جھکائے ناشتے میں مصروف ہوگیا۔

عثمان ایڈووکیٹ زبیر احمد کا اکلوتا بیٹا تھا والدین اس سے بہت پیار کرتے تھے عثمان کو ایک بات پر بہت حیرت ہوتی تھی کیونکہ ان کے گھر میں عثمان کی بچپن کی کوئی تصویر نہیں تھی اس بارے میں اس نے کئی بار والد اور والدہ سے پوچھا مگر انہوں نے اسے ٹال دیا۔

آج اس نے پکا ارادہ کر رکھا تھا کہ گھر میں اپنے بچپن کی کوئی تصویر ڈھونڈے گا۔ ناشتہ کر کے اٹھا تو پتہ چلا والدہ پڑوس میں گئی ہوئی ہیں۔ اس نے موقع غنیمت جان کر گھر میں موجود الماریوں کی تلاشی لینا شروع کردی ایک الماری سے کچھ البم ملے جس میں اس کی والدہ بلقیس اور والد زبیر احمد اور رشتہ داروں کی تصویریں تھیں مگر اس کی کوئی بچپن کی تصویر نہ تھی آخر ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک الماری سے پرانا سا البم ملا کھول کر دیکھتے ہی اس پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا وہ بلقیس اور زبیر احمد کی جوانی کی تصویر تھی ان کے ساتھ ایک دس سالہ بچہ تھا بچہ ہو بہو اس بچے کی طرح تھا جسے اس نے کئی بار خواب میں ایک مرد اور عورت کے ساتھ جنگل میں بھاگتے دیکھا تھا وہ سوچنے لگا۔ ”اس بچے کا میرے والدین سے کیا تعلق ہے؟ اس تصویر کو انہوں نے کیوں چھپا کر رکھا ہے؟ کہیں یہ بچہ میں ہی تو نہیں؟ اگر ایسا ہے تو وہ مجھ سے اس بات کو چھپا کیوں رہے ہیں؟ وہ عورت مرد کون ہیں جن کے ساتھ وہ بچہ بھاگ رہا ہے؟“ سوچوں کی یلغار تھی جس نے اس کے ذہن کو چکرا کر رکھ دیا تھا۔ والدہ کے گھر آنے کے بعد اس کی ہمت نہ ہوسکی کہ اس سے کچھ پوچھتا وہ خاموشی سے گھر سے باہر نکل گیا کہ دوستوں سے گھل مل کر اپنے ذہن سے ان سوچوں کو جھٹکنے کی کوشش کرے گا۔

شام چھ بجے کا وقت تھا نئے ماڈل کی جیپ سڑک پر درمیانی رفتار سے چل رہی تھی اس جیپ میں عثمان، جاوید، ندیم اور ارسلان موجود تھے یہ جیپ ندیم کی تھی ندیم ایک بہت بڑے صنعت کار آغا ناصر درانی کا بیٹا تھا وہ چاروں گہرے دوست ہونے کے ساتھ ساتھ کلاس فیلو بھی تھے ندیم نے ملک بھر کی سیر کا پروگرام بنایا تو چاروں نے کالج سے ایک ہفتہ کی چھٹی لے لی انہیں گھومتے ہوئے آج تیسرا روز تھا ندیم گاڑی خود ڈرائیو کررہا تھا جبکہ بقایا تین دوست پچھلی نشست پر براجمان تھے۔

ندیم نے گاڑی اچانک سڑک کے درمیان روک دی۔ ”اس سنسان سڑک پر اس طرح گاڑی کیوں روکی۔“ عثمان نے پوچھا۔

”سامنے سڑک پر دیکھو۔“ ندیم نے سڑک کی طرف اشارہ کیا انہوں نے دیکھا۔ گاڑی سے کچھ فاصلے پر سڑک کے درمیان ایک سفید رنگ کی بلی کھڑی تھی عثمان گاڑی سے اتر کر بلی کے پاس چلا گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر بلی کو اٹھا لیا حیرت کی بات یہ تھی کہ بلی آرام اور سکون سے اس کے ہاتھوں میں موجود تھی۔ اس نے اپنے آپ کو عثمان سے چھڑانے کے لئے کسی قسم کی جدوجہد نہیں

www.pdfbooksfree.pk

کی۔عثمان بلی سمیت گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔

"لگتا ہے اس سے تمہاری رشتے داری ہے کتنے آرام اور سکون سے تمہاری گود میں بیٹھی ہے۔" ارسلان ہنسا ندیم نے گاڑی چلادی۔

کچھ دیر بعد ندیم اچانک خوف زدہ نظر آنے لگا اس کے خوف زدہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ گاڑی اس کے کنٹرول سے باہر ہوچکی تھی۔ بائیں سمت ایک سڑک جارہی تھی ندیم نے اسٹر نگ موڑ کر گاڑی کو بائیں سمت والی سڑک پر لے جانا چاہا۔ مگر ناکام رہا۔ اسٹیرنگ فل گھمانے کے باوجود گاڑی سڑک پر سیدھی دوڑتی چلی جارہی تھی۔ ندیم نے بریک پر پاؤں کا دباؤ بڑھا کر اسے روکنے کی کوشش کی جیپ رکنے کے بجائے تیزی سے آگے بڑھنے لگی گاڑی کی رفتار اس وقت سو سے زائد تھی ندیم کے چہرے کا رنگ خوف سے سفید پڑنے لگا۔

"خیریت تو ہے؟ تمہارے چہرے پر ہوائیں کیوں اڑ رہی ہیں؟" ارسلان نے پوچھا۔

"یار عجیب بات ہے۔گاڑی میرے کنٹرول سے باہر ہوچکی ہے۔اسٹیرنگ نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔بائیں سمت والی سڑک پر لے جانے کے لئے اسٹیرنگ فل گھمایا اس کے باوجود یہ اپنی مرضی سے ایک ہی سمت جارہی ہے۔یہ دیکھو!" ندیم نے اسٹیرنگ کو پوری قوت سے بائیں طرف گھمایا۔

"انہوں نے دیکھا تو گاڑی واقعی سڑک پر سیدھی چلی جارہی تھی اور اس کے علاوہ گاڑی کے بریک بھی کام نہیں کررہے ہیں رفتار کم ہونے کے بجائے بڑھتی جارہی ہے۔لگتا ہے کوئی مرئی طاقت گاڑی کو کنٹرول کررہی ہے۔"

ندیم کے الفاظ نے سب کو ہراساں کردیا وہ خوف زدہ ہوگئے۔"یار کیوں نہ گاڑی سے کودجائیں۔" عثمان نے مشورہ دیا۔

"احمق گاڑی کی رفتار اس وقت سو سے زائد ہے اتنی رفتار سے چلتی گاڑی سے کودنا خودکشی ہوگی۔" جاوید جھنجھلا کر بولا۔

"یار جب سے یہ پراسرار بلی گاڑی میں سوار ہوئی ہے اس وقت سے گاڑی ہمارے کنٹرول سے باہر ہے۔کہیں یہ کوئی جن یا روح تو نہیں؟" ندیم عثمان کی گود میں بیٹھی بلی کو خوف زدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

ندیم کے تبصرے نے ان سب کو مزید دہشت میں مبتلا کردیا تھا۔اب وہ خاموش بیٹھے خوف زدہ نظروں سے بلی کو دیکھ رہے تھے۔اچانک اسی وقت بلی نے ماؤں کی آواز نکالی اور تیز رفتاری سے چلتی گاڑی کی کھڑکی سے کودگئی بلی کی اس غیر متوقع حرکت سے وہ بھونچکے رہ گئے۔

"لگتا ہے تمہاری بات کا برا مان گئی۔" جاوید ندیم کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ یہ بات اس نے مزاح کے انداز میں کہی تھی کہ اس کے دوستوں کے دل سے خوف نکل جائے۔"اب بچنے کی ایک ہی صورت ہے کسی نہ کسی طرح گاڑی کا ایندھن ختم ہوجائے۔گاڑی خود بخود رک جائے گی۔" ندیم اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر بولا۔"ٹنکی فل ہے ایندھن ختم ہونے تک گاڑی پتہ نہیں کہاں تک پہنچ جائے گی۔" ارسلان نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

وہ حیرت اور خوف سے گاڑی کو انجان راستوں پر تیز رفتاری سے چلتے دیکھتے رہے۔سڑک رات کے اس پہر سنسان تھی کبھی کبھار ایک آدھ گاڑی دکھائی دیتی۔تو وہ شور مچا کر اسے متوجہ کرنے کی کوشش کرتے۔مگر کوئی بھی ان پر توجہ نہیں دے رہا تھا۔ بلکہ گاڑی میں موجود افراد حیرت سے انہیں دیکھتے ہوئے گاڑی کی رفتار بڑھا کر آگے نکل جاتے۔وہ چاروں حیرت اور خوف کے ملے جلے جذبات سے گاڑی کو اپنی مرضی سے چلتے ہوئے دیکھتے رہے۔ ارسلان تو قرآنی آیات پڑھنے لگا۔اس کے دیکھا دیکھی باقی دوستوں نے بھی زیر لب قرآنی آیات پڑھنی شروع کردی تھیں ان کا یہ پراسرار اور خوفناک سفر کافی دیر تک جاری رہا۔ صبح تقریباً چھ بجے کے قریب ان کی جیپ ایک سرسبز گاؤں میں جا کر رکی۔ چاروں جلدی سے نیچے اتر آئے۔"یہ کونسی جگہ ہے؟" عثمان بولا۔

"ایسا کرتے ہیں پیدل آگے چلتے ہیں۔جیسے ہی کوئی نظر آیا تو معلوم ہوجائے گا یہ کونسی جگہ ہے؟" ندیم بولا۔اور پیدل ناک کی سیدھ میں چل دیئے۔

"کچھ دور چلنے کے بعد سامنے سے ایک صحت مند بوڑھا آدمی آتا دکھائی دیا۔" باباجی یہ کونسا علاقہ ہے۔؟" ندیم نے اس سے پوچھا۔"بیٹا یہ انڈین سرحد کے قریب واقع گاؤں پریم نگر ہے تم لوگ یہاں کیسے آئے؟ شکل سے تو تم لوگ شہری دکھائی دیتے ہو۔" اور بوڑھا انہیں حیرت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"باباجی راستہ بھٹک کر ادھر آگئے ہیں آپ شہر کی طرف جانے والی سڑک کا ایڈریس بتادیں شاید ہمیں کسی سے لفٹ مل جائے۔" عثمان بوڑھے کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ بوڑھا انہیں راستہ سمجھانے لگا۔وہ اس کا شکریہ ادا کرکے اس کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑے۔ ابھی تک کسی آبادی کے آثار دکھائی نہ دیئے تھے۔ایک جگہ پانی کا چشمہ دیکھ کر وہ بے تابی سے آگے بڑھے ہاتھوں کے چلو سے خوب سیر ہوکر پانی پیا اور آگے بڑھ گئے۔ کافی دیر چلتے رہنے کے باوجود نہ ہی کوئی آبادی دکھائی دی اور نہ ہی کوئی سڑک نظر آئی وہ چلتے چلتے تھک چکے تھے۔ بھوک بھی لگنے لگی تھی کھانے پینے کا سامان گاڑی میں چھوڑ کر آئے تھے اس لئے بھوکے پیٹ پیدل چلتے رہے کافی دیر بعد انہیں ایک عمارت دکھائی دی۔ قریب جانے پر معلوم ہوا وہ کوئی مندر تھا۔"مندر کی حالت سے لگتا ہے یہ کافی قدیم مندر ہے۔" ارسلان نے تبصرہ کیا۔

"چلو اندر چلتے ہیں ضرور کوئی نہ کوئی موجود ہوگا اور ہم اس سے سڑک کی طرف جانے والا راستہ معلوم کرلیں گے۔" ندیم بولا۔

"وہ چاروں مندر میں داخل ہوگئے ہال نما کمرے میں چاروں طرف دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں رکھی تھیں ایک طرف کالی کا بڑا سا بت موجود تھا۔ چھت سے پیتل کی گھنٹیاں لٹک رہی تھیں ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا حیرت کی بات یہ تھی کہ مندر میں کوئی ذی نفس موجود نہ تھا۔" یار جلدی سے باہر چلو۔ مجھے تو وحشت ہورہی ہے۔" عثمان بولا۔

اچانک تیز ہوائیں چلنے لگیں، پیتل کی گھنٹیاں ہوا کے چلنے سے بجنے لگیں جن کی آواز اس ہال نما کمرے میں گونج رہی تھی اچانک مندر میں بلی کی میاؤں کی آواز سنائی دی۔ چاروں نے آواز کی سمت دیکھا تو خوف سے ان کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی کیونکہ وہ وہی بلی تھی جو انہیں سڑک پر ملی تھی اور پھر چلتی گاڑی سے راستے میں کودگئی تھی۔

"جلدی باہر چلو۔" عثمان چیختے ہوئے بولا۔

اسی وقت پورے مندر میں گھپ اندھیرا چھا گیا اور ہال نما کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ اس گھپ اندھیرے میں بلی کی آنکھیں چمکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ ڈر اور خوف سے ان کے جسم سے پسینہ بہنے لگا ان چاروں کو کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔ وہ اندازے سے دروازے کی سمت بھاگے دوڑتے ہوئے عثمان کو ٹھوکر لگی اور وہ چیختا ہوا گر پڑا اسے یوں لگا جیسے وہ کسی کھائی میں گر رہا ہو وہ تیزی سے نیچے کی طرف گر رہا تھا۔ اس نے خوف سے آنکھیں بند کرلیں اسی وقت اس کے جسم کو جھٹکا لگا تو اس نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں وہ ایک طویل سرنگ میں مٹی کے ڈھیر پر پڑا تھا۔ ایک طرف ہلکی سی روشنی دکھائی دے رہی تھی وہ اٹھا اور روشنی کی طرف بڑھنے لگا کہ شاید یہاں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ دکھائی دے وہ چلتا رہا مگر روشنی کے قریب نہ پہنچ سکا وہ سرنگ شیطان کی آنت کی طرح لمبی تھی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی چلتے چلتے اس کے پاؤں تھک گئے وہ مایوس ہوکر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اگر وہ یہاں سے نہ نکل سکا تو بھوک اور پیاس سے مرجائے گا یہ سوچتے ہی وہ دوبارہ کھڑا ہوا اور تیزی سے چلنے لگا۔ وہ رکے بغیر گھنٹوں چلتا رہا۔ مگر سرنگ کا اختتام نہیں ہوا تھکن سے اس کا جسم دکھنے لگا تھا پیاس کی شدت سے اس کے ہونٹ خشک ہورہے تھے اسے اپنے حلق میں کانٹے سے چبھتے محسوس ہورہے تھے یوں لگتا تھا کسی بھی لمحے پیاس کی شدت سے اس کی جان نکل جائے گی چلتے

www.pdfbooksfree.pk

چلتے وہ بے دم ہو کر گر پڑا اس کی سانس تیزی سے چل رہی تھی۔ ”کیا میرا آخری وقت آ گیا ہے۔“ یہ سوچتے سوچتے اس نے آنکھیں موند لیں۔

”آنکھیں کھول ! میرے لعل ، میں آ گئی ہوں۔“ اس کے کانوں سے ایک نسوانی آواز ٹکرائی۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں حیرت وخوف سے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس کی نظروں کے سامنے وہی عورت کھڑی تھی جو مسلسل اس کے خوابوں میں آتی رہی تھی۔ بالکل وہی شکل وصورت کفن جیسے لباس میں ملبوس“ کک...... کون...... ہو...... تم؟“ عثمان نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

”میرے بچے برسوں سے تیری راہ تک رہی ہو۔ تیرے بھائی اور بہن ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں مہاراج نے ان معصوموں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رکھے ہیں۔ اب سمے آ گیا ہے اس کے ظلم کے خاتمے کا تمہیں اپنے باپ، معصوم بھائی اور میرے خون کا بدلہ لینا ہے۔“

پراسرار عورت کے الفاظ سن کر اس کے ہوش اڑ گئے۔

”تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تمہارا بیٹا نہیں، میرے والدین زندہ ہیں۔ میرا تعلق کسی مہاراج سے نہیں۔ میں پاکستانی ہو بھٹک کر اس سرنگ میں پھنس گیا ہو یہاں سے نکلنے میں میری مدد کرو۔“ عثمان کسی حد تک اپنے خوف پر قابو پا چکا تھا بولا۔

”تمہیں دیپک تم کچھ نہیں جانتے۔ تم ہی میرے بیٹے دیپک ہو تم اس وقت بہت چھوٹے تھے جب ہم مہاراج کے سپاہیوں سے جان بچانے کے لئے جنگل میں بھاگ رہے تھے۔ اور مہاراج کے کارندے موت کی طرح ہمارے پیچھے تھے۔ پھر تم کھائی میں گر کر بے ہوش ہو گئے مہاراج کے سپاہی ہمیں پکڑ کر لے گئے تمہارا معصوم بھائی جس کی پیدائش کو ایک روز گزرا تھا بھاگ دوڑ میں سردی کی شدت سے مر گیا مہاراج نے تمہارے پتا کو اور مجھے قتل کروا دیا تمہاری بہن اور بھائی کو غلام بنا لیا، اب بھی اگر تمہیں یقین نہیں تو تمہارے سینے پر سکے کی طرح ایک کالا نشان ہے۔ اسے غور سے دیکھو تمہارے خاندان کے ہر فرد کے سینے پر ایسا ہی نشان موجود ہوتا ہے تمہارے دادا کے سینے پر بھی تھا تمہارے باپ کے سینے پر بھی یہ نشان موجود تھا تمہارے بھائی پردیپ کے سینے پر بھی یہ نشان ہے۔“ روح بولی اور عثمان حیران رہ گیا۔

حقیقت میں اس کے سینے پر بھی وہ نشان موجود تھا۔

”چلو میرے ساتھ اس سرنگ کا دوسرا دہانہ ہندوستان میں جا نکلتا ہے۔“ روح بولی۔

”میں اب مزید نہیں چل سکتا۔ نہ ہی تمہاری باتوں پر یقین کروں گا۔ مجھے ایسا کچھ یاد نہیں۔“ عثمان نے اسے جھٹلایا۔

”تم آتما کی شکتی کو نہیں جانتے، تمہیں یہاں تک لانے میں میرا ہاتھ ہے۔ تم میرے زیر اثر یہاں تک پہنچے ہو تمہاری گاڑی میں جو بلی سوار ہوئی تھی اور جس بلی کو مندر میں تم نے دیکھا تھا وہ میں تھی تمہاری گاڑی کو مندر کے قریب میں نے ہی پہنچایا تھا۔“

”جب تم اتنی طاقتور ہو تو اپنا بدلہ خود کیوں نہیں لے لیتی؟“

”آتماؤں کی بھی کچھ حدود ہوتی ہیں مجھے یہ اختیار نہیں کہ کسی کی جان لے سکوں۔ ادھر میری آنکھوں میں دیکھو تمہیں سب یاد آ جائے گا۔“ روح بولی اور عثمان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور پھر وہ ان چمکدار پراسرار آنکھوں کے سحر میں ڈوبنے لگا اس نے نظریں پھیرنا چاہیں مگر ناکام رہا۔ روح کی آنکھوں کے سحر نے اسے جکڑ لیا تھا اسے ایسا محسوس ہوا روح کی آنکھوں سے روشنی سی نکلی اور اس کی آنکھوں کے راستے اس کے دماغ میں داخل ہو گئی اس کے ذہن کے پردے پر جیسے فلم چلنے لگی اسے یاد آنے لگا دس سالہ دیپک اپنے باپ کا ہاتھ تھامے بھاگ رہا تھا ماں نے نومولود بھائی کو اٹھا رکھا تھا۔ ان کے ساتھ ساتھ پردیپ اور ان کی بہن مالا بھی دوڑ رہی تھی رات کے اس پہر بارش برس رہی تھی اور پھر وہ کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر ایک کھائی میں گر گیا اور بے ہوش ہو گیا۔ اسے ہوش آیا تو وہ کھائی میں پڑا تھا سردی کی

www.pdfbooksfree.pk

وجہ سے اسے تیز بخار ہو رہا تھا کھائی اگرچہ زیادہ گہری نہ تھی لیکن دس سالہ نڈھال بچے کے لئے باہر نکلنا ناممکن تھا وہ مدد کے لئے چیخنے چلانے لگا۔ کچھ دیر بعد کسی نے کھائی میں جھانک کر پوچھا۔ ”کون ہے اندر؟“

”میں ہوں! مجھے بچاؤ۔“ وہ چیخا اوپر سے ایک صحت مند شخص اترا اور اسے اٹھا کر کھائی سے باہر لے آیا بخار کی شدت سے وہ بے ہوش ہو گیا۔

وہ ایک بے اولاد جوڑا تھا جو اس ریاست میں رہنے والے چند مسلمان گھرانوں میں سے ایک تھا۔ جو مہاراج کے مظالم سے تنگ تھے۔ قیام پاکستان کی تحریک زور پکڑ چکی تھی مہاراج جیسے انتہا پسند مسلمان گھرانوں نے وہاں سے ہجرت کرنے کی سوچی جنگل سے گزرتے ہوئے زبیر احمد نے بچے کی چیخ پکار سن کر اسے کھائی سے نکالا یہ جاننے کے باوجود کہ بچے کا تعلق ہندو گھرانے سے ہے۔ انہوں نے بچے کی جان بچائی وہ چھپتے چھپاتے وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ راستے میں ان کے قافلے پر حملے بھی ہوئے۔ ان حملوں میں زبیر احمد کے والد اور بھائی مارے گئے غرض بڑی مشکل سے وہ پاکستان پہنچے۔ جہاں اولاد کی طرح دیپک کی پرورش کی۔

مسلمان گھرانے میں پرورش پانے کی وجہ سے وہ دیپک سے عثمان بن گیا۔ ایڈووکیٹ زبیر احمد کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ ان دونوں میاں بیوی کے پیار ومحبت نے عثمان کے ذہن سے بیتے پل کی تلخ پرچھائیوں کے آثار تک مٹا دیئے اب گزرے ماضی کی پرچھائیاں سامنے آتے ہی وہ تڑپ اٹھا۔

”ماں مجھے سب یاد آ گیا ہے۔“ وہ بے تابی سے ماں کی روح کی طرف بڑھا۔ ”ماں مجھے بہت پیاس لگی ہے۔“

”اب نہ ہی تم تھکو گے اور نہ ہی پیاس لگے گی میرے ساتھ چلو۔“ روح نے کہا۔ اور وہ اس کے شانہ بہ شانہ سحر زدہ سا چلنے لگا، واقعی بھوک پیاس اور تھکن کا احساس اس سے غائب ہو چکا تھا۔ نہ جانے کب تک وہ چلتا رہا۔ اسے پتہ بھی نہ چلا کہ ان کے پیدل چلنے کا سفر کب اختتام پذیر ہوا۔ صرف اتنا دیکھ پایا کہ سرنگ کے دہانے سے نکل کر وہ ایک مندر میں داخل ہو چکے ہیں یہاں بھی جابجا دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں موجود تھیں لیکن اس جگہ ذی نفس موجود نہ تھا۔ دیوار کے گھڑیال نے بارہ بجے کا اعلان کیا گویا آدھی رات کا وقت تھا۔ وہ روح کے ہمراہ چلتا ہوا ہال نما کمرے سے باہر نکلنے لگا ”یہ ہم کہاں آ گئے؟“ اس نے ماں کی روح سے پوچھنا چاہا۔ جواب نہ ملنے پر دیکھا۔ روح غائب ہو چکی تھی اس نے پلٹ کر سرنگ کے دہانے کی طرف دیکھا۔ سرنگ کا دہانہ اس طرح غائب تھا گویا کبھی یہ سرنگ تھی ہی نہیں۔

وہ گھبرا گیا اجنبی جگہ نامانوس ماحول آدھی رات سے اوپر کا وقت نہ جانے یہاں کے لوگ اس سے کیا سلوک کرتے۔ اسے بھوک اور پیاس بھی لگنے لگی تھی۔ ایک جگہ بڑے سے بت کے قریب ایک کٹورے میں دودھ اور پھل رکھے تھے وہ بے تابی سے آگے بڑھا دودھ پینے کے بعد پھلوں سے پیٹ پوجا کی۔ پیٹ بھرنے کے بعد خطرے کا احساس دوبارہ جاگ اٹھا وہ دبے پاؤں چلتے ہوئے ہال نما کمرے سے نکل گیا راہداری میں سے گزرتے ہوئے ایک کمرے کے بند دروازے کے قریب جیسے ہی پہنچا۔ اسے کمرے سے کسی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔

”نہیں پجاری جی یہ پاپ ہے۔“ کمرے سے ایک کپکپاتی ہوئی نسوانی آواز سنائی دی۔

”مورکھ یہ پاپ نہیں میری سیوا کرو گی تو سورگ میں جاؤ گی۔“ ایک مکروہ قسم کی ہنسی کے ساتھ مردانہ آواز سنائی دی۔

اس نے دروازے کے کی ہول سے اپنی آنکھ لگا دی اندر ایک مکروہ صورت گنجا پجاری دھوتی باندھے کھڑا تھا اس کے سامنے ایک خوبصورت نوجوان لڑکی کھڑی تھی جس کا لباس کھینچا تانی کی وجہ سے جگہ جگہ سے پھٹ چکا تھا وہ کچھ دیر تک ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سنتا رہا۔ اس دوران پجاری کی دست درازیاں بھی

جاری تھیں پجاری اپنی لچھے دار باتوں سے بھولی بھالی لڑکی کو اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس وقت کمرے کی لائٹ آف ہوگئی۔ کمرے سے لڑکی کی سسکیوں کی آواز سنائی دے رہی تھی یقیناً وہ اس سے دست درازی کررہا تھا اور لڑکی چپ رہنے پر مجبور تھی۔

عثمان کو پجاری پر غصہ آرہا تھا مگر وہ بے بس تھا۔ اجنبی جگہ پر پجاری سے الجھنا اسے مہنگا پڑسکتا تھا۔ اور ویسے بھی وہ لڑائی جھگڑے سے دور رہتا تھا وہ تیزی سے مندر سے باہر نکل گیا۔ وہ ایک سرسبز گاؤں تھا چاروں طرف لہلہاتے کھیت تھے رات آدھی سے زائد بیت چکی تھی گلیاں کوچے سنسان تھے۔ رات کے اس پہر اس سرد موسم میں کوئی احمق ہی گھر سے باہر ہوسکتا تھا گاؤں دیہاتوں میں تو ویسے ہی لوگ سرِشام گھروں میں گھس جاتے ہیں عثمان کی قسمت اچھی تھی کہ اب تک کسی کتے سے واسطہ نہ پڑا تھا۔ گاؤں کی ایک گلی میں اسے ہینڈ پمپ نظر آیا وہ تیزی سے لپکا پیاس بجھائی اور آگے بڑھ گیا چلتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا۔ ”وہ کہاں آپہنچا ہے؟“ اس کی ماں کی روح بھی غائب ہوچکی تھی جو اس کی رہنمائی کرتی۔ اسے اپنی بہن اور بھائی کو ظالم مہاراج کے چنگل سے آزاد کروانا تھا۔ جس کا کوئی اتا پتہ اسے معلوم نہ تھا۔ نہ ہی وہ مہاراج کو پہچانتا تھا نہ ہی اس نے اپنی بہن اور بھائی کو دیکھا تھا۔

کافی دیر تک چلنے کے بعد اسے ایک مکان دکھائی دیا وہ اس کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا کہتے ہیں نیند سولی پر بھی آجاتی ہے سچ ہی کہتے ہیں اسے نیند آگئی اس کی آنکھ کسی کے جھنجھوڑنے سے کھلی ایک درمیانی قد و قامت کا تیس سالہ شخص اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ رہا تھا اور ساتھ ہی کہہ رہا تھا۔ ”صبح سویرے میرے گھر کی دیوار سے ٹیک لگا کر سو رہے ہو۔ کون ہو بھائی؟“ شکل صورت اور حلیے سے تو تم ادھر کے نہیں لگتے۔“ عثمان نے اٹھتے ہوئے اسے بغور دیکھا وہ شکل سے سیدھا سادھا اور پینڈو لگتا تھا۔ ”بھائی پہلے یہ بتاؤ یہ کونسی جگہ ہے؟“ عثمان نے پوچھا۔

”یہ جے پور ہے۔“ وہ عجیب انداز سے مسکرایا۔

عثمان سناٹے میں آگیا۔ ”اس کا مطلب ہے میں اس وقت انڈین علاقے میں ہوں۔“ اس نے سوچا۔

”تم ہو کون اور یہاں کیا کررہے ہو؟“ میں یہاں کے تقریباً سبھی لوگوں کو جانتا ہوں۔“ وہ شخص بولا۔

”میرا نام عثمان ہے، میرا تعلق پاکستان سے ہے۔ پراسرار طریقے سے یہاں پہنچا ہوں۔“ عثمان نے اپنی ساری روداد اسے سنا ڈالی، وہ حیران پریشان سا سنتا رہا ”میرا نام مکیش ہے، تم ایسا کرو گھر کے اندر چلو، وہیں چل کر آرام سے بات کریں گے، گاؤں کے کسی فرد نے دیکھ لیا تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے۔“ وہ چلتے ہوئے مکیش کے گھر میں داخل ہوگئے۔ وہ ایک کچا مکان تھا جس کا صحن چھوٹا تھا صحن کے آخر میں برآمدہ تھا اور دو کمروں کے دروازے دکھائی دے رہے تھے۔ صحن میں ایک طرف چٹائیوں کا چھپر سا بنا ہوا تھا جس میں تین بکریاں بندھی ہوئی اپنے سامنے رکھے گھاس کے گھڑے پر منہ مار رہی تھیں۔ وہ اسے لے کر ایک کمرے میں داخل ہوگیا کمرے میں دو چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں جن پر بستر پڑے تھے وہ ایک چارپائی پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ ”دیکھو بھائی! مہاراج بہت خطرناک انسان ہے۔ آزادی سے پہلے وہ یہاں کا راجہ تھا آزادی کے بعد ریاست کا الحاق ہندوستان سے ہوگیا اب بھی اس کا بہت اثر رسوخ ہے تقریباً وہ پوری ریاست کا مالک ہے اس کے سپاہیوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ اسی علاقے میں قلعہ نما بڑی سی حویلی ہے میں زیادہ دن تمہیں اپنے یہاں نہیں ٹھہرا سکتا۔ کوئی ایسا بندوبست کرتا ہوں کہ تم دوبارہ اپنے وطن جاسکو۔ ویسے بھی میں بہت غریب آدمی ہوں، میری پتنی اور ایک چھوٹی سی بچی ہے وہ لوگ کل سے میرے سالے کے گھر گئے ہوئے ہیں ماضی میں جو ہوا اسے بھول کر واپس چلے جاؤ۔ میرا مشورہ مانو تو اپنے ماضی سے نظریں پھیر کر لوٹ جاؤ، مہاراج کے ہتھے چڑھ گئے تو مارے جاؤ گے وہ بہت ظالم انسان ہے غریبوں کی بہن بیٹیوں کو دن دہاڑے اٹھوا لیتا ہے اس کے ہاتھ بہت

سے انسانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں یہاں چیونٹی بھی اس سے چھپ کر نہیں رہ سکتی۔

اس کا دست راست نارائن علم نجوم اور کالے جادو کا ماہر ہے۔ اسے نہ جانے کیسے ہر بات کی خبر ہوجاتی ہے میں نے تمہیں یہاں ٹھہرا کر بہت بڑا رسک لیا ہے یہ رسک میں نے تمہاری بھولی بھالی صورت سے متاثر ہو کر لیا ہے۔ مہاراج کی اجازت کے بغیر اس علاقے میں کسی اجنبی کو ٹھہرانے کی اجازت نہیں۔“ مکیش بولتا چلا گیا۔

”مکیش بھائی میں خود یہاں نہیں آیا مجھے تقدیر نے برسوں بعد یہاں پہنچایا ہے اس میں بھی کوئی نہ کوئی مقصد پوشیدہ ہے، تم فکر مت کرو، اللہ بہتر کرے گا۔“

رات کو وہ دیر تک جاگتے رہے باتیں کرتے رہے عثمان صبح نو بجے سو کر اٹھا دھوپ گاؤں کے کچے در و دیوار اور کھیتوں پر چمک رہی تھی مکیش کھیتوں پر کام کرنے جاچکا تھا عثمان کا ناشتہ چھوٹے سے باورچی خانے میں تیار پڑا تھا عثمان نے پراٹھے کے ساتھ ساگ کھایا ایک طرف پڑی چائے گرم کرکے پی دن کے بارہ بجے مکیش واپس آگیا ابھی وہ باتیں کررہے تھے کہ دروازے پر زوردار دستک ہوئی دستک اتنے زوردار طریقے سے ہو رہی تھی کہ ان دونوں نے سوچا دروازہ کسی بھی لمحے ٹوٹ کر گر جائے گا مکیش نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

نصف درجن افراد ہاتھوں میں رائفلیں تھامے اندر داخل ہوگئے۔ ”کیا بات ہے؟“ مکیش نے پوچھا۔

وہ مکیش کو دھکیلتے ہوئے جارحانہ انداز میں اندر داخل ہوگئے عثمان کمرے کے دروازے سے باہر نکلا ہی تھا کہ وہ اس کے سر پر پہنچ گئے۔ ”اوئے یہ تو ہو بہو اس کی طرح ہے،!“ ان میں سے ایک حیرت سے بولا۔

دوسرے نے گرجدار آواز میں کہا۔ ”ہاتھ اوپر اٹھا کر آگے چلو۔“ تیسرے نے رائفل کا دستہ لگا کر اس کے شانے پر مارا دو افراد نے سنبھلنے سے پہلے اسے عقب سے جکڑ لیا۔ اس کے بدن پر رائفلوں کے بٹ پڑنے لگے وہ درد کی شدت سے چیخنے چلانے لگا۔

مکیش ایک کونے میں کھڑا حیرت اور خوف سے اسے پٹتے دیکھ رہا تھا انہوں نے عثمان کو اٹھا کر نیچے پٹخا ضروری مرمت کے بعد اس کی تلاشی لی گئی پھر اسے گھسیٹ کر کھڑا کردیا۔

کچھ دیر بعد وہ اونچی دیواروں والی حویلی کے اندر تھا حویلی کی دیواریں کافی موٹی اور اونچی تھیں۔ حویلی کیا تھی ایک قسم کا قلعہ تھا۔ اسے وسیع عریض صحن میں پہنچا دیا گیا وہاں بیٹھنے کے لئے چند خوبصورت کرسیاں رکھی تھیں دو کرسیوں پر دو افراد براجمان تھے ان کے سامنے میز پر شراب کی بوتل پڑی تھی ہاتھوں میں گلاس تھے جن سے وہ وقفے وقفے سے چسکیاں لے کر شراب پی رہے تھے۔

ادھیڑ عمر کا صحت مند سا شخص جس کے بال یقیناً کلف زدہ تھے مہاراج پرکاش تھا۔ اس کے برابر والی کرسی پر اس کا رست راست نارائن بیٹھا تھا۔ ان کی پشت پر دو خطرناک صورت افراد رائفل ہاتھوں میں لئے کھڑے تھے۔

ان سے کچھ فاصلے پر مکیش زمین پر پڑا تھا جس کے جسم پر کوڑے برسائے جارہے تھے اس کے حلق سے لگاتار چیخیں نکل رہی تھیں عثمان کو کسی ملزم کی طرح مہاراج کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ مہاراج نے شراب کا گھونٹ بھرا اور بولا۔ ”یہ تو بالکل فلمی سین ہے اس کی شکل بالکل اسی کی طرح ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں ضرور ان میں کوئی رشتہ ہوگا۔ اوئے پاپی تو کہاں سے آیا ہے؟ یہاں کا تو لگتا نہیں شکل سے تو تو معصوم لگتا ہے پر اس نارائن کا کہنا ہے کہ تو میرے لئے خطرہ ہے۔“

”نارائن لگتا ہے تیرے حساب میں کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے یہ بکری کا بچہ بھلا میرے لئے کیا خطرہ بنے گا۔“ مہاراج جناثت سے ہنسا۔

”مہاراج اتنا گھمنڈ مت کرو، تم مجھے نہیں جانتے یاد کرو، ماضی میں کئی سال پہلے تم نے اسی نارائن کے کہنے پر درجنوں معصوم بچے قتل کروادیئے تھے میرے معصوم بھائی کو بچانے کے لئے میرے والدین بھاگے تمہارے

www.pdfbooksfree.pk

کتوں نے انہیں تمہارے حکم پر قتل کردیا۔ میرا معصوم بھائی مر گیا بھائی پردیپ اور بہن کو تم نے غلام بنالیا تمہیں اپنے ہر ظلم کا حساب دینا پڑے گا تمہارا یوم حساب آنے والا ہے شدت جذبات سے عثمان کی آواز کانپنے لگی تھی۔

''ہاہاہا......مہاراج ہنسا۔ ''پردیپ اور مالنی کو لے آؤ۔ نوجوان تم نے میری سب سے بڑی الجھن دور کردی میں سوچ رہا تھا کہ تمہاری شکل صورت پردیپ کی طرح کیوں ہے اب معلوم ہوا وہ تمہارا بھائی ہے۔''

''مہاراج کے حکم پر عثمان کو ایک ستون سے باندھ دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اٹھارہ سالہ نوجوان لڑکی اور بیس، اکیس سال کے درمیان نوجوان کو لایا گیا عثمان حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا وہ ہو بہو عثمان کی طرح تھا دونوں کی شکل وصورت میں کوئی فرق نہیں تھا۔ ''چل بھئی تیرے بہن بھائی آگئے اب ان سے آخری دفعہ مل لو۔''

پردیپ اور مالنی بھی حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے اسے دیکھ رہے تھے۔

ایک طرف سے ایک ورزشی جسم کا مالک دراز قد نوجوان آیا اس نے آتے ہی عثمان کے پیٹ میں گھٹنے کی زوردار ضرب لگائی عثمان اس ضرب کے لئے تیار نہ تھا تکلیف کی شدت سے اس کی چیخ نکل گئی اس نے اس پر گھونسوں اور لاتوں کی بارش کردی۔ مالنی چلائی ''بھگوان کے لئے میرے بھیا کو مت مارو۔''

''رک جاؤ رنجیت بیٹا! یہ نہ ہو کہ یہ سمے سے پہلے مرجائے۔ ابھی اسے بہت کچھ دیکھنا ہے۔'' مہاراج نے اسے روکا۔

رنجیت مالنی کی طرف بڑھا اور اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر بولا۔ ''یہ بڑے مزے کی چیز ہے آج تک اسے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ آج تیری نظروں کے سامنے اس کے ساتھ بہت کچھ ہوگا۔''

''بکواس بند کر کتے ہمت ہے تو مجھے کھول کر دیکھ۔'' عثمان چلایا۔

''تیرا یہ ارمان بھی پورا کردیتے ہیں بالک، کھول دو اس بکری کے بچے کو۔'' مہاراج نے اپنے کارندوں کو حکم دیا اور بولا۔ ''ہم وچن دیتے ہیں اگر تم نے ہمارے بیٹے رنجیت کو شکست دے دی تو ہم نہ صرف تمہیں آزاد کردیں گے بلکہ تمہارے بھائی اور بہن کو بھی چھوڑ دیں گے اگر تم ہارے تو تم لوگوں کا برا حشر ہوگا۔''

عثمان کو کھول دیا گیا حویلی کے وسیع عریض صحن میں ایک طرف اکھاڑہ بنا ہوا تھا اس اکھاڑے میں مہاراج کے سپاہیوں کو تربیت دی جاتی تھی اس کے علاوہ ان کی صلاحیتوں کو پرکھنے کے لئے ان کے درمیان مقابلے بھی کروائے جاتے تھے۔ عثمان اور رنجیت اکھاڑے میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ سامنے کی نشستوں پر مہاراج، نارائن اور سپاہیوں کا سپہ سالار گووند بیٹھے تھے اکھاڑے کے اطراف درجنوں کی تعداد میں یہ دلچسپ مقابلہ دیکھنے کے لئے سپاہی بھی موجود تھے۔ اس پوری ریاست میں رنجیت سے بڑا کوئی فائٹر نہیں تھا، گھنٹی بجتے ہی رنجیت اسٹانس بنا کر کھڑا ہو گیا ''آجا میرے لال شیر سے بازوؤں کا زور دیکھیں، اس کے بعد تیری بہن کی باری ہے۔'' رنجیت نے اسے تاؤ دلایا۔

عثمان غصے سے کھولتا ہوا جارحانہ انداز میں آگے بڑھا رنجیت بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آیا، اس کی فرنٹ کک زوردار انداز سے عثمان کے سینے پر لگی۔ عثمان اڑتا ہوا اکھاڑے کے فرش پر گرا۔ اس نے اٹھ کر دوبارہ رنجیت پر حملہ کرنا چاہا رنجیت نے فضا میں قلا بازی کھا کر فلائنگ کک اس کے سینے پر ماری عثمان لڑنے کے فن سے نا آشنا تھا۔ چنانچہ مارشل آرٹ کے ماہر رنجیت سے بری طرح پٹ رہا تھا کچھ دیر بعد نیچے پڑا ہانپ رہا تھا اس کی بدن کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا رنجیت نے اسے بری طرح پیٹا تھا۔ رنجیت نے اپنی پنڈلی سے بندھا خنجر نکال کر اس سے کچھ فاصلے پر پھینکا اور بولا تجھے ایک چانس دیتا ہوں خنجر اٹھا سکتا ہے تو اٹھالے۔

عثمان ڈگمگاتا ہوا بمشکل اٹھا اسی وقت رنجیت کی اسپین کک اس کی کنپٹی سے ٹکرائی اس کے ہواس ساتھ چھوڑ گئے۔

اسے ہوش آیا تو حویلی کے صحن میں ایک ستون

سے بندھا ہوا تھا قریب ہی دوسرے ستون سے اس کا ہمشکل بھائی پردیپ رسیوں سے جکڑا ہوا تھا درد کی شدت سے اس کا بدن پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا اس کے سامنے کرسیوں پر مہاراج، نارائن اور گووند بیٹھے تھے ایک طرف رنجیت اس کی بہن مالنی کا ہاتھ جکڑے کھڑا تھا مالنی اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے جدوجہد کررہی تھی۔

لیکن رنجیت کی گرفت آہنی تھی۔ ان سے کچھ فاصلے پر مکیش نیچے پڑا کراہ رہا تھا۔ اس کی حالت عجیب ہورہی تھی اس کے سر سمیت پورے بدن پر دہی وافر مقدار میں گرایا گیا تھا قریب میں دو گرانڈیل شخص ہاتھوں میں خونخوار دو کتوں کے زنجیریں تھامے کھڑے تھے کتے بار بار مکیش کی طرف لپک رہے تھے دہی کی خوشبو انہیں پاگل کئے ہوئے تھی وہ بار بار مکیش کی طرف جھپٹنے کی کوشش کررہے تھے آج بغیر کسی ٹکٹ کے تم دو تماشے دیکھو گے یہ سب کچھ دیکھ کر تمہیں احساس ہوگا کہ تمہارے ماتا اور پتا کو ہم نے کتنی آسانی سے شمشان گھاٹ پہنچایا تھا یہ مکیش غدار ہے اسے معلوم بھی تھا کہ ہماری اجازت کے بغیر اس ریاست میں کسی اجنبی کو ٹھہرانا جرم ہے اس کے باوجود اس نے تمہیں پناہ دی یہ جانتے ہوئے کہ تم ہمارے دشمن ہو اب یہ ان کتوں کی خوراک بنے گا۔

مہاراج کے اشارے پر کتوں کی زنجیریں کھول دی گئیں کتے بھونکتے ہوئے مکیش پر جھپٹ پڑے فضا مکیش کی چیخوں سے گونج اٹھی کتے دہی کی خوشبو سے پاگل ہوچکے تھے اور مکیش کو بھنبھوڑ کر کھا رہے تھے۔ چند لمحوں بعد مکیش کی خونچکاں لاش پڑی تھی کتوں کو قابو کر کے وہاں سے لے جایا چکا تھا مالنی درندگی سے بھرپور یہ ہولناک منظر دیکھ کر اپنے حواس کھو بیٹھی تھی وہ بے تحاشہ چیخ رہی تھی اور رو رہی تھی رنجیت روتی بلکتی مالنی پر جھپٹ جڑا۔

''چھوڑ دے بے غیرت اسے میں تم سب کو زندہ دفن کردوں گا عثمان غصے سے دھاڑا۔ پردیپ بھی چیخ چلا رہا تھا دونوں بھائی رنجیت اور مہاراج کو سنگین نتائج کی دھمکیاں دے رہے تھے بندھے ہونے کی وجہ سے بے بس تھے ان کی چیخ و پکار کی پرواہ کئے بغیر شیطانی کھیل شروع کردیا گیا دونوں بھائیوں نے کرب سے اپنی آنکھیں بند کرلیں کچھ دیر بعد مالنی پھٹے ہوئے کپڑوں میں ایک طرف پڑی سسک رہی تھی۔

''لے جاؤ اس لڑکی کو، اور اس بکری کے بچے کو پنجرے میں بند کردو کل اس کی قسمت کا فیصلہ کریں گے۔'' مہاراج نے حکم دیا۔

روتی سسکتی مالنی کو نیم عریاں حالت میں گھسیٹتے ہوئے وہاں سے لے جایا گیا عثمان کو حویلی کے ایک خالی کمرے میں دھکیل دیا گیا وہ کمرے کے فرش پر بیٹھا کافی دیر تک روتا رہا اس کی بہن کو اس کی نظروں کے سامنے بے آبرو کردیا گیا تھا اور وہ اسے بچانے کے لئے کچھ بھی نہ کر پایا تھا کافی دیر تک رونے کے بعد وہ اٹھا بے تابی سے کمرے میں ٹہلنے لگا یہ ایک خالی کمرہ تھا اس کمرے میں نہ ہی کوئی روشن دان تھا اور نہ ہی کوئی کھڑکی کمرے سے نکلنے کا واحد راستہ ایک دروازہ تھا جو باہر سے بند تھا کمرے میں لگا بلب کمرے کو روشن کئے ہوئے تھا۔ عثمان کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے باہر سے کبھی کبھار قدموں کی چاپیں سننے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ رات رفتہ رفتہ گزرتی جارہی تھی ہر بیتنے والا پل اسے یہ احساس دلا رہا تھا کہ اس کی زندگی کے گھنٹے کم ہورہے ہیں صبح ہوتے ہی وہ درندے نہ جانے اس سے کیا سلوک کرتے۔ اس کے اردگرد نقل وحرکت کی آوازیں اب معدوم ہوتی جارہی تھیں حویلی کے مکین سونے کی تیاری کررہے تھے۔ اردگرد کی غیر ضروری لائٹس آف کردی گئیں کچھ دیر بعد حویلی پر مکمل سکوت چھا چکا تھا۔ اس سکوت کو کبھی کبھار رکھوالی کے کتوں کی آوازیں توڑتی تھیں۔

اچانک دروازے پر مدھم سی آہٹ سنائی دی۔ اس نے سوچا اس کا زندگی سے ناطہ ٹوٹنے کا وقت آچکا ہے مہاراج کا کوئی ہرکارہ اسے موت کے گھاٹ اتارنے آیا ہے۔ کسی نے آہستگی سے تالا کھولا دروازے کا ایک پٹ کھلا اور عثمان اندر آنے والی شخصیت کو دیکھ کر بھونچکا رہ

www.pdfbooksfree.pk

گیا بیس بائیس سالہ ایک خوبصورت لڑکی تھی جس کا جسم گویا سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ گلابی رنگ کا ریشمی سوٹ اس کی گوری رنگ پر جچ رہا تھا وہ دھیمی چال سے چلتی ہوئی آہستگی سے کمرے میں داخل ہوئی۔

عثمان نے بولنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ اس نے اپنے یاقوتی ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ لڑکی کے ہاتھوں میں پسٹل موجود تھا اس نے اشارے سے عثمان کو کمرے سے باہر نکلنے کو کہا۔

''جلدی چلو!'' وہ سرسراتی ہوئی سرگوشی میں بولی عثمان اس کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ دونوں بڑی احتیاط سے چلتے ہوئے ایک برآمدے میں جا پہنچے یہاں کی لائٹس آن تھیں عثمان کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

''یہ لڑکی کون ہے اور مجھے کہاں لے جا رہی ہے؟ اگر کسی نے مجھے اس طرح آزادی سے حویلی میں گھومتے دیکھ لیا تو'' یہ سوچتے ہی وہ خوف زدہ ہوگیا۔

ایک کمرے سے کسی کے خراٹوں کی آواز آرہی تھی لڑکی نے سرگوشی کی۔ ''یہاں مہاراج محوِ استراحت ہیں احتیاط سے چلنا۔'' وہ دونوں دبے پاؤں دروازے کے سامنے سے گزرے سامنے بیرونی دروازہ تھا۔ اندرونی عمارت سے باہر نکلنے کے لئے انہیں ایک کمرے سے گزرنا پڑا۔ یہاں جہازی سائز بیڈ پر رنجیت سو رہا تھا ابھی وہ کمرے کے وسط میں تھے کہ رنجیت نے کروٹ بدلی۔ ان کا دل جیسے اچھل کر حلق میں آ گیا وہ خوف سے اپنی جگہ پر ساکت ہو گئے لیکن خیریت گزری وہ جاگا نہیں وہ احتیاط سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکل کر حویلی کے احاطے میں آ گئے ابھی وہ چند قدم ہی چلے تھے کہ تین خونخوار کتے جارحانہ انداز میں ان کی طرف لپکے وہ خطرناک قسم کے بل ڈاک تھے عثمان خوف سے کانپنے لگا ان ہی کتوں نے اس کے سامنے مکیش کو بری طرح بھنبھوڑ کر مارا تھا۔ کتے جیسے ہی قریب آئے لڑکی نے کتوں کو آہستگی سے پچکارا تو حیرت انگیز طور پر کتے اس کے پاؤں سے اپنا منہ رگڑنے لگے۔ کتے شاید اس سے مانوس تھے۔

اوپر مورچوں میں خاموشی تھی شاید وہاں کے محافظ سردی کی وجہ سے کونے کھدروں میں دبکے ہوئے تھے وہ سرگوشی میں بولی۔ ''جلدی باہر چلو۔'' عثمان نے اس کی ہدایت پر عمل کیا وہ حویلی سے باہر آئے اور پھر دونوں نے ادھر ادھر دیکھا اور تیزی سے حویلی سے دور جانے لگے کچھ دور جانے کے بعد عثمان نے دیکھا ان سے کچھ فاصلے پر سیاہ رنگ کی بڑے ٹائروں والی جیپ ایک ڈھلوان پر کھڑی تھی۔ لڑکی خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی اور عثمان کو کہا۔ ''جیپ کو دھکا دو۔'' عثمان نے جیب کو ہلکا سا دھکا دیا تو جیپ تیزی سے ڈھلوان سے لڑھکنے لگی۔ عثمان دوڑ کر جیب میں بیٹھ گیا تھا۔

ڈھلوان ختم ہوتے ہی لڑکی نے جیپ اسٹارٹ کی جیپ تیزی سے کچے راستے پر دوڑنے لگی۔ ''تم کون ہو اور مجھے آزاد کرانے کے لئے کیوں اپنی جان پر کھیل گئیں؟''

''میں مہاراج کی بیٹی اور رنجیت کی بہن ہوں۔''

اس کے الفاظ بم کی طرح عثمان کی سماعت سے ٹکرائے۔

''تم پاگل تو نہیں ایک اجنبی کے لئے اپنی جان خطرے میں ڈال دی اپنے بھائی اور باپ پر دوسرے مذہب کے فرد کو فوقیت دی۔'' عثمان حیرت و استعجاب کے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اپنے پتا کو دوسروں پر ظلم ڈھاتے دیکھا ہے۔ میری ماتا جی بھی ان کی ان حرکتوں سے نالاں تھیں۔ مہاراج نے سازش کر کے انہیں قتل کروا دیا۔ یہ قتل انہوں نے اتنی ہوشیاری سے کیا تھا کہ لوگ اس قتل کو حادثہ سمجھے، ہمارے ہاں عورت کو بوجھ سمجھا جاتا ہے لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جاتا ہے مجھ سے پہلے میری تین بہنوں کو مہاراج نے پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا تھا مجھے بھی میری ماں نے بڑی مشکلوں سے بچایا جب وہ امید سے تھیں ان دنوں وہ میکے چلی گئیں میں اپنے نانا کے گھر پیدا ہوئی زندگی کے ابتدائی دس سال وہیں گزارے میری ماں کو قتل کرنے کے بعد مہاراج مجھے حویلی میں لے آیا میں کہنے کو تو راج کماری ہوں۔ لیکن اچھوتوں سے بدتر زندگی گزار رہی ہوں۔

www.pdfbooksfree.pk

مہاراج اور رنجیت بحالت مجبوری مجھے برداشت کر رہے ہیں ایک واقعہ کے بعد ان کی مجھ سے نفرت اور بڑھ گئی۔

ہوا اس طرح کہ ہماری ریاست میں ایک مارشل آرٹ کا ماہر آ نکلا۔ اس کا نام کامران تھا بہت ہی اچھا اور مخلص انسان تھا رنجیت نے ان دنوں لڑکپن سے نوجوانی میں نیا نیا قدم رکھا تھا۔

کامران سر کی مارشل آرٹ میں مہارت کی شہرت سن کر مہاراج نے انہیں رنجیت کو مارشل آرٹ کی تربیت دینے کو کہا۔ وہ مہاراج کے حکم پر رنجیت کو اور ان کے چند خاص پرکاروں کو تربیت دینے لگے جب وہ انہیں مارشل آرٹ کی تربیت دیتے، میں کھڑی یہ سب دیکھتی رہتی وہ مجھ سے شفقت سے پیش آتے تھے چونکہ وہ ہر وقت حویلی میں رہتے تھے اس لئے ان کے تمام معمولات میرے سامنے تھے۔ خاص طور پر جب وہ پانچوں وقت نماز پڑھتے تو میں دلچسپی سے یہ سب دیکھتی میں اکثر ان سے ان کے مذہب کے بارے میں سوالات کرتی جن کے جواب وہ تسلی بخش دیتے انہوں نے اسلام کے بارے میں بہت سی باتیں مجھے بتائیں۔

اسلام میں عورت کے حقوق کے بارے میں سن کر میں بہت متاثر ہوئی، ان کی باتیں میرے دل و دماغ پر اثر کرنے لگیں۔ میں نے ضد کی میں بھی مارشل آرٹ سیکھنا چاہتی ہوں انہوں نے مہاراج سے نہ جانے کیسے مجھے مارشل آرٹ سکھانے کی اجازت لے لی، اب میں بھی ان کے زیرتربیت تھی کئی ماہ بعد جب میں مذہب اسلام کے بارے میں بہت کچھ جان چکی تو میری ضد پر انہوں نے مجھے کلمہ پڑھایا۔ میرا نام راج کماری گیتا تھا جسے تبدیل کر کے انہوں نے میرا اسلامی نام صدف رکھا۔

رنجیت ذہین تھا دو سال میں ہی مارشل آرٹ میں مہارت حاصل کر لی پھر سب کچھ ختم ہوگیا انہیں کسی طرح میرے مسلمان ہونے کی اطلاع مل گئی سر کامران کی محبت کو رنجیت نے اپنے ہاتھوں سے برباد کیا ایک لڑکی تھی جو سر کامران سے محبت کرتی تھی وہ بے چاری اپنی بے عزتی برداشت نہ کر پائی اور خودکشی کر لی۔

سر کامران کے احتجاج پر ان کی آنکھوں میں آگ میں لوہے کی سیخیں گرم کر کے ڈالی گئیں انہیں اندھا کرنے کے بعد مار مار کر ادھ موا کر کے جنگل میں پھنکوا دیا گیا مجھے بھی بری طرح مارا پیٹا گیا۔

رات کو آپ کی بہن پر ہونے والے ظلم کو دیکھ کر میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا اس غریب انسان کو بے دردی سے روندا گیا رات کو آپ کی بہن نے خودکشی کر لی شاید وہ اپنی بے عزتی سہہ نہ پائی تھی۔ اس لئے گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کر لی۔

''میں مہاراج اور رنجیت کا خون پی جاؤں گا۔ گاڑی واپس موڑو۔'' عثمان غرایا۔

''پاگل مت بنو! ان درندوں سے ٹکرانا تمہارے بس کی بات نہیں قریبی بستی میں مہاراج کے سوتیلے بھائی گنیش چاچا رہتے ہیں وہ مہاراج سے بالکل مختلف ہیں مہاراج کے ظلم کی وجہ سے ان کی مہاراج سے نہیں بنتی تھی اس لئے وہ ان سے الگ ہو گئے سیدھے سادے انسان ہیں لالچ ذرا بھی نہیں۔ ہم ان سے مدد مانگیں گے ہوسکتا ہے وہ کسی طرح مہاراج سے تمہارے ہمشکل بھائی پردیپ کو آزاد کروالیں۔''

باتوں باتوں میں ان کا کافی سفر طے ہو چکا تھا ان کی گاڑی حویلی سے کافی دور آ چکی تھی ان کا یہ سفر مزید تین گھنٹے جاری رہا۔ اب وہ جنگل کی حدود میں داخل ہو چکے تھے صدف نے گاڑی کی رفتار آہستہ کر دی اس جنگل کے پار چاچا گنیش کا علاقہ ہے جہاں ہمیں پناہ مل سکتی ہے۔ ''یہ راستہ اگرچہ خطرناک ہے لیکن مہاراج سے محفوظ ہے ان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ ہم اس خطرناک جنگل میں گھس جائیں گے۔'' صدف بولی۔

صبح کے چھ بج رہے تھے جنگل میں جانور اور چرند پرند اپنی اپنی بولیوں میں اپنی موجودگی کا اظہار کر رہے تھے کوئی خطرناک درندہ ان کے سامنے نہیں آیا تھا اس لئے وہ پرسکون تھے اب وہ جنگل میں کافی آگے پہنچ چکے تھے ان کی جیپ کی رفتار کافی کم ہو چکی

تھی ان کا سکون گولی کی آواز سے ٹوٹا۔

"گولی نامعلوم سمت سے آئی تھی جو جیپ کے اگلے ٹائر میں لگی ٹائر دھماکے سے پھٹا اور جیپ بری طرح لہرائی ان کی قسمت اچھی تھی جو جیپ کی رفتار کم تھی اس لئے دونوں زخمی ہونے سے محفوظ رہے ان کے چہروں پر خوف و ہراس تھا۔

"تم یہ پسٹل لے لو۔" صدف نے اپنا پسٹل اس کی طرف بڑھایا۔ "مجھے پسٹل چلانا نہیں آتا وہ شرمندگی سے بولا۔

اچانک ان کی جیپ کو تین رائفل بردار افراد نے گھیر لیا ان کے چہروں پر ڈھاٹے بندھے ہوئے تھے ۔"واہ! آج تو ہمارے وارے نیارے ہو گئے صبح ہی صبح ایک حسین شکار ملا آج تو جنگل میں منگل ہوگا۔" ان میں سے ایک خباست سے ہنسا اور صدف سے پسٹل چھین کر اسے گھسیٹ کر ایک طرف لے جانے لگا عثمان نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی بقایا دو رائفل برداروں نے اس کی مرمت شروع کردی ادھر صدف کو گھسیٹ کر لے جانے والا اچانک زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

ایک تیر سنسناہٹ کی آواز کے ساتھ اس کی گردن میں پیوست ہو گیا تھا خون فوارے کی طرح اس کی گردن سے بہہ رہا تھا چند لمحے تڑپنے کے بعد وہ ساکت ہو گیا اپنے ساتھی کی چیخ سن کر بقایا دو لٹیرے چوکنے ہو کر ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگے مگر تیر انداز انہیں نظر نہ آیا وہ عثمان کو بھول کر اپنے ساتھی کی طرف بڑھے اسی وقت ایک اور تیر سنسناتا ہوا آیا ایک دوسرے ڈھاٹہ پوش کے سینے میں دل کے مقام پر پیوست ہو گیا۔

آخری بچ جانے والے نے ایک طرف لگاتار تین فائر کئے۔ "میں ادھر ہوں۔" اس کے عقب سے ایک بھاری آواز گونجی وہ پھرتی سے مڑا اور آواز کی سمت فائر کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا آواز دینے والا وہاں سے بھی غائب ہو چکا تھا ڈھاٹہ پوش جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہو گیا اس نے مختلف سمتوں میں کئی فائر کئے۔

بائیں سمت سے آواز آئی "پاگل کے بچے کیا آتش بازی کر رہا ہے۔" اس نے آواز کی سمت فائر کرنا چاہا مگر کھٹیک کی آواز سنائی دی اور اس کی رائفل خالی ہو چکی تھی اپنی بے وقوفی سے وہ تمام گولیاں ضائع کر چکا تھا رائفل ایک طرف پھینک کر اپنے مردہ ساتھی کی رائفل کی طرف لپکا کہ اچانک اس کے سامنے ایک درخت کی آڑ سے ایک دراز قد شخص نکل کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا چہرے کی رنگت گندمی، جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس آنکھوں پر سیاہ رنگ کا چشمہ موجود تھا ہاتھوں میں تیر کمان اور ہولسٹر میں پسٹل دکھائی دے رہا تھا۔

صدف اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی "سر کامران یہاں کیسے؟" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اس کے کھڑے ہونے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ ایک ماہر فائٹر ہے اس نے اپنی آنکھوں سے چشمہ ہٹا کے بیلٹ میں اڑس لئے ڈھاٹہ پوش اور عثمان حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے لگے وہ شخص آنکھوں سے محروم تھا یہ دیکھ کر ڈھاٹہ پوش کا حوصلہ بڑھ گیا کہ اس کا مدمقابل اندھا ہے وہ جارہانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا ڈھاٹا پوش نے اس کے چہرے پر گھونسہ مارا حیرت انگیز طور پر اس نے پھرتی سے جھکائی دیکر خود کو بچایا اور پے در پے کئی کِکس اس کے جسم پر رسید کردیں ڈھاٹا پوش کا ہر وار وہ انتہائی مہارت سے روک کر اس کی پٹائی کر رہا تھا چند لمحوں بعد ڈھاٹا پوش زمین پر پڑا کراہ رہا تھا۔ وہ پر اعتماد انداز میں اس کی طرف لپکا اس کی گردن کو پکڑ کر مخصوص انداز سے جھٹکا دیا تو کڑاکے کی آواز کے ساتھ ڈھٹا پوش کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

اب وہ ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا "تم لوگ کون ہو اور صبح ہی صبح اس جنگل میں کیا کر رہے ہو؟"

سر میں صدف ہوں مہاراج کی بیٹی اور میرے ساتھ عثمان ہے اس کا تعلق پاکستان سے ہے صدف نے عثمان کی پوری روداد اسے سنا ڈالی۔

عثمان بولا "آنکھیں نہ ہونے کے باوجود آپ نے تین خطرناک ڈاکوؤں کا مقابلہ جس مہارت سے کیا وہ ناقابل یقین ہے۔"

"ایسا کرتے ہیں یہاں سے کچھ فاصلے پر میری جھونپڑی ہے وہاں چلتے ہیں باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔" وہ انہیں لے کر ایک سمت چل دیا۔

اس نے اپنی داستان سنانا شروع کی۔ "میرا نام کامران ہے، میں بچپن ہی سے مارشل آرٹ میں دلچسپی رکھتا تھا۔ مجھے جنون کی حد تک مارشل آرٹ سے دلچسپی تھی۔ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔ روپے پیسے کی کوئی کمی نہ تھی جہاں جہاں اس فن کا ماہر مجھے ملا ہے اس سے سیکھنے پہنچ گیا۔ میرا مشغلہ صرف سیر و سیاحت اور مارشل آرٹ تک محدود تھا۔ اس فن کو سیکھنے کے لئے میں جاپان تک گیا پانچ سال وہاں گزارے۔ پھر ایک روز یہاں کے جنگلات میں گھومنے آیا اور ایک لڑکی ساوتری کو دل دے بیٹھا وہ بھی مجھ سے متاثر تھی۔ ہم دونوں کے پیار پر اس کے گھر والوں کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ وہ ہندو میں مسلمان اس کے باوجود ہم دونوں شدت سے ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ ہمارے درمیان مذہب کی دیوار حائل نہ تھی اسی دوران مہاراج کو میری مارشل آرٹ میں مہارت کی خبر ہو گئی اس نے مجھے آفر کی کہ میں اس کے بیٹے رنجیت اور اس کے خاص کارندوں کو مارشل آرٹ کی تربیت دوں۔ حویلی میں اکھاڑہ بنایا گیا میں رنجیت اور اس کے خاص ہرکاروں کو تربیت دینے لگا۔

لگ بھگ 2 سال میں وہاں جاتا رہا۔ رنجیت اپنی دلچسپی اور محنت سے جلد ہی مارشل آرٹ میں ماہر ہو گیا راج کماری جو اس وقت موجود ہے اس کو بھی مارشل آرٹ سکھانے لگا۔ اللہ نے اسے ہدایت دینی تھی اسے اسلام سے دلچسپی ہو گئی بالآخر وہ مسلمان ہو گئی میں نے اس کا نام صدف حسین تجویز کیا۔ نہ جانے کیسے مہاراج اور رنجیت کو اس بات کی خبر ہو گئی۔ ان ہی دنوں اس کی گندی نظریں ساوتری پر پڑیں اس نے میری لاعلمی میں ساوتری کو اغوا کر لیا۔

زبردستی اس کی عزت لوٹ لی وہ اپنی بے حرمتی سہہ نہ پائی میرے نام خط میں سب کچھ لکھ کر خودکشی کر لی میرے دل میں آتش فشاں بھڑک اٹھا میں طوفان کی طرح حویلی پر چڑھ دوڑا میرے ہاتھوں آٹھ کے قریب سپاہی مارے گئے میں اکیلا تھا وہ سینکڑوں مجھے پکڑ کر بے بس کر دیا گیا میری آنکھیں پھوڑ کر مجھے جنگل میں پھنکوا دیا گیا ساوتری کے والدین اس کے غم میں گھل کر مر گئے میں نے جنگل میں جھگی بنالی۔

"عثمان بولا آپ بنا دیکھے اتنی مہارت سے کیسے لڑ لیتے ہیں۔ اور بنا دیکھے ہدف کا درست نشانہ کیسے لیتے ہیں۔؟"

میں آواز کی سمت کا اندازہ لگاتا ہوں۔ میں بلائنڈ فائٹ کا بھی ماہر ہوں اندھا ہونے سے پہلے اکثر آنکھوں پر پٹی باندھ کر فائٹ کرتا تھا۔ آنکھوں کی روشنی جانے کے بعد اس مہارت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ کامران نے جواب دیا۔

"سر پلیز! خدا کے لئے میری مدد کریں زندگی میں کبھی بھی لڑائی جھگڑے سے میرا واسطہ نہیں پڑا آپ مجھے مارشل آرٹ سکھائیں تا کہ میں اس قابل ہو جاؤں کہ اپنے ماں، باپ، بہن کا بدلہ اس ظالم انسان سے لے سکوں اور یہاں کے مظلوم لوگوں کو ان شیطانوں سے نجات دلاؤں۔ عثمان اسے امید بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"مسٹر عثمان مارشل آرٹ کو آسان مت سمجھ یہ انتہائی کٹھن آرٹ ہے اسے سیکھنے کے لئے اپنے جسم کو تکلیف سہنے کا عادی بنانا پڑتا ہے اس قدر عادی کہ ہر چوٹ پر مسکراؤ موسم کے جبر کو جھیلو تھر کے تپتے ریگستانوں میں ہماری طرح کے انسان بستے ہیں ان کے جسم گرمی سہنے کے عادی ہوتے ہیں برفانی علاقے میں برف کے نیچے سخت سردی میں جاندار رہتے ہیں۔ سب سے پہلے درد کو سہنا سیکھو۔ جب تم حد سے بڑھتی تکلیف پر مسکرانے لگو تو سمجھ لینا تم مارشل آرٹ سیکھ سکتے ہو۔ جہاں درد اور اذیت کی حد ختم ہوتی ہیں وہیں سے انسان کی جیت شروع ہوتی ہے۔"

www.pdfbooksfree.pk

عثمان پوری توجہ اور انہماک سے کامران کی گفتگو سن رہا تھا۔اس کا کہا ہوا ہر لفظ اس کے دل و دماغ پر اثر انداز ہو رہا تھا۔

"سب سے پہلے میں تمہارا ایک امتحان لوں گا اگر تم اس امتحان میں پورے اترتے تو تمہیں مارشل آرٹ کی تربیت دوں گا۔"

"سر میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی توقعات پر پورا اتروں گا۔" کامران مسکرا کر اپنی جگہ سے اٹھا ایک جگہ شیشے کی نصف درجن خالی بوتلیں پڑی تھیں۔کامران نے بوتلیں اٹھائیں اور عمان کو جھونپڑی سے باہر نکلنے کو کہا۔وہ اس کے ہمراہ جھونپڑی سے باہر نکلا صدف بھی حیران پریشان باہر نکل آئی باہر آتے ہی کامران نے ایک ایک کر کے ساری بوتلیں زمین پر توڑ ڈالیں وہ دونوں حیرت سے یہ سب دیکھ رہے تھے۔

"عثمان اپنے پاؤں سے جوتے اتار کر ایک طرف پھینک دو اور ان کانچ کے ٹکڑوں پر آنکھیں بند کر کے چلتے ہوئے میرے پاس آجاؤ یہ تمہاری برداشت کا امتحان ہے۔" عثمان سوچ میں پڑ گیا۔

"کیا ہوا گھبرا گئے خیر میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ تم تکلیف سہہ نہ پاؤ گے۔" وہ بولا۔

عثمان غصے سے جھنجلا اٹھا اس نے جوتے اتارے اور آنکھیں بند کر کے قدم آگے بڑھا دیئے دائیں پاؤں میں کانچ کا بڑا سا ٹکڑا پیوست ہوتے ہی اس کے منہ سے سسکاری سی نکلی درد کی شدت سے اس کا پورا وجود کپکپا اٹھا۔ اس نے لب بھینچے اور دوسرا قدم آگے بڑھایا اس کے منہ سے سسکاری نکلی وہ لڑکھڑایا بمشکل سنبھلا اور آگے بڑھا۔ بالآخر کامران کے قریب پہنچ کر گر گیا۔

صدف نے اپنی آنکھیں بند کر لیں تھیں عثمان کے پاؤں بری طرح زخمی ہو چکے تھے۔کامران نے اسے اٹھایا اور جھونپڑی میں لے جا کر چٹائی پر لٹا دیا۔اس کے بعد ایک طرف پڑی پیٹی سے میڈیکل کٹ نکالی اور عثمان کے پاؤں میں پیوست کانچ کے ٹکڑے نکالنے کے بعد اس کے زخموں پر مرہم لگانے لگا چند روز میں اس کے پاؤں کے زخم ٹھیک ہو گئے۔

عثمان اور صدف شب و روز جنگل میں کامران کے ساتھ گزارنے لگے کامران نے عثمان پر سختیوں کی انتہا کر دی ہر وقت انتہائی سخت قسم کی ایکسر سائز کرواتا سارا سارا دن اسے تیز رفتاری سے دوڑاتا رہتا درختوں پر عثمان کو کک پنچ مارنے کا حکم دیتا کئی کئی گھنٹے سینڈ بیگ پر اسے مصروف رکھتا عثمان کے ہاتھ پاؤں لہولہان ہو جاتے ٹائیگر نامی سیاہ رنگت کا گھوڑا کامران کا پسندیدہ گھوڑا تھا۔

کامران خود گھوڑے پر سوار ہوتا اور عثمان کو بھاگنے کا حکم دیتا۔عثمان آگے آگے بھاگتا وہ اس کے پیچھے گھوڑے پر ہوتا۔ جہاں کہیں عثمان کے قدم ذرا سست ہوتے وہ قریب پہنچ کر عثمان کے جسم پر اپنے ہاتھوں میں موجود ہنٹر سے وار کرتا۔ دن میں ایک آدھ دفعہ خود بھی اس سے لڑتا عثمان بری طرح اس کے ہاتھوں پٹتا۔اب عثمان کو کسی بھی قسم کی چوٹ اذیت پہنچانے کے بجائے لطف دیتی تھی۔

وہ جتنا عرصہ وہاں رہے جنگل سے باہر کی دنیا کو یکسر فراموش کر چکے تھے عثمان مارشل آرٹ میں مہارت اختیار کرتا جا رہا تھا خنجر زنی، نن چکو، شمشیر زنی اسٹک فائٹ رائفل اور پسٹل سے نشانہ بازی تیر اندازی غرض کہ ہر قسم کی لڑائی کا ماہر ہو چکا تھا۔ان کی گزر بسر چھوٹے موٹے شکار کئے ہوئے جانوروں سے ہو رہی تھی۔

عثمان اور صدف کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے ایک بے نام سی الفت جنم لے چکی تھی وہ نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے سے حال دل کہہ ڈالتے تھے۔

کامران فائٹر ہونے کے ساتھ ساتھ پانچ وقت کا نمازی بھی تھا اس نے عثمان کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔

ایک روز عثمان نے اس سے جانے کی اجازت

www.pdfbooksfree.pk

چاہی وہ بولا۔" اب تم فولاد میں ڈھل چکے ہو جانا چاہتے ہو تو بے شک جاؤ لیکن میری ایک بات یاد رکھنا جذبات میں کبھی نہ آنا غصہ اور جذبات فائٹر کو کمزور کر دیتے ہیں۔"

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔" عثمان نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"نہیں دوست میری زندگی کی شام اب اسی جنگل میں ہو گی۔" کامران اداس لہجے میں بولا۔

"سر میں آپ کے احسان کا بدلہ ساری زندگی نہیں چکا سکتا۔"

"تم مہاراج اور اس کے ٹولے خاص کر رنجیت کو کیفر کردار تک پہنچا کر ساوتری کی روح کو سکون پہنچا سکتے ہو۔جس دن تم نے ایسا کر لیا سمجھو میرا شاگرد ہونے کا حق ادا کر دیا۔" کامران کے چہرے پر اداس سی مسکراہٹ تھی۔

دوسرے روز علی الصبح وہ کامران سے اجازت لے کر وہاں سے رخصت ہو گئے اس بار سر کامران کے پسندیدہ گھوڑے پر سوار عثمان اسے تیز رفتاری سے دوڑا رہا تھا۔صدف عثمان کی کمر میں بازو حائل کئے اس کے پیچھے بیٹھی تھی اس کے گداز جسم کا لمس عثمان کے سینے میں ہلچل مچا رہا تھا۔

کئی گھنٹوں بعد وہ جنگل کی حدود سے بخیر و عافیت باہر نکلنے میں کامیاب ہو چکے تھے گھوڑے کی پیٹھ پر کئی گھنٹوں سے بیٹھے رہنے کی وجہ سے وہ تھک چکے تھے دونوں گھوڑے کی پشت سے اتر کر پیدل چلنے لگے ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی وہ بھیگنے لگے تھے پھر عثمان نے اپنی جیکٹ اتار کر صدف کو پہنا دی۔وہ اسے مشکور نگاہوں سے دیکھتے ہوئے زیر لب مسکرا دی۔ اور بولی۔" میں کٹھن راستوں پر تمہارے ساتھ ہوں منزل پر پہنچ کر مجھے تنہا تو نہیں چھوڑو گے۔؟"

عثمان نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا صدف کی خوبصورت آنکھوں میں پیار کا سمندر بھرا نظر آیا۔" دیکھو صدف میرا راستہ بڑا کٹھن ہے ہزاروں آزمائشیں ہیں بہت سے امتحان ہیں۔ان سب سے گزر کر اگر زندہ رہا تو وعدہ کرتا ہوں تمہیں اپنی زندگی کا ہمسفر ضرور بنا لوں گا۔

چلتے چلتے وہ اچانک ٹھٹھک کر رک گئے ایک کٹیا سی نظر آ رہی تھی جس کے دروازے پر بھاری بھرکم پردہ لٹک رہا تھا وہ حیرت زدہ سے اس طرف چل پڑے ۔"چلو دیکھتے ہیں اس ویرانے میں کون رہتا ہے؟" عثمان بولا اور دروازے سے پردہ ہٹا کر صدف کے ہمراہ اندر داخل ہو گیا۔

اندر ایک طرف نورانی چہرے والے بزرگ بیٹھے آنکھیں بند کئے کچھ پڑھ رہے تھے ان کے سامنے ایک نہایت حسین وجمیل لڑکی سر جھکائے بیٹھی تھی وہ دونوں ان سے کچھ فاصلے پر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔"تم لوگ کھڑے کیوں ہو اگر اندر آ ہی گئے ہو تو بیٹھ جاؤ۔" بابا آنکھیں بند کئے ہوئے بولے دونوں لڑکی سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے۔

"بیٹا گھبراؤ مت اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اس کے ہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں بابا نے آنکھیں کھول دیں۔اور مسکراتی نظروں سے انہیں دیکھنے لگے۔

بابا جی اجازت ہو تو میں جاؤں۔لڑکی نقرئی آواز میں بولی اس کی خوبصورت آواز کانوں میں رس گھول رہی تھی بابا نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ اگلا ہی لمحہ انہیں حیرت اور خوف میں مبتلا کر گیا لڑکی بیٹھے بیٹھے اچانک غائب ہو چکی تھی۔

"یہ......کک......کون تھی؟" صدف نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

"بیٹا یہ ایک نیک روح تھی۔"

"بابا آپ ہماری کامیابی کے لئے دعا کریں۔ہم پر بہت مشکل دور گزر رہے ہیں آنے والا وقت بھی کڑی آزمائش کا ہے۔" عثمان نے عاجزانہ لہجے میں کہا۔

"تم اس وقت شمال کی طرف محو سفر ہو، اپنا رخ تبدیل کر کے مشرق کی طرف چل پڑو اللہ بہتر کرے گا۔" بابا نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے وہ کچھ دیر وہیں

بیٹھے رہے بارش تھم چکی تھی اس لئے بابا سے اجازت لے کروہاں سے روانہ ہوگئے۔

شمال کی طرف مہاراج کی حویلی تھی بابا نے نہ جانے کس وجہ سے وہاں جانے سے منع کیا تھا وہ اس وقت گھوڑے پرسوار مشرق کی سمت جارہے تھے۔"اس سمت تو میرے انکل کا گھر ہے۔" صدف بولی۔

وہ شام ڈھلے اس سرسبز علاقے میں پہنچے چاروں طرف کچے مکانات تھے صدف کا چاچا گنیش ایک بہت بڑی وسیع حویلی میں رہتا تھا مختصر سی فیملی تھی ایک اٹھارہ سالہ بیٹی دیویا اور پچیس سالہ بیٹا جگویش اور پتنی جیا بہت ہی مہربان عورت تھی انہوں نے خندہ پیشانی سے ان دونوں کا استقبال کیا ان کی روداد سن کر گنیش چاچا آبدیدہ ہوگئے۔

"مہاراج کی ان ہی حرکتوں سے نالاں ہوکر میں نے اس کا ساتھ چھوڑا ہے۔ مہاراج کے سپاہی تین چار بار تم لوگوں کی تلاش میں یہاں آچکے ہیں شاید اسے یقین ہے تم یہیں کا رخ کروگے پر تم لوگ گھبراؤ مت جب تک میں یہاں ہوں آخری سانس تک تم لوگوں کی حفاظت کروں گا میرے جیتے جی تمہارا کوئی بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" کھانے کے بعد انہوں نے کافی دیر تک گپ شپ لگائی پھر سونے کے لئے اپنے اپنے کمروں کا رخ کیا۔

عثمان کو ایک الگ کمرہ دیا گیا وہ جاتے ہی بستر پر ڈھیر ہوگیا انہیں وہاں رہتے ہوئے ہفتہ سے زائد وقت بیت چکا تھا اس دوران صدف اور عثمان نے کافی کوشش کہ گنیش چاچا کسی طرح مہاراج کے مظالم کے خلاف آواز اٹھائیں مگر مہاراج کے خلاف کسی قسم کا قدم اٹھانے سے ہچکچا رہے تھے۔

ایک روز رات کے وقت عثمان نے صدف کے نام خط لکھا۔" پیاری صدف مہاراج کے مظالم جب میری آنکھوں کے سامنے آتے ہیں میرا خون کھول اٹھتا ہے میں سر پر کفن باندھ کر مہاراج کی طرف جارہا ہوں تم میرے حق میں دعا کرنا اور یہیں اپنے چاچا کے پاس رہنا اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا تو لوٹ کر ضرور آؤں گا۔ اس نے خط لکھ کر اپنے کمرے میں رکھی میز پر رکھا اور خاموشی سے رات کے اندھیرے میں کمرے سے باہر نکلا اس نے اصطبل میں جاکر اپنا گھوڑا کھولا اور اس کی لگام تھام کر چلتا ہوا گیٹ تک جا پہنچا۔

گیٹ پر موجود پہرے دار اسے گھوڑے سمیت آدھی رات کو گیٹ پر دیکھ کر چونک پڑے۔"خیریت تو ہے رات کے سمے کہاں جارہے ہیں؟" ایک پہریدار نے پوچھا۔

"گیٹ کھولو مجھے ایمرجنسی جانا ہے۔ گنیش جی کو بتا کر آرہا ہوں۔"

"لیکن رات کے اس سمے؟" پہریدار نے کہنا چاہا۔

"دراصل رات کے وقت مجبوری میں جانا پڑرہا ہے۔"

عثمان نے کہا پہریدار الجھن میں مبتلا تھے عثمان کے اصرار پر گیٹ کھول دیا گیا وہ گھوڑے پر سوار ہوکر وہاں سے نکل گیا۔

صبح کے وقت اس کا گھوڑا جنگل کی حدود میں داخل ہوچکا تھا۔ اسے مہاراج تک پہنچنے کے لئے اس جنگل کو پار کرنا تھا اس کا گھوڑا جنگل میں سرپٹ دوڑ رہا تھا کہ اچانک فائر کی ہولناک آواز سے جنگل کی فضا گونج اٹھی اس نے گھوڑے کی رفتار آہستہ کردی وہ چوکنا ہوچکا تھا اسی وقت پے درپے کئی فائر ہوئے فائرنگ قریب ہی کہیں ہورہی تھی گھوڑے کو روک کر نیچے اترا گھوڑے کو قریبی درخت سے باندھ کر وہ پیدل ہی اس سمت چل پڑا جہاں سے گولیوں کی آواز آرہی تھی اس وقت دوبارہ پے درپے فائر ہوئے اور ساتھ ہی ایک کرب میں ڈوبی انسانی چیخ سنائی دی اسے یہ راستہ مانوس لگ رہا تھا وہ تھوڑا سا آگے بڑھا تو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا آگیا۔ اس سے کچھ فاصلے پر اس کے محسن سر کامران کی جھونپڑی تھی جس کے سامنے تین افراد کی خون میں لت پت لاشیں پڑی تھیں اسی وقت جھونپڑی کے سامنے ایک درخت کی آڑ سے فائر ہوا وہ کرالنگ کرتا ہوا اس طرف بڑھا اسی وقت درخت کے

پیچھے چھپا شخص چلایا۔

"اندھے ہم ہم جانتے ہیں تمہیں گولی لگ چکی ہے اور تم شدید زخمی ہو تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ ہتھیار ڈال کر ہمارے سامنے آجاؤ ورنہ اس جنگل کو تمہارے لئے شمشان گھاٹ بنادیں گے۔" اس دھمکی کے جواب میں ایک دوسرے درخت کی آڑ سے دھمکی دینے والے پر پسٹل سے فائر کیا گیا گولی دھمکی دینے والے کے سر میں لگی وہ چیختا ہوا زمین پر گر پڑا۔

اسی وقت مختلف سمتوں سے درخت کی آڑ میں چھپے کامران پر فائرنگ کی گئی عثمان کرالنگ کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ اسے رکنا پڑا ایک لاش اس کے راستے میں پڑی تھی رائفل اب تک اس لاش کے ہاتھوں میں موجود تھی گویا وہ مرنے کے بعد بھی مزاحمت کا ارادہ رکھتا تھا عثمان نے رائفل اس کے ہاتھوں سے نکالی اور دوبارہ کرالنگ کرتا ہوا آگے بڑھا۔ جہاں اس کے اندازے کے مطابق کامران زخمی حالت میں موجود تھا۔

اچانک عثمان پر گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی شاید اسے دیکھ لیا گیا تھا لیکن تب تک وہ لکڑیوں کے ایک بڑے ڈھیر کے عقب میں پہنچ چکا تھا۔ اس پر فائر کرنے والا ایک درخت کی آڑ میں چھپا ہوا تھا عثمان نے ذرا سا سر باہر نکال کر اس درخت کی طرف دیکھا جس کی آڑ میں اس کے اندازے کے مطابق کامران چھپا ہوا تھا مگر وہ کہیں دکھائی نہ دیا جس کا واضح مطلب تھا کہ وہ کہیں چھپا ہوا ٹارگٹ فائرنگ سے محفوظ تھا عثمان نے اپنی گن سیدھی کی لاک پن ہٹائی اور کرالنگ کرتا ہوا لکڑیوں کے ڈھیر کی بائیں سمت پہنچا۔ اس نے درخت کی سمت نال کا رخ کیا اور دشمن کو کھوجنے لگا۔

آج اس کی صلاحیتوں کا امتحان تھا اس کا استاد اور محسن شدید زخمی تھا جسے اس نے بچانا تھا اس نے لکڑی کا ایک ٹکڑا اٹھایا لیٹے لیٹے ایک طرف پھینکا کھٹکا ہوا۔ دشمن نے فوراً اس سمت فائر کیا جہاں لکڑی گری تھی۔ فائر کرنے والے کے سامنے آتے ہی اس نے چند سیکنڈ کی بھی دیر نہ کی نشانہ لیا اور گولی داغ دی۔ فضا میں ایک دلدوز چیخ سے لرز اٹھی حملہ آور زمین پر گر کر ساکت ہوگیا مختلف سمتوں سے عثمان پر فائرنگ ہونے لگی چاروں طرف بارود کی بو پھیل چکی تھی وہ چند لمحے اپنی جگہ پر دبکا رہا پھر ایک درخت کی آڑ میں جا پہنچا اب فائرنگ رک چکی تھی شاید دشمن کو اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ اپنی گولیاں ضائع کررہا ہے کامران کی طرف سے بھی کوئی فائر نہیں ہورہا تھا شاید وہ بے ہوش تھا یا اپنی زندگی کی بازی ہار چکا تھا وہ مضطرب ہوگیا زیادہ انتظار فضول تھا وہ بلی کی طرح سبک رفتاری سے درخت پر چڑھ کر گھنے پتوں میں روپوش ہوگیا۔ اب تک اس پر کسی بھی طرف سے فائر نہ ہوا تھا۔ اسے حوصلہ ہوا کہ دشمن درخت پر اس کی موجودگی سے بے خبر تھے۔ وہ بلندی سے چاروں طرف نظر دوڑانے لگا۔

اچانک اسے ایک درخت کی آڑ سے ایک سر ابھرتا دکھائی دیا اس نے گن سیدھی کی اور فائر کردیا گولی درخت کی آڑ سے ابھرنے والے سر میں پیوست ہوگئی وہ چیختا ہوا زمین بوس ہوگیا اس کے کسی ساتھی نے درخت پر پے درپے کئی فائر کئے خوش قسمتی سے عثمان محفوظ تھا، گولیاں اس کے اردگرد سے گزر رہی تھیں اب عثمان پر ایک ہی گن سے فائر ہورہے تھے اس نے اندازہ لگایا کہ ان کے تقریباً سارے دشمن جہنم رسید ہوچکے ہیں صرف ایک ہی باقی ہے وہ کچھ دیر درخت پر دبکا رہا۔ وہ محتاط انداز سے اترا اور کرالنگ کرتا ہوا ایک دوسرے درخت کی آڑ میں چلا گیا۔

اچانک ایک طرف سے پسٹل سے دائیں سمت والے درخت کی آڑ میں موجود شخص پر فائر کیا گیا جواب میں وہاں چھپے شخص نے باہر نکل کر پے درپے فائر کئے یہی اس کی حماقت تھی عثمان نے اس کی ٹانگوں کا نشانہ لے کر دو فائر کئے دونوں گولیاں اس کی ٹانگوں پر لگیں وہ چیختا ہوا گرا اور بری طرح تڑپنے لگا عثمان پھرتی سے اس کی طرف بھاگا وہ خاصا قوی ہیکل اور خوفناک شکل کا مالک تھا بڑی بڑی سیاہ مونچھیں اس کے چہرے کو مزید خوف ناک بنارہی تھیں۔ اس کی گن ایک طرف پڑی تھی

www.pdfbooksfree.pk

اور وہ تکلیف کی شدت سے تڑپ رہا تھا۔

عثمان نے اپنی گن اس پر تان لی تو وہ شخص بولا۔ ”مم، میں...... مہاراج کا سپاہی اجے ہوں۔“ اس نے جواب دیا خوف اجے کے چہرے سے عیاں تھا۔

اسی اثناء میں ایک درخت کی آڑ سے شدید زخمی کامران گرتا پڑتا باہر نکلا وہ بری طرح گھائل تھا اس کے سینے سے خون بہہ رہا تھا کپڑے خون میں تر ہو چکے تھے۔ ”تم لوگوں نے کامران سر کو کیوں زخمی کیا؟“ عثمان نے پے در پے اس کی پسلیوں پہ ٹھوکریں ماریں اس کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں۔ ”بھگوان کے لئے مجھے مت مارو مہاراج نے ہمیں تمہیں ڈھونڈنے کا حکم دیا تھا ہم جنگل سے گزر رہے تھے کہ راجکماری کی جیپ پر نظر پڑی کچھ فاصلے پر جھونپڑی موجود تھی کامران سے تم لوگوں کا پوچھا تو اس نے بتانے سے انکار کر دیا اور ہم سے بھڑ گیا اور اس جھڑپ میں کامران کے ہاتھوں ہمارے تین ساتھی مارے گئے۔“ وہ تھوک نگل کر بولا۔

”تم کتنے افراد تھے؟“

”مجھ سمیت ہم آٹھ ساتھی تھے سوائے میرے سب کے سب مارے گئے۔ بھگوان کے لئے مجھے چھوڑ دو، اس نے عثمان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔“

کامران عثمان کے کاندھے پر ہاتھ رکھے بمشکل کھڑا تھا۔ ”میرا بھائی کیسا ہے اور کہاں ہے؟“ عثمان نے پوچھا۔

”مہاراج کی قید میں آج سے چار دن بعد ایک مقابلہ ہے، اس مقابلے والے دن اسے پھانسی دے دی جائے گی۔“ وہ بولا۔

”مقابلے کے روز کیا مطلب ہے؟“ عثمان نے پوچھا۔

ہر سال حویلی کے باہر فروری کو زور آزمائی کا مقابلہ ہوتا ہے اس کے مقابلے کا فاتح ہمیشہ سے مہاراج کا بیٹا ہوتا ہے، کوئی مشکل سے ہی اس کے مقابلے میں آتا ہے جو آتا ہے مارا جاتا ہے اس مقابلے کا دستور ہے کہ لڑائی ایک حریف کے مرنے تک جاری رہتی ہے فاتح فائٹر کو مہاراج مہنگا انعام دیتا ہے۔“ اجے نے جواب دیا اس کی آواز خوف سے ڈوبنے لگی تھی۔

اسی لمحے کامران لڑکھڑا کر گر پڑا عثمان نے ٹریگر دبا دیا گولی اجے کی پیشانی میں لگی اس نے نفرت سے اس کی لاش کو ٹھوکر ماری اور کامران کے سر کو گود میں لے لیا۔ ”کیا ہوا سر؟“

کک...... کچھ نہیں، میرا...... وقت...... پورا ہو چکا ہے وہ دور آسمانوں میں میرا انتظار کر رہی ہے مجھے یہی دفنا دینا۔“ اس نے ہچکی لی اور اس کی گردن ڈھلک گئی۔

کافی دیر تک وہ کامران کے بے جان وجود سے لپٹ کر روتا رہا کچھ دیر بعد جھونپڑی سے کدال اٹھائی اور اس کے لئے قبر تیار کرنے لگا کامران کو دفن کرنے کے بعد فاتحہ پڑھی اور بوجھل دل کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ کر روانہ ہو گیا راہ عشق کا مسافر اپنی منزل پر پہنچ چکا تھا۔

عثمان کا گھوڑا جنگل میں سرپٹ دوڑ رہا تھا رات کے تقریباً گیارہ بجے وہ مہاراج کی ریاست کی حدود میں داخل ہو گیا تھا اس نے گھوڑے کو آزاد کر دیا رائفل ہاتھوں میں تھامے مہاراج کی حویلی کی طرف بڑھنے لگا حویلی سے کچھ فاصلے پر جا کے رک گیا وہ نظریں گھما کر چاروں طرف جائزہ لے رہا تھا۔ حویلی کے سامنے والی سمت چار سپاہی پہرا دے رہے تھے وہ دو دو کی ٹولیوں میں گشت کر رہے تھے وہ ششش و پنج میں پڑ گیا یہاں سے حویلی کے اندر جانا ناممکن تھا، وہ کرالنگ کرتا ہوا وسیع و عریض حویلی کے بائے سمت گیا وہاں بھی یہی پوزیشن تھی وہاں سے گھوم کر حویلی کی پشت پر گیا وہاں جھاڑیاں کثرت سے موجود تھی حویلی کی پشت پر ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا تھا جس کی لائٹ آف تھی اس نے سوچا شاید یہاں کے گارڈ شدید سردی میں کمرے میں دبک کے بیٹھے ہیں وہ دیوار کا معائنہ کرنے لگا۔

دیوار کافی اونچی تھی اس پر چڑھنا بہت مشکل تھا۔ اگر کسی طرح اوپر چڑھ بھی جاتا تو دیوار کے چاروں کونوں پر چار حفاظتی چوکیاں قائم تھیں جن میں ہر وقت مسلح سپاہی

موجود تھے۔ اچانک اس کی نظر دیوار کے قریب موجود ایک لمبے چوڑے درخت پر پڑی وہ درخت کی طرف بڑھنے لگا اسی وقت چھوٹے کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک سپاہی باہر نکلا۔ ”کون ہے ادھر؟“

عثمان پر نظر پڑتے ہی اس نے للکار کر پوچھا۔

عثمان نے ایک طرف دوڑ لگا دی۔ سپاہی نے فائر کیا اس کا نشانہ خطا گیا مگر گولی کی آواز سے بھگدڑ مچ گئی چاروں طرف سے ”پکڑو جانے نہ پائے“ کی آوازیں آنے لگیں۔

عثمان تیزی سے بھاگ رہا تھا۔ اس نے بھاگتے بھاگتے مڑ کر اپنے پیچھے آنے والے سپاہیوں پر چند فائر کئے اور دوبارہ زیگ زیگ انداز میں بھاگنے لگا اس پر پیچھا کرنے والے سپاہیوں نے جوابی فائر کئے خوش قسمتی سے گولیاں اس کے قریب سے گزرنے لگیں گارڈز موت کے ہرکاروں کی طرح اس کے پیچھے تھے۔ اس کے بھاگنے کی رفتار بہت تیز تھی بھاگتے بھاگتے ایک گلی میں داخل ہوا۔ دونوں اطراف میں مکانات بنے ہوئے تھے۔ اس کے پیچھے بھاگنے والے گارڈز نے فائر کئے اس بار بھی ان کا نشانہ خطا ہو گیا اس نے مڑ کر فائر کرنا چاہا مگر کھٹک کی آواز سنائی دی گولیاں ختم ہو چکی تھیں بھاگتے بھاگتے رائفل ایک طرف پھینک کر تیزی سے گلی کے اختتام پر دوسری گلی میں داخل ہو گیا بھاگتے بھاگتے اس نے مڑ کر دیکھا سپاہی ابھی تک پچھلی گلی میں تھے۔ ان میں سے کوئی بھی دکھائی نہ دے رہا تھا لیکن کسی بھی لمحہ اس گلی میں پہنچ سکتے تھے۔ وہ بلی کی طرح پھرتی سے ایک مکان کی دیوار پر چڑھا اور اندر کود گیا۔

گھر کے صحن میں ایک نوجوان خوبصورت لڑکی آنکھیں پھاڑے اس کی طرف دیکھ رہی تھی لڑکی نے چیخنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ اس نے چھلانگ لگائی اور اسے دبوچ لیا اس نے اپنی پنڈلی سے باندھا خنجر نکالا اور لڑکی کی شہہ رگ پر رکھ دیا۔ ”خبردار! شور مچاؤ گی تو اس سے پہلے تمہاری خوبصورت گردن پر خنجر پھیر دوں گا۔“

”دیکھو پہلی بات تو یہ ہے کہ میں ابھی زندہ رہنا چاہتی ہوں اس لئے شور نہیں مچاؤں گی مگر تم کون ہو اور اس طرح میرے گھر میں گھس کر مجھے کیوں دھمکا رہے ہو؟“

”مہاراج کے کتے میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں میں ان کے ہاتھ نہیں آنا چاہتا۔“ عثمان غرایا۔

”پھر تو وہ ضرور ہر گلی ہر گھر کی تلاشی لیں گے یہاں بھی آئیں گے یہ خنجر ہٹا کر مجھے چھوڑ دو، میں تمہیں بچانے کی کوشش کرتی ہوں۔“

”میں تم پر کیسے بھروسہ کر سکتا ہوں؟“

”دیکھو مجھے مار کر تمہیں کوئی فائدہ نہیں حاصل ہو گا، بالآخر پکڑے جاؤ گے اسی لئے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ مجھ پر بھروسہ کرو۔“

عثمان نے لمحہ بھر کے لئے سوچا لڑکی کی بات اسے معقول لگی۔ اس نے اسے چھوڑ دیا اور خنجر دوبارہ پنڈلی سے باندھ دیا۔ کچھ دیر بعد دروازے پر زوردار قسم کی دستک ہوئی۔

لڑکی نے باتھ روم کا دروازہ ذرا سا کھولا اور پوچھا۔ ”کون ہے؟“ باہر سے آواز آئی۔ ہم مہاراج کے آدمی ہیں مہاراج کا ایک دشمن ادھر آیا ہے وہ اس گلی کے کسی گھر میں گھس گیا ہے ہمیں تمہارے گھر کی تلاشی لینی ہے۔“

لڑکی نے اپنے گیلے بدن پر جلدی سے کپڑے پہنے اور دروازہ کھول دیا دروازے پر تین سپاہی ہاتھوں میں رائفلیں تھامے کھڑے تھے۔ سپاہیوں نے دیکھا لڑکی کے گیلے بالوں سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ ”یہاں کوئی نہیں آیا تم چاہو تو تلاشی لے سکتے ہو۔“

سپاہی اندر آئے کمروں چھت کی تلاشی لی باتھ روم کا دروازہ ہلکا سا کھول کر دیکھا وہاں بھی کوئی نہ تھا وہ مایوس ہو کر باہر نکل گئے۔ ان کے جاتے ہی لڑکی نے آواز لگائی ”وہ چلے گئے ہیں باہر آ جاؤ۔“

عثمان پانی کی ٹنکی سے باہر آ گیا اس کے کپڑے پانی میں شرابور ہو چکے تھے۔ ”سمجھ نہیں آتا کس منہ سے تمہارا شکریہ ادا کروں ہندو ہونے کے باوجود تم نے ایک

www.pdfbooksfree.pk

مسلمان کی زندگی بچائی ہے۔"

وہ بولی۔ "تم مسلمان ہوکر بھی ان بھیڑیوں سے بہتر ہو۔ تم نے اب تک مجھے میلی نظر سے نہیں دیکھا جبکہ مہاراج جوکہ میرا اہم مذہب بھی ہے اس نے میری عزت پر ہاتھ ڈالا میرے ماتا پتا اور بھائی کو احتجاج کرنے پر قتل کروادیا۔ اسی شیطان کی وجہ سے میں تنہا رہتی ہوں اور گناہ آلود زندگی بسر کررہی ہوں۔ لڑکی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

اس وقت وہ ایک کمرے میں موجود تھے عثمان لباس تبدیل کرچکا تھا۔ ان کے درمیان کافی دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ عثمان نے اپنی روداد اسے سنائی لڑکی کا نام پونم تھا۔ کہنے لگی۔ "لگتا ہے مہاراج کا انتم سنسکار ہونے والا ہے اس ریاست میں آج ایک دوسرے باغی نے جنم لیا ہے۔"

"دوسرے باغی سے کیا مراد ہے؟" عثمان چونک پڑا۔

"ارجن پانڈے مہاراج کا سب سے بڑا دشمن ہے اس کا تعلق اچھوت برادری سے تھا۔ مہاراج نے شادی کے پہلے روز اس کی پتنی کو اغوا کروادیا۔ پانڈے کے گھرانے کے احتجاج پر سب کو زندہ جلا ڈالا۔ پانڈے نے ظالم مہاراج کے ظلم کا شکار دوسرے افراد کے ساتھ مل کر باغیوں کا ایک گروپ بنالیا جو مہاراج کے خلاف ہے مگروہ آج تک مہاراج کو کوئی نقصان نہیں پہنچاسکے۔" پونم نے تفصیل سے اسے پانڈے کے بارے میں بتایا۔

"سنو! میں آج یہیں رہوں گا تم مجھے کل کے میلے میں ہونے والی فائٹنگ کے بارے میں بتاؤ۔" عثمان نے پوچھا۔

"یہ مقابلہ گزشتہ کئی سالوں سے حویلی کے باہر ایک میدان میں ہوتا ہے شروع میں چھوٹے موٹے کشتی کے مقابلے ہوتے ہیں آخری میں بڑا مقابلہ بہت ہی خطرناک ہوتا ہے اس مقابلے کا اختتام ایک حریف کی موت پر ہوتا ہے فاتح فائٹر کو مہاراج منہ مانگا انعام دیتے ہیں فاتح فائٹر اگلے سال رنگ میں آکر سب کو للکارتا ہے گزشتہ کئی سالوں سے اس مقابلے کا فاتح رنجیت ہے ڈر کے مارے تین سالوں سے اس کے مقابلے میں کوئی نہیں آتا اور وہ بنا مقابلے کے جیت جاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے آج رات میں یہیں رکتا ہوں کل صبح مقابلہ شروع ہونے سے پہلے چلا جاؤں گا۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔" "مجھے بھلا کیا اعتراض ہوسکتا ہے تم ایک شریف انسان ہو۔" وہ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے اس کے بعد وہ سونے چلی گئی۔

صبح سویرے اٹھ کر عثمان نے نماز پڑھی ایک بڑی سی چادر اپنے جسم کے گرد اچھی طرح لپیٹی اس نے چادر اس طرح لپیٹ رکھی تھی کہ اس کا چہرہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا کچھ دیر بعد وہ اس کے گھر سے نکل رہا تھا گلی کوچوں میں چہل پہل شروع ہوچکی تھی لوگوں کا ایک ہجوم تھا جو حویلی کے سامنے میدان کی طرف جارہا تھا۔ عثمان اس ہجوم میں شامل ہوگیا اب اسے کوئی بھی آسانی سے شناخت نہیں کرسکتا تھا ہر گلی ہر محلے سے لوگ نکل کر میدان میں جمع ہورہے تھے حویلی کے سامنے وسیع عریض میدان میں سینکڑوں لوگ جمع تھے میدان کے وسط میں اکھاڑہ سا بنا ہوا تھا اگلی نشستوں پر نارائن، مہاراج اور سپاہ سالار گووند بیٹھے تھے۔ میدان میں سیکڑوں کی تعداد میں مہاراج کے سپاہی رائفلیں اٹھائے چوکنا کھڑے تھے۔ عام تماشائی ہزاروں کی تعداد میں میدان میں موجود تھے۔

وقت مقرر پر میلہ شروع ہوگیا سب سے پہلے اسٹیج پر درجنوں کے قریب نیم عریاں لباس میں ملبوس خوبصورت لڑکیاں نمودار ہوئیں جنہوں نے ہیجان خیز رقص پیش کیا۔ ان کا رقص اس قدر جذبات کو بڑھکا رہا تھا کہ دیکھنے والے بچے سمجھدار، اور بوڑھے خود کو جوان سمجھنے لگے تھے اور جوان بے قابو ہوتے جارہے تھے انہوں نے میدان میں ہی دھمال قسم کا رقص شروع کردیا تھا۔ میدان طرح طرح کی آوازوں اور سیٹیوں سے گونج رہا تھا۔ مہاراج کے ظلم وستم کے شکار لوگوں کے لئے آج کا دن

www.pdfbooksfree.pk

غنیمت تھا۔ وہ میلے سے خوب لطف اندوز ہورہے تھے۔

وہ رقص تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہا اس کے بعد جوکروں نے اپنے تماشوں سے لوگوں کو خوب ہنسایا مہاراج بھی ریاست کا عجیب سربراہ تھا سال کے تینسو پینسٹھ دن عوام کو رلانے کے بعد آج ایک دن ہنسا رہا تھا اس کے بعد نشانہ بازی کا مقابلہ شروع ہوا جو کافی دیر جاری رہا۔ اس مقابلے میں ماہر نشانہ بازوں نے حصہ لیا پھر دوسرے کھیل تماشے ہوئے۔

دوپہر بارہ بجے کے قریب لڑائی کے مقابلے شروع ہوئے۔ پہلا مقابلہ ہاتھی کی طرح دو موٹے پہلوانوں کے درمیان تھا جو بدمست ہاتھیوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ اس مقابلے کا اختتام ایک فریق کی شکست پر ہوا۔ دوسرا مقابلہ ایک پہلوان نما شخص اور چھریرے بدن کے ایک شخص کے درمیان ہوا۔ وہ ایک بے جوڑ مقابلہ تھا گویا ہاتھی اور چیونٹی کی لڑائی تھی ایک موقع پر موٹے نے داؤ لگا کر دوسرے کو بے بس کردیا لیکن چھریرے بدن والے نے بڑی ہی مہارت سے اپنے آپ کو آزاد کروالیا۔ بالآخر جیت اس کی ہوئی۔

چند مقابلوں کے بعد اصل مقابلے کا اعلان ہوا جو اس میلے کی جان تھا۔ لوگوں کے دلوں کی دھڑکن تھمنے لگی۔ میدان میں عجیب سا سکوت چھا گیا تھا۔ رنگ میں رنجیت پوری شان وشوکت کے ساتھ نمودار ہوا۔ ایک ریفری نما شخص نے اس کی شان میں قصیدہ گوئی کی۔ جس کا لب لباب یہ تھا کہ "رنجیت گزشتہ کئی سالوں سے ان مقابلوں کا فاتح ہے۔ اس کے چیلنج کے جواب میں جو بھی فائٹر آئے گا جیتنے کے بعد مہاراج سے منہ مانگے انعام کا حقدار ہوگا۔ یہ مقابلہ ایک فریق کی موت پر اختتام پذیر ہوگا پچھلے دو مقابلوں کی طرح اگر اس کے مقابلے پر آنے کی کسی نے ہمت نہ کی تو رنجیت بنا لڑے اس مقابلے کا فاتح ہوگا۔"

رنجیت نے بنا مقابلے جیتنے کی ہیٹ ٹرک بنانے کا پروگرام بنا رکھا تھا اس نے رنگ میں آکر مختلف قسم کے نعرے لگائے۔ اور میدان میں موجود لوگوں کو للکارنے لگا۔ "کسی میں ہمت ہے تو میرے سامنے۔"

میدان میں صرف رنجیت کی للکاریں گونج رہی تھیں۔ لگتا تھا لوگوں کو سانپ سونگھ گیا ہے سب خاموشی سے اسے رنگ میں اچھلتے کودتے دیکھ رہے تھے وقت دھیرے دھیرے آگے کی طرف سرک رہا تھا ریفری کی آواز گونجی۔ "اگلے چند منٹ تک اگر رنجیت کے مقابلے پر کوئی نہ آیا تو رنجیت اس سال بھی بنا لڑے چیمپئن ہوگا۔" کچھ دیر بعد اس نے دوبارہ اعلان کیا۔ "میں دس تک گنوں گا اگر پھر بھی کوئی نہ آیا تو رنجیت فاتح ہوگا۔" "ایک دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات۔" پر پہنچ کر وہ رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

اچانک تماشائیوں کے ہجوم سے بڑی سی چادر جسم پر لپیٹے ایک شخص نمودار ہوا اس نے چہرے پر بھی چادر لپیٹی ہوئی تھی اس لئے وہ پہچان میں نہیں آرہا تھا۔ صرف اس کی آنکھیں ظاہر تھیں "رک جاؤ ریفری! اس کا چیلنج میں قبول کرتا ہوں۔ میں اس سے مقابلہ کروں گا۔"

"سکوت زدہ ماحول میں اس کی گونجنے والی آواز نے ہلچل مچادی۔ وہ چلتا ہوا پہلی نشستوں پر موجود مہاراج کے قریب چند لمحوں کے لئے رکا پھر رنگ پر چڑھ گیا۔ رنجیت کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے چادر پوش رنجیت کے مدمقابل کھڑا تھا۔ "اپنے چہرے سے چادر تو ہٹاؤ تاکہ پتہ چلے خودکشی کے لئے میرے سامنے آنے والا کون ہے؟" رنجیت نے قہقہہ لگایا۔

"صبر کرو جلدی کیا ہے تم اپنی موت کو دیکھ لوگے۔" بھرائی ہوئی آواز میں جواب ملا۔

ریفری مقابلے کی شرائط دہرانے لگا شرائط دہرانے کے بعد اس نے ایک کاغذ پر دونوں فائٹروں کے دستخط لئے اور درمیان سے ہٹ گیا۔

عثمان نے چادر اتار کر پھینک دی رنجیت کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا مہاراج نارائن گوند اپنی اپنی کرسیوں سے کھڑے ہوگئے۔ "اس کی ہمت کیسے ہوئے یہاں آنے کی، پکڑلو اسے، اس نے حویلی سے فرار ہوتے

ہوئے راجکماری کو اغوا کیا ہے۔'' مہاراج چیخا۔

''چند گارڈز رائفلیں تھامیں رنگ میں پہنچ گئے اور عثمان کو رائفلوں کی زد میں لے کر مہاراج کے سامنے جا پہنچے۔''مرنے سے پہلے تو یہ بتا کہ تو نے راجکماری کو کہاں چھپا رکھا ہے؟'' مہاراج سانپ کی طرح پھنکارا۔

عثمان بولا۔'' مہاراج شاید بیٹے کی موت اور متوقع شکست کے صدمے نے تمہارے ہواس چھین لئے ہیں تمہارے بیٹے نے اس میدان میں موجود تمام افراد کو للکارا تھا ان افراد میں، میں بھی شامل تھا تمہارے بیٹے کے چیلنج کو قبول کرکے جان ہتھیلی پر رکھ کر اس رنگ میں آیا ہوں اگر تم نے یہ مقابلہ نہ ہونے دیا تو لوگ سمجھے گے کہ تم باپ بیٹا مجھ سے ڈر گئے۔'' عثمان مسکرایا۔

''تجھے اگر رنجیت کے ہاتھوں مرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن میری ایک شرط ہے رنگ میں جانے سے پہلے تو راجکماری کا پتہ بتائے گا۔'' مہاراج اشتعال بھرے لہجے میں بولا۔

''میری بھی ایک شرط ہے رنگ میں جانے سے پہلے راج کماری کا پتہ ضرور بتاؤں گا لیکن مقابلہ شروع ہونے سے پہلے میرے بھائی کو یہاں لایا جائے، اگر میں مقابلے میں مارا گیا تو تم بے شک اسے مار دینا اگر جیت میری ہوئی اور تمہارا بیٹا میرے ہاتھوں مارا گیا تو تم منہ مانگے انعام میں مجھے اور میرے بھائی کو زندہ یہاں سے جانے دو گے، بولو یہ شرائط تمہیں منظور ہیں؟'' عثمان تقریباً چیختے ہوئے بولا۔ اس کی آواز اتنی اونچی تھی کہ میدان میں موجود تمام لوگوں نے سنی۔

مہاراج سوچ میں پڑ گیا اگر انکار کرتا تو لوگ ان باپ بیٹے کو بزدل سمجھتے، برسوں سے لوگوں کے دلوں میں اس کا رعب اور جو دہشت تھی لوگوں کے دلوں میں کم ہو جاتی اگر یہ مقابلہ ہو جاتا تو عثمان جو کہ اس کی نظر میں کمزور فریق تھا رنجیت کے ہاتھوں مارا جاتا اس طرح اس کا انتقام بھی پورا ہو جاتا اور راج کماری بھی اس کے ہاتھ آ جاتی اور دوسرے بھائی کو بھی پھانسی پر چڑھا دیتا۔ لوگوں کے دلوں میں ان کی ڈھاک بیٹھ جاتی یہ سوچ کر مہاراج نے ہامی بھر لی۔

''مجھے تیری تمام شرائط منظور ہیں میں وچن دیتا ہوں کہ جیت کی صورت میں تجھے اور تیرے بھائی کو زندہ یہاں سے جانے دیا جائے گا۔ اب رنگ میں جانے سے پہلے راج کماری کا پتہ بتا کیونکہ تو رنجیت کے ہاتھوں مارا جائے گا پھر راج کماری کا پتہ کون بتائے گا۔'' وہ مکاری سے بولا۔

اس طرح نہیں مہاراج پہلے میرے بھائی کو یہاں بلاؤ۔'' مہاراج کے حکم پر اس کے بھائی کو وہاں بلوایا گیا پردیپ کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اس کے چہرے پر زخموں کے نشان تھے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے عثمان کے کہنے پر اس کے دونوں ہاتھ کھول دیئے گئے۔

''میں اپنے بھائی سے ملنا چاہتا ہوں۔'' عثمان بولا۔

''ہاں مرنے سے پہلے مل لو، ہم مرنے والے کی آخری خواہش ضرور پوری کرتے ہیں۔''

عثمان آگے بڑھ کر پردیپ کے سینے سے لگ گیا۔''پردیپ میرے بھائی تم فکر مت کرو میں تمہیں زندہ سلامت یہاں سے لے جاؤں گا۔'' اس کے لہجے میں یقین تھا۔

''بھائی یہ بہت ظالم لوگ ہیں، انہوں نے دیدی کو بھی مار دیا، ہمیں بھی مار دیں گے۔'' پردیپ رونے لگا۔

نہیں پردیپ اب رونا مت اب رونے کی باری مہاراج کی ہے میں گن گن کر ان سے ظلم و ستم کے بدلے لوں گا تم گھبراؤ مت اس نے بھائی کی پیٹھ تھپکی اور مہاراج کے روبرو کھڑا ہو گیا۔

''مہاراج تمہاری بیٹی اپنی مرضی سے میرے ساتھ گئی تھی میں زبردستی نہیں لے گیا وہ مظلوم لڑکی بھی تمہارے ظلم و ستم سے تنگ تھی، یہ وضاحت میں اس لئے نہیں کر رہا کہ میں تم سے ڈرتا ہوں، صرف اس لئے

کر رہا ہوں کہ یہ لوگ مجھے غلط نہ سمجھیں اس وقت بھی وہ اپنے چاچا گنیش کی حویلی میں ان کے پاس موجود ہے اگرچہ تم لوگوں کی بہن بیٹیوں کو بے عزت کرتے ہو اس کے باوجود بھی میں نے اسے چھوا تک نہیں۔''

وہ رنگ میں چلا گیا رنجیت اور عثمان دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھ رہے تھے۔ میدان میں موجود تمام افراد کو عثمان کی یقینی شکست نظر آ رہی تھی۔ رنجیت ساڑھے چھ فٹ سے نکلتے ہوئے قد و قامت اور ورزشی جسم کا مضبوط فولادی شخص تھا اس کے علاوہ مارشل آرٹ اور لڑائی بھڑائی کے فن میں ماہر تھا۔ رنجیت نے پینترا بدلتے ہوئے عثمان کی کنپٹی پر اپرو کن پنچ کا وار کیا۔

عثمان نے نہایت مہارت سے بلاک کر کے اس کا وار روکا اور ساتھ ہی سائیڈ کک اس کے سینے پر رسید کی، رنجیت لڑکھڑاتا ہوا پیچھے کی طرف گیا اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نمایاں نظر آ رہے تھے ماضی میں اس کے ہاتھوں پٹنے والے کمزور شخص نے فائٹ کے پہلے ہی مرحلے پر اسے باور کروا دیا تھا کہ اب وہ رنجیت کے لئے تر نوالہ نہیں بلکہ لوہے کا چنا ثابت ہوگا رنجیت اب محتاط انداز میں کھڑا تھا۔

''لگتا ہے تم نے تھوڑی بہت اوچھل کود سیکھ لی ہے لیکن تم میں اپنی بہن کے جتنا بھی زور نہیں۔ رنجیت نے زہر افشانی کی اس کا مقصد عثمان کو طیش میں دلانا تھا جس میں وہ کامیاب رہا۔

وہ اندھا دھند رنجیت سے جا کر ٹکرایا اس کا گھونسہ پوری شدت کے ساتھ رنجیت کے سینے پر لگا اس وقت اسے اندازہ ہوا کہ اس کا مدمقابل رنجیت کوئی عام شخص نہیں اس کے جسم میں جیسے گوشت پوست کے بجائے فولاد بھرا ہوا ہے۔ سینے پر گھونسہ کھا کر رنجیت رنگ کے رسوں سے ٹکرا کر اس طرح تیزی سے واپس اس کی طرف آیا کہ اسے لگا رسوں میں طاقتور اسپرنگ لگے ہوں اس کا فولادی ہاتھ عثمان کے جبڑے پر پڑا اور آنکھوں میں ستارے سے رقص کر گئے یکایک وہ کسی وحشی کی طرح عثمان پر ٹوٹ پڑا وہ خالی ہاتھ تھا مگر لگتا تھا کہ اس کے ہاتھوں میں ہتھوڑے ہیں۔

چند ہی منٹ میں عثمان کو اپنے جسم پر درجنوں ضربیں سہنا پڑیں وہ کئی بار رسوں سے ٹکرایا گرا پھر اٹھا پھر عثمان کا داؤ چل گیا عثمان نے اس پر ایسا وار کیا کہ جو کسی کراٹے فائٹ میں سراسر فاؤل ہوتا ہے مگر یہ زندگی موت کی جنگ تھی اس میں ہر داؤ جائز تھا عثمان نے اس کی رانوں کے عین درمیان زوردار ٹھوکر ماری تو وہ تڑپ کر پیچھے کی طرف گیا عثمان کو اٹھنے اور سنبھلنے کا موقع مل گیا۔ اگلے چند منٹ تک ان دونوں کے درمیان خطرناک معرکہ ہوا، معرکہ کے دوران رنجیت نے اپنی پتلون کی جیب میں پوشیدہ تیز دھار چاقو نکال لیا اس کے چاقو کے خطرناک ترین وار اس نے بمشکل روکے ایک موقع پر اس نے پوری قوت سے رنجیت کے منہ پر لات ماری عثمان کے پاؤں کا بالائی حصہ اس کی تھوڑی پر لگا وہ اوپر کی طرف اچھلا اور پشت کے بل نیچے گرا اس نے سرعت سے اٹھنے کی کوشش میں مگن رنجیت پر چھلانگ لگا دی۔ اس کے دونوں گھٹنے رنجیت کی پسلیوں پر لگے تو وہ کراہ کر دوبارہ گر گیا وہ چلایا اور اپنے ہاتھ میں موجود چاقو کو سنبھالنے لگا وہ عثمان کے سینے میں چاقو پیوست کرنا چاہتا تھا مگر عثمان کے سر پر بھی خون سوار تھا اس نے دونوں ٹانگیں ہوا میں بلند کیں اور ایڑیاں اس کی ٹانگوں کے بیچ ماریں رنجیت بلبلا کر اٹھ بیٹھا شدید تکلیف سے اس کے چہرے کے نقوش بگڑ گئے تھے عثمان نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چاقو پر ہاتھ ڈال دیا۔

رنجیت نے جھٹکا دیکر چاقو چھڑانا چاہا مگر ناکام رہا۔ عثمان نے دوسرے ہاتھ کا زوردار گھونسہ اس کے سینے پر مارا اور چاقو کو اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اس نے رنجیت پر اندھا دھند گھونسوں کی بارش کر دی پورے میدان میں سکوت چھا چکا تھا سب لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے موت اور زندگی کی خوف ناک کش مکش دیکھ رہے تھے۔

مہاراج کے چہرے کا رنگ فق ہو چکا تھا لڑائی

www.pdfbooksfree.pk

میں مداخلت کروانا اس کی بے عزتی تھی اس لئے خود پر ضبط کرتے ہوئے خونی مقابلہ دیکھتا رہا۔ اس سے پہلے کہ عثمان اس سے چاقو چھیننے میں کامیاب ہوتا۔ رنجیت کا زوردار گھونسہ اس کی کنپٹی پر پڑا درد کی لہر اس کے رگ و پے میں پھیل گئی لمحے بھر میں اس کا وجود بے جان ہوگیا وہ کولہوں کے بل گرا اور بری طرح تڑپنے لگا میدان رنجیت کے حمایتیوں کے شور اور تالیوں سے گونج اٹھا رنجیت کے لئے اتنی ہی مہلت کافی تھی۔ اس نے چاقو ہاتھ میں پکڑتے ہوئے عثمان کے جسم پر ٹھوکروں کی بارش کردی عثمان فٹ بال کی طرح ادھر ادھر لڑھکنے لگا اس کی آنکھوں کے سامنے ستارے سے رقص کررہے تھے اسے پورا میدان گھومتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ رنجیت نے چند لمحے رک کر اسے نفرت سے دیکھا پھر اس کے سینے پر چڑھ کے بیٹھ گیا اس نے اپنے دونوں گھٹنوں سے عثمان کے دونوں بازوؤں پر دباؤ ڈالا اور خنجر والا ہاتھ فضا میں بلند کر کے فاتحانہ نگاہ سے چاروں طرف دیکھا۔ اس کے حمایتی شور مچانے لگے۔ ''ماردو، اس مسلے کو ماردو۔'' عثمان بے بسی سے اس کے نیچے پڑا تھا۔

اچانک عثمان کی نگاہوں کے سامنے اپنی بہن پر ڈھائے جانے والے ظلم کے مناظر گھوم گئے اس کے ذہن میں بجلی سی کوندھی اس نے دونوں ٹانگیں فضا میں بلند کیں اور رنجیت کی گردن میں قینچی بنا کر زوردار جھٹکا دیا۔ رنجیت اس کے سر پر سے ہوتا ہوا دوسری طرف جا گرا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور اٹھتے ہی رنجیت کے سینے پر جمپ سائیڈ کک ماری رنجیت اچھل کر نیچے گرا چاقو اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر ایک طرف جا گرا۔

عثمان نے فضا میں قلابازی کھائی اور اٹھتے ہوئے رنجیت کے سینے پر فلائنگ کک ماری رنجیت دوبارہ نیچے گر گیا رنجیت جہاں گرا اس سے کچھ فاصلے پر چاقو پڑا تھا اس نے چاقو کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

عثمان نے اس کا ارادہ بھانپ لیا اور چھلانگ مار کر اس پر سوار ہوگیا عثمان نے پے در پے کئی گھونسے اس کے چہرے پر مارے اور لپک کر چاقو اٹھا لیا اس کے ہاتھ میں چاقو آتے ہی مہاراج اور نارائن اپنی کرسیوں سے کھڑے ہوگئے اس نے بجلی کی سی تیزی سے تیز دھار چاقو رنجیت کے عین دل کے مقام پر پیوست کردیا۔

رنجیت بنا کوئی آواز نکالے جہنم رسید ہوگیا۔

عثمان رنجیت کی لاش سے اٹھا اور رنگ سے اتر کر مہاراج کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ ''مہاراج اپنا وعدہ پورا کرو۔''

مہاراج کا چہرہ غصے سے لال ہورہا تھا اس کی نظروں کے سامنے سینکڑوں حمایتیوں کے درمیان عثمان نے اس کے اکلوتے بیٹے کو موت کے گھاٹ اتار دیا مگر وہ کچھ نہ کرسکا تھا اب بھی وہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کررہا تھا وہ اس سے اپنے بیٹے کی موت کا بدلہ اس جگہ نہیں لے سکتا تھا۔ سینکڑوں لوگوں کے سامنے مہاراج نے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کرنا تھا۔

پردیپ کو عثمان کے حوالے کردیا گیا ''سنو بالک ہم اپنے وعدے کے مطابق اپنی حدود میں تمہیں کچھ نہیں کہیں گے مگر اس ریاست سے تمہارے نکل جانے کے بعد ہم آزاد ہونگے۔ تمہیں رنجیت کے خون کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔''

''مہاراج اس وقت میں تمہارے سامنے تمہارے بیٹے کے خون سے ہاتھ رنگ کر جارہا ہوں کل کیا ہوگا اس کا فیصلہ کل کریں گے تم نے ماضی میں جو مظالم کئے ہیں اس کا حساب تمہیں بھی دینا پڑے گا، تم بھی انتقام کا نشانہ بنو گے۔'' عثمان فیصلہ کن لہجے میں بولا اور پردیپ کو لے کر میدان سے رخصت ہوگیا۔

مہاراج نے حسب وعدہ اسے ایک تیز رفتار گھوڑا دیا تھا گھوڑا تیز رفتاری سے دوڑتے ہوئے ریاست سے باہر جانے والے راستے کی طرف جارہا تھا وہ ریاست کی حدود سے جب باہر پہنچے تو رات کے نو بج چکے تھے ہر طرف تاریکی کا راج تھا عثمان گھوڑا دوڑاتا ہوا جنگل کی حدود میں داخل ہوگیا پردیپ اس کے پیچھے اس سے چپکا بیٹھا تھا۔ جنگل کی حدود میں داخل ہوتے ہی اس نے گھوڑے کی رفتار کم کردی چاروں طرف گھپ اندھیرا

تھا۔ اس اندھیرے میں تیز رفتاری سے گھوڑا دوڑانا ناممکن تھا جنگل مختلف قسم کے جانوروں کی آوازوں سے گونج رہا تھا یہ آوازیں کم عمر پردیپ کو خوف زدہ کررہی تھیں۔ ''بھیا مجھے ڈر لگ رہا ہے وہ بولا۔ اور عثمان نے گھوڑا روک دیا وہ دونوں گھوڑے سے نیچے اترے۔ بھائی یہ بہت خطرناک جنگل ہے اگر کوئی جنگلی جانور آ گیا تو ہمیں کون بچائے گا۔'' پردیپ معصومیت بھرے لہجے میں بولا۔

اچانک وہ چونک پڑا اس کے اردگرد سے ڈھول اور باجوں کی آوازیں آنے لگیں تھیں وہ متلاشی نظر سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ آوازیں ان کے قریب بڑھنے لگیں پھر وہ ظاہر ہوگئے وہ پچاس ساٹھ کے قریب ننگ دھڑنگ عورتیں اور مرد تھے لباس سے عاری جسم پر انہوں نے مختلف قسم کے رنگ رنگے ہوئے تھے وہ اب ان دونوں کے اردگرد محو رقص تھے وہ دونوں حیرت سے ان ننگ دھڑنگ افراد کی اچھل کود دیکھ رہے تھے ان پچاس ساٹھ افراد میں سے کچھ افراد نے ڈھول اور باجے اٹھا رکھے تھے جن کے شور سے ان کے کان کے پردے پھٹنے لگے تھے ان میں بیس کے قریب نوجوان اور صحت مند افراد نے ہاتھوں میں بھالے اور تلواریں اٹھا رکھی تھیں اس ہجوم میں کچھ پجاری قسم کے افراد بھی موجود تھے جن کے گلے میں مختلف قسم کی مالائیں ڈلی ہوئی تھیں۔ چند لمحے کے اس تماشے کے بعد انہوں نے ڈھول اور باجے بجانا بند کردیئے اب سب اپنی اپنی جگہ پر خاموش کھڑے تھے۔

ایک پجاری آگے بڑھا اور ان سے مخاطب ہوا۔ ''ہم کالی کے پجاری ہیں تمہیں ہمارے ساتھ مندر جانا ہوگا۔''

''مگر کیوں اور اگر ہم نہ جانا چاہیں تو'' عثمان نے کرخت لہجے میں پوچھا؟

''اس صورت میں ہمیں زبردستی کرنی پڑے گی اور تم دیکھ بھی رہے ہو ہمارے پاس ہتھیار بھی موجود ہیں۔'' پجاری نے جواب دیا، وہ انہیں اپنے نرغے میں لئے آگے بڑھ گئے، کافی دیر پیدل چلنے کے بعد وہ قافلہ ایک سرنگ نما راستے میں داخل ہوا یہاں پہنچ کر پجاریوں نے ٹارچیں روشن کرلیں تھیں دائیں طرف سرنگ کی نیم پختہ دیواروں میں کہیں کہیں سوراخ تھے جن سے ہلکی ہوا اور مدھم روشنی اندر آتی تھی ان کے سامنے سیڑھیوں کا ایک سلسلہ آ گیا یہ سیڑھیاں سرنگ کے پتھریلے فرش کو کھود کر بنائی گئی تھیں وہ آگے بڑھنے لگے انسانی ہاتھوں کی بنائی گئی یہ سرنگ آگے جا کر تنگ ہونے لگی تھی جگہ تنگ ہونے سے انہیں گھٹن محسوس ہورہی تھی پچاس قدم آگے جا کر انہیں ہلکا سا شور سنائی دیا ایسا لگ رہا تھا کہ آپس میں کچھ افراد زور زور سے باتیں کررہے ہیں وہ چلتے ہوئے ایک وسیع و عریض ہال میں داخل ہوگئے یہاں بڑے بڑے ستون تھے جنہوں نے چھت کو سہارا دے رکھا تھا۔ دیواروں پر جابجا دیوی دیوتاؤں کی تصویریں آویزاں تھیں ان کے سامنے ایک ادھیڑ عمر کا شخص آ گیا شکل اور حلیہ سے وہ کوئی پنڈت لگ رہا تھا قریب ہی پانچ کے قریب افراد آپس میں باتیں کررہے تھے ان کے کندھوں سے رائفلیں لٹک رہی تھیں ان کے اندر داخل ہوتے ہی عثمان کے ساتھ آنے والے پجاریوں میں سے ایک پجاری ان کی طرف بڑھا اور ان کی گفتگو میں شامل ہوگیا سب عثمان اور پردیپ کو غور سے دیکھ رہے تھے انہیں یوں دلچسپی سے دیکھا جارہا تھا جیسے قربانی کے جانور کو دیکھا جاتا ہے آپس میں باتیں کرتے ہوئے گاہے بہ گاہے وہ عثمان کی طرف اشارے بھی کرتے تھے عثمان کو بے چینی ہورہی تھی جبکہ پردیپ خوف زدہ نظر آرہا تھا۔

کچھ دیر بعد ان کی گفتگو کا اختتام ہوگیا اب وہ ان دونوں کو لے کر آگے بڑھے یہاں کالی کا ہیبت ناک بت موجود تھا دونوں کو بت کے قدموں میں کچھ دیر بیٹھا کر اشلوک پڑھے گئے پھر ان دونوں کو لے کر راہداری سے گزرتے ہوئے ایک چھوٹے سے کمرے میں آ گئے ان دونوں کو کمرے میں دھکیل کر ہاتھ پشت پر مضبوطی سے باندھے گئے۔ اس کے بعد پاؤں کی باری

www.pdfbooksfree.pk

آئی۔ ”سنو اب تم دونوں آرام سے یہاں پڑے رہو، کل رات کالی کے چرنوں میں تم دونوں کی بلی دی جائے گی۔“

پردیپ خوف سے چیخنے پکارنے لگا پجاری اس کی چیخ وپکار سے بے نیاز کمرے کا دروازہ باہر سے مقفل کر کے چلا گیا۔

”پردیپ خاموش ہو جاؤ ڈرو مت اللہ بہتر کرے گا۔“ عثمان نے بظاہر اسے تسلی دی مگر خود سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے کالی کے پجاریوں کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا اپنا انجام اسے صاف نظر آ رہا تھا۔

رات گہری ہو چکی تھی، پردیپ سو چکا تھا تقریباً رات بارہ بجے دروازے کی طرف بڑھتی قدموں کی چاپ سنائی دی ساتھ ہی ایک مانوس آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ ”ہاں بھئی دکھاؤ تو سہی تم نے بلی کے لئے کون سے بندے پکڑے ہیں۔“ دروازہ کھلا اور دو پجاریوں کے ساتھ آنے والی شخصیت کو دیکھ کر عثمان حیران رہ گیا وہ مہاراج کا دوست راست نارائن تھا۔

نارائن بھی انہیں دیکھ کر خوش ہو گیا۔ ”واہ بھئی واہ! تم لوگوں نے آج ایسا کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ میں تم لوگوں سے خوش ہوں۔ یہ دونوں ہمشکل بھائی مہاراج کو مطلوب ہیں کل رات بلی کے بعد ان کے کٹے ہوئے سر مجھے دینا، میں مہاراج کو تحفے میں دوں گا۔“ نارائن بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ کمرے سے باہر نکل گئے رات دھیرے دھیرے سرک رہی تھی۔

صبح جاگنے کے بعد کچھ دیر تک عثمان بے حس وحرکت پڑا رہا دیوار پر لگے وال کلاک میں صبح کے چھ بجے تھے۔ پردیپ بدستور سو رہا تھا۔ اس نے پیروں کو زور دے کر رسی کو ڈھیلا کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا رسی مضبوطی سے بندھی تھی اس نے گھٹنے اکٹھے کئے اور اٹھ کر بیٹھ گیا دروازہ اس وقت کھلا ہوا تھا شاید ان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہونے کی وجہ سے وہ بے فکری سے جاتے وقت دروازہ کھلا چھوڑ گئے تھے ہر طرف خاموشی کا راج تھا کسی قسم کی آواز سنائی نہ دے رہی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے یہاں کوئی ذی نفس موجود نہ ہو۔ اس نے اپنے بندھے ہاتھوں کو پیروں میں بندھی رسی کی گانٹھ تک پہنچانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا اس کوشش پر اس کی کلائی بری طرح چھل گئی تھی۔ ہاتھوں میں تکلیف سی محسوس ہو رہی تھی وہ تکلیف کے باوجود برابر اپنی کوشش میں لگا رہا۔

بالآخر اس کی انگلیوں نے گانٹھ کو چھو لیا۔ اسنے رسی کو ٹٹول کر گانٹھ کھولنے کی کوشش کی اور آخر کار اپنی کوشش میں اسے کامیابی ہوئی۔ وہ اپنے پیروں کو رسی سے آزاد کرا چکا تھا پاؤں رسی سے آزاد ہوتے ہی وہ اٹھا اور پردیپ کی طرف بڑھا سرگوشی میں چند آوازیں دیں! پردیپ نیند میں کسمسانے لگا مگر اٹھا نہیں آخر تنگ آ کر اس کے قریب بیٹھ کر پاؤں سے اسے جھنجھوڑا، اس بار پردیپ اٹھ بیٹھا۔ ”بولنے کی کوشش مت کرنا۔“ عثمان سرگوشی میں بولا اور اس کی پیٹھ سے اپنی کمر لگا کر اس کے ہاتھوں پر بندھی گانٹھ کھولنے لگا کچھ دیر بعد پردیپ کے ہاتھ آزاد ہو چکے تھے پردیپ نے اپنے پاؤں کھولنے کے بعد عثمان کے بندھے ہوئے ہاتھ کھول دیئے وہ کمرے سے نکل کر راہداری میں پہنچے یہاں کوئی نہیں تھا انہوں نے ادھر ادھر دیکھا اور دبے پاؤں چلتے ہوئے ہال نما کمرے میں آ گئے ہال نما کمرے میں چند پجاری سکڑے سمٹے سو رہے تھے ان کے قریب شراب کی چند بوتلیں خالی پڑی تھیں غالباً کثرت شراب نوشی سے وہ مدہوش ہو چکے تھے وہ دونوں چلتے ہوئے سرنگ میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے سرنگ میں آتے ہی وہاں کا طائرانہ جائزہ لیا وہاں بھی کوئی موجود نہ تھا شاید کالی کے مندر میں موجود تمام افراد شراب کے نشے میں مدہوش پڑے تھے وہ تیزی سے چلتے ہوئے سرنگ سے باہر نکل گئے۔

تقریباً پچاس قدم چلنے کے بعد عثمان نے پلٹ کر دیکھا ان کے تعاقب میں کوئی نہ تھا یعنی کسی کو بھی انکے فرار کا علم نہ تھا جوں جوں وہ مندر سے دور ہوتے گئے ان کے چلنے کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی گئی، یعنی اب

وہ بھاگنے کے سے انداز میں چل رہے تھے کافی دیر چلنے کے بعد وہ جنگل میں داخل ہو چکے تھے وہاں سے باحفاظت نکل جانے پر عثمان نے خدا کا شکر ادا کیا مگر اسی وقت اسکی نگاہوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

ایک سیاہ رنگ کی جیب اچانک ان کے قریب آ کر رک گئی اس میں سے نارائن نکل کر ان کی سمت بڑھا وہ حیران اور پریشان تھے کہ یہ مصیبت دوبارہ کہاں سے نازل ہو گئی نارائن کے ہاتھوں میں رائفل موجود تھی جس کی نال کا رخ ان کی طرف تھا۔

”رات کو ہم لوگوں نے زیادہ پی لی تھی اس لئے تم وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے وہ تو آنکھ کھلتے ہی مجھے تمہارا خیال آیا کمرے میں جھانکا تو تم لوگ غائب تھے میں سمجھ گیا تم فرار ہو چکے ہو اس لئے فوراً ہی اس طرف دوڑ پڑا یہ تو بھگوان کی کرپا ہے کہ تم ہاتھ آ گئے چلو آگے بڑھو۔“ اس نے عثمان کو رائفل کی نال سے دھکا دیا۔

وہ دونوں بھائی جیپ کی طرف بڑھنے لگے نارائن انکے پیچھے رائفل تھامے چل رہا تھا اچانک ایک جگہ ٹھوکر کھانے سے وہ لڑکھڑایا تو عثمان نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بیک کک اس کے رائفل والے ہاتھ پر ماری رائفل اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر گری اس نے رائفل اٹھانے کے لئے جھکنا چاہا تو عثمان نے زوردار لات اس کے جبڑے پر ماری وہ چیختا ہوا ایک طرف گر گیا عثمان وحشیوں کی طرح اس پر پل پڑا۔ اس کی لاتیں گھونسے نارائن کے جسم پر پڑنے لگے چند لمحوں بعد وہ زمین پر پڑا تھا عثمان نے لپک کر اس کی رائفل اٹھا لی۔

”یاد کرو برسوں پہلے تم نے ظالم مہاراج کے سامنے شوشہ چھوڑا تھا کہ اس اماوس کی رات پیدا ہونے والا بچہ اس کے لئے خطرناک ثابت ہوگا اسی شوشے کی وجہ سے اس ظالم نے درجنوں بچوں کو ذبح کروا دیا۔“ عثمان بولا۔

”مم...... مجھے معاف کر دو بھگوان کے لئے مجھے مت مارو۔“ وہ گڑگڑایا عثمان نے رائفل کا رخ اس کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا کئی فائر ہوئے فضا اس کی چیخوں سے گونج اٹھی وہ نارائن کی لاش کو ٹھوکر مار کر پردیپ کا ہاتھ تھامے نارائن کی جیپ کی طرف بڑھا۔

اسی وقت گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی وہ چونک پڑا۔ ”یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے ایک مصیبت سے بمشکل جان چھڑائی تھی اب کون نازل ہو گیا۔“

دیکھتے ہی دیکھتے انہیں درجنوں مسلح گھڑ سواروں نے گھیر لیا گھڑ سواروں کے چہروں پر نقاب موجود تھا۔ سفید رنگ کے گھوڑے پر سوار نقاب پوش ان کے قریب پہنچ گیا پردیپ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں عثمان بھی پریشان نظر آ رہا تھا گھڑ سوار درجنوں کی تعداد میں تھے۔ ”کون ہو تم اور اسے کس نے مارا؟“ سفید گھوڑے پر سوار نقاب پوش نے اس سے پوچھا۔

”میرا نام عثمان ہے اور اسے میں نے مارا ہے۔“

”نقاب پوش گھوڑے سے اترا اور اس کے سینے سے جا لگا شاباش میرے شیر شاباش تمہارے بہت چرچے سنے تھے میں نے، تم نے رنجیت جیسے درندے کا خاتمہ کیا تھا اور اب اس شیطان کو انجام تک پہنچا کر تم نے یہاں کے لوگوں کو اس درندے سے نجات دلائی ہے میں پانڈے ہوں مہاراج کا بہت بڑا مخالف۔“ اور پانڈے نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا وہ گندمی رنگت کا قبول صورت نوجوان تھا کچھ دیر بعد پردیپ اور عثمان پانڈے کے ہمراہ اس کے ٹھکانے پر پہنچے یہ ساٹھ افراد پر مشتمل گروہ تھا جو پہاڑی غاروں میں روپوش تھے۔ وہ چھاپہ ماروں کی طرح کارروائی کرتے تھے جہاں کہیں مہاراج کے کارندے کم تعداد میں دکھائی دیتے وہ حملہ کر دیتے پانڈے اور اس کے تمام ساتھی ہمدرد اور مخلص تھے یہ مہاراج کے مظالم سے تنگ لوگ تھے جنہوں نے مجبور ہو کر ہاتھوں میں ہتھیار اٹھا رکھے تھے۔ سب عثمان سے متاثر نظر آ رہے تھے وہ اس کے احسان مند تھے کہ اس نے انہیں اور ریاست کے لوگوں کو ان ظالموں سے نجات دلائی۔

www.pdfbooksfree.pk

عثمان اور پردیپ ان میں گھل مل گئے انہوں نے قہوہ بنایا جوسب نے ساتھ مل کر پیا، سب ایک جگہ بیٹھے گپ شپ اور ہنسی مذاق کرتے رہے۔

اس طرح خوش گپیوں میں خاصا وقت گزر گیا۔

مغرب کے وقت ایک گھڑسوار تیزی سے گھوڑا دوڑتا ہوا آیا سب اس کی طرف متوجہ ہوگئے، گھوڑے سے اتر کر وہ پانڈے کی طرف بڑھا۔ ''سونو کیا ہوا کیوں اتنا گھبرائے ہوئے ہو؟'' پانڈے نے پوچھا۔

''سردار غضب ہوگیا نارائن کی لاش ملتے ہی مہاراج اچھوتوں سمیت نچلی ذات کے بندوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے ہیں۔ جگہ جگہ قتل ہو رہے ہیں نوجوان عورتوں کو اغوا کیا جارہا ہے گھروں کو آگ لگائی جارہی ہے رنجیت کے بعد نارائن کے قتل نے اس کے حواس چھین لئے ہیں وہ وحشی ہو چکا ہے اب وہ اپنے سیکڑوں مسلح کارندوں کے ہمراہ بستیوں کو تباہ و برباد کرتا ہوا یہاں کا رخ کر رہا ہے۔'' سونو گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

اس کی بات سنتے ہی پانڈے بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا'' ہم صرف پچاس افراد ہیں سینکڑوں تربیت یافتہ سپاہیوں کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے۔ فوراً یہاں سے نکلنے کی تیاری کرو۔ عثمان تم ہم سے راستے میں الگ ہوکر گنیش کی حویلی چلے جانا مہاراج وہاں حملہ کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ تم کوشش کروکہ گنیش اپنی طاقت کو مہاراج کے خلاف استعمال کرکے اسے روکے ورنہ مہاراج ریاست کے نچلے طبقے کے تمام افراد کو صفحہ ہستی سے مٹا دے گا۔ ہم یہاں سے روپوش ہوکر ریاست کے بہادر نوجوانوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنی کوشش میں کامیاب رہے اور گنیش کو تم نے راضی کرلیا تو مہاراج کا خاتمہ یقیناً ہو جائے گا۔''

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ وہاں سے کوچ کر گئے آدھے راستے میں عثمان ان سے الگ ہوکر گنیش کی طرف چل، پڑاؤ کرتے چلتے صبح آٹھ بجے کے قریب وہ حویلی میں تھا۔

صدف اسے دیکھتے ہی خوشی سے پاگل ہوگئی جذبات میں وہ عثمان سے لپٹ کر رونے لگی۔ ''بس کرو صدف مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم مجھ سے اتنی محبت کرتی ہو، پلیز! کچھ خیال کرو سب دیکھ رہے ہیں۔'' عثمان نے احساس دلایا۔

صدف شرمندگی سے عثمان سے الگ ہوگئی۔

گنیش اور اس کی پتنی کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ عثمان کے آنے سے حویلی میں ہل چل مچ چکی تھی عثمان کے کارناموں کی خبر اس سے پہلے یہاں تک پہنچ چکی تھی عثمان نے گنیش کو بتایا کہ مہاراج نے اپنی رعایا پر ظلم و ستم کی انتہا کردی ہے اگر اسے روکا نہیں گیا تو ریاست میں صرف مہاراج اور اس کے کارندے ہوں گے باقی سب انسانوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

گنیش سوچ میں پڑ گیا اب تک وہ اپنے بھائی سے تصادم سے بچتا آیا تھا۔ مگر اب تصادم ناگزیر تھا ایک طرف بھائی تھا تو دوسری طرف ہزاروں انسان اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کرے۔

شام کے وقت پانڈے کا ایک ساتھی تیز رفتار گھوڑے پر وہاں پہنچا اس نے ایسی خبر سنائی کہ گنیش کے اوسان خطا ہوگئے۔ مہاراج سیکڑوں کی تعداد میں بذات خود اپنے سپاہیوں کے ہمراہ گنیش پر حملے کی غرض سے چل پڑا تھا گنیش سر پکڑ کر بیٹھ گیا اس کے مسلح کارندوں کی تعداد 80 کے قریب تھی وہ اس قلیل تعداد میں مہاراج کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ پانڈے کا ساتھی خبر سنا کے جا چکا تھا جبکہ گنیش پریشان بیٹھا تھا۔

اس خبر کو سن کر سب پریشان ہوگئے وہ جانتے تھے کہ مہاراج یہاں آتے ہی قتل عام شروع کردے گا کوئی بھی اس کے انتقام سے بچ نہیں سکتا۔

''میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی ہے۔'' صدف بولی۔

''وہ کیا؟'' گنیش نے پوچھا۔

''یہ حویلی کسی قلعے کی طرح اگرچہ مضبوط نہیں لیکن کافی وسیع و عریض ہے اس میں سیکڑوں افراد آسکتے ہیں یہاں کے تمام لوگوں کو گھروں سے نکال

کر یہاں لایا جائے کچھ افراد کے پاس چھوٹا موٹا اسلحہ بھی ہوگا انہیں اپنے محافظ دستے میں شامل کرلیں چھت پر باؤنڈری وال کی دیوار چار فٹ کے قریب ہے اس لئے چھت پر اچھی خاصی تعداد میں مسلح افراد کی چوکس رہنے کا حکم دیں تاکہ وہ حملہ آوروں کو با آسانی اندر نہ آنے دیں۔'' صدف نے انہیں مسئلے کا بہترین حل بتایا گنیش سمیت وہاں تمام افراد کے چہرے کھل اٹھے۔'' زبردست بھئی واہ زبردست حل تم نے بتایا ہے۔'' گنیش کھل اٹھا۔

''میں نے سنا تھا کہ عورت ناقص عقل ہوتی ہے لیکن تم نے ایسی تدبیر بتائی ہے کہ دل چاہتا ہے تمہیں انعام دیا جائے لیکن اس وقت نہیں۔'' عثمان شوخ لہجے میں بولا۔

''نہیں جی یہ آپ کی غلط فہمی ہے عورت کمزور نہیں اسے کمزور سمجھنے والے احمقوں کی دنیا میں رہتے ہیں عورتیں ہر شعبے میں مردوں کے شانہ بشانہ رہتی ہیں۔'' صدف چہک کر بولی۔

''میری بیٹی بھگوان کی کرپا سے بہت سمجھدار ہے!'' گنیش نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔'' مگر بیٹا یہ حویلی ہمیں پناہ دینے کے لئے مضبوط سہارا نہیں ہوسکتی ہے پہلے ہی حملے میں وہ لوگ حویلی میں داخل ہوجائیں۔'' گنیش نے نکتہ نکالا۔

'' چاچا جی ہمارے پاس نوجوان لاتعداد میں ہیں ،آپ اپنے محافظ دستے کے نوجوانوں کو حویلی سے چند گز کے فاصلے پر گہری خندق کھود دیں گے۔''

صدف کی تجویز سن کر سب کے چہروں پر اطمینان دوڑ گیا علاقے کے تمام لوگوں کو صورتحال سے آگاہ کرکے حویلی میں محفوظ کرلیا گیا گنیش کے حکم پر سیکڑوں کی تعداد میں نوجوان خندق کی کھدائی میں مصروف ہوگئے۔

چند گھنٹوں میں حویلی کے چاروں طرف کافی گہری اور چوڑی خندق کھودی جا چکی تھی اب اسے پھلانگ کر پار کرنا ناممکن تھا۔

چھت پر ماہر نشانہ باز رائفلیں لے کر اچھی خاصی تعداد میں موجود تھے خندق کے اوپر کمزور قسم کی درخت کی لمبی لمبی ٹہنیاں ڈال کر اوپر گھاس پھونس ڈال دی گئی اب پہلی نظر میں کسی کو اس خندق کی موجودگی کا اندازہ نہیں ہوسکتا تھا عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو حویلی کے پچھلے ہال میں ٹھہرایا گیا۔

صبح سویرے ہلچل مچ گئی حویلی کے اطراف میں گھوڑوں کی اور جیپوں کی آوازیں سنائی دیں، ساتھ ہی کئی فائر ہوئے اور نعرے مارنے گئے۔

عثمان چھت پر محافظ دستے کے ہمراہ چوکس کھڑا تھا۔ اس نے تھوڑا سا سر اٹھا کے دیکھا اسے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے، حویلی کے چاروں طرف سر ہی سر نظر آرہے تھے ابھی وہ حویلی سے کچھ فاصلے پر تھے اور حویلی پر حملے کا آغاز نہیں کیا تھا ابھی وہ خندق سے بھی کچھ فاصلے پر حویلی کے گرد گھیرا ڈال رہے تھے پھر حملے کا آغاز کردیا گیا۔ پے در پے مختلف اقسام کی رائفلوں اور بندوقوں سے فائرنگ شروع ہوگئی، فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی چھت پر موجود عثمان اور محافظ دستے کے اراکین نے اب تک جوابی فائر نہیں کیا تھا اس کے پاس گولیاں محدود تھیں اس لئے وہ گولیاں بغیر ہدف کے ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔

مہاراج کے سپاہی فائرنگ کرتے ہوئے تیزی سے اندھا دھند آگے بڑھے ان میں سے کئی سپاہی لاعلمی میں چیختے ہوئے خندق میں جا گرے اسی وقت چھت پر موجود عثمان اور محافظ دستے نے نشانہ لے کر تابڑ توڑ فائرنگ شروع کردی کئی سپاہی چیختے ہوئے ان کی گولیوں کا شکار ہوگئے۔

اب حویلی میں سے بھی نعروں کی گونج شروع ہوچکی تھی صورتحال کو بھانپ کر مہاراج کے سپہ سالار نے اپنے سپاہیوں کو منظم کیا اور ادھر ادھر مورچہ زن ہوگئے اب وہ سنبھل کر حویلی کی طرف بڑھ رہے تھے اور فائرنگ کر رہے تھے۔

مہاراج دور کہیں چھپا غصے سے دھاڑ رہا تھا شاید

www.pdfbooksfree.pk

پہلے حصے میں اپنے سپاہیوں کی ہلاکت نے اس کے غصے میں اضافہ کردیا تھا سپہ سالار نہایت مہارت سے سپاہیوں کی کمان کررہا تھا پھروہ تشویش میں مبتلا ہوگئے مہاراج کے سپاہی خندق پر لمبے لمبے تختے رکھ رہے تھے حویلی کی دیواروں میں فائرنگ میں شدت آگئی تھی اب عثمان اور محافظ دستے کے لئے فائرنگ کرنا ناممکن تھا گولیاں ان کے سروں کے اوپر سے گزر رہی تھیں محافظ دستے کے کچھ نوجوانوں نے اٹھ کر فائر کرنے کی کوشش لیکن سروں میں گولیاں کھا کر وہیں ڈھیر ہوگئے ان کا حشر دیکھ کر دوسروں کا حوصلہ جواب دے گیا مہاراج کے سپاہی اس شدید فائرنگ کی آڑ میں آرام سے خندق پار کررہے تھے۔

اچانک پہ در پے چار پانچ دھماکے ہوئے حویلی کے سامنے والی دیوار زمین بوس ہوگئی۔ وہ دستی بم تھے جو مہاراج کے سپاہیوں نے سامنے کی دیوار پر پھینک تھے دھماکوں کی آواز اور شدت نے حویلی میں موجود عورتوں اور بچوں کو خوف زدہ کردیا تھا وہ چیخنے چلانے اور رونے لگے۔

صورتحال بہت گھمبیر ہوچکی تھی سینکڑوں معصوم لوگوں کی زندگی خطرے میں تھی ان میں بوڑھے بھی تھے نوجوان بھی تھے عورتیں اور بچے بھی تھے پھر چشم فلک نے حیرت انگیز منظر دیکھا ماضی کی راجکماری گیتا جواب صدف تھی مارشل آرٹ کے ماہر کامران کی تربیت یافتہ ہاتھوں میں رائفل تھامے پچاس کے قریب نوجوانوں کے ہمراہ کرالنگ کرتی ہوئی حویلی سے باہر آئی صدف نے چہرے اور سر پر سفید رنگ کا رومال باندھا ہوا تھا گویا وہ سر پر کفن باندھ کر میدان جنگ میں آتر آئی تھی صدف اور اس کے ساتھی سپہ سالار کے سپاہیوں پر قہر بن کر ٹوٹ پڑے۔ ان کی گولیاں خندق پار کرکے آنے والے دشمنوں کے جسم میں چھید کررہی تھیں بارود کی بو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی چاروں طرف لاشیں ہی لاشیں تھیں۔

صدف کے ساتھ باہر نکل کر لڑنے والے جوانوں میں سے کچھ نوجوان مہاراج کی سپاہیوں کی گولیوں کا شکار ہوچکے تھے حویلی میں صدف کی بہادری سے اندر موجود بقایا نوجوانوں کو غیرت آگئی سینکڑوں کی تعداد میں نوجوان ہاتھوں میں تلواریں خنجر، کلہاڑیاں لاٹھیاں اور بعض رائفلیں اٹھا کر حویلی سے باہر آگئے اب دونوں طرف سے دست بدست لڑائی شروع ہوچکی تھی باہر موجود سیکڑوں جوان صدف کی قیادت میں لڑرہے تھے ہر طرف لاشیں اور زخمیوں کی چیخ پکار تھی۔

صدف کی طرف سے مزاحمت کی وجہ سے مہاراج کے سپاہیوں کی توجہ عثمان وغیرہ کی طرف سے ہٹ چکی تھی اب چھت پر موجود عثمان اور محافظ دستے کے نوجوان تاک تاک کر مہاراج کے سپاہیوں پر گولیاں برسا رہے تھے حویلی کے اندر گنیش بچوں اور عورتوں کو حوصلہ دے رہا تھا تمام مرد حویلی سے باہر مہاراج کے سپاہیوں سے لڑرہے تھے گنیش کے چہرے پر اب بھی پریشانی کے آثار تھے انہیں معلوم تھا ان کے نوجوان کے پاس اسلحہ اور گولیاں کم ہیں اس اسلحہ سے کافی دیر تک مہاراج کا مقابلہ ناممکن تھا بالآخر انہیں پسپا ہونا پڑتا پھر یہاں کوئی زندہ نہیں بچتا مہاراج کے سپاہی مہاراج کے حکم پر سب کا خاتمہ کردیتے۔

لڑائی شروع ہوئے تقریباً آٹھ گھنٹے ہوچکے تھے صدف اور اس کے ساتھ لڑنے والے اب پسپا ہوکر دوبارہ حویلی میں داخل ہوچکے تھے ان کے کافی ساتھی مارے جاچکے تھے بہت سے شدید زخمی تھے جن کی چیخ وپکار سے حویلی کے در و دیوار لرز رہے تھے اب ان کے لئے خطرہ بڑھ چکا تھا مہاراج کے سپاہی کرالنگ کرتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے حویلی میں موجود افراد اپنی بقاء کی آخری جنگ لڑرہے تھے صدف اور دوسرے جوان حویلی میں داخل ہونے کی کوشش کرنے والے سپاہیوں پر نشانے لگا کر فائر کررہے تھے چھت کے اوپر سے عثمان اور محافظ فورس کے جوان مزاحمت کررہے تھے ان کی گولیاں ختم ہوتی جارہی تھیں۔

مہاراج کے سپہ سالار کی ہدایت پر حویلی میں ہینڈ گرنیڈ پھینکے گئے فضا خوفناک دھماکوں اور انسانی چیخوں سے گونج اٹھی احاطے میں موجود بہت سے جوان ان دھماکوں کی نظر ہوگئے گنیش کا چہرہ خوف سے زرد

www.pdfbooksfree.pk

پڑچکا تھا۔ اب کوئی معجزہ ہی انہیں شکست اور موت سے بچا سکتا تھا۔

صدف نے رائفل ایک طرف رکھی اور دعا کے لئے ہاتھ کھڑے کردیئے ”یااللہ کثیر کے مقابلے میں قلیل جماعت کو فتح دلانے والے رب ہماری مدد فرما کوئی معجزہ دکھادے میرے اللہ۔“ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوچکی تھیں اور پھر معجزہ ہوگیا۔

مہاراج کی سپاہیوں میں بھگدڑ مچ گئی ان پر عقب سے سیکڑوں کی تعداد میں لوگ حملہ آور ہوگئے یہ پانڈے اور اس کے ساتھی تھے ان میں پردیپ بھی شامل تھا ان کے ساتھ ریاست کے نچلے درجے کے سینکڑوں جوان تھے جو مہاراج کے حد سے بڑھتے ہوئے ظلم سے تنگ آکر پانڈے کے ساتھ مہاراج کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے باہر سے مدد آتی دیکھ کر حویلی میں موجود جوانوں کا حوصلہ بڑھ گیا وہ سب حویلی سے باہر آکر جنگ میں شریک ہوگئے۔

عثمان بھی چھت سے اتر کر لڑنے والون میں شامل ہوچکا تھا مہاراج کے سپاہی عقب سے ہونے والے سے بوکھلا چکے تھے حویلی سے نکلنے والے جوان جب ان پر حملہ آور ہوئے تو وہ مزید بوکھلاہٹ کا شکار ہوچکے تھے وہ چکی کے دو پاٹوں میں پس چکے تھے چاروں طرف لاشوں کے ڈھیر لگ رہے تھے۔

صدف ماہر شمشیر زنوں کی طرح نہایت مہارت اور بے جگری سے لڑرہی تھی اس کی تلوار سامنے آنے والے سپاہیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہی تھی اور تو اور پردیپ بھی بڑھ چڑھ کر اس جنگ میں حصہ لے رہا تھا۔ دونوں ہمشکل بھائی الگ الگ لڑرہے تھے لیکن دیکھنے والے الجھن میں مبتلا ہوجاتے تھے عثمان اور صدف اس جنگ کے ہیرو یا مرکزی کردار تھے اس وقت میدان جنگ میں تمام لوگ ان ہی کی زیر نگرانی جنگ کررہے تھے صدف نے ایک نئی تاریخ رقم کی تھی اور یہ ثابت کردیا تھا کہ عورت کمزور نہیں وہ چاہے تو پہاڑوں کو ہلادے، صدف اس وقت چہرے پر نقاب باندھے نوجوان لڑکا دکھائی دے رہی تھی جو اس کی تلوار کی زد میں آتا گاجر مولی کی طرح کٹ کر نیچے گرجاتا۔

مہاراج کے سپاہیوں کا خاتمہ ہوتا جارہا تھا کچھ ہی گھنٹوں میں اس جنگ کا فیصلہ ہوگیا۔ مہاراج کے سپاہیوں کی بڑی تعداد ماری جاچکی تھی کچھ سپاہی بچے تھے جو افراتفری میں ادھر ادھر بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کررہے تھے ان بھاگنے والوں میں مہاراج، سپہ سالار گووند بھی چند سپاہیوں کے ساتھ وہاں سے بھاگنے لگے۔

اچانک پانڈے کی نظر ان پر پڑی۔ ”مہاراج بھاگ رہا ہے پکڑو اسے۔“ وہ چلایا اور چند ساتھیوں کے ہمراہ اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔

عثمان اور صدف نے بھی یہ منظر دیکھا قریب ہی ایک جیپ کھڑی تھی خوش قسمتی سے چابی اگنیشن میں لگی تھی صدف نے تیز رفتاری سے جیپ ان کے پیچھے دوڑا دی۔

مہاراج کی جیپ گووند پاگلوں کی طرح چلا رہا تھا کچھ دیر بعد مہاراج کی جیپ جھٹکا کھا کر رک گئی مہاراج اور اس کے ساتھی قریب موجود گھر میں بھاگتے ہوئے گھس گئے اس اثنا میں پانڈے اپنے نصف درجن ساتھیوں کے ہمراہ وہاں پہنچ گیا۔ انہوں نے اس گھر کو گھیرے میں لے لیا جس میں مہاراج اور اس کے ساتھی روپوش تھے۔

صدف اور عثمان بھی پہنچ چکے تھے۔ ”اب کیا کریں؟“ پانڈے نے پوچھا۔

”تم لوگ سامنے پوزیشن لے کر کھڑے ہوجاؤ میں عقبی سمت سے اندر جاتا ہوں۔“

”میں بھی چلوں گی۔“ صدف فیصلہ کن لہجے میں بولی اور عثمان نے اثبات میں سر ہلادیا۔

وہ دونوں عقبی سمت کی دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہوئے چاروں طرف سکوت چھایا ہوا تھا اسی وقت گھر کے سامنے والے حصے سے فائرنگ کی آواز سنائی دی شاید پانڈے اور اس کے ساتھیوں نے اندر داخل ہونے کی کوشش کی تھی مزاحمت میں مہاراج کے

لوگوں نے ان پر فائرنگ کی تھی وہ دونوں ہاتھوں میں رائفلیں تھامے چوکنے انداز میں دروازہ کھول کر جیسے ہی اندر داخل ہوئے ایک سمت سے ان پر پے در پے دو فائر ہوئے دونوں نیچے گر گئے صدف نے گرتے گرتے اس سمت گولی چلادی جہاں سے ان پر فائرنگ کی گئی تھی۔

جواب میں کرب میں ڈوبی انسانی چیخ سنائی دی عثمان نے سر اٹھا کر دیکھا ان سے کچھ فاصلے پر ایک سپاہی فرش پر بے حس وحرکت پڑا تھا اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا وہ دائیں سمت والے کمرے کے دروازے کے پاس سے گزرے ہی تھے کہ اک دم کمرے کا دروازہ کھلا اور عثمان کے سر سے رائفل کی نال آ لگی اس نے مڑ کر دیکھا تو دروازے میں گووند کھڑا تھا جس کی رائفل کی نال اس کے سر سے لگی تھی جب کہ اس کے دراز قد ساتھی نے رائفل کی نال صدف کی پشت سے لگا رکھی تھی ”مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ، تم لوگوں کی وجہ سے مہاراج کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔“ گووند سفاک لہجے میں بولا۔

صدف نے سمر سالٹ قلابازی کھائی اور دراز قد کے سر سے ہوتی ہوئی اس کی پشت پر پہنچ گئی گووند نے گھبرا کر فائر کردیا عثمان پھرتی سے گرا رائفل کی گولی دراز قد کے سینے میں لگی اس سے پہلے کہ گووند رائفل کا رخ صدف یا عثمان کی طرف کرتا صدف نے برسٹ چلادیا تڑتڑاہٹ کی آواز کے ساتھ گولیاں گووند کے سینے میں پیوست ہوگئیں وہ چیختا ہوا گرا اور جہنم رسید ہوگیا۔

عثمان اور صدف آگے بڑھے، مہاراج دروازے کی طرف پانڈے اور اس کے ساتھیوں پر فائر کررہا تھا آہٹ سن کر مڑا اور عثمان پر فائر کرنا چاہا جبکہ پانڈے کی رائفل سے گولی نکلی اور مہاراج کی پشت میں پیوست ہوگئی وہ لہرایا، عثمان نے اس کے دل کا نشانہ لے کر گولی چلادی۔ ریاست کا ظالم ترین انسان لاوارثوں کی طرح بے حس وحرکت نیچے پڑا تھا، ظلم کا خاتمہ ہوچکا تھا۔

مہاراج کی ریاست کی گدی پر گنیش جی بیٹھے، پانڈے ان کا دست راست بنا عثمان نے کسی قسم کا عہدہ لینے سے انکار کردیا اس کا کہنا تھا کہ وہ مہمان ہے آج نہیں تو کل چلا جائے گا۔

عثمان اور صدف کی شادی دھوم دھام سے ہوئی کچھ روز حویلی میں مہمان رہے۔ گنیش جی سے جانے کی اجازت چاہی مگر گنیش جی اور ریاست کے لوگوں نے اسے وہاں سے جانے کی اجازت نہ دی۔

ایک روز صدف اور عثمان اپنے بستر پر سوئے تھے کہ عثمان کو کسی نے جھنجھوڑ کر اٹھایا، وہ اٹھا سامنے وہی خوابوں والی روح کھڑی تھی جس کی وجہ سے وہ آج یہاں تھا۔ ”ماں تم آ گئی، میں نے سب کو ان کے انجام تک پہنچادیا ہے۔“ عثمان بے اختیار بولا۔

وہ مسکرائی۔ ”ہاں تم نے اپنا حق ادا کردیا ہے، اب پردیپ یہیں رہے گا تم ان لوگوں میں جاؤ گے جنہوں نے تمہاری پرورش کی تھی، تم پر ان کا حق ہے، یہ تمہاری تقدیر ہے، میرے پیچھے آؤ، اسے بھی اٹھاؤ، اب تم دونوں میرے زیر اثر چلتے رہو گے کوئی تمہیں نہیں دیکھے گا۔“ روح بولی۔

صدف بھی اٹھ چکی تھی وہ دونوں روح کے سحر کے اثر اس کے ساتھ چلتے ہوئے مندر میں جا پہنچے سرنگ کا راستہ کھلا تھا وہ سرنگ میں چلتے رہے آخر دوسرے دہانے پر جا نکلے مندر کے باہر وہی بڑی جیپ کھڑی تھی شاید یہ اتفاق تھا وہ سحر زدہ سے اس میں بیٹھے۔

جیپ خود بخود چل پڑی کافی دیر بعد بلکہ کئی گھنٹوں بعد عثمان کو ہوش آیا۔ تو وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ جیپ ان کے گھر کے دروازے پر تھی اس کے پہلو میں صدف موجود تھی اور گیٹ پر اس کی پرورش کرنے والے والدین ایڈووکیٹ زبیر احمد والدہ بلقیس بانو حیرت اور خوشی سے اسے اور صدف کو دیکھ رہے تھے دونوں جیپ سے نیچے اترے تو زبیر احمد اور والدہ بلقیس بانو نے آگے بڑھ کر دونوں کو گلے لگالیا۔

www.pdfbooksfree.pk